Pakistanipoint
Learning Point

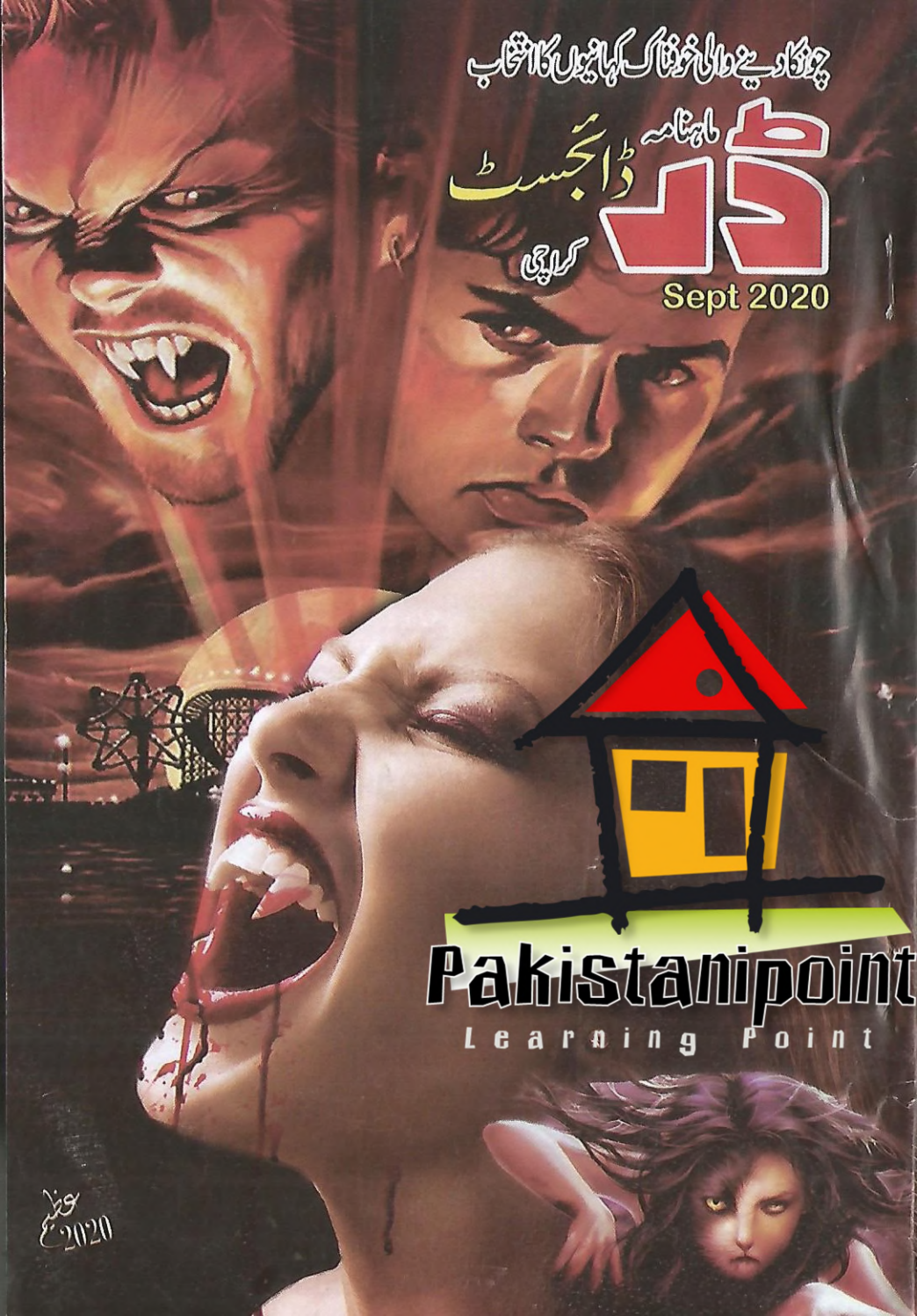

ضرغام محمود

عزازیل 16

خوف و ہراس کی دنیا میں..... تہلکہ مچاتی ہر دل عزیز رائٹر..... کی شاہکار کہانی

عامر شہزاد

اماوس کی رات 55

ایک آسیبی..... مخلوق کا جہد روانہ سلوک جو کہ ایک لڑکی کی..... مدد..... کرتا تھا

مریم فاطمہ

حقیقی کھیل 65

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی عجیب و غریب وحشت ناک کہانی

صائمہ شاہد

موٹر سائیکل 91

جسم و جاں پر..... ہیبت طاری کرتی..... ایک جن کی دل دہلاتی تحیر انگیز..... کہانی

محمد رضوان قیوم

پیشین گوئی 101

حقیقت کو جھٹلانے والے خود کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی دردسر ہوتے ہیں

ایس امتیاز

آخری مرحلہ 49

ایک خود غرض اور مطلب پرست شخص کی دل دہلاتی خوفناک بھوتیکاں شاہکار کہانی

طاہر اشتیاق

بیٹی 59

نفسانی خواہشات کے لوگ کیا واقعی نشان عبرت بن جاتے ہیں، ثبوت کہانی میں ہے

راشد نذیر طاہر

جہنمی دروازہ 72

رات کے اندھیرے میں جسم لینے والی داستان جو کہ پڑھنے والوں پر لرزہ طاری کر دے گی

عجب گل اداسی

لالچی انسان 94

ایک مطلب پرست..... اور خود غرض شخص کی داستان حیرت..... پڑھ کر..... دیکھیں

آس یراعہ

روح کا انتقام 107

ایک روح کی دیدہ دلیری..... جب اس نے اپنا انتقام پورا کیا تو لوگ..... دہل کر رہ گئے

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس تالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

PakistaniPoint www.pakistanipoint.com

رضوان علی سومرو

شیطانی رقص 114

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے اندھیرے میں جنم لینے والی...... خوفناک وخونی کہانی

شہزاد خان

گورکن 145

جسم وجاں کے رونگٹے کھڑے کرتی خوف و ہراس کے لبادے میں ...... لپٹی ...... کہانی

خلیل جبار

سانپوں کا مسکن 148

موذی کی زبردست پھنکار سنتے ہی گھر والے ہلکان ہوگئے ...... ڈراؤنی کہانی

ثریا کنول

پرانی حویلی 153

مذاق مذاق میں خون کی ہولی کھیلتے ایک نوجوان کی دردناک...... آسیبی ...... کہانی

مظہر الحق علوی

موت کی سرگوشی 160

ایک ایسے...... شخص کی داستان حیرت جو مرنے کے بعد تابوت ...... سے نکل آیا تھا

سارہ عمر

ایک رات کی بات 183

خوف و ہراس ...... کے سمندر میں غوطہ زن اپنی نوعیت کی ڈراؤنی...... خوفناک...... کہانی

ثناء اے شیخ

گیارہویں کوئل 192

دل دہلاتی رگوں میں خون منجمد کرتی اندھیری داستان مسلسل کا ...... پراسرار باب

گھوسٹ رائٹر

تپاشی 219

"ایک رائٹر کی داستان...... حیرت جو کہ اپنی مثال آپ ہے...... پڑھ کر ...... دیکھیں

ادارہ

قوس قزح 228

قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں......

عثمان غنی خان

جلتے گلاب 232

ایک اچھوتی انوکھی دلنواز، فرحت بخشتی دل دماغ کو گدگداتی ...... شاہکار کہانی

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

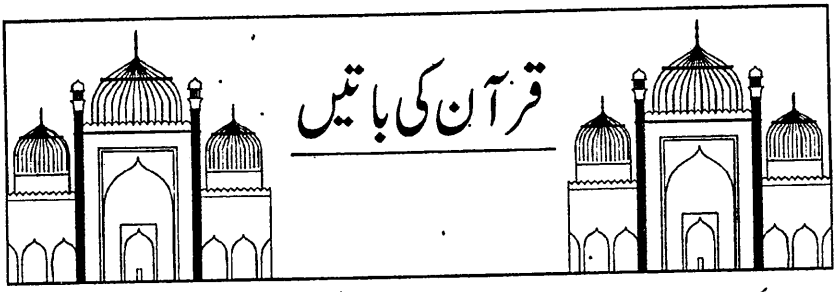

☆ مائیں اپنے بچوں کو پورے دوسال دودھ پلائیں یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہوگا۔ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی، تو یاد رکھو نہ تو ماں کو اس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے اور نہ باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اور اسی طرح نان نفقہ بچے کے وارث کے ذمے ہے اور اگر دونوں یعنی ماں باپ آپس کی رضامندی اور صلاح سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ تم دودھ پلانے والیوں کو دستور کے مطابق ان کا حق جو تم نے دینا کیا تھا دیدو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس کو دیکھ رہا ہے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 233)

☆ اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا ایسا نہیں ہے، جس کا رزق اللہ کے ذمے نہ ہو۔ وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی یہ سب کچھ کتاب روشن میں لکھا ہوا ہے۔ (سورۃ ھود 11 آیت 6)

☆ وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اس سے درخت بھی شاداب ہوتے ہیں، جن میں تم اپنے چارپایوں کو چراتے ہو اسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور بے شمار درخت اگاتا ہے اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے غور کرنے والوں کے لئے اس میں قدرت اللہ کی بڑی نشانی ہے۔ (سورۃ نحل 16 آیت 10 سے 11)

☆ اور جب میراث کی تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار اور یتیم اور محتاج آجائیں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دیا کرو۔ اور شیریں کلامی سے پیش آیا کرو۔ (سورۃ نساء 4 آیت 8)

☆ (اے پیغمبرؐ) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ اللہ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات فیصل کرو اور دیکھو دغابازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا۔ (سورۃ نساء 4 آیت 105)

☆ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس دین کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔ (سورۃ توبہ 9 آیت 33)

☆ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی خریدی تو نہ تو ان کی تجارت ہی نے کچھ نفع دیا اور نہ وہ

ہدایت یاب ہوئے۔(سورۃ بقرہ 2 آیت 16)

☆ جن لوگوں نے اپنے دین میں بہت سے رستے نکالے اور کئی کئی فرقے ہو گئے ان سے تم کو کچھ کام نہیں۔ان کا کام اللہ کے حوالے پھر جو جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو سب بتائے گا۔(سورۃ انعام 6 آیت 159)

☆ اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ ان کا مددگار ہے۔ وہ وقت تم کو یاد ہو گا جب ان کو کافروں نے گھر سے نکال دیا اس وقت دو ہی شخص تھے جن میں ایک ابوبکرؓ تھے دوسرے خود رسولؐ اللہ جب وہ دونوں غار ثور میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔(سورۃ توبہ 9 آیت 40)

☆ (اے محمد) کیا ہم نے تمہاری سینہ کھول نہیں دیا؟ بے شک کھول دیا اور تم پر سے بوجھ بھی اتار دیا جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی اور تمہارا ذکر بلند کیا ہاں ہاں مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔اور بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔تو جب فارغ ہوا کرو تو عبادت میں محنت کیا کرو اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جایا کرو۔(سورۃ انشراح 94 آیت 1 سے 8)

☆ جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بو نہیں کریں گا اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلے گا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے سراسر لذت ہے اور شہد مصفا کی نہریں ہیں جو حلاوت ہے اور وہاں ان کے لئے ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے۔(سورۃ محمد 47 آیت 15)

☆ اور بھلائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔تو سخت کلامی کا ایسے طریقے سے جواب دو جو بہت اچھا ہو۔ایسا کرنے سے تم دیکھو گے جس میں اور تم میں دشمنی تھی وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے اور یہ بات ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں۔(سورۃ حم سجدہ 41 آیت 34 سے 35)

☆ جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پھر جو عہد کو توڑے تو عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے۔اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا۔(سورۃ فتح 48 آیت 10)

☆ اگر تم خیرات ظاہر دو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر پوشیدہ اور دو بھی اہل حاجت کو تو وہ خوب تر ہے اور اس طرح کا دینا تمہارے گناہوں کو بھی دور کر دے گا اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 271)

☆ میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے۔(سورۃ طٰہٰ 20 آیت 114)

(کتاب کا نام ''قرآن مجید کے روشن موتی'' بشکریہ شمع بک ایجنسی کراچی)

خطوط

رابعہ آفرین لاہور سے، السلام علیکم! کیسے ہیں آپ سب؟ سوری، جولائی کا شمارہ پڑھتے پڑھتے پتا ہی نہیں چلا کہ ایک ماہ کب ختم ہو گیا اور تبصرہ نہ بھیج سکی۔ چلیں خیر، اوور آل، جولائی کا تمام شمارہ ہی لاجواب تھا۔ اس وقت اگست کا شمارہ زیر مطالعہ ہے تو اس پر تبصرہ کرنا ہی بہتر رہے گا۔ سب سے پہلے قوس وقزح پڑھیں۔ ویسے سچی بات ہے، سب سے پہلے میں ہمیشہ پڑھتی ہوں، اشعار اور غزلیں، اشعار میں زیادہ تر لوگ ٹوٹے دل کے ٹکڑے لئے بیٹھے تھے۔ جناب ہوش کیجئے۔ مانا کہ غم جاناں بہت جان سوز ہے لیکن اور بھی غم ہیں قدرت کے کارخانے میں پنہاں ہے؟ کبھی غور سے دیکھیے گا خود کو آئینے میں مسکرا کے سچے دل سے یقین جانیے، آپ سے خوبصورت اور کوئی ہم انسان اس دنیا میں کوئی نہ ہوگا، خوبصورتی کی بنیاد رنگت نہیں دل ہونا چاہئے ہمیشہ..... ہے کہ نہیں؟ ویل ویل ویل، اس کے بعد ترتیب وار کہانیاں پڑھنے کے لئے اسٹارٹ لیا تو سب سے پہلے بے چین روح ملی۔ سومرو صاحب، بہت خوب لکھا آپ نے اور انتہائی خوبصورتی سے کہانی کو قناعت جیسے خاص الخاص موضوع کا روپ دیا۔ ویسے اک بات کہوں اگر برا نہ لگے؟ مانا کہ کہانی میں رومینس ہونا چاہئے مگر پلیز ہاتھ ذرا ''ہولا'' رکھیں۔ ہماری نوجوان نسل کا خون پہلے ہی بہت گرم ہے۔ سمجھ تو گئے ہونگے۔ آپ لوگ، امید ہے کہ غور فرمائیں گے۔ ''خوفناک منظر'' عنیزہ صاحبہ آپ کو مبارک، ویسے آپ کا نام میرے لئے نیا ہے لیکن افسانہ حقیقت پر مبنی معلوم ہوا۔ واقعی کبھی کبھی دوستوں کے چھوٹے چھوٹے مذاق بھی ہماری زندگی میں ناقابل فراموش تبدیلی کا باعث بن جاتے ہیں۔ ''نفسیاتی'' احسان الحق سر موضوع اچھا تھا لیکن ادھورا لگا۔ کم از کم تھوڑا تو اور ہوتا۔ آئی مین یہ کیا؟ بس یہ ظاہر کیا کہ اک تفتیشی آفیسر ہی سیریل کلر ہے۔ یا پھر شاید میں آپ کا نقطہ نظر نہیں سمجھ پائی۔ سمجھا دیں تو بہتر ہوگا میرے لئے۔ ورنہ مجھے یہ اسٹوری تنگ کرتی رہے گی۔ ''پراسرار آوازیں'' مریم فاطمہ، ویلڈن! کافی اچھی کوشش تھی۔ بالکل بہترین! جو رڈن جیسے نفسیاتی مرض کے حامل لوگ سب سے زیادہ خود کے دشمن ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اوروں کی زندگی سے بھی کھیلنے میں دریغ نہیں کرتے۔ ان لوگوں کو یا تو اسپتال میں رکھنا چاہیے یا جیل کی سلاخوں میں قید تاکہ باقی انسانیت ان کے پاگل پن سے بچی رہے۔ باقی شمارہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ سو معذرت۔ میری اک کہانی ''زندگی کی وجہ'' پیش خدمت ہے۔ دیکھ لیجئے اک نظر اور ہاں میں لاہور کی رہائشی ہوں۔ نیا اسلامی سال سب کو مبارک ہو۔ خدا کرے یہ سال ہم پر برکت لے کر آئے۔ آمین۔

☆☆ رابعہ صاحبہ: بہت خوب کم لکھا مگر زیادہ لگا، آپ کی کہانی موصول ہو چکی ہے اگلے شمارے میں ضرور شامل اشاعت ہوگی، مگر آئندہ ہارر لکھا کریں۔ آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔ Thanks۔

کائنات رشک تنویر لاہور سے، السلام علیکم! ڈر کے تمام اسٹاف، قارئین اور رائٹرز امید ہے کہ آپ سب ٹھیک ہی ہوں گے خدا آپ سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ (آمین) ڈرڈائجسٹ میں شائع ہونے والی تمام کہانیاں بے حد خوفناک ہوتی ہیں۔ امید ہے کہ میری کہانی ''ڈر سے چھٹکارا'' میں جو ڈر میں نے واضح کیا ہے اک حقیقت ہے میں جب بھی کہانی لکھتی ہوں تو ضرور کچھ نہ کچھ ہوتا ہے جیسے کبھی اچانک آندھی، طوفان کا آنا اور کبھی لائٹ کا چلے جانا، دیواروں سے سائے نظر آنا، عجیب سی آوازوں کا آنا اور زمین پر سرسراہٹ ہونا کہ ڈر سے میری حالت خراب ہو جاتی ہے اور محترم ایڈیٹر صاحب مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے میں بھول گئی تھی کہ اسٹوری لکھتے وقت Pages کی Back سائیڈ پر نہیں لکھتے Please مہربانی فرما کر آپ کہانی کو Pages کی Back Side سے بھی Read Out کر لیجئے گا ورنہ میری ایک سال اور پانچ ماہ کی محنت ضائع ہو جائے گی اور غزل اور اشعار لکھنے والوں کو بھی یہی کہوں گی کہ ہر لکھنے والے کو اپنے قلم پر مان ہوگا اور ہونا بھی چاہئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ خدا بزرگ و برتر کا شکر گزار بھی ہونا چاہئے۔ میں اپنی کہانی ''ڈر سے چھٹکارا'' کے علاوہ اپنی ایک غزل اور شعر بھی Send کر رہی ہوں، امید کرتی ہوں کہ یہ سب آئندہ ماہ کے شمارے میں لازماً شائع ہوگا اور مجھے خوشی ہوگی کہ ڈر نے اپنے باقی رائٹرز کی طرح عزت بخشی کہ میں غزلوں کے ساتھ، ساتھ اپنے اشعار اور کہانی بھی لکھ کر Send کر سکوں اور یہی امید کرتی ہوں کہ آپ اور تمام قارئین بھی میری کہانی پڑھ کر حوصلہ افزائی کریں گے اور آخر میں سب کو میرا سلام اور خدا حافظ۔

☆☆ کائنات رشک صاحبہ: کہانی ذرا بڑی ہے خیرا سے شائع کر دیا جائے گا، مگر Please آئندہ خیال رکھئے گا، کیونکہ بڑی کہانیاں لائن میں لگ جاتی ہیں، آئندہ ماہ بھی اپنی رائے دینا نہ بھولئے گا۔ شکریہ۔

محمد اسحاق انجم کنگن پور سے، السلام علیکم! امید ہے آپ سب خیریت سے ہوں گے! اس وقت پوری دنیا ایک نئے امتحان سے گزر رہی ہے! اللہ تعالیٰ سب کو اس وبا سے بچائے ہماری دعا ہے، کچھ دوستوں کے فون آئے کہ کافی عرصہ سے میں کسی رسائل ڈائجسٹ میں نظر نہیں آ رہا، رفیق سفر زندگی کی وفات کو ایک سال ہونے کو آ گیا ان کے جانے کے بعد ان کے خلا کو پورا کرنا بہت مشکل سا ہوگا..... حسن صاحب، ایم ریاض قیصر صاحب، عبدالجبار رومی صاحب تمام رسائل سے رابطہ میں ہوں۔ جیسے ہی حالات سے وقت ملتا ہے۔ حاضری ہوتی رہتی ہے۔ ''ڈرڈائجسٹ'' اور بچوں کا میگزین وقت پر مل رہے ہیں، شمارہ اپریل بھی بروقت مل گیا اور پھر حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ ہر انسان گھر کے اندر قید ہو کر رہ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ (آمین) شمارہ اپریل 2020ء میں بینڈڈ، آخری نشانی، پراسرار چوکی، روح کی چیخ، آخری رسومات، جلتے گلاب، ایک شرط ابھی تک یہ تحریریں پڑھ۔ کا بہت خوب ہیں باقی تحریریں بھی اچھی ہی ہوں گی۔ خوبصورت سرورق کے ساتھ شمارہ اپریل اچھا لگا یہ سب جناب خالد صاحب، آصف صاحب، شاہد علی اور محمد ذیشان صاحب کی محنت کا ثبوت ہے۔ آپ سب کی دعاؤں کا طلب گار۔

☆☆ اسحاق صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے بہت بہت شکریہ، آئندہ آپ خط، اشعار اور غزلیں ضرور ارسال کیا کریں، کیونکہ آپ کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔ شکریہ۔

اسحار بن ناصر کراچی سے، جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی برکت سے آپ سب عملہ ڈرا اور تمام قارئین بمعہ اہل خیریت اور حفاظت سے ہوں گے۔ جولائی کا ڈرا بتدائی تاریخوں میں مل گیا۔ سرورق مجھے پرانے صدیوں کے زمانے میں لے گیا۔ قرآن کی باتیں ماشاء اللہ رہنما اور حاوی رہیں۔ تمام کہانیاں ابھی نہیں پڑھیں مگر سب اچھے لکھاریوں کی ہیں۔ انشاء اللہ خوب تر ہوں گی۔ جلتے گلاب (عثمان غنی) بہترین! لگتا ہے کہ آخری قسط ہوگی اب! بس اب دنیا کی قریبی زندگی سے بالکل ہی اعتبار اٹھ گیا ہے۔ جبکہ میری نانی صاحبہ مرحومہ کی رحلت ہوئی ہے۔ میری ڈر کے توسط سے تمام قارئین سے گزارش ہے کہ اس وبا اور تمام بیماریوں میں اسباب سے زیادہ ''مسبب اسباب'' کی طرف نظر رکھیں! جناب ایڈیٹر صاحب جولائی کے شمارے میں خط شائع ہو گیا مگر کہانی اور قوس قزح شائع نہ ہوا، امید ہے نوازش فرمائیں گے۔ اچھا اب فی امان اللہ۔

☆☆ اسحار صاحب: آپ کی ساری باتیں حقیقت پر مبنی ہیں، اچھا وہ انسان ہے جو دوسروں کا خیال کرے اور پھر اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔ کہانی دوسری ارسال کریں۔ امید ہے شکریہ کا موقع دیں گے۔

شرف الدین جیلانی ٹنڈو الہ یار سے، ڈرڈائجسٹ کے ہر دل عزیز رائٹر راشد نذیر طاہر کے والد صاحب، اسحار بن ناصر کی نانی صاحبہ کی وفات پر دلی صدمہ ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔ ہم راشد نذیر، اسحار بن ناصر کے غم میں شامل ہیں۔ ہم اپنی دعا میں یاد رکھیں گے، ڈرڈائجسٹ کی دنیا میں عثمان غنی صاحب ریلس میں نمبر ون جا رہے ہیں۔ ڈر کے پرانے رائٹر اچھی کہانی پیش کر رہے ہیں، نئے لکھنے والے بھی خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں۔ آپ سب کی اور قارئین کی دعا سے اچھی دوائیں اچھی خوراک سے زندگی کی طرف لوٹ چکا ہوں، میں نے موت آنکھوں سے قریب دیکھی ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین ہے جب تک دانہ پانی دنیا میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی امان میں ہے۔ آپ سب کا بہت بہت شکریہ۔

☆☆ شرف الدین صاحب: خط لکھنے اور پرچے کی پسندیدگی کے لئے بہت بہت شکریہ، ڈر کے رائٹر اور قارئین ہر دل عزیز ہیں اور اکثر آپ کی یاد آتی ہے برائے مہربانی فون نمبر ضرور ارسال کر دیجئے گا۔ کیونکہ دل سے دل کو راحت ہوتی ہے۔ خط ہر ماہ لکھا کریں۔ شکریہ۔

باسط صابر گوجر خان سے، السلام علیکم! امید کرتا ہوں ڈرڈائجسٹ کے ادارے میں کام کرنے والا ہر ایک فرد یا ڈر ڈائجسٹ سے منسلک رائٹرز خواتین و حضرات خیر و عافیت سے ہوں گے۔ حالانکہ حالات تو ایسے نہیں ہیں ہمارا ملک کیا پوری دنیا کورونا جیسے موذی مرض کا شکار ہے، لیکن یہ دنیا پھر بھی امید پر قائم ہے اور یہی امید ہمارے اندر ہمت بنائے رکھتی ہے محنت کرنے کی جستجو کی، اور لگن کی۔ اب میرے ہاتھ میں چونکا دینے والی خوفناک کہانیوں کا انتخاب ''ماہنامہ ڈرڈائجسٹ کراچی'' سے جولائی

2020ء ٹائٹل پر خوبصورت حسینہ کے ہونٹوں سے خون رس رہا ہے، آنکھیں شرابی مگر چاند کی دودھیا روشنی میں شام کے کسی خونی سحر میں ڈوب رہی ہیں، گلے میں کالے موتیوں کا ہار اور ہار میں مخصوص سرخ نگینا، اصل میں یہ تصویر ڈریکولا کو ون کی ہے اور اکثر ڈریکولا کو ون کی طاقت اس کی چھوٹی کسی تصویر یا پینٹنگ میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹائٹل میں قبرستان کا منظر بے حد دلکش ہے۔ کہانیوں میں کالی شکتی ایڈووکیٹ نینا خان، شیطانی ہوس عامر شہزاد، قاتل لکھاری سلمان بشیر، انوکھا عشق مونا شہزاد اور ق اتل ساحرہ محمد قاسم رحمان یہ پانچ بہترین کہانیاں تھیں، جولائی کے شمارے کی۔ خطوط کی فہرست میں مینجنگ ایڈیٹر خالد علی صاحب کا پیغام پڑھا دو ماہ کی غیر حاضری اور موذی مرض سے جہاں ہر شعبہ متاثر ہوا ہے۔ وہیں ڈر ڈائجسٹ پر بھی اثر پڑا ہے جناب ایڈیٹر صاحب ہم ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں اور ڈر ڈائجسٹ کے لئے دعا گو ہیں۔ باقی تمام قارئین و رائٹرز کے خطوط بھی بہترین اور ڈر پر تبصرہ بہت عمدہ تھا۔ جن میں ساجدہ راجہ ہندواں سرگودھا سے کافی عرصہ بعد ڈر کی محفل میں حاضر ہوئیں اپنی نئی دو کہانیوں کے ساتھ موسٹ ویلکم ساجدہ جی، میں آپ کی کہانیوں کو کافی عرصہ تک پڑھتا رہا ہوں، اس کے علاوہ ملک این اے کاوش، عثمان غنی، شاداب سکندر، ایس امتیاز احمد، امرحہ خان، بلقیس خان، دل نور عمیر اور رومائیسہ عالم آپ سبھی کے خطوط بہت ہی عمدہ تھے۔ جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ اپریل 2020ء کے شمارے میں آپ نے میری ایک پرانی تحریر کے بارے میں کہا تھا کہ چیک کر کے بتا دیا جائے گا۔ لیکن پھر بھی مکمل لاک ڈاؤن ہو گیا۔ ابھی بھی اسمارٹ لاک ڈاؤن ہے، آپ اس بارے میں کوئی پختہ جواب دیں کہ شمارہ مل جائے گا یا نہیں.....؟ اب میں ڈر کی ترقی کے لئے دعا گو ہوں اور کوشش ہوگی کہ ہر ماہ محفل دوستاں میں حاضر رہا کروں۔ خدا حافظ۔

☆☆ باسط صاحب: خط لکھنے اور قیمتی لگاؤ سے کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ۔ تلاش کر کے کہانی کے متعلق ضرور بتا دیا جائے گا۔ امید ہے آپ نئی کہانی ضرور ارسال کریں گے۔ Thanks۔

ارشاد خان کراچی سے، ماہ اگست کا ڈر جلدی مل گیا، قرآن کی باتیں ہمیشہ کی طرح سب سے بہترین رہیں، کہانیوں میں اس بار بھی کچھ ریگولر لکھاریوں کی تحریریں موجود تھیں، سب سے پہلے خطوط کی بات کرتے ہیں۔ بلقیس خان آپ نے کمال کا تجزیہ لکھ ڈالا۔ عثمان غنی خان، ملک کے موجودہ صورت حال کے حوالے سے آپ نے بے حد اچھا لکھا، ڈر کی محفل میں سب نئے دوستوں کو خوش آمدید۔ سب کو سلام۔ بے چین روح پہلی کہانی کو پڑھنا شروع کر دیا اور روانی میں پڑھتے چلے گئے۔ بہت بہت اچھی کہانی ہے۔ جلتے گلاب قسط نمبر 3، عثمان غنی خان نے تحریر کی ہے۔ مگر پچھلے ماہ کا ڈائجسٹ ہمیں نہیں مل سکا ہے۔ اس لیے کہانی کو ابھی ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ پائے ہیں، تو وہ بہت عجیب سی تحریر لکھ کر آئی۔ پراسرار دلہن بہت خوبصورت کہانی ہے۔ خوفناک تجربہ ایس امتیاز کی واقعی بہت زبردست آمیزنگ کہانی تھی۔ خوفناک راز اچھی لگی ہے، زرغون بھی زبردست تحریر تھی۔ خالی گھر بھی پسند آئی۔ قصہ ایک رات کا، کچھ خاص پسندیدگی نہ لے سکی، کیونکہ یہ کہانی بھارتی فلم اتفاق سے لی گئی ہے اور اس کی ناپسندیدگی کی دوسری اہم وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، اس موضوع پر یہ فلم دوبار بنائی گئی ہے، ہم بھلے ہی انڈیا سے بہت زیادہ نفرت کرتے ہوں، مگر ان کی فلمیں بہت شوق سے دیکھتے ہیں، اس کے علاوہ اس موضوع پر کئی فلمیں موجود ہیں، جن میں صاحب بیوی اور گینگسٹر، شوہر بیوی اور چور اتفاق، اتفاق دی کنلکلو جن، شوہر بیوی اور گینگسٹر اگین، اور بہت ساری کہانیاں اور فلمیں موجود ہوتی ہیں، ایسی کہانیاں لکھاری صرف شاید اس لیے لکھتا ہے، تاکہ وہ لوگوں کی توجہ کھینچ سکیں۔ پھر لوگ تنقید کرتے ہیں، تو رائٹر ز ناراض ہو جاتے ہیں۔

☆☆ ارشاد صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، آپ کی باتیں ٹھیک ہیں اور ویسے ایسا نہیں ہونا چاہئے، امید ہے آپ کی باتوں پر رائٹر غور کریں گے۔ آئندہ ماہ بھی آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

عبدالرؤف ہائی وے تاروجبہ سے، السلام علیکم! ڈر ڈائجسٹ اگست کا جلدی مل گیا، ٹائٹل اچھا تاثر دے رہا تھا، کہانیوں کی فہرست دیکھی، پھر خطوط کی محفل میں آ گئے۔ عثمان غنی خان بھائی جو کچھ بھی کہا، ٹھیک کہا۔ بلقیس خان جو بھی لکھا اچھا لکھا۔ بے چین روح تحریر لکھاری نے شاید بند آنکھوں سے لکھی تھی۔ کہانی ٹھیک تھی۔ نفسیاتی ڈر کے عین مطابق تھی۔ خوفناک راز میری من پسند رہی۔ پراسرار دلہن کہانی پسند آئی۔ بھیانک تجربہ بہت آمیزنگ اسٹوری تھی، مکافات عمل اچھی کہانیوں میں سے ایک تھی۔ سرپرائز اچھی کہانی تھی۔ موت کا سلسلہ اچھی ہے۔ چڑیل کتھا بے حد پسند آئی، جلتے گلاب قسط نمبر 3 عثمان غنی خان، بہت زبردست رہی۔ آپ بہت اچھا لکھتے ہیں۔ آپ کی کہانیوں کا مجھے شدت سے انتظار رہتا ہے۔

☆☆ عبدالرؤف صاحب: خط لکھنے اور کہانیوں کی پسندیدگی کے لئے شکریہ، آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا انتظار رہے گا۔

ابرار بشیر یونی ٹاؤن سے، السلام علیکم ڈرڈائجسٹ اس بار جلدی مل گیا، اس ماہ کا ٹائٹل کافی شاندار تھا۔ خطوط میں بلقیس اور عثمان غنی خان کے خطوط بہت اچھے لگے ہیں۔ شرف الدین جیلانی کا خط بھی پسند آیا ہے۔ جلتے گلاب عثمان غنی خان سب سے پہلے یہ بتادوں، اس کہانی کی چوتھی قسط کا اتنا انتظار ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔ بہت عمدہ کاوش ہے، زبردست ہے۔ خوفناک منظر اچھی لکھی ہے۔ تو وہ بھی خاص تحریر ہے، سیڑھیاں ثناء شیخ لاجواب کہانی، دور جدید کے لکھاریوں میں بہترین کام آپ کا ہے۔ قصہ ایک رات کا، لکھاری نے انڈین فلم اتفاق پر خوب ہاتھ صاف کیا۔ خوفناک تجربہ بے حد پسند آئی۔

☆☆ ابرار صاحب: آپ کا خط پڑھ کر اچھا لگا اور قوی امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی شکریہ کا موقع ضرور دیں گے خط لکھ کر۔

امرحہ خان ملتان سے، ماہ اگست کا ڈرڈائجسٹ مل گیا۔ ٹائٹل پیج بہت پیارا تھا۔ مجھے اچھا تو بہت لگا، اس بار بھی میری طرح سب کو ٹائٹل پسند آیا ہوگا۔ بلقیس خان پیاری بہنا، آپ نے جو بھی لکھا بہت خوب لکھا، آپ کا خط بے حد پسند آیا، عثمان غنی خان کا خط بھی اچھا لگا اور پسند آیا، کیونکہ بہترین تبصرہ تھا۔ سارے نئے دوستوں کو ویلکم ان ڈرڈائجسٹ، اس ماہ کی پہلی کہانی بے چین روح کو طوالت کا شکار بنایا گیا ہے۔ تو وہ واقعی اسپیشل کہانی لکھی ہے۔ خوفناک منظر، خوبصورت کہانی ہے۔ خوفناک راز کہانی بھی اچھی لگی۔ خوفناک تجربہ ایس امتیاز احمد بھائی کی لاجواب رہی۔ قصہ ایک رات کا، اس کہانی پر دوبار بولیووڈ میں مووی اتفاق کے نام سے بن چکی ہے، سو لکھاریوں کو مینشن کرنا چاہیے، کہ فلاں کہانی انڈین فلم کا ترجمہ ہے۔ اب بندہ تنقید کریں، تو لکھاری ناراض ہو جاتے ہیں، آخری صفحات پر اذان کہانی کا اگلہ پارٹ سیڑھیاں کہانی، بہت زبردست لگی، زرغون لاجواب طرز تحریر نے سب کو چونکایا ہوگا۔ جلتے گلاب قسط نمبر 3 عثمان غنی خان کو پڑھ کر بے حد مزہ آیا۔ یہ ایک بھرپور لو اسٹوری ہے۔ جس کے ہر اینگل کو خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ عثمان غنی خان بھائی بہت اچھی تحریر ہے۔ ون آف دی بیسٹ اسٹوری ہے، چڑیل کتھا بہت اچھی لگی۔ باقی آپ سب کو دل کی گہرائیوں سے جشن آزادی مبارک ہو۔ وسلام۔

☆☆ امرحہ صاحبہ: قلبی لگاؤ سے لکھا ہوا نوازش نامہ پڑھ کر اچھا لگا، عثمان غنی واقعی ہر دل عزیز رائٹر بن گئے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اور بھی زور قلم دے۔ Thanks۔

عائشہ عالم تونسہ شریف سے، ہیلو ایوری ون! اگست ڈرڈائجسٹ کا شمارہ مل گیا، دل خوشی سے جیسے پاگل ہو گیا۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں، کافی دل کو سکون عطا کر گئیں۔ پھر خطوط کی محفل میں چلے گئے، بلقیس خان نے جاندار تبصرہ کر کے دل جیت لیا۔ ویلڈن بہت زیادہ اچھا لکھا۔ عثمان غنی خان آپ کا خط بہت بہت اچھا لگا آپ جو کہہ رہے ہیں۔ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، پہلی کہانی بے چین روح مجھے تو پسند آئی۔ تو وہ بھی ایک بہترین اور اچھی کہانی ہے۔ جلتے گلاب قسط نمبر 3 عثمان غنی خان، ارے اتنی بھرپور اور مزے دار کہانی کہ سیدھی دل میں اتر گئی ہے۔ اس کی اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔ پراسرار دلہن بہت بھرپور کہانی ہے۔ کہانی اچھی تھی۔ زرغون بھی اچھی تھی۔ خوفناک تجربہ کہانی بہت اچھی رہی، پراسرار آوازیں مجھے مکمل طور پر پسند آ گئی۔ پراسرار دلہن کا موضوع اچھا تھا۔ خالی گھر بس ٹھیک تھی! وسلام۔

☆☆ عائشہ صاحبہ: خط لکھنے، کہانیوں کی پسندیدگی اور آئندہ ماہ بھی خط لکھنے کے لئے شکریہ قبول کریں۔

بلقیس خان پشاور سے، السلام علیکم! ماہ اگست کا ڈرڈائجسٹ بہت جلد مل گیا! پہلے قرآن کی باتیں پھر خطوط۔ میرے خط کو پسند کرنے پر آپ سب کی شکر گزار ہوں! عثمان غنی خان نے بہت اچھی باتیں لکھی ہیں، باقی سب کے خطوط بھی بے حد پسند آئے، شرف الدین جیلانی صاحب، آپ کی بات بھی صحیح ہے، کیونکہ پانچ انگلیاں برابر نہیں ہوتی ہیں، کہانیوں پر بات کرتے ہیں، پہلی کہانی بے چین روح مجھے بہت پسند آئی۔ رائٹر بے حد عمدہ طرز تحریر لکھ کر باذوق ہونے کا ثبوت دے دیا۔ خوفناک منظر بھی پسند آئی۔ قصہ ایک رات کا بالکل بھی پسند آ سکی۔ پہلے ہم بھی پرانی رنگین بالی ووڈ موویز دیکھتے تھے، جو اتفاق مووی ہے۔ نفسیاتی بھی پسند نہ آ سکی۔ چارم لوز کر گئی تھی، خوفناک راز اچھی تھی۔ سیڑھیاں کہانی میں بھرپور کرداروں کے تاثرات مزے دار تھے، عمدہ خوبصورت اور ذوق کے درجوں کے مطابق قلم چلایا۔ اللہ اور توفیق دے، ثناء شیخ آپ جب بھی آئیں، کچھ اچھا مثبت نیا لائیں۔ جلتے گلاب قسط نمبر 3 عثمان غنی خان کی طرف دوڑ پڑے۔ تیسری قسط نے دل چھو لیا، ساجل کا کردار اگرچہ کم دورانیے کا تھا، مگر بھاری سا محسوس

ہوا ویلڈن! راشد نذیر راشد بھائی کو اللہ صبر وجمیل عطا فرمائیں۔ والد کا سایہ سر سے اٹھ جانا بہت بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ اللہ آپ کے والد کو جنت الفردوس میں اونچے درجات عطا فرمائے، آمین۔

☆☆ بلقیس صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر دل بہت خوش ہوا، تحریر وہی اچھی ہوتی ہے جو دل کو چھو جائے کیوں ٹھیک ہے ناں، اچھے خط کا پھر انتظار رہے گا۔

بینا خان اسلام آباد سے، اگست کا ڈر بہت جلد مل گیا۔ قرآن کی باتیں بہترین ہیں، خطوط کی محفل بے حد پسندیدہ ہے۔ جہاں سب کی رائے معلوم ہو جاتی ہے، بلقیس خان، عثمان غنی خان، آپ دونوں کو سلام! ڈر کا شمارہ اس ماہ کا اچھا تھا، جتنا پڑھا اس پر تبصرہ کر دوں۔ عثمان غنی خان صاحب، جلتے گلاب کی تیسری قسط بے حد من پسند رہی، مبارک باد قبول ہو، یہ قسط وار کہانیوں میں ایک بہترین تحریر ہے، تو وہ کہانی اچھی تھی، خوفناک تجربہ میں روانی تھی۔ خوفناک راز شروع کرنے کے بعد آخر تک پڑھ لی، اتنی اچھی کہانی پر مبارک باد قبول کریں۔ باقی عید کی مصروفیات کی وجہ سے نہیں پڑھ سکی۔ شاید بعد میں تبصرہ لکھ دوں، سارے ہم وطن بہن بھائیوں کو جشن آزادی کی مبارک باد قبول ہو۔

☆☆ مینا صاحبہ: آپ کا دلکش خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، کہانیوں کی پسند پدگی کے لئے اور آئندہ ماہ بھی خط لکھنے کے لئے ویری ویری تھینکس۔

بینش اسلام وہاڑی سے، السلام علیکم! امید واثق ہے کہ ادارہ بخیر وخیریت ہوگا، ڈر کا نیا شمارہ ماہ اگست کا جلدی مل گیا، عید کی خوشیاں دوبالا ہو گئیں۔ میری طرف سے سب کو دل کی گہرائیوں سے چودہ اگست کی خوشیاں بہت بہت مبارک ہوں، بلقیس خان آپ کو سلام، اور آپ کی سوچ کی قدر کرتے ہیں۔ عثمان غنی خان، آپ میرے فیورٹ رائٹر ہیں، جو کچھ بھی لکھا ہے، بہت بہت اچھا لکھا ہے، باقی سب کو بھی سلام۔ اول صفحات پر بے چین روح بہت بے مثال تحریر ہے۔ ایس امتیاز احمد نے خوفناک تجربہ میں اپنے جادوئی قلم کا بخوبی استعمال کیا، سیڑھیاں یہ مدتوں یاد رہے گی۔ پراسرار دلہن کہانی بھی اچھی تھی، جلتے گلاب قسط نمبر 3 عثمان غنی خان آپ نے بہت پیاری تحریر لکھی۔ نگینے کی طرح فٹ تھی۔ یہ شاہکار کہانی اس ماہ کی سب سے خاص الخاص تحریر ہے۔ تو وہ کو میں نے اس کہانی کو دل سے انجوائے کیا ہے۔ موت کا سلسلہ بھی اچھے موضوع پر لکھی گئی ہے، خوفناک منظر پیاری تحریر تھی، زرغون مجھے بے حد بہترین لگی، پراسرار آوازیں بھی بیسٹ تھی۔ جبکہ قصہ ایک رات کا ایک فلم کی کہانی لکھ ڈالی تھی۔

☆☆ بینش صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید آپ کا خط پڑھ کر اچھا لگا اور دل کو چھو گیا آئندہ ماہ بھی نوازش نامہ کا شدت سے انتظار رہے گا۔

بسما خان نوشہرہ واکینٹ سے، السلام علیکم! ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ کا شمارہ جلد مل گیا، سب کو سلام، سب کے خطوط بے حد پسند آئے، بلقیس خان نے بہت اچھا لکھا ہے۔ عثمان غنی خان بہت پیارا خط لکھا ہے۔ اس ماہ کا شمارہ بے حد اچھا ہے کیونکہ اس میں اچھی کہانیوں کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ بے چین روح پہلے پڑھی، کہانی بہت اسپیشل ہے۔ خوفناک تجربہ ایس امتیاز احمد کی بھی اچھی کہانی ہے، آپ ہمیشہ نت نئے انداز میں لکھتے ہیں، دل سے آپ کو کہانی پر مبارک باد قبول ہو۔ تو وہ کہانی بہت اچھی اور شاندار و جاندار تھی۔ آخری صفحات پر سیڑھیاں ثنا اے شیخ کی بہت امیزنگ ونڈر فل اسٹوری ہے، جلتے گلاب قسط نمبر 3 عثمان غنی خان، دل سے پڑھی، عثمان غنی خان آپ نے دل جیت لیا، چوتھی قسط کا بہت بے صبری سے انتظار ہے، قصہ ایک رات کا، انڈین فلم کا چربہ تھی۔ جو بالکل بھی پسند نہیں آئی، تو وہ بھی اچھی تھی، خوفناک راز بھی پسند آئی، زرغون بھی اچھی لگی۔ باقی سب کی کہانیاں بے حد پسند آئیں۔ موت کا سلسلہ بھی نائس لگی، پراسرار دلہن بہت من پسند رہی۔

☆☆ بسما صاحبہ: دل کی گہرائی سے لکھا ہوا ل پسند خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، امید ہے آئندہ ماہ بھی خط لکھ کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

جھانگیر درانی کوہاٹ سے، اگست کا منقلی شمارہ اس بار جلدی ملا، خطوط کی محفل میں بہت اچھے خطوط تھے۔ خاص کر عثمان غنی خان آپ کا خط بہت اچھا اور مثبت ہوتا ہے۔ بلقیس خان بھی اس بار ڈٹ کر میدان میں اتری ہوئی نظر آئی ہے۔ شرف الدین جیلانی صاحب۔ آپ کی باتیں ٹھیک ہے، آج کے لوگ بہت مطلب پرست ہو گئے ہیں۔ سب کے اشعار و انتخابات بھی

بہت بہت پسند آئیں۔ آرٹیکل بھی اچھے لگے۔ لطائف بہت پیارے تھے۔ ٹائٹل کور پیارا تھا۔ اول صفحات سے ڈر کو شروع کر دیا، بے چین روح ایسا لگا کہانی خود ہی لکھی ہو، جلتے گلاب قسط نمبر 3 عثمان غنی خان نے توقعات سے بڑھ کر رسپونس لیا۔ کہانی مجھے دل سے بہت زیادہ پسند آئی، اس کہانی کا نام بھی بہت پیارا ہے، اور کہانی اس سے زیادہ پیاری ہے۔ سیڑھیاں کہانی میری من پسند رہی، اس کہانی نے دل ہی جیت لیا۔ تو وہ اچھی بہترین کہانی رہی۔ پرسرار دلہن میری من پسند کہانی رہی۔ خوفناک تجربہ نے یقیناً بہت سارے لوگوں کے دل میں ڈر گر لیا ہوں گا، خالی گھر بھی اچھی تھی۔ موت کا سلسلہ بھی اچھی تھی۔ چڑیل کتھالا جواب تھی۔ باقی سب کہانیاں بھی پسند آئی۔

☆☆ جہانگیر صاحب: ڈر ڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، ڈائجسٹ کی تعریف کے لئے اور کہانیوں کی تعریف کے لئے شکریہ قبول کریں، آئندہ ماہ بھی خط لکھنا نہ بھولئے گا۔ Thanks۔

کائنات بلوچ بلوچستان سے، السلام علیکم! ماہ اگست ڈر ڈائجسٹ کا شمارہ جلدی مل گیا، دل خوشی سے جیسے پاگل ہو گیا۔ سب سے پہلے قرآن کی باتیں پڑھیں جو کافی دل کو سکون عطا کر گئی۔ پھر خطوط کی محفل میں چلے گئے، عثمان غنی خان کا خط ٹاپ آف دا منتھ تھا، بلقیس خان آپ بے حد اچھا لکھتی ہے، آپ کا لکھا بے حد اچھا ہوتا ہے۔ ویسے باقی سارے خطوط بھی اچھے تھے۔ بے چین روح کہانی ڈر کی جان دار کہانی ہے۔ تو وہ کہانی خوب تر رہی، نفسیاتی بہت ہی پیاری تحریر رہی، خوفناک راز کہانی آمیزنگ تھی۔ چڑیل کتھا بھی بس اچھی تھی۔ موت کا سلسلہ کہانی ایسے روانی میں پڑھی۔ بھیانک عذاب نائس اسٹوری لکھی ہے، بہت خوب قلم چلایا۔ آخری صفحات پر سیڑھیاں ایک بہترین کہانی ہے۔ خالی گھر اچھی تھی، جلتے گلاب قسط نمبر 3 عثمان غنی خان کی، بہت زبردست کہانی ہے۔

☆☆ کائنات صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور قوی امید ہے کہ آئندہ ماہ بھی دلکش خط لکھنا بھولیں گی نہیں۔ شکریہ۔

خانسہ غیور سوات سے، ماہ اگست کا ڈر کا ڈائجسٹ بہت جلد مل گیا، اور اس بار کور بہت پیارا تھا، ماہ اگست کا ڈر جلد ملنے کی خوشی بہت ہوئی، اور اس ماہ خطوط کافی سارے تھے۔ سب سے پہلے قرآن کی باتوں سے شروعات کی، پھر خطوط کی محفل میں آئیں، ارے واہ بہت اچھے تبصرے تھے، سب کو خوش آمدید اور سب کو سلام، اس بار خطوط میں بلقیس خان نے اچھا اور مثبت تبصرہ لکھ کر دل جیت لیا۔ عثمان غنی خان آپ کا تبصرہ دیکھ کر خوشی سے بے حال ہو گئی۔ آپ کا تبصرہ بھی بہت عمدہ اچھا، نائس اور پوزیٹو تھا۔۔!! بے چین سب سے پہلے پڑھی، بہت اچھی مزے دار کہانی ہے۔ تو وہ بے حد مزے دار کہانی رہی، نفسیاتی بہت عمدہ لکھی۔ خوفناک تجربہ کہانی میں آخر تک کہانی دم خم موجود تھا۔ زرغون اچھی لکھی، قسط وار میں جلتے گلاب قسط نمبر تین مجھے دل سے پسند آئی، اس کہانی نے میرا دل جیت لیا ہے، اس کے اگلے قسط کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔ عثمان غنی خان کی یہ کہانی بہت زبردست تھی۔ خالی گھر بھرپور رہی۔ سیڑھیاں بہت ونڈرفل تحریر ہے، یہ جاندار کہانیوں میں ایک تھی۔

☆☆ خانسہ صاحبہ: دل کی گہرائی سے لکھا ہوا خط پڑھ کر دل بہت خوش ہوا، آئندہ ماہ بھی خوبصورت خط کا شدت سے انتظار رہے گا۔

کومل عزیزی ملتان سے، اس ماہ اگست کا ڈر کا ڈائجسٹ بہت جلد ملا، اور اس بار کور بہت پیارا تھا، سب سے پہلے قرآن کی باتوں سے شروعات کی۔ پھر خطوط کی محفل میں آئے، سب کو خوش آمدید....!!! اور سب کو سلام، دل کرتا ہے، اس ماہ اول صفحات پر قابل قدر تحریر بے چین روح تھی، گڈ پیاری دل سے سر اٹھنے والی تحریر ہے۔ پراسرار دلہن اچھا نیا موضوع تھا۔ خوفناک منظر بھی اچھی کہانی ہے، عثمان غنی خان جلتے گلاب قسط نمبر 3، اچھی عمدہ اور نیو کہانی لکھی ہے۔ یہ جاندار کہانی ہے۔ جس کے جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ یہ اس ماہ کی سب سے جاندار کہانی ہے۔ ایس امتیاز احمد کی کہانی خوفناک تجربہ بہترین کہانیوں میں اپنے ایک رہی، زرغون بھی اچھی کہانی ہے۔ خالی گھر مجھے دل سے پسند آ گئی ہے۔ قصہ ایک رات کا پسند نہ آ سکی۔ تو وہ اچھی اور پیاری کہانی تھی۔

☆☆ کومل صاحبہ: ڈر ڈائجسٹ میں خوش آمدید، آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ کو ڈر ڈائجسٹ اچھا لگتا ہے، اور اس کی تحریریں پسند آتی ہیں، آئندہ ماہ بھی آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔

نیلم خان پشاور سے، بلقیس خان نے تبصرہ بے حد عمدہ لکھا تھا۔ ویلڈن بلقیس خان۔ عثمان غنی خان کا خط بہت پیارا لگا۔ باقی

سب کے خطوط بھی بہت اچھے لگے ہیں۔ بے چین روح اس کہانی نے میرا دل جیت لیا، سیڑھیاں کہانی پڑھ کر بے ساختہ منہ سے واؤ نکلا، بہت زبردست فنتاسٹک کہانی ہے۔ بہت امیزنگ اینڈنگ کے ساتھ اختتام پزیر ہوئی ہے۔ چڑیل کتھا اس کہانی نے دل ہی جیت لیا ہے۔ خوفناک تجربہ آپ نے جتنی اچھی شروع کی تھی، اینڈ اس سے زیادہ بہترین تھا۔ پراسرار دلہن خوبصورت کہانی پڑھی۔ تو وہ دل سے پڑھنے اور سراہنے والی تحریر ہے۔ خوفناک منظر جیسی کہانی اچھی ہے۔ خالی گھر بھی پسند آئی۔ مکافات عمل پسند نہ آسکی۔ زرغون عمدہ کہانی ہے۔ جلتے گلاب قسط نمبر ۳ بہت اچھی گئی ہے، اس کہانی کے اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہے گا، قصہ ایک رات کا، فلم سے نقل کی گئی ہے۔

☆☆ نیلم صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، آپ کا خط پڑھ کر دل خوش ہوا۔ آئندہ ماہ بھی اپنی رائے ارسال کرنا نہ بھولئے گا۔ Thanks۔

نوری بشریٰ یونی ٹاؤن سے، ماہ اگست ڈرڈائجسٹ جلدی مل گیا، ٹائٹل اچھا تھا، پہلے قرآن کی باتیں دل ودماغ کو فرحت بخش سکون دے گئیں، خطوط میں بلقیس خان نے بہت عمدہ باتیں لکھی ہیں، عثمان غنی خان صاحب آپ کی تمام باتیں بھی درست ہیں، امرحہ خان، کا تبصرے دل کو چھو گئے، اس ماہ کا ٹائٹل بہت پیارا ہے۔ اول صفحات پر موجود کہانی بے چین روح بے حد پسند آئی، خوفناک تجربہ کو اچھا لکھ کر کہانی کا خوب اینڈ کر کے بالکل بھی محسوس نہ کیا۔ سیڑھیاں پسندیدہ کہانی مجھے پسند آگئی، خالی گھر بہت اچھی کہانی رہی۔ موت کا سلسلہ کہانی کافی اچھی لگی، پراسرار دلہن بالکل بھی اچھی نہیں تھی۔ جلتے گلاب قسط نمبر ۳، عثمان غنی خان پڑھ کر کہانی بہت اچھی لگی، اس قسط نے بہت کچھ واضع کر دیا، اب اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔

☆☆ نوری بشریٰ صاحبہ: آپ کا خط پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا، امید ہے آئندہ ماہ بھی دلکش خط لکھ کر شکریہ کا موقع ضرور دیں گی۔

پریشے شیخ لاہور سے، ڈیئر ایڈیٹر اسلام علیکم! ڈرا گست شمارہ ڈرڈائجسٹ جلدی مل گیا۔ ٹائٹل بہت خوبصورت تھا، لڑکی بہت پیاری تھی۔ ادارے نے جو قرآن کی باتیں دی تھیں، پہلے وہی پڑھیں۔ پھر خطوط کی طرف چلے آئے، بلقیس خان، بہت زیادہ جاندار تبصرہ کر کے دل جیت لیا ہے، آپ کی نئی کہانی کا ہمیں بے حد انتظار ہے۔ عثمان غنی خان بھائی آپ کے ساری باتیں درست ہیں، مگر ہم کیا کر سکتے ہیں؟ ہم اس ناکام حکومت کے آگے بے بس ہو گئے ہیں، ہمارے حکمران کھٹ پتلی ہے۔ چاہے وہ کوئی بھی پارٹی کا وزیر مشیر ہوں، اب ہو جائے کہانیوں پر تبصرہ، بے چین روح بہت اچھی لگی۔ تو وہ کہانی نائس لگی، خوفناک منظر وہی پرانی طرز تحریر میں لکھی ہے۔ جلتے گلاب قسط نمبر ۳ عثمان غنی خان کی ایک اور بہترین کہانی جس کو پڑھتے وقت ہم بالکل بھی بور نہیں ہوتے ہیں۔ آخری صفحات پر لگی سیڑھیاں بھی بہت زبردست اور امیزنگ کہانی ہے۔ پراسرار دلہن جاندار اور اچھی کہانی تھی۔ قصہ ایک رات کا نقل شدہ کہانی تھی۔ امتیاز احمد نے خوفناک تجربہ بہت مزے دار کہانی لکھی ہے۔

☆☆ پریشے شیخ صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں خوش آمدید، آپ کو ڈرڈائجسٹ اچھا لگا اور آپ نے تعریفی خط لکھا اس کے لئے شکریہ۔

سمیرہ فیصل لاہور سے، اگست کا شمارہ اس بار جلدی ملا، خطوط کی محفل میں اچھے خطوط تھے۔ خطوط میں خالد علی کی بات تحمل سے پڑھیں، عثمان غنی خان بہت اچھی باتیں لکھی ہیں، بلقیس لاجواب تبصرہ لکھا ہے۔ بے چین روح بہت اچھی سٹوری لکھی ہے۔ تو وہ مجھے بے حد پسند آئی۔ خوفناک تجربہ جاندار وشاندار تحریر ہمیشہ یاد رہے گی۔ قصہ ایک رات کا، کہانی کو پڑھتے وقت دھیان بار بار انڈین کسی فلم کی طرف جا رہا تھا، اب مجھے اس کا نام یاد نہیں ہے، چڑیل کتھا پسندیدہ کہانی رہی۔ پراسرار دلہن بے حد پسند آئی۔ جلتے گلاب قسط نمبر تین عثمان غنی خان کی بے حد لاجواب کہانی ہے۔ اس کہانی نے میرا دل جیت لیا ہے۔ باقی سب کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں۔ خاص کر خالی گھر، اور موت کا سلسلہ بہت محنت سے لکھی گئی ہے۔

☆☆ سمیرہ صاحبہ: ڈرڈائجسٹ میں موسٹ ویلکم، دل کی گہرائی سے لکھا ہوا خط پڑھ کر دلی خوشی ہوئی، خط کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ امید ہے آئندہ ماہ بھی ضرور خط ارسال کریں گی۔ Thanks۔

عثمان غنی خان پشاور سے، السلام علیکم! یقیناً امید واثق ہے، ادارہ بخیر وعافیت سے ہوگا۔ ادارے سے وابستہ تمام افراد صحت اور تندرست بالکل ٹھیک ٹھاک ہونگے۔ سب سے پہلے تو سب کو دل کی گہرائیوں سے چودہ اگست بہت بہت مبارک

ہو۔اس سال کچھ زیادہ ہی برا ہو رہا ہے۔مگر کہتے ہیں نہ کہ یہ وقت بھی گزر جائے گا۔اللہ سے دعا ہے، ہمارے ملک سے تمام مسائل دور فرما دے۔آمین۔عیدالاضحیٰ بھی بالکل سادگی سے منائی، مگر ہمارے علاقے کے زیادہ تر لوگ مری، کالام، سوات، دیر چلے گئے، جہاں ان کو بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑا، پولیس فورسز کی وجہ سے وہ منہ چھپانے پر مجبور ہو گئے، اس ماہ عید سے کچھ دن قبل کراچی پہلے کرونا جیسے عذاب سے دوچار ہوا، اس کے بعد بارشوں نے تباہی مچا دی۔پھر بھی دھیرے دھیرے گرمی کا زور بڑھتا چلا گیا۔ماہ اگست کا ڈر نرم گرم ماحول میں پڑھنا شروع کر دیا۔سب سے پہلے تو تمام دوستوں کا شکر گزار ہوں، جن کو میری کہانیاں پسند آ رہی ہیں۔تمام نئے لوگوں کو ڈائجسٹ میں ویلکم بیک، اور جو پرانے ساتھی ہیں، ان کے لیے نیک تمنائیں۔قرآن کی باتیں بے شک بہت کچھ سکھا دیتی ہیں، جن کو پڑھ کر ہمیشہ تازگی ملتی ہیں، خطوط میں اپنے خیر و عافیت سے اطلاع پہنچایا کریں، سب کے خطوط دل کے قریب ہوتے ہیں۔کہانیوں میں لکھاری بہن بھائی خوب محنت کر رہے ہیں۔رضوان علی سومرو کی بے چین روح بہت اچھی بہترین کہانی ہے، عنیزہ فضل داد کی کہانی خوفناک منظر بھی اچھی لگی۔تو وہ احسان سحر بھائی زبردست کہانی کے ساتھ موجود تھے۔نفسیاتی، احسان الحق کی کافی عرصے بعد انٹری ہوئی، کہانی بالکل چھوٹی تھی، مگر ہماری تشنگی کم ہوگئی۔مریم فاطمہ پراسرار آوازیں کے ساتھ مغربی کہانی کے ساتھ جلوہ افروز تھی۔خوفناک راز پیا سحر صاحبہ ویلڈن، بہت اچھی تحریر ہے۔پراسرار دلہن شہزاد خان واہ کمال کر دیا ہے۔بھیانک تجربہ ایس امتیاز احمد زبردست، اس بار تو دل ہی جیت لیا ہے۔مکافات عمل شیخ معین اختر کہانی بہت اچھی تھی، میں نے بہت غور سے پڑھیں، مگر کچھ نہ کچھ جگہوں پر غلطیاں تھیں، برائے مہربانی کہانی لکھ کر اس کو دوبارہ پڑھ کر اسے سنوارا کریں، اس سے آپ کی کہانیاں ایسی نکھر جائے گی، ساجدہ راجہ آفٹر آ لونگ ٹائم، زرغون بہت یونیک کہانی ہے۔چڑیل کتھا، مونا شہزاد کی کہانی بھی بہت زبردست ہے۔سیڑھیاں ثناء شیخ اذان کا دوسرا حصہ لے آئیں۔ثناء شیخ بہت خوب، اس کہانی کی تعریف میں نے ڈر ڈائجسٹ رائٹر پیج میں ایک لکھاری سے بھی سنیں تھیں۔وہ اس کہانی سے اتنا زیادہ متاثر ہو گئے تھے، اسے ازان کہانی چاہیے تھی۔ڈر ڈائجسٹ بہت معیاری ڈائجسٹ ہے۔سب کے کلام بھی بہت اچھے ہیں۔اگلے ماہ تک کے لئے اللہ حافظ۔

☆☆ عثمان صاحب: آپ کا دل کی گہرائی سے لکھا ہوا خط پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔اچھی کہانی اور اچھا خط لکھنے پر مبارکباد قبول کریں، آپ نے قارئین کا دل جیت لیا ہے، اور آپ کی محنت رنگ لا رہی ہے اور ٹھیک کہا گیا ہے کہ ہمت مرداں مدد خدا، انسان کی محنت بھی رائیگاں نہیں جاتی، اگلا شمارہ سالگرہ نمبر ہے، اور امید ہے کہ یقیناً کوئی اچھی کہانی ضرور ارسال کریں گے۔ Thanks۔

☆☆

رائٹر حضرات اور قارئین کرام آپ کا ادارہ ڈائجسٹ بہت شکریہ ادا کرتا ہے کہ آپ سب بڑی لگن اور محنت سے ڈر ڈائجسٹ کو چاہتے ہیں۔کہانیوں کا تجزیہ کرنے اور اپنی رائے دینے کے لئے تنقید برائے اصلاح کیا کریں اور ایسے الفاظ استعمال نہ کیا کریں جس سے کسی کی دل شکنی ہو، نئے رائٹروں کی حوصلہ افزائی کریں تا کہ وہ بھی ایک بہترین رائٹر بن جائیں، کیونکہ شروع شروع میں ہر آدمی اپنے سے بڑوں کی حوصلہ افزائی چاہتا ہے۔کبھی کبھی ہارر کے بجائے اصلاحی اور معاشرتی کہانی شائع ہو جاتی ہے تو اس کہانی میں سبق ہوتا ہے جس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ویسے لکھتے لکھتے آدمی لکھاری بن جاتا ہے۔اور یہ بھی حقیقت ہے کہ کر بھلا تو ہو بھلا۔اور ہاں جیسا کہ آپ تمام قارئین کو معلوم ہے کہ اکتوبر کا شمارہ سالگرہ نمبر ہے تو اس کے لئے اپنی کہانیاں جلد از جلد ارسال کر دیں۔ Thanks۔

عزازیل

ضرغام محمود-کراچی

اللہ کے برگزیدہ بزرگ کی آواز گونجی، عزازیل تم جب بھی اپنی شیطانی قوتوں کے ساتھ اس دنیا پر حملہ آور ہوگے تو مجھے اپنے مقابل ھی پاؤ گے۔ یہ اٹل بات ذھن نشین کرلو۔

خوف وہراس کی دنیا میں.....تہلکہ مچاتی ہر دل عزیز رائٹر.....کی شاہکار کہانی

الارم کی تیز آواز سے میری آنکھ کھل گئی میں نے ہاتھ بڑھا کر الارم بند کیا اور دوبارہ چادر منہ پر رکھ کر سونے کی کوشش کی مگر نیند ایک دفعہ کھل جائے تو دوبارہ بہت مشکل سے آتی ہے میں کچھ دیر بستر پر کروٹیں بدلتا رہا پھر میں نے چادر ہٹائی اور آنکھیں مسلتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا اور پھر آنکھیں کھول کر دیکھا۔۔۔ تو میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا بستر پر میرے برابر جہاں رات کو میری پیاری بیوی لیلیٰ سوئی تھی اب۔۔۔۔اب وہاں ایک بھیانک ڈھانچہ لیٹا ہوا تھا خوف سے میں لرزنے لگا پھر میں نے ہمت کی اور ڈرتے ڈرتے ڈھانچے کو ہاتھ لگایا۔۔۔۔تو میرے منہ سے ایک اطمینان بھری ٹھنڈی سانس نکل گئی کیونکہ وہ ڈھانچہ مصنوعی تھا اور کسی اچھے پلاسٹک سے بنا ہوا تھا لہذا پہلی نظر میں مجھے وہ اصلی لگا تھا میں نے لات مار کر اس ڈھانچے کو بستر سے نیچے فرش پر پھینک دیا اور اپنی بیوی لیلیٰ کو آوازیں دینے لگا۔

''لیلیٰ یہ سب کیا ہے؟'' لیلیٰ ہاتھ میں چائے کا کپ لئے کمرے میں داخل ہوئی تو میں نے اس سے کہا۔

''ایکسپریشن۔۔۔'' لیلیٰ نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا اور چائے کا کپ میز پر رکھ کر فرش پر پڑے ڈھانچے کو اٹھایا اور بڑے پیار سے اس پر سے فرضی دھول جھاڑتے ہوئے اسے دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔

''یار یہ سب کیا ہے۔۔۔تم نے اچھے خاصے بیڈ روم کو ہارر ہاؤس بنا دیا'' میں نے کمرے میں لگی خوفناک تصویروں اور پورٹریٹ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھی تو لگ رہی ہیں تصویریں'' لیلیٰ نے چائے کا کپ اٹھایا اور ایک سپ لیتے ہوئے جواب دیا۔

''مجھے رات کو خواب میں بھی یہی چڑیلیں دکھائی دیتی ہیں'' میں بستر سے نیچے اترتے ہوئے بولا۔

''جب تم ایک ہارر رائٹر سے شادی کرو گے تو تمہیں ایسا ماحول برداشت کرنا پڑے گا۔۔۔اور یہ باتیں تمہیں شادی سے پہلے سوچنا چاہیے تھی'' لیلیٰ کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آرہا تھا وہ بڑے آرام سے چائے کی چسکیاں لے رہی تھی۔

میں مصر کے محکمہ پولیس میں انسپکٹر آف پولیس ہوں اور میری پیاری راج دلاری بیوی جس سے میری شادی بڑی جدوجہد کے بعد ہوئی وہ ایک مشہور ہارر رائٹر ہے جس کی تحریریں ملک کے مشہور میگزین نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کرتے ہیں اور قارئین نہایت ذوق و شوق سے لیلیٰ کی کہانیاں پڑھتے ہیں اور اس کی کہانیوں

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com

کا انتظار کرتے ہیں۔

میں لیلیٰ کی باتوں سے زچ ہوکر واش روم میں گھس گیا اور نہادھو کر فریش ہوکر باتھ روم سے نکلا تو میرا پیر کسی لجلجی چیز پر پڑا تو میں نے گھبرا کر اپنا پیر اٹھایا تو اپنا توازن قائم نہ رکھ سکا اور دھڑام سے کمرے کے پکے فرش پر گر پڑا میرے اس طرح گرنے پر لیلیٰ بے ساختہ ہنس پڑی۔

''ہمارے ملک کا تو قانون ہی زمین بوس ہو گیا'' لیلیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ کر وہ چیز اٹھائی جس پر پیر پڑنے سے میں فرش پر گر پڑا تھا وہ ایک بڑے سائز کی مکڑی تھی جو فرش پر پڑی تھی۔

''لیلیٰ یہ کیا مصیبت ہے تم نے گھر کو کیا بنا دیا ہے؟'' میں لیلیٰ کی مدد سے فرش سے اٹھتا ہوا بولا۔

''اسے ماحول بنانا کہتے ہیں اور اس ماحول کی وجہ سے مجھے لکھنے میں مدد ملتی ہے؟'' لیلیٰ نے مجھے فرش سے اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

''یار ۔۔۔۔ہارر کے بجائے کچھ اور لکھو'' میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''اور کیا؟''

''کوئی رومانی ناول'' میں نے لیلیٰ کے کان میں جھک کر سرگوشی کی تو وہ بے اختیار ہنس پڑی۔

''میں اور رومانی ناول۔۔۔ناممکن'' لیلیٰ نے نفی میں گردن ہلائی۔

''ارے رومان لکھنا کوئی مشکل تھوڑی ہے بس ذرا ماحول بناؤ تو۔۔۔۔'' اتنا کہہ کر میں نے لیلیٰ کی گردن پر اپنے ہونٹ رکھے اور دھیرے سے اس کے کان کی لو کو اپنے دانتوں میں پھنسایا میرے بازوؤں کی گرفت لیلیٰ کے گرد تنگ ہونے لگی تو لیلیٰ نے مجھے زور سے دھکا دے کر خود سے الگ کیا۔

''زیادہ نخرے مت دکھاؤ۔۔۔جلدی سے ناشتے کے میز پر آؤ۔۔۔دیر ہوگئی تو دفتر میں ڈانٹ پڑ جائے گی'' اتنا کہہ کر لیلیٰ کمرے سے باہر کی جانب چلی پھر وہ دروازے پر رکی اس نے اپنے نچلے ہونٹ کا کونا اپنے دانتوں میں دبایا اور دھیرے سے مسکرائی۔

''لبِ لعلیں کو دندان میں جب دبا لیتے ہو
خدا کی قسم کتنے فتنوں کو تم جگا دیتے ہو''

میں نے لیلیٰ کے ہونٹ دبا کر ہنسنے پر بے ساختہ شعر پڑھا۔

''زیادہ شاعری کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ پولیس انسپکٹر ہے حافظ شیرازی (مشہور شاعر) نہیں۔۔جلدی سے ناشتے کے لئے آجایئے'' لیلیٰ اتنا کہہ کر کمرے سے نکل گئی اور میں بھی اپنی وردی پہننے لگا وردی پہن کر میں ناشتے کی میز پر پہنچا، ناشتہ میز پر لگ چکا تھا اور لیلیٰ میز کے گرد بچھی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھی میرا انتظار کر رہی تھی۔ میرے کرسی پر بیٹھتے ہی لیلیٰ نے چائے کا کپ میرے سامنے رکھا اور ساتھ ہی توس پر مکھن لگا کر چائے کے ساتھ مجھے دیا۔ اور خود چائے پینے لگی۔

''تم ناشتہ نہیں کروگی'' میں نے توس کھاتے ہوئے لیلیٰ سے پوچھا۔

''ابھی موڈ نہیں ہو رہا مجھے یہ ناول ختم کرنا ہے'' لیلیٰ چائے پیتے ہوئے بولی اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک ہارر ناول تھا جسے وہ پڑھ رہی تھی۔

''ہارر ناول۔۔۔تم یہ کیا بکواس پڑھتی رہتی ہو'' میں نے اس کے ہاتھ سے ناول لیتے ہوئے کہا۔

''میں ہارر کہانیاں لکھتی ہوں تو ہارر ناول ہی پڑھونگی نا'' لیلیٰ میرے ہاتھ سے اپنا ناول لیتے ہوئے بولی۔

''یہ ہارر رائٹر اپنے قارئین کو جھوٹی باتوں سے کیوں بہلاتے ہیں'' میں نے ناشتہ ختم کر کے چائے پیتے ہوئے لیلیٰ کو چھیڑا۔

''جھوٹی باتیں۔۔۔کیا مطلب؟'' لیلیٰ نے ناول بند کر کے میز پر رکھتے ہوئے تیوریاں چڑھا کر میری جانب دیکھا۔

''یہ جن بھوت آسیب چڑیل وغیرہ یہ سب جھوٹ ہے یا نہیں؟'' میں نے مسکرا کر پوچھا اکثر

میرے اور لیلیٰ کے درمیان اس طرح کی بحثیں ہوتی رہتی تھیں دراصل مجھے اپنی پیاری بیوی لیلیٰ کو چھیڑنے میں مزا آتا تھا۔

''یہ جن بھوت جھوٹ کیسے ہوتا ہے ذرا بتاؤ گے؟'' لیلیٰ تنگ کر بولی۔

''یا تم نے کبھی کوئی بھوت دیکھا ہے؟'' لیلیٰ کے سوال کے جواب میں، میں نے پوچھا۔

''ہاں دیکھا ہے'' لیلیٰ نے اطمینان کے ساتھ میرے سوال کا جواب دیا۔

''کیا۔۔۔کیا تم نے سچ مچ کا بھوت دیکھا ہے؟'' میں نے بے یقینی کی کیفیت میں لیلیٰ سے پوچھا۔

''ہاں''۔

''کہاں۔۔۔کب'' مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔

''یہیں۔۔۔اسی کمرے میں بلکہ وہ بھوت تو ہمارے ساتھ اس گھر میں رہتا ہے'' لیلیٰ کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آرہا تھا۔

''کونسا بھوت۔۔۔کس کا بھوت دیکھا ہے تم نے ۔۔۔جو ہمارے گھر میں ہمارے ساتھ رہتا ہے'' میں سچ مچ پریشان ہوگیا۔

''انکل فیروزی کا جو اس گھر کے پہلے مالک تھے اور جن کا کار ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوگیا تھا۔۔انہیں اپنے گھر سے بہت زیادہ محبت تھی اس لئے وہ مرنے کے بعد بھی اس گھر کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہورہے'' لیلیٰ نے تفصیل بتائی۔

''لیکن۔۔لیکن وہ مجھے تو کبھی نظر نہیں آئے'' میرا لہجہ بے یقینی کی کیفیت سے بھرا ہوا تھا۔

''وہ اکثر تمہارے جانے کے بعد آتے ہیں'' لیلیٰ نے جواب دیا پھر اچانک وہ میرے پیچھے دیکھتے ہوئے بولی ''لو آج انکل فیروزی تمہارے سامنے ہی آگئے۔۔۔'' اتنا کہہ کر لیلیٰ نے میرے پیچھے کی جانب دیکھا اور کہا ''آیئے آیئے انکل۔۔۔ہمارے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کیجئے''۔

لیلیٰ کے یہ سب کہنے پر میں نے اپنے پیچھے مڑ کر دیکھا مگر۔۔۔مگر مجھے کچھ نظر نہیں آیا میں آنکھیں پھاڑ کر اپنے پیچھے دیکھ رہا تھا کہ اچانک میرے برابر والی کرسی کھسکی۔۔۔تو میں اچھل پڑا۔

''یہ۔۔۔یہ کرسی کس نے کھسکائی۔۔'' میری پیشانی پر پسینہ چمکنے لگا پھر میں نے میز کے نیچے جھانکا تو دیکھا کہ لیلیٰ نے اپنا پیر آگے بڑھا کر کرسی کو کھسکایا تھا۔

''یہ سب کیا ہے؟'' میں اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا لیلیٰ میری کیفیت دیکھ کر بے ساختہ ہنس پڑی۔

''تو۔۔۔تم'' میں اتنا کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور لیلیٰ کے سامنے جا کر کھڑا ہوگیا اور اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنے مقابل کھڑا کیا۔

''تم باز نہیں آؤ گی؟'' میں نے لیلیٰ سے کہا اور اس کے چہرے پر جھکا تو اس نے مجھے پیچھے دھکا دیا۔

''جایئے دفتر کے لئے دیر ہوجائے گی پھر آپ کا وہ کھڑوس باس روزانہ کی طرح آپ پر چیخے گا'' لیلیٰ نے میرے بیجز ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

''اسی لئے کہتا ہوں کہ رومانی ناول لکھا کرو۔۔۔کچھ رومانٹک ہوجاؤ گی'' میں نے ناشتے کی ٹیبل سے اپنی کیپ اٹھاتے ہوئے کہا تو لیلیٰ ہنس پڑی پھر میں لیلیٰ کے گالوں پر پیار کرتے ہوئے اپنے دفتر جانے کے لئے گھر سے نکل پڑا۔

میں نے اپنی سرکاری جیپ پولیس ہیڈ کوارٹر کے سامنے روکی تو ایک کانسٹیبل جلدی سے میری جیپ کے قریب آیا اور مجھے سلوٹ مار کر سلام کیا میں نے جیپ کا دروازہ کھولا اور جیپ سے نیچے اترتے ہوئے کانسٹیبل کے سلام کا جواب دیا اور ہیڈ کوارٹر کے مرکزی دروازے کی جانب قدم بڑھا دیئے پولیس کانسٹیبل جیپ کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور جیپ کو ہیڈ کوارٹر کے پارکنگ ایریا کی جانب لیکر چل دیا میں نے ایک نظر جیپ پر ڈالی اور پھر دروازے سے گزر کر ہیڈ کوارٹر کے اندر داخل ہوگیا۔

''ہیلو فیس کیسے ہو؟'' ہیڈ کوارٹر کے راہداری میں مجھے ڈاکٹر سلمان ملے جنہوں نے مجھ سے پرتپاک

طریقے سے مصافحہ کیا اور میرا حال چال پوچھا الٹر سلمان پولیس کے اسپتال کے ایم ڈی ہیں اور اکثر ہیڈ کوارٹر آتے رہتے ہیں۔

''فائن ۔۔آپ سنایئے ایم ڈی بننے کے بعد کیسی گزر رہی ہے؟'' میں نے ڈاکٹر سلمان سے پوچھا کیونکہ وہ حالیہ دنوں میں ہی پرموشن پاکر ایم ڈی بنے تھے۔

''بہت مشکل جاب ہے انتظامی معاملات دیکھنا'' ڈاکٹر سلمان میرے ساتھ لفٹ کی جانب چلتے ہوئے بولے۔

''یہاں کیسے آنا ہوا؟'' میں نے لفٹ کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے پھر پوچھا۔

''کچھ بجٹ وغیرہ کے سلسلے میں میٹنگ ہے اس لئے آیا تھا'' ڈاکٹر سلمان بولے اتنے میں لفٹ کا دروازہ کھلا تو میں اور ڈاکٹر سلمان لفٹ میں داخل ہوگئے میں نے سیون فلور کا بٹن دبایا۔

''آپ تو شائد بجٹ ڈپارٹمنٹ جائیں گے؟'' میں نے پوچھا تو ڈاکٹر سلمان نے ہاں کے انداز میں سر ہلا دیا ڈاکٹر سلمان کا خاموش جواب پاکر میں نے ففتھ فلور کا بٹن پریس کر دیا کیونکہ بجٹ ڈپارٹمنٹ ففتھ فلور پر ہے۔

ففتھ فلور پر ڈاکٹر سلمان مجھے بائے کہتے ہوئے لفٹ سے اتر گئے پھر میں بھی سیون فلور پر اپنے دفتر کے سامنے لفٹ سے نکلا اور گنگناتے ہوئے اپنے دفتر میں داخل ہوا۔

''ہیلو سعیدی صاحب ۔۔آج پھر آپ کو دیر ہوگئی'' دفتر میں داخل ہوتے ہی مجھے غنایا دکھائی دی جو فائل ہاتھ میں لئے باس کے دفتر سے باہر نکل رہی تھی۔

''روز ہی دیر ہو جاتی ہے ۔۔اب تو دفتر کے لوگوں کو اس بات کا عادی ہوجانا چاہیے'' میں نے بھی ڈھیٹ پنے سے جواب دیا۔

''چیف دو دفعہ آپ کو پوچھ چکے ہیں اور آپ کے دفتر میں بھی ایک صاحب بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے ہیں'' غنایا بولی۔

''پہلے چیف سے مل لیتا ہوں ۔۔۔پھر دفتر میں آئے صاحب کو بھی دیکھ لیں گے'' میں نے غنایا کو جواب دیا اور اپنی ٹوپی سر پر ٹھیک طرح سے جماتے ہوئے چیف کے کمرے کی جانب تیز قدموں سے چل دیا۔

''مے آئی کم ان سر'' میں نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اپنے باس چیف انسپکٹر آف پولیس سے پوچھا۔

''آؤ ۔۔۔آؤ ۔۔میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا'' چیف نے اپنے سامنے رکھی فائل بند کرتے ہوئے کہا تو میں کمرے کے اندر داخل ہوگیا چیف نے اشارے سے مجھے بیٹھنے کا کہا تو میں ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی میز کے سامنے رکھی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا پھر میں نے اپنے سر سے ٹوپی اتاری اور اپنے سامنے رکھ دی۔

''سید محمد قیس السعیدی'' چیف نے میرے پورے نام سے مجھے مخاطب کیا تو میرے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی عموماً چیف اور دفتر کے دیگر افراد مجھے سعیدی کے نام سے پکارتے ہیں مگر اس وقت چیف نے مجھے میرے پورے نام سید محمد قیس السعیدی کے نام سے پکارا تو میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی یقیناً کوئی مشکل کیس آیا ہوگا اور اب چیف وہ کیس میرے سپرد کرے گا میں پورے دھیان سے باس کی بات سننے لگا۔

''تمہارے کمرے میں میرا بہت اچھا دوست سلیمان کا رابیٹھا ہے میرا بچپن کا دوست ہے ابھی حال ہی میں یہاں منتقل ہوا ہے اس کا مسئلہ سن لو'' چیف نے تمہید باندھی۔

''جی بہتر'' میں نے جواب دیا اور اپنی ٹوپی اٹھائی اور کھڑا ہوگیا مگر چیف نے اشارے سے مجھے پھر بیٹھنے کا کہا۔

''سلیمان سے مل لینا ۔۔مگر پہلے یہ بتاؤ فیڈرل

لیبر یٹری کے پی اے مسٹر رجائن کی موت کی تحقیق کہاں تک پہنچی'' چیف نے کچھ دن پہلے مجھے دیئے گئے کیس کے بارے میں پوچھا۔ مسٹر رجائن فیڈرل سیکریٹری احمد صادق کے پرسنل پی اے تھے اور ایک ہفتہ قبل اپنے گھر میں مردہ پائے گئے تھے۔

''سر میں نے پوری تحقیق کی ہے مگر ان کے قتل کا کوئی سراغ نہیں ملا ان کی موت طبعی معلوم ہوتی ہے'' میں نے جواب دیا۔

''پوسٹمارٹم کی رپورٹ میں کیا لکھا تھا؟'' چیف نے پھر پوچھا۔

''پوسٹمارٹم کی رپورٹ کافی حیرت انگیز ہے پوسٹمارٹم کے مطابق مسٹر رجائن کی موت سانس گھٹنے سے ہوئی'' میں جواب دے کر ایک منٹ کے لئے رکا۔

''کسی نے ان کے منہ ناک پر تکیہ وغیرہ رکھ کر ان کی سانس گھوٹ دی ہو؟'' چیف نے خدشہ ظاہر کیا۔

''ایسا کوئی ثبوت نہیں ملا ان کے پھیپھڑے بھی صحیح حالت میں تھے پوسٹمارٹم کی رپورٹ کے مطابق مسٹر رجائن سانس لینا ہی بھول گئے تھے'' میں نے جواب دیا۔

''سانس لینا بھول گئے تھے۔۔کیا مطلب؟''

''جی پوسٹمارٹم کی رپورٹ میں یہی لکھا ہے کہ ان کے تمام اعضاء نارمل کام کر رہے تھے مگر اچانک آکسیجن کی سپلائی منقطع ہوگئی جس کے وجہ سے مسٹر رجائن کا رشتہ زندگی سے کٹ گیا'' میں نے تفصیل سے جواب دیا۔

''حیرت انگیز''۔

''جی سر یہی وجہ ہے کہ مسٹر رجائن کا کیس آگے نہیں بڑھ پایا'' میں نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے تم سلیان سے مل لو اور ان کا مسئلہ حل کردو۔۔'' چیف نے کہا تو میں انہیں سلام کرتا ہوا ان کے کمرے سے باہر نکل آیا پھر میرے قدم میرے اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگے۔

میں اپنے کمرے میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی عمر پچپن ساٹھ کے لگ بھگ ہوگی میری میز کے سامنے بچھی ہوئی کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا ہے میرے قدموں کی چاپ سن کر وہ شخص جلدی سے کھڑا ہوگیا۔

''گڈ مارننگ'' میں نے اس شخص کو سلام کرنے میں پہل کی تو اس شخص نے آگے بڑھ کر تپاک سے مجھ سے ہاتھ ملایا۔

''آپ مسٹر سلیان ہیں''؟ میں اپنی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔

''جی مجھے سلیان کارا کہتے ہیں'' اس شخص نے جواب دیا۔

''بیٹھئے'' میں اپنی کرسی پر بیٹھ گیا تو میں نے سلیان کو بھی کرسی پر بیٹھنے کی پیشکش کی۔

''شکریہ'' سلیان شکریہ کہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔

''جی آپ کے ساتھ کیا مسئلہ درپیش ہے'' کچھ دیر انتظار کے بعد میں نے میز کی دراز سے چھوٹی نوٹ بک نکالی اور پھر سلیان کو مخاطب کیا نوٹ بک میں نے اس لئے نکالی تھی کہ سلیان اپنا جو بھی مسئلہ بیان کرے میں اسے نوٹ کرسکوں۔

''وہ بات دراصل یہ ہے کہ۔۔۔۔'' سلیان کچھ کہتے کہتے رک گیا اس کے ماتھے پر پریشانی کی شکنیں پڑ گئیں ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے اپنا مدعا بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں مل رہے ہیں۔

''ممکن ہے آپ میری بات پر یقین نہیں کریں مگر۔۔۔مگر یہ سچ ہے'' کچھ دیر ہچکچاہٹ کے بعد سلیان نے کہا۔

''مجھے آپ کی بات پر پورا یقین ہے کہ آپ جو کچھ کہیں گے وہ سچ ہوگا'' میں نے سلیان کو حوصلہ دیا۔

''دراصل مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میرے گھر میں میرے علاوہ بھی کوئی رہتا ہے'' بالآخر سلیان نے اپنی پریشانی بتائی۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا آپ کیا اپنے گھر میں اکیلے رہتے ہیں جو اب کوئی آپ کے ساتھ رہنے

آ گیا۔'' میں نے پوچھا۔

''میں اس شہر میں اپنی بیوی کے مرنے کے بعد ۔۔تقریباً ایک سال پہلے منتقل ہوا کچھ دن اپنے ایک رشتے دار کے گھر ٹھہرا پھر میں نے موجودہ مکان خریدا جب سے میں وہاں تنہا رہ رہا ہوں مگر پچھلے ایک ہفتہ سے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میرے علاوہ بھی میرے مکان میں کوئی اور بھی رہتا ہے'' سلیان نے پوری تفصیل بتائی۔

''پہلے آپ کہاں رہتے تھے'' میں نے پوچھا۔

''پہلے میں اباتوت شہر میں رہتا تھا ایک ڈیڑھ سال پہلے میری بیوی کا انتقال ہوا تو میرے لئے اباتوت میں رہنا مشکل ہو گیا اس لئے میں نے اپنے رشتے داروں کے مشورے پر اباتوت کا مکان بیچا اور اپنی جاب سے ریٹائرمنٹ لے کر اس شہر میں آ گیا'' سلیان بولا۔

''جی''

''میں نے تقریباً آٹھ مہینے پہلے ربائن اسٹریٹ پر موجودہ مکان خریدا، مکان تھوڑا پرانا ہے اور آبادی سے تھوڑا ہٹ کر ہے مگر میرے لئے بہت اچھا تھا اور مجھے سکون کی بھی ضرورت تھی لہذا میں نے مکان خرید لیا اور وہاں سکون سے رہنے لگا آٹھ ماہ تک مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔۔۔مگر پچھلے ایک ہفتے سے مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میرے ساتھ کوئی اور ذی روح بھی اس مکان میں رہ رہی ہے۔۔۔جو مجھے نظر نہیں آ رہی'' سلیان پھر بولا وہ اتنا تیز تیز بول رہا تھا کہ اس کے سانس پھول گئی میں نے میز پر رکھے ہوئے گلاس میں پانی نکالا اور سلیان کو دیا جو اس نے ایک ہی سانس میں پی لیا۔

''آپ کو کیسے محسوس ہوا کہ کوئی اور ہستی بھی آپ کے مکان میں رہ رہی ہے'' میں نے سلیان کی سانس بحال ہونے کے بعد پوچھا۔

''میں اس شخص کی سانس لینے کی آواز سنتا ہوں'' سلیان نے میرے سوال کا جواب دیا۔

''اوہ'' میرے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی'' آپ کے مکان میں شائد کسی پرندے یا جانور نے بھی مسکن بنا لیا ہے جس کی سانس لینے کی آواز آپ کے سماعت سے ٹکراتی ہے اور آپ کو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے کوئی ان ویزیبل ہستی جو کسی کو نظر نہیں آ رہی وہ آپ کے مکان میں آپ کے ساتھ رہ رہی ہے'' میں نے اطمینان بھرے لہجے میں جواب دیا۔

''نہیں ایسا نہیں ہے'' سلیان نے کہا'' میں نے اس ایک ہفتے میں اپنا پورا گھر صاف کیا کہیں کوئی پرندہ یا جانور نہیں ہے'' سلیان بولا۔

''کہیں ایسا تو نہیں آپ کی پانی کی لائنیں کہیں سے لیک ہو اور سانس لینے کے جو آوازیں آپ سن رہے ہے وہ دراصل پانی کے پائپ سے نکلنے والی ہوا کی آواز ہو'' میں نے پھر خدشہ ظاہر کیا۔

''جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔۔'' سلیان نے جواب دیا۔

''حیرت انگیز بات ہے'' میں سوچتے ہوئے بڑبڑایا میری نظر میں تو مسٹر سلیان کا دماغ شائد تنہائی کی وجہ سے اپ سیٹ تھا اور انہیں اپنے گھر میں کسی کے ہونے کا احساس ہو رہا تھا اکثر تنہا رہنے والے انسان اس طرح کی بیماری کا شکار ہو جاتے ہے اور وہ اپنی تنہائی مٹانے کے لئے اپنے ذہن سے ایک دوست تراش لیتے ہے اور بعض اوقات اسی دوست سے ڈرنے لگتے ہے مسٹر سلیان کے متعلق بھی میرا یہی خیال تھا۔

اسی وقت میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور چیف کمرے کے اندر داخل ہوئے میں چیف کو دیکھ کر جلدی سے اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور انہیں سلوٹ کیا۔

''قیس۔۔۔کیا خیال ہے تمہارا سلیان کے کیس کے بارے میں'' چیف نے میری میز کے پاس رکتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔۔۔میرا تو خیال ہے کہ مسٹر سلیان کو وہم ہو گیا ہے'' میں نے محتاط الفاظ میں خدشہ ظاہر کیا۔

''مجھے کوئی وہم نہیں ہوا ہے میں صاف محسوس کر

مانتا ہوں کہ میرے مکان میں کوئی اور بھی میرے ساتھ رہ رہا ہے جو مجھے نظر نہیں آرہا'' سلیان نے میرے الفاظ پر احتجاج کرتے ہوئے چیف کو مخاطب کیا۔

''اوکے۔۔۔۔اوکے'' چیف سلیان کی بات سن کر بولے پھر میری جانب متوجہ ہوئے ''قیس۔۔تم سلیان کے ساتھ اس کے گھر جا کر تحقیق کرلو''۔

''ٹھیک ہے سر'' میں نے جواب دیا تو چیف سلیان کی جانب متوجہ ہوئے اور اس سے کہنے لگے ''ٹھیک ہے سلیان۔۔یہ تمہارے ساتھ تمہارے گھر جا کر تحقیقات کرلے گا''۔

''تھینکس'' سلیان نے چیف کا شکریہ ادا کیا تو چیف میری جانب دیکھتے ہوئے کمرے سے باہر چلے گئے چیف کے جانے کے بعد میں نے گھنٹی بجا کر اپنے چپراسی کو بلایا میرے گھنٹی بجانے پر میرا چپراسی کمرے میں آیا۔

''اشراف آگیا ہے؟'' میں نے چپراسی سے اپنے اسسٹنٹ کے متعلق پوچھا۔

''جی۔۔وہ تو کافی دیر پہلے ہی آچکے ہیں'' چپراسی نے جواب دیا۔

''بھیجو اسے'' میں نے چپراسی سے کہا تو وہ الٹے قدموں واپس چلا گیا۔تھوڑی دیر میں میرا اسسٹنٹ اشراف طبائی کمرے میں داخل ہوا اور مجھے سلام کیا۔

''اشراف یہ مسٹر سلیان ہیں ہمیں تفتیش کے لئے ان کے گھر جانا ہے'' میں نے اشراف کا تعارف سلیان سے کرایا تو دونوں نے تپاک سے ہاتھ ملایا۔

''آپ سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں؟'' اشراف نے سلیان سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی میں قدیم مصری نسل سامی سے تعلق رکھتا ہوں'' سلیان نے جواب دیا۔

''میرا تعلق بھی سامی نسل سے ہے'' اشراف بولا تو سلیان نے اشرف کو گلے لگالیا۔

''آپ دونوں نے تعلق پیدا کر لیا۔۔میں یہاں اکیلا رہ گیا'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''سر آپ سید زادے ہیں۔۔۔عربی النسل ہے۔۔ہم تو قدیم مصری نسل سے تعلق رکھتے ہیں''۔ اشراف ہنستے ہوئے بولا۔

''نسل کچھ نہیں ہوتی اصل چیز آدمی کے اعمال ہوتے ہیں۔۔۔جلدی سے جیپ نکالو۔۔ہمیں سلیان صاحب کے گھر چلنا ہے'' میں نے اشراف سے کہا۔

''مسئلہ کیا ہے سر؟'' اشراف نے پوچھا تو میں نے مختصراً سلیان کا مسئلہ اشرف کو بیان کیا وہ بھی مسئلہ سن کر حیرت سے سر ہلانے لگا پھر پارکنگ سے جیپ لینے کے لئے کمرے سے نکل گیا اشراف کے نکلنے کے بعد میں نے بھی چند ضروری چیزیں سمیٹی اور سلیان کے ساتھ اپنے دفتر سے باہر نکلا باہر روڈ پر آتے ہی اشراف نظر آیا جو جیپ لئے سڑک کنارے کھڑا ہمارا انتظار کررہا تھا میں اور سلیان جیپ میں بیٹھ گئے اور اشراف نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھادی۔

''سر جانا کہاں ہے؟'' جیپ چلاتے ہوئے اشراف نے پوچھا۔

''رہائن روڈ'' میرے بجائے سلیان نے جواب دیا۔

''رہائن روڈ وہ تو تقریباً قاہرہ شہر کے مضافات میں ہے'' اشراف بولا۔

''ہاں وہی رہائن روڈ'' میں نے جواب دیا تو اشراف نے سر ہلاتے ہوئے جیپ کی رفتار تیز کردی۔

ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد جیپ رہائن روڈ پہنچ گئی سلیان سے پوچھ کر اشراف جیپ کو سلیان کے گھر کے سامنے تک لے گیا سلیان کا مکان آبادی سے تھوڑا ہٹ کر تھا اور باہر ہی سے محسوس ہوتا تھا کہ مکان کافی قدیم ہے۔اشراف کے جیپ روکنے کے بعد میں جیپ سے نیچے اترا میرے اترنے سے پہلے ہی سلیان جیپ سے نیچے اتر چکا تھا اشراف بھی جیپ بند کر کے ہمارے ساتھ آکھڑا ہوا میں سلیان کے مکان کو بغور دیکھ رہا تھا قدیم طرزِ تعمیر کا ایک شاہکار مکان تھا جس کی دیکھ بھال زیادہ اچھے طریقے سے نہ ہونے کی وجہ سے مکان

آسیب زدہ سا محسوس ہو رہا تھا۔ مکان کا رنگ بوسیدہ ہو کر جگہ جگہ سے اکھڑ گیا تھا جس کی وجہ سے مکان مزید ہیبت زدہ محسوس ہو رہا تھا۔

جیپ سے اتر کر ہم تینوں مکان کے بڑے سے لوہے کے گیٹ کے سامنے پہنچے لوہے کے گیٹ کو سلیان نے آگے بڑھ کر دھکا دیا تو وہ کسی کتے کی طرح غراتے ہوئے کھل گیا گیٹ کھلنے کے آواز اتنی بھیانک تھی کہ ایک لمحے کو میں اپنی جگہ پر ٹھٹک کر رک گیا پھر سلیان کے پیچھے گیٹ سے اندر داخل ہوا۔ گیٹ کے ساتھ ہی ایک لان تھا جس میں اگی ہوئی گھاس جگہ جگہ سے مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے جلی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی لان میں چند ٹھنڈ منڈ سے درخت بھی کھڑے تھے جن کے زیادہ تر پتے زرد تھے حالانکہ یہ خزاں کا موسم نہیں تھا مگر سلیان کے لان میں ایسا لگتا تھا جیسے خزاں نے مستقل ڈیرا ڈال رکھا ہو۔ میں لان کی حالت پر غور کرتا ہوا مکان کی جانب بڑھا۔

اچانک ایک تیز اور کرخت آواز نے میرے قدم روک دیئے یہ آواز سن کر اشراف بھی رک گیا اس کا چہرہ بھی خوف کی چغلی کھا رہا تھا۔

''یہ۔۔۔۔ یہ آواز کیسی ہے؟'' اشراف گھبرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''یہ اس منحوس چمگادڑ کی آواز ہے؟'' سلیان نفرت سے ایک درخت پر دیکھتا ہوا بولا تو میں نے اور اشراف نے بھی سلیان کی آنکھوں کی سیدھ میں دیکھا۔۔۔ تو ایک بار پھر میں خوف سے لرز اٹھا پتوں سے خالی درخت پر ایک بھیانک شکل والی چمگادڑ الٹی لٹکی ہوئی ہم تینوں کو گھور رہی تھی۔

''اف خدایا۔۔ کتنی بھیانک چمگادڑ ہے'' چمگادڑ کو دیکھتے ہی بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

''اوہ اس کا منہ تو دیکھو۔۔۔ یہ تو کسی بھیڑیئے کے منہ سے مشابہ لگ رہا ہے'' اشراف چمگادڑ کو غور سے دیکھتا ہوا بولا تو میں نے بھی غور سے چمگادڑ کو دیکھا مکمل سیاہ رنگ کی وہ بھیانک چمگادڑ کسی کوے کے برابر کی تھی اور اس کا چہرہ۔۔۔۔ اف اس کا چہرہ تو کسی خونخوار بھیڑیئے کے چہرے جیسا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ چمگادڑ اپنی سرخ سرخ آنکھوں میں سارے زمانے کی وحشت لئے ہم تینوں کو گھور رہی تھی۔

''یہ آپ نے کیسی چمگادڑ پالی ہوئی ہے'' میں نے سلیان سے پوچھا۔

''میں نے کوئی چمگادڑ نہیں پالی یہ چمگادڑ بھی پچھلے ایک ہفتے سے اس درخت پر الٹی لٹکی ہوئی ہے۔۔ میں نے کئی بار اس بھگایا مگر یہ پھر واپس آجاتی ہے'' سلیان بولا تو میں نے سر ہلا دیا یہ باتیں کرتے ہوئے ہم تینوں مکان کے اندرونی دروازے کے سامنے پہنچے تو۔۔۔ تو میری آنکھیں ایک بار پھر خوف سے ابل پڑیں۔

دروازے کے اوپر ایک لوہے کی زنجیر لگی ہوئی تھی اور زنجیر کے ساتھ جھولتا ہوا ایک عجیب و غریب سا مجسمہ تھا جو شائد دروازے پر دستک دینے کے لئے لگایا گیا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر زنجیر پکڑی اور اس مجسمے کو دیکھنے لگا وہ مجسمہ ایک بھیڑیئے کا سر معلوم ہو رہا تھا قریب سے چند لمحوں دیکھنے ہی سے مجھے اس مجسمے سے ڈر سا محسوس ہونے لگا۔

''یہ کیسا بھیانک مجسمہ لگایا ہوا ہے آپ نے'' میں نے مجسمہ اپنے ہاتھ سے چھوڑتے ہوئے سلیان سے کہا۔

''یہ مجسمہ اس دروازے کے ساتھ ہی لگا ہوا ملا۔۔۔۔ مجھے تو یہ آرٹ کا بہترین نمونہ محسوس ہوا اسی لئے میں نے اسی دروازے کے ساتھ لگا رہنے دیا'' سلیان بولا اور پھر دروازہ کھول کر گھر کے اندر داخل ہو گیا سلیان کے گھر میں داخل ہونے کے بعد اس کے پیچھے میں اور میرے پیچھے اشراف بھی گھر کے اندر داخل ہوا۔ اندر سے بھی مکان کافی پراسرار تھا اور گھر کے در و دیوار سے پراسراریت ٹپک رہی تھیں۔

''آپ کا گھر کافی پراسرار بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ کافی ڈراؤنا ہے'' میں نے گھر کا اندر سے جائزہ لیتے

ہوئے کہا۔

''جی ہاں'' سلیان بولا''اس گھر کو خریدنے کی وجہ اس کا پراسرار ہونا ہی تھا اسی لئے مجھے یہ گھر پسند آیا۔۔۔پھر یہ گھر آبادی سے تھوڑا ہٹ کر ہے لہذا مجھے یہاں کوئی ڈسٹرب بھی نہیں کرتا'' سلیان نے کہا۔

''تنہائی سے آپ گھبرا نہیں جاتے''؟ سلیان کی بات سن کر اشراف بول اٹھا۔

''میری کتابیں میری ساتھی ہیں جو مجھے بور نہیں ہونے دیتیں۔۔۔ میں نے اس گھر میں چھوٹی سی لائبریری بنا رکھی ہے جہاں میرا زیادہ تر وقت گزرتا ہے'' سلیان بولا تو میں نے سر ہلا دیا۔

''ویسے ابھی تک مجھے یہاں کسی کے ہونے کا احساس تو نہیں ہوا؟'' کچھ دیر بعد میں نے سلیان سے کہا۔

''اسٹڈی روم میں چلتے ہیں مجھے زیادہ تر آواز وہیں محسوس ہوتی ہیں'' سلیان نے کہا اور سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا سلیان کے پیچھے میں اور اشراف بھی چل دیئے۔

سیڑھیوں پر ہلکا سا اندھیرا تھا مگر اتنا بھی نہیں کہ کچھ نظر نہ آسکے لہذا میں اور اشراف کسی دقت کے بنا بالائی منزل پر پہنچ گئے اوپر پہنچ کر مجھے ایک اور جھٹکا لگا کیونکہ سیڑھیوں کے ٹھیک سامنے دیوار پر ایک بڑا سا مجسمہ بنا ہوا تھا وہ مجسمہ کسی دیو ہیکل انسان کا تھا مگر۔۔۔اس کا سر بھیڑیئے کے سر سے مشابہ تھا ملگجی روشنی میں وہ مجسمہ کافی بھیانک اور ڈراؤنا لگ رہا تھا ایک لمحے کو میرا دل چاہا کہ اس پراسرار گھر سے بھاگ جاؤں مگر پھر میں نے اپنا دل مضبوط کیا۔

سلیان ہم دونوں سے آگے تھا اس نے آگے بڑھ کر ایک دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا میں اور اشراف بھی اس کھلے دروازے سے گزر کر کمرے میں داخل ہوئے یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جہاں بڑی بڑی الماریاں رکھی ہوئی تھیں اور ان الماریوں میں بڑے سلیقے سے کتابیں لگی ہوئی تھیں میرے اور اشراف کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد سلیان نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا دروازہ بند ہوتے ہی مجھے ایک ناگوار سی بو محسوس ہوئی جیسی کسی مردہ جانور کی بدبو۔۔۔میں نے اپنی ناک سکھیڑی۔

''کمرے میں بو سی محسوس ہو رہی ہے'' میں نے ناک سہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔۔میں نے کتابوں کو کیڑوں سے بچانے کے لئے دوا کا استعمال کیا ہے'' سلیان نے جواب دیا۔سلیان کے جواب سے میں مطمئن نہیں ہوا کیونکہ فضا میں کیڑے مارنے والی دوا کی بو نہیں بلکہ سڑے ہوئے گوشت کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

''دوسری جگہوں کی نسبت مجھے اس کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس زیادہ ہوتا ہے'' سلیان ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا اس کے اشارے پر میں اور اشراف بھی کمرے میں رکھی دوسری کرسیوں پر بیٹھ گئے۔میں چونکنے انداز میں بیٹھا تھا اور یہ محسوس کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کمرے میں ہم تینوں کے علاوہ بھی کوئی ہے یا نہیں۔۔مگر مجھے کسی چوتھے فرد کے کمرے میں ہونے کا کوئی احساس نہیں ہو رہا تھا۔

''کیا آپ مافوق الفطرت چیزوں پر یقین رکھتے ہیں؟'' اچانک اشراف جو بڑی دیر سے خاموش تھا سلیان سے مخاطب ہوا۔

''مافوق الفطرت مطلب بھوت وغیرہ'' سلیان نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں''

''نہیں میں ایسی کسی خرافات پر یقین نہیں رکھتا'' سلیان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

''سنا ہے کہ اس طرح کے پرانے مکانات میں روحیں وغیرہ بسیرا کر لیتی ہیں'' اشرف بولا میں اشراف اور سلیان کی باتیں دلچسپی کے ساتھ سن رہا تھا۔

''سنا تو میں نے بھی ہے'' سلیان بولا۔

''کیا اس گھر میں آپ کو کبھی ایسا محسوس ہوا کہ کوئی روح وغیرہ یا کوئی بھوت پریت ہو'' اشرف

پھر بولا۔

''میں تقریباً ایک سال سے یہاں رہ رہا ہوں مجھے کبھی ایسا محسوس نہیں ہوا مگر پچھلے ایک ہفتے سے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میرے علاوہ بھی کوئی ہے جو اس گھر میں رہ رہا ہے میں اس کی سانسوں کی آواز سن سکتا ہوں'' سلیان نے اشرف کی بات کا جواب دیا۔

''آپ اس گھر میں کس طرح کی آوازیں سن رہے ہیں'' میں نے ان دونوں کی بات میں دخل دیا۔

''میں آئرم کو بتا چکا ہوں کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی میرے قریب کھڑا گہری گہری سانسیں لے رہا ہو'' سلیان نے چیف آئرم کا نام لیتے ہوئے جواب دیا۔

''لیکن ہمیں تو ابھی تک ایسی کوئی آواز محسوس نہیں ہوئی'' میں نے جواب دیا۔

''ہم لوگ کچھ دیر خاموش رہے تو ہمیں محسوس ہوگا'' سلیان نے کہا۔

''ٹھیک ہے ہم خاموش ہو جاتے ہیں'' میں نے جواب دیا اشرف نے میری بات سن کر کچھ کہنا چاہا مگر میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش کر دیا۔

ابھی ہمیں خاموش ہوئے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ میں نے دیکھا کہ سلیان کے چہرے پر زلزلے کے آثار پیدا ہونے لگے وہ آہستہ آہستہ لرز رہا تھا اس کا چہرہ خوف سے سفید پڑتا جا رہا تھا۔

''مسٹر سلیان آپ ۔۔آپ ٹھیک تو ہیں''؟ میں نے سلیان سے پوچھا تو سلیان نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور آہستہ آواز میں بولا ''سنو۔۔۔سنو کوئی۔۔۔کوئی ہے کمرے میں۔۔۔۔سانس لے رہا ہے۔۔سنو''۔

سلیان کی بات سن کر میں خاموش ہو گیا اور دھیان لگا کر آواز سننے لگا ۔۔تو ۔۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔۔کوئی۔۔۔اور بھی تھا اس کمرے میں ہم تینوں کے علاوہ۔۔۔وہ سانس لے رہا تھا بہت گہری سانس جو آہستہ تھی مگر محسوس ہو رہا تھا کہ جو بھی ہے وہ بہت گہری گہری سانسیں لے رہا ہے اس کی سانسوں کی آواز آہستہ آہستہ بلند ہو رہی تھی میں نے اشراف کی جانب دیکھا وہ بھی خوفزدہ سا نظر آ رہا تھا۔

''یہ۔۔یہ تو واقعی کسی کے سانس لینے کی آواز ہے۔۔۔مگر'' اشراف نے جملہ ادھورا چھوڑا۔

''مگر کیا؟'' میں نے بے قراری سے پوچھا۔

''مگر یہ کسی انسان کی سانس کی آواز تو نہیں لگ رہی'' اشراف نے جواب دیا ''عجیب سی خرخراہٹ ہے سانسوں کی آواز میں''۔

''ہاں ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی بھیڑیا سانس لے رہا ہو'' میں نے اشرف کی بات کی تائید کی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا مگر مجھے ہم تینوں کے علاوہ اس کمرے میں کوئی اور ذی روح نظر نہیں آئی۔ مجھے اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے ہوئے محسوس ہونے لگے خوف کے مارے میرا دل پھٹا جا رہا تھا میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں فوراً کمرے سے بھاگ جاؤں مگر میرے پیر من من بھر کے ہو گئے تھے میرے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ سانس لینے کے رفتار اب بہت تیز ہو گئی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی بھیڑیئے کہیں دور سے بھاگ کر آیا ہے اور زور زور سے ہانپ رہا ہے۔ میں نے اپنی پوری قوت کو جمع کیا اور زور سے چیخا۔

''کون ہو تم'' میری آواز لرز رہی تھی ''کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو؟'' میں پھر چیخا۔

''خر۔۔۔خر۔۔۔خر'' میرے سوال کے جواب میں کوئی زور زور سے غرایا، غراہٹ کی آواز سن کے سلیان اور اشراف کا زرد پڑتا چہرہ مزید زرد پڑ گیا اور وہ دونوں خوف سے لرزنے لگے۔

''جواب دو کون ہو تم؟'' میں نے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس دکھائی نہ دینے والی مخلوق کو پکارا۔

''چپ ہو جاؤ۔۔۔خدا کے لئے۔۔۔اسے اشتعال مت دلاؤ'' سلیان کے منہ سے منمناتی ہوئی

آواز برآمد ہوئی۔

''جواب دو کون ہو تم۔۔۔تمہاری آواز سے محسوس ہو رہا ہے کہ تم تکلیف میں ہو ہمیں بتاؤ تمہیں کیا تکلیف ہے ہم تمہاری مدد کریں گے'' میں نے حوصلہ پکڑتے ہوئے اس مخلوق کو مخاطب کیا۔

''خدا کے واسطے چپ ہو جاؤ۔۔۔آج سے پہلے کبھی یہ آواز اتنی بلند نہیں ہوئی۔۔۔۔مم۔۔مجھے ڈر لگ رہا ہے'' سلیان گھگھیاتے ہوئے بولا۔

''آپ خاموش رہیں مجھے اس ان دیکھی مخلوق سے بات کرنے دیں مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ تکلیف میں ہے اور اسے ہماری مدد کی ضرورت ہے'' میں نے سلیان کو جھڑکا۔

''پلیز ہمیں بتاؤ تم کون ہو۔۔۔ہم تمہاری تکلیف ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔۔۔۔پلیز ہم سے بات کرو'' میں نے ایک بار پھر کمرے میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا میری بات کے ساتھ ہی سانسیں لینے کی رفتار ایک دم تیز ہوگئی اور پھر ایک زور دار چیخ کمرے میں گونجی۔

''ہمیں بتاؤ تم کون ہو اور تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' میرا خوف اب ختم ہو چکا تھا اور میں نہایت بہادری کے ساتھ اس دکھائی نہ دینے والی مخلوق سے مخاطب تھا۔

اسی وقت ایک اور چیخ کمرے میں گونجی ایسا لگا جیسے کسی بھیڑیئے نے خوشی میں چیخ ماری ہو۔کمرے میں گونجنے والی چیخ کے ساتھ ہی سلیان زور سے ہوا میں اچھلا۔۔۔۔۔مگر حیرت انگیز طور پر وہ زمین پر نہیں گرا بلکہ فضا ہی میں رک گیا اور پھر تیزی کے ساتھ کسی پنکھے کی طرح کمرے میں گھومنے لگا میں اور اشراف سلیان کے اس طرح گھومنے سے پریشان ہوگئے اور تیزی کے ساتھ فرش پر بیٹھ گئے ورنہ سلیان کی گھومتی ہوئی ٹانگیں ہمارے سروں سے ٹکرا کر ہمیں زخمی ضرور کر دیتیں۔ سلیان کے تیزی کے ساتھ گھومنے کی وجہ سے کمرے میں رکھی کتابوں کے ورق تیزی کے ساتھ حرکت کرنے لگے جس سے کمرے میں ایک بھونچال سا آ گیا سلیان کے منہ سے بڑی بھیانک چیخیں نکل رہی تھیں مگر میں اور اشراف سلیان کی کوئی مدد نہیں کر پا رہے تھے بلکہ ہم دونوں سلیان کی گھومتی ٹانگوں سے خود کو بچانے کے سر توڑ کوششیں کر رہے تھے۔

تھوڑی سے فضا میں گھومنے سے بعد سلیان دھڑام سے کمرے کے فرش پر گرا اور بے سدھ ہو گیا کمرے میں ایک دم خاموشی چھا گئی سلیان کی چیخوں کی آواز کے ختم ہوتے ہی اس ان دیکھی مخلوق کی سانس لینے کی آواز بھی آنا بند ہوگئی۔سلیان کے گرتے ہی میں اور اشراف بھاگ کر سلیان کے نزدیک پہنچے اشراف نے سلیان کی نبض چیک کی پھر سلیان کی آنکھوں کو دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا سلیان مر چکا تھا اس کا منہ انتہائی تکلیف دہ حالت میں کھلا ہوا تھا۔

جیسے اس کی موت بڑی اذیت سے واقع ہوئی ہو۔

''ایمبولنس کو فون کرو فوراً'' میں نے اشراف سے کہا اور پھر سلیان کے دل کی دھڑکن سننے کی کوشش کرنے لگا پھر میں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر سلیان کے دل کے مقام پر رکھا اور اس پمپ کرنے کی کوشش کرنے لگا سلیان کا جسم ایک دم سفید پڑ گیا تھا اس کی آنکھیں بے نور ہو چکی تھیں۔

تھوڑی دیر میں ایمبولنس آ گئی اور ایمبولنس میں سوار اسٹاف سلیان کو لاش کو لیکر ہسپتال روانہ ہوا تو میں او ر اشرف بھی اس آسیب زدہ مکان سے باہر نکلے ہم دونوں کے چہرے ستے ہوئے تھے تھوڑی دیر پہلے جو واقعات ہمارے سامنے ہوئے ان واقعات نے ہمارے ذہن پر بہت برا اثر ڈالا تھا میں اور اشراف خاموشی سے جیپ میں آ کر بیٹھ گئے جیپ میں بیٹھ کر میں نے مکان کی جانب دیکھا مکان عجیب آسیب زدہ محسوس ہو رہا تھا پھر میری نظر مکان کے لان میں کھڑے اجڑے ہوئے درخت پر گئی جہاں پر وہ خوفناک چمگادڑ لٹکی ہوئی تھی اور اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے ہمیں دیکھ

رہی تھی میں نے اس چمگادڑ پر سے اپنی نظریں ہٹائیں اور سامنے سڑک پر دیکھنے لگا۔

''سر ہسپتال چلنا ہے؟'' کچھ دیر سانسیں بحال کرنے کے بعد اشراف نے پوچھا ساتھ ہی جیپ میں رکھی پانی کی بوتل میری جانب بڑھائی۔

''ہاں'' میں نے مختصر سا جواب دیا اور اشراف کے ہاتھ سے پانی کی بوتل لے کر غٹا غٹ پانی پینے لگا۔

پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد ہم ہسپتال پہنچ گئے ایمبولنس ہم سے پہلے ہی ہسپتال پہنچ چکی تھی جیپ کو پارکنگ میں لگانے کے بعد میں اور اشراف ہسپتال کے اندر پہنچے پولیس کارڈ دکھانے کے بعد ہی ہمیں سلیان کے لاش کے موجودہ صورتحال کا معلوم ہوا۔ ڈاکٹر یحییٰ سلیان کی لاش کا معائنہ کررہے تھے لاش کے معائنے کے بعد جب میں نے ڈاکٹر یحییٰ سے بات کرنی چاہی تو انھوں نے سلیان کی موت کے بارے میں کوئی بات کرنے سے صاف انکار کردیا اور کہہ دیا کہ صحیح صورتحال وہ پوسٹمارٹم کے بعد ہی بتائیں گے سلیان کی لاش کا پوسٹمارٹم شروع ہوا میں اور اشراف خاموشی سے ہسپتال کی بنچ پر بیٹھے سلیان کا پوسٹمارٹم مکمل ہونے کا انتظار کررہے تھے میں نے ہسپتال آنے کے بعد ہی چیف آئرم کو سلیان کی موت کے بارے میں بتا دیا تھا انہیں نے افسوس کا اظہار کیا جب میں نے انہیں سلیان کے گھر میں پیش آنے والے واقعات مختصر کرکے بتائے تو وہ حیرت زدہ رہ گئے انھوں نے سلیان کے کیس پر مزید کام کرنے کا حکم دیا۔ چیف کو فون کرنے کے بعد میں اشراف کے ساتھ بنچ پر بیٹھا غور کررہا تھا آج تک میری زندگی میں اس طرح کے واقعات پیش نہیں آئے تھے لہذا میں پریشان ہونے کے ساتھ شدید حیرت زدہ بھی تھا۔

چار گھنٹے بعد سلیان کا پوسٹمارٹم ختم ہوا تو میں اور اشراف ڈاکٹر یحییٰ کے کمرے میں پہنچے۔

''ڈاکٹر یحییٰ۔۔ میں انسپکٹر سید محمد قیس السعیدی ہوں اور سلیان کی موت کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں'' میں نے ڈاکٹر یحییٰ کو اپنا تعارف کرایا تو انھوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا وہ کافی پریشان نظر آرہے تھے۔

''ڈاکٹر۔۔۔ سلیان کی موت کی کیا وجہ تھی؟'' میں نے ڈاکٹر یحییٰ سے پوچھا۔

''میری پوری میڈیکل کی زندگی میں ایسا کیس پہلی بار آیا ہے'' ڈاکٹر یحییٰ اپنی کرسی سے ٹیک لگاتے ہوئے بولے۔

''کیا مطلب۔۔ سلیان کی موت کیسے ہوئی'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''سلیان کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا'' ڈاکٹر یحییٰ بولے۔

''خون کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا ۔۔۔۔۔ مطلب'' میں نے حیران ہوکر پوچھا ڈاکٹر یحییٰ کی بات سن کر اشراف بھی حیرت سے منہ کھولے انہیں دیکھنے لگا۔

''جی ہاں ۔۔۔۔ حیرت کی بات ہے سلیان کے جسم میں خون نام کی کوئی شئے نہیں تھی اور اسی وجہ سے ان کی موت واقع ہوئی ہے'' ڈاکٹر یحییٰ کی بات سن کر ہمیں ایسا لگا جیسے کسی نے ہمارے سر پر بم پھوڑ دیا ہو۔

''یعنی ۔۔۔۔ سلیان کے جسم کا سارا خون کسی نے نکال لیا تھا''؟ میں نے کچھ دیر بعد اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

''اگر سلیان کے جسم سے خون نکالا جاتا تو اس کے جسم میں کہیں کوئی سوراخ ضرور ہوتا جیسے کسی سرنج وغیرہ کا سوراخ۔۔۔ مگر ہمیں سلیان کے جسم پر کوئی سوراخ نہیں ملا۔۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے اس کے جسم کے اندر پہنچ کر اس کا سارا خون چوس لیا ہو'' ڈاکٹر یحییٰ بولے تو میں اور اشراف ان کا منہ دیکھنے لگے۔

''پوسٹمارٹم کی رپورٹ کب تک مل جائے گی'' کچھ دیر بعد میں نے پوچھا۔

''پوسٹمارٹم کی رپورٹ تو کل صبح ہی ملے گی'' ڈاکٹر یحییٰ نے جواب دیا تو میں نے سر ہلا دیا کچھ

دیر بعد میں اور اشراف ڈاکٹر زیدی نے بات کرکے ہسپتال سے باہر نکلے اور جیپ میں بیٹھ گئے۔

''سر اب کہاں جانا ہے'' اسٹرینگ پر بیٹھے اشراف نے مجھ سے پوچھا۔

''شام ہو چلی ہے اور سلیمان کے گھر میں ہونے والے واقعات اور سلیمان کے موت نے ذہنی طور پر بہت زیادہ ڈسٹرب کر دیا ہے لہٰذا تم گھر جا کر آرام کرو میں بھی گھر جاتا ہوں۔۔۔صبح پوسٹمارٹم کی رپورٹ دیکھنے کے بعد پھر اگلی کارروائی کا فیصلہ کریں گے'' میں نے جمائی روکتے ہوئے اشراف سے کہا تو اس نے خاموشی سے جیپ آگے بڑھا دی۔

اشراف اپنے گھر کے سامنے جیپ سے اترا تو میں جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور پھر میں اپنے گھر آ گیا میرا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا تھکن سے میرا برا حال تھا میں گھر پہنچا تو لیلیٰ گھر میں نہیں تھی گھر پہنچ کر مجھے یاد آیا کہ آج لیلیٰ کو ایک سیمینار میں شرکت کرنے کے لئے جانا تھا اس بارے میں لیلیٰ نے صبح ہی مجھے مطلع کیا تھا لیلیٰ کی غیر موجودگی میرے لئے مزید کوفت کا باعث بنی۔

گرم شاور لینے سے میری تھکن میں تھوڑا سا افاقہ ہوا پھر میں نے اپنے لئے چائے بنائی اور چائے کا کپ لیکر بالکونی میں بیٹھ گیا اور سلیمان کی موت اور اس کے گھر میں ہونے والے واقعات پر غور کرنے لگا مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ دکھائی نہ دینے والی مخلوق کون تھی اور۔۔۔سلیمان کے جسم سے اس کا سارا خون کہاں غائب ہو گیا یہ معاملات میری سمجھ سے باہر تھے۔

ابھی فیڈرل سیکریٹری کے پی اے مسٹر جائن کی موت ہی میرے لئے معمہ بنی ہوئی تھی کہ ان کی سانسیں غائب ہو گئی تھیں اور اب یہ کیس چیف کے دوست مسٹر سلیمان کے جسم کا سارا خون غائب ہو گیا کہیں یہ دونوں واقعات کسی ایک ہی کیس کی کڑی تو نہیں ہیں۔ میں مسلسل سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ چائے ختم کرکے میں بستر پر لیٹ گیا۔ تھکن اتنی شدید تھی کہ مجھے فوراً ہی نیند آ گئی۔ رات کو خواب میں بھی مجھے سلیمان کے گھر میں ہونے والے واقعات ہی نظر آتے رہے۔

☆......☆......☆

میرے موبائل کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی میری نیند موبائل کی مسلسل بجنے والی گھنٹی کی آواز سے کھل گئی کچھ دیر میں بے سدھ لیٹا رہا کمرے میں نائٹ بلب چل رہا تھا لیلیٰ میرے برابر لیٹی سو رہی تھی شائد رات کو وہ کسی وقت سیمینار سے واپس آئی ہو گی اور مجھے سوتا دیکھ کر اس نے مجھے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا، موبائل کی گھنٹی کی کرخت آواز سے لیلیٰ کی بھی آنکھ کھل گئی۔

''کس کا فون ہے۔۔دیکھ لو'' لیلیٰ غنودگی میں بڑبڑائی۔

''ہاں دیکھتا ہوں'' میں نے کروٹ لیکر موبائل اٹھایا اور اسکرین پر نظر ڈالی موبائل کی اسکرین پر اشراف کا نام چمک رہا تھا۔

''ہاں اشراف کیا بات ہے؟'' میں نے لیٹے لیٹے موبائل آن کرکے کان سے لگا۔

''قیس۔۔۔قیس'' اشراف کی ڈری ڈری آواز میرے کانوں سے ٹکرائی تو میں بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''کیا بات ہے اشراف خیریت ہے نا؟'' میں نے اپنی نیند کو بھگاتے ہوئے اشرف سے پوچھا۔

''قیس ت۔۔۔تم فوراً میرے گھر آ جاؤ'' اشراف کی ڈری ڈری آواز موبائل سے برامد ہوئی۔

''کیا بات ہے اشراف۔۔کیا ہوا۔۔تم خیریت سے ہونا'' میں نے اشراف سے پوچھا۔

''قیس۔۔قیس وہ۔۔۔وہ منحوس چمگادڑ اس وقت میرے گھر کے سامنے لگے درخت سے الٹی لٹکی مجھے گھور رہی ہے۔۔'' اشراف نے جملہ مکمل کیا۔

''کیا''

''ہاں قیس۔۔۔تم جلدی سے میرے گھر

آجاؤ۔۔۔مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔۔۔اور میں اس وقت گھر میں بالکل تنہا ہوں'' اشراف بولا۔

''بھابھی کہاں ہے''؟ میں نے پوچھا۔

''وہ اپنی بھائی کے گھر گئی ہے۔۔۔پلیز قیس تم میرے گھر آجاؤ'' اشراف جملے کے آخر میں گڑگڑانے لگا۔

''میں دو منٹ میں آرہا ہوں'' میں نے بستر سے نیچے اترتے ہوئے کہا اور فوراً واش روم میں گھس کیا ذرا سی دیر میں میں تیار ہو کر واش روم سے نکلا تو لیلیٰ اٹھ چکی تھی۔

''کیا بات ہے خیریت تو ہے نا'' لیلیٰ نے مجھے تیار دیکھ کر پوچھا۔

''اشراف کے گھر میں کچھ گڑبڑ ہے۔۔۔میں وہاں جارہا ہوں'' میں نے جیب کی چابی اٹھاتے ہوئے کہا ساتھ ہی دیوار پر لگی گھڑی پر نظر دوڑائی رات کے تین بج رہے تھے۔

''کیا ہوا اشراف بھائی کو'' لیلیٰ نے جمائی روکتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں پتا۔۔اشراف نے کچھ نہیں بتایا۔۔اور وہ گھر میں اکیلا ہے'' میں نے جواب دیا۔

''بھابھی کہاں ہیں''؟ لیلیٰ نے اشراف کی بیوی کا پوچھا اشراف کی بیوی اور لیلیٰ کی اچھی خاصی دوستی ہے اشراف کی شادی کو گیارہ سال ہوگئے ہیں مگر وہ ابھی تک اولاد کی نعمت سے محروم تھا۔

''بھابھی اپنے بھائی کے گھر گئی ہوئی ہیں''۔ میں نے جواب دیا۔

''ہاں ان کے بھتیجے کی شادی ہونے والی ہے اسی سلسلے میں وہ اپنے بھائی کے گھر گئی ہوئی ہونگی'' لیلیٰ نے جواب دیا۔

میں لیلیٰ کو بائے کہتے ہوئے گھر سے باہر نکلا اور ذرا سی دیر میں اپنی جیپ میں بیٹھا اشراف کے گھر کی جانب روانہ ہوگیا رات کے تین بجے قاہرہ کی سڑکیں سنسان ہورہی تھی کوئی ایکا دکا گاڑی روڈ پر رواں دواں تھی لہذا میں نہایت تیز رفتاری سے جیپ ڈرائیو کرتا ہوا اشراف کے گھر کے سامنے پہنچا اشراف کے گھر کے سامنے پہنچ کر میں نے جیپ بند کی اور جیپ سے نیچے اترا اور اشراف کے گھر کے دروازے کی جانب بڑھا دروازے کے پاس پہنچ کر میں نے اطلاعی گھنٹی بجائی اور ساتھ ہی اشراف کے گھر کے قریب کھڑے درخت کی شاخوں کی جانب دیکھا تو۔۔تو میں خوفزدہ ہوگیا سلیان کے گھر کے سامنے لگے درخت پر بیٹھی ہوئی چمگادڑ اس وقت اشراف کے گھر کے سامنے لگے درخت کی ایک اونچی ٹہنی پر بیٹھی اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہی تھی میں نے اس چمگادڑ کی خون ٹپکاتی نگاہوں سے بچنے کے لئے اپنی آنکھیں نیچے کرلی۔اسی وقت دروازہ کھلا اور اشراف دروازے میں نظر آیا اس نے جلدی سے میرا بازو پکڑا اور مجھے گھر کے اندر لیکر دروازہ بند کردیا۔

اندر پہنچ کر میں نے اشراف کی جانب دیکھا تو میں دھک سے رہ گیا چھ گھنٹے پہلے میں نے اشراف کو اچھا خاصا اس کے گھر ڈراپ کیا تھا۔۔مگر اس وقت جو اشراف میرے سامنے کھڑا تھا وہ برسوں کا بیمار معلوم ہو رہا تھا اس کا چہرہ سیاہ پڑ گیا تھا اس کی آنکھیں اپنے حلقوں سے باہر نکلی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اس کے چہرے پر خوف کا آثار نمایاں تھے۔اشرف نے مجھے بازو سے سختی کے ساتھ پکڑ رکھا تھا۔

''وہ۔۔۔وہ عفریت۔۔۔۔وہ بھوت مجھے بھی مارنے میرے گھر آگیا ہے'' اشراف کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے الفاظ برامد ہوئے وہ خوف سے لرز رہا تھا میں نے اشراف کو تسلی دی اور اسے آرام سے صوفے پر بیٹھایا اور سامنے رکھے ڈائننگ ٹیبل سے گلاس اٹھا کر پانی بھرا اور اشراف کو دیا اشراف نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کردیا

'' سعیدی۔۔۔سعیدی۔۔۔پلیز مجھے اس عفریت سے بچا لو۔۔۔وہ۔۔وہ مجھے بھی سلیان کی طرح مارنا چاہتا ہے'' پانی پی کر اشراف کے حواس بحال

ہوئے تو وہ مجھ سے بولا۔

''تمہیں کیسے محسوس ہوا کہ وہ شیطان عفریت تمہارے گھر میں موجود ہے'' میں اشراف سے پوچھا۔

''تم نے جب مجھے میرے گھر چھوڑا تو میں فریش ہو کر سونے کے لئے لیٹ گیا حبیبہ (اشراف کی بیوی کا نام) اپنے بھائی کے گھر گئی ہوئی ہے اس لئے گھر میں میرے علاوہ کوئی نہیں تھا لہذا میں ایک گلاس دودھ پی کر سونے کے لئے لیٹ گیا ابھی مجھے لیٹے ہوئے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک تیز چیخ نما آواز سے میری آنکھ کھل گئی وہ چیخ نما آواز اتنی کرخت اور بھیانک تھی کہ ایک لمحے کو میں لرز اٹھا۔۔آواز میرے گھر کے باہر سے آئی تھی لہذا میں دروازہ کھول کر باہر نکلا تو۔۔۔تو مجھے وہ منحوس چمگادڑ نظر آئی جو سلیان کے گھر کے باہر درخت پر الٹی لٹکی ہوئی تھی وہی چمگادڑ میرے گھر کے باہر بھی بیٹھی میرے گھر کو گھور رہی تھی میں گھبرا کر گھر میں واپس آ گیا اور میں نے دروازہ بند کر دیا مگر وہ چمگادڑ مسلسل چیختی رہی پھر۔۔۔پھر مجھے ۔۔۔مجھے احساس ہوا کہ میرے۔۔۔میرے علاوہ بھی گھر میں کوئی اور۔۔کوئی اور موجود ہے'' اشراف نے پوری بات کہتے کہتے آخری میں خوفزدہ سا ہو گیا۔

''تمہیں کیسے محسوس ہوا کہ تمہارے علاوہ بھی کوئی یہاں موجود ہے؟'' میں نے سوال کیا۔

''مجھے۔۔مجھے لال رنگ کی کوئی شئے نظر آئی تو جو گھر میں ادھر ادھر پھر رہی ہے۔۔مگر اس چیز کی رفتار اتنی تیز ہے کہ میں یہ نہیں دیکھ پایا کہ وہ کیا چیز ہے'' اشرف نے جواب دیا تو میں سوچ میں پڑ گیا پھر میں صوفے سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا میں سوچ رہا تھا۔اچانک میری نظر کمرے کے کونے میں پڑی جہاں خون کی ایک لکیر نظر آئی۔

''اشراف تمہیں چوٹ لگی ہے کیا؟'' میں نے اشرف سے پوچھا۔

''نہیں۔۔۔کیوں؟'' اشراف نے جواب دینے کے بعد سوال کیا۔

''وہ دیکھو کونے میں خون پڑا ہے'' میں نے اشراف کو کمرے کے کونے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا جہاں خون کی ایک باریک لکیر نظر آ رہی تھی۔

''نہیں یہ میرا خون نہیں ہے۔۔۔'' اشراف اپنے ہاتھ پیروں کو دیکھتا ہوا بولا۔

''کہیں بھابھی کو چوٹ تو نہیں لگی'' میں نے پوچھا۔

''حبیبہ ایک ہفتے سے اپنے بھائی کے گھر گئی ہوئی ہے اور اس دوران ماسی وغیرہ بھی کام پر نہیں آئی ہے۔۔میرے علاوہ پورے ہفتے سے گھر میں کوئی اور نہیں رہ رہا ہے'' اشراف نے تفصیل بتائی وہ بھی خون دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔میں خون کے پاس پہنچا اور اپنی انگلی خون پر رکھی خون تازہ تھا۔

''یہ تو تازہ خون ہے'' میں اپنی انگلی پر لگے خون کو اپنے انگوٹھے سے مسلتے ہوئے بولا۔

''تمہارے پاس خون محفوظ رکھنے والی شیشی ہے'' کچھ دیر بعد میں نے اشراف سے پوچھا تو اشراف نے سائیڈ پر رکھی میز کی دراز کھولی اور اس میں سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر مجھے دے دی میں نے شیشی کا ڈھکن کھولا اور اس ڈھکن کی مدد سے فرش پر پڑا خون اٹھایا اور اس خون کو شیشی میں محفوظ کر کے شیشی کو ڈھکن لگا کر مضبوطی سے بند کر دیا اور شیشی کو جیب میں رکھ لیا۔

خون کی شیشی جیب میں رکھ کر جیسے ہی میں اشراف کی جانب مڑا اشراف کو دیکھ کر میں دھک سے رہ گیا اشراف کا چہرہ خوف سے سفید پڑتا جا رہا تھا وہ ٹکٹکی باندھے کمرے کے ایک کونے میں دیکھ رہا تھا اس کی آنکھوں کی پتلیاں اوپر کو چڑھ رہی تھیں وہ شدید خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔

''اشراف ۔۔۔اشراف کیا ہوا؟'' میں نے اشرف سے پوچھا۔

''وہ۔۔۔وہ شیطان ۔۔وہ شیطان ۔۔آ گیا۔۔۔وہ شیطان۔۔'' اشراف کے منہ سے بے ترتیب جملہ نکلا۔

''کون۔۔۔'' میں نے حیرت سے پوچھا مگر اس سے پہلے کہ اشراف مجھے جواب دیتا ایسا لگا جیسے کمرے میں زلزلہ آگیا ہو ایک سرخ رنگ کی شئے اشرف کے گرد چکر لگانے لگی وہ شئے اتنی تیزی سے اشراف کے گرد گھوم رہی تھی کہ اس پر نظر نہیں ٹھہر رہی تھی اس شئے کے اتنی تیزی سے گھومنے کی وجہ سے کمرے میں رکھی چیزیں اڑ اڑ کر زوردار آواز کے ساتھ فرش پر گر رہی تھی میں کمرے میں اڑتی چیزوں سے بچنے کے لئے دیوار کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا اور اپنا سر اپنے دونوں ہاتھ اور ٹانگوں کے درمیان دبا لیا تاکہ کمرے میں اڑتی چیزوں کے ضرب سے بچ سکوں۔

اشراف کی دردناک چیخنے کمرے میں گونج رہی تھی ۔۔۔مگر میں بے بس تھا میں کچھ نہیں کر سکتا تھا تھوڑی دیر وہ سرخ شئے اشراف کے گرد گھومتی رہی مگر اچانک کمرے میں سکوت طاری ہو گیا وہ سرخ شئے اب کمرے میں نظر نہیں آرہی تھی اشراف کمرے کے فرش پر بے سود پڑا تھا میں جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اشراف کے پاس پہنچا اشرف اوندھے منہ پڑا تھا میں نے اسے سیدھا کیا تو۔۔۔ میں لرز اٹھا اشراف کا چہرہ بہت بھیانک ہو گیا تھا اس کا چہرہ سیاہ کوئلے جیسا ہو گیا تھا اس کی زبان اس کے منہ سے باہر نکلی ہوئی تھی اس کی آنکھیں۔۔۔۔

اف اس کی آنکھیں غائب تھیں اس کی آنکھوں کی جگہ دو خالی سوراخ تھے جن سے خون بہہ کر باہر نکل رہا تھا اشرف اچھا خاصا صحت مند آدمی تھا مگر اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ تپ دق کا مریض ہو میں نے اشراف کی نبض ٹٹولی اور جھک کر اس کے دل کی دھڑکن سننی چاہی ۔۔۔مگر مجھے مایوسی ہوئی میری آنکھوں میں بے بسی کے آنسو آگئے میرا اسسٹنٹ میرے سامنے موت سے ہمکنار ہو گیا تھا۔۔۔۔مگر میں کچھ نہیں کر سکا تھا۔

میں نے اپنے آنسو پونچھے اور اپنا موبائل نکال کر پولیس ہسپتال کو فون کرنے لگا۔کچھ دیر بعد ایمبولینس آگئی ایمبولینس کا عملہ بھی اشراف کی لاش کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔جیسے ہی ایمبولینس اشراف کی لاش کو لیکر ہسپتال روانہ ہوئی میں بھی ایمبولنس کے پیچھے ہسپتال پہنچ گیا ہسپتال پہنچتے ہی اشراف کی لاش کو ڈاکٹر سلمان نے چیک کیا۔

''ڈاکٹر سلمان اشراف کی موت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے'' جب ڈاکٹر سلمان نے اشرف کی لاش کو چیک کر لیا تو میں نے پوچھا۔

''ابھی میں کوئی جواب نہیں دے سکتا ایک دو گھنٹے میں اشراف کو پوسٹمارٹم ہو جائے پھر میں کچھ صحیح نتیجے پر پہنچونگا'' ڈاکٹر سلمان نے جواب دیا اور جلدی سے پوسٹمارٹم روم میں چلے گئے جہاں پہلے ہی اشرف کی لاش کو لے جایا گیا تھا۔

ڈاکٹر سلمان کی بات سن کر میں ہسپتال کی بنچ پر بیٹھ گیا پھر میں نے موبائل نکال کر اشراف کی بیوی حبیبہ بھابھی کو فون کر کے اشراف کی موت کے بارے میں بتایا تو حبیبہ بھابھی اور ان کا بھائی فوراً ہی ہسپتال پہنچ گئے حبیبہ بھابھی کا رو رو کر برا حال ہو رہا تھا میں نے انہیں تسلی دی ابھی تک میں نے انہیں نہیں بتایا تھا کہ اشراف کی موت کس طرح واقع ہوئی اور موت کے بعد اس کا کا حال ہوا۔

دو گھنٹے بعد ڈاکٹر سلمان پوسٹمارٹم روم سے باہر نکلے تو میں لپک کر ان کے پاس پہنچا مجھے دیکھ کر ڈاکٹر سلمان نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور مجھے پوسٹمارٹم روم کے اندر لیکر گئے کمرے کے اندر پہنچ کر میں نے دیکھا کہ سامنے بیڈ پر اشراف کے لاش رکھی ہوئی ہے جس پر ایک سفید چادر پڑی ہوئی ہے۔

''ڈاکٹر سلمان۔۔۔اشراف کی موت کیسے واقع ہوئی؟'' میں نے ڈاکٹر سلمان سے اپنا پرانا سوال دہرایا۔

''یہ میری زندگی کا حیرت انگیز ترین کیس ہے'' ڈاکٹر سلمان نے تمہید باندھی۔

''کیا مطلب''۔

''اشراف کے جسم کے اندر کچھ بھی نہیں ہے'' ڈاکٹر سلمان بولے۔

''جسم میں کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ میں سمجھا نہیں'' میں ڈاکٹر سلمان کی بات سن کر ناسمجھی میں بولا۔

''اشراف کے جسم کے تمام اعضاء غائب ہیں'' ڈاکٹر سلمان اپنا ماتھا رگڑتے ہوئے بولے کمرے میں اے سی چل رہا تھا اس کے باوجود ڈاکٹر سلمان کے ماتھے پر پسینہ چمک رہا تھا۔

''اعضاء غائب ہیں کیا مطلب'' میں ابھی تک ڈاکٹر سلمان کی بات نہیں سمجھ سکا تھا۔

''ایسا لگتا ہے جیسے اشراف کے جسم سے اس کے اعضاء کسی نے چرالئے ہو'' ڈاکٹر سلمان بولے۔

''کون سے اعضاء'' بات ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''اشرف کے جسم میں کچھ بھی نہیں ہے صرف ڈھانچہ اور ڈھانچے کے اوپر چڑھا گوشت اور کھال بس۔۔۔ باقی اس کا دل پھیپھڑے گردہ دماغ آنکھیں۔۔۔ اس کا جسم اندر سے بالکل کھوکھلا ہے۔۔۔ کچھ بھی نہیں ہے اس کے جسم کے اندر'' ڈاکٹر سلمان کے منہ سے بے ترتیب الفاظ نکلے وہ خود انتہائی خوفزدہ نظر آرہے تھے۔

''اوہ میرے خدا'' ڈاکٹر سلمان کی بات سن کر میرے حواس معطل ہوگئی میں اگر دیوار کا سہارا نہ لے لیتا۔۔۔ تو شائد ڈاکٹر سلمان کی بات سن کر کمرے کے فرش پر گر پڑتا۔

''میری پوری میڈیکل کی زندگی میں یہ پہلا کیس ہے ایسا لگتا ہے جیسے کسی نے اشراف کے جسم کے اندر سے اس کے اعضاء نکال لئے ہوں۔۔۔ مگر کس طرح۔۔۔ اشراف کے جسم پر کسی قسم کا کوئی نشان نہیں تھا کیا۔۔۔ کیا اشرف بغیر جسمانی اعضاء کے زندہ تھا؟'' ڈاکٹر سلمان بڑبڑانے کے انداز میں بولے۔

''یہ۔۔۔ یہ تیسرا واقعہ ہے اس طرح کا'' میں نے ڈاکٹر سلمان کے بات مکمل ہونے کے بعد کہا۔

''کیا تیسرا واقعہ۔۔۔ اس سے پہلے بھی کسی کے اعضاء چرائے گئے ہے''؟ میری بات سن کر ڈاکٹر سلمان بولے تو میں نے رجائن اور سلیان کے بارے میں انہیں بتایا کہ کس طرح رجائن کی سانسیں چرائی گئی تھی اور سلیان کے جسم کا خون بھی کوئی عفریت چرا کر لے گیا تھا۔

''اوہ میرے خدا۔۔۔ اس کا مطلب ہے اس وقت قاہرہ میں کوئی عفریت ہے جو لوگوں کے جسم کے اندر سے ان کے اعضاء چرا رہا ہے۔۔۔'' ڈاکٹر سلمان میری بات سن کر بولے تو میں نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

''لیکن وہ عفریت لوگوں کے اعضاء کیوں چرا رہا ہے'' کچھ دیر بعد ڈاکٹر سلمان سوچتے ہوئے بولے۔

''رجائن کی سانسیں، سلیان کا خون اور اشراف کے جسم کے اعضاء۔۔۔ کہیں وہ عفریت اپنا جسم تو مکمل نہیں کر رہا'' میں سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔

''یقیناً۔۔۔ تمہاری بات درست ہے'' ڈاکٹر سلمان میری بات سن کر بولے۔

''اس کا مطلب ہے اب وہ کسی اور شخص کا گوشت اور کھال چرانے کی کوشش کرے گا۔۔۔ تاکہ اپنا جسم مکمل کر سکے'' میں سوچتے ہوئے بولا۔

''یقیناً''۔

''مجھے رجائن، سلیان اور اشراف میں قدر نے مشترک ڈھونڈنا پڑے گا۔۔۔ کیونکہ وہ عفریت ہر شخص کے پیچھے نہیں ہے بلکہ چند مخصوص لوگوں کے اعضاء چرا رہا ہے'' میں مسلسل سوچ رہا تھا۔

''تم اب صحیح خطوط پر کام کر رہے ہو'' ڈاکٹر سلمان بولے۔

''ڈاکٹر سلمان۔۔۔ اشراف کے اعضاء غائب ہونے والی بات میڈیا کو نہ معلوم ہو ورنہ پورے قاہرہ میں خوف و ہراس پھیل جائے گا'' میں نے ڈاکٹر سلمان سے کہا۔

''تم بے فکر رہو۔۔۔ میں پوسٹمارٹم کی رپورٹ

میں اشراف کی موت کی وجہ دل کا شدید دورہ لکھ دونگا۔۔۔'' ڈاکٹر سلمان نے مجھے جواب دیا تو میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور پھر ان سے ہاتھ ملا کر ہسپتال سے باہر نکلا۔ صبح ہو چلی تھی سورج نے مشرق سے اپنا منہ نکال کر چاروں طرف روشنی بکھیر دی تھی میں اپنی جیپ میں بیٹھا اور گھر کی جانب روانہ ہوا۔

جب میں گھر پہنچا تو لیلیٰ اٹھ چکی تھی میں نے اسے اشراف کی موت کے بارے میں بتایا تو اسے بہت افسوس ہوا پھر میں نے اسے سلیمان کے گھر پیش آنے والے انہونے واقعات کے بارے میں بتایا جس میں لیلیٰ نے خاص دلچسپی لی پھر میں نے اسے رجائن کی موت، سلیمان کی موت اور اشراف کی موت کے حقیقی اسباب بتائے تو وہ بے حد سنجیدہ ہوگئی اور کچھ سوچنے لگی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' میں نے لیلیٰ کو سنجیدہ دیکھا تو پوچھا۔

''تم فریش ہو کر آؤ۔۔۔ میں تمہیں کچھ بتاؤنگی'' لیلیٰ نے کہا تو میں لیلیٰ کو گہری نظروں سے دیکھتا ہوا بیڈ روم کی جانب بڑھ گیا۔

گرم گرم شاور لیکر میری رات کی تھکن کافی حد تک کم ہوگئی اب مجھے چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی میں فریش ہو کر بیڈ روم سے باہر نکلا اور ڈائننگ ٹیبل پر پہنچا تو لیلیٰ نے بھاپ اڑاتی گرما گرم چائے میرے سامنے رکھ دی۔

''تھینک یو لیلیٰ۔۔۔ اس وقت مجھے چائے کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی'' میں نے لیلیٰ سے کہا۔

''جانتی ہوں۔۔۔ اسی لئے میں نے آپ کے مطلب کی اسٹرانگ چائے بنائی ہے'' لیلیٰ بولی تو میں نے ایک بار پھر لیلیٰ کو شکریہ ادا کیا اور چائے کا کپ اٹھا کر منہ سے لگا لیا چائے واقعی بہت اچھی تھی میری بقایا تھکن بھی رفو چکر ہوگئی۔

''یہ دیکھو۔۔۔ تمہیں سلیمان اور اشراف بھائی کے گھر کے سامنے یہ چمگادڑ نظر آئی تھی'' لیلیٰ نے ایک کتاب میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا تو میں نے لیلیٰ کے ہاتھ سے کتاب لی اور اس صفحے پر نظر دوڑانے لگا جو لیلیٰ نے کتاب دیتے وقت موڑ رکھا تھا۔

''ہاں۔۔ ہاں۔۔ یہی ۔۔۔ یہی چمگادڑ تھی'' میں کتاب پر نظر دوڑاتے ہوئے بول اٹھا۔

''اوہ خدایا۔۔۔ اس کا مطلب ہے وہ۔۔۔ وہ دوبارہ اس دنیا میں آگیا ہے۔۔۔'' لیلیٰ میری بات سن کر بڑبڑائی۔

''کون۔۔۔ کون دوبارہ آگیا ہے''؟ میں لیلیٰ کے بات سن کر حیران رہ گیا۔

''اعماطونوس۔۔۔ عرف عام میں اسے عزازیل کہتے ہے'' لیلیٰ بولی۔

''اعماطونوس۔۔۔ عزازیل۔۔ یہ کیا بلا ہے؟'' میں لیلیٰ کی باتیں سن کر حیران ہو رہا تھا۔

''یہ واقعی ایک خوفناک بلا ہے۔۔۔ شیطانوں کا شیطان عزازیل'' لیلیٰ بڑبڑائی۔

''مجھے پوری بات بتاؤ لیلیٰ'' میں پوری طرح لیلیٰ کی جانب متوجہ ہوا۔

''کئی صدیاں پہلے مصر کے جنوب میں ایک شخص رہتا تھا جس کا نام اعماطونوس تھا یہ شخص شیطان کا پیروکار تھا اس نے اپنی محنت اور ریاضت سے شیطان کو خوش کر کے کافی طاقت حاصل کر لی تھی پھر اعماطونوس نے اپنے چیلوں کے ساتھ اس وقت کے بادشاہ کو شکست دے کر حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اور عزازیل کا لقب اختیار کرتے ہوئے خود بادشاہ بن بیٹھا۔ اعماطونوس یا عزازیل اپنے وقت کا بہت ظالم جادوگر تھا اس نے لاکھوں انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیا اعماطونوس کو جس شخص کی شکل پسند نہیں آتی تھی وہ اس شخص کے چہرے کو تیزاب سے جلا کر اس کا چہرہ اپنی مرضی کا بنانے کی کوشش کرتا عزازیل موت پر فتح حاصل کرنا چاہتا تھا لہذا وہ دن رات اسی کوشش میں لگا رہتا کہ کسی طرح شیطان کو خوش ہو کر اسے امر زندگی کا فلسفہ بتا دے تاکہ وہ موت پر فتح پا کر امر ہو جائے۔''

لیلیٰ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئی۔

''خاصی ڈراؤنی کہانی ہے'' میں جھرجھری لیتے ہوئے بولا۔

''یہ کہانی نہیں ہے'' لیلیٰ بولی ''عزازیل حقیقت تھا اس نے نہایت ظالمانہ طریقے سے مصر کے جنوبی حصے پر حکومت کی تھی اس کے دورِ حکومت میں لاکھوں مصری بے موت مارے گئے تھے''

''اعماطونوس یا عزازیل مرا کیسے تھا؟'' میں نے لیلیٰ سے پوچھا۔

''عزازیل کے وقت ہی میں مشرق کی جانب ایک رحمدل خداترس بادشاہ راعسیس کی حکومت تھی خدا نے راعسیس کو خاص طاقتوں سے نوازا تھا اس کا دورِ حکومت خوشحالی اور مسرتوں کا دور تھا شیطان نے عزازیل کو بتایا کہ راعسیس کی طاقت اس کے بالوں میں ہے لہذا عزازیل اگر کسی طرح راعسیس کے بال حاصل کرلے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتا ہے یعنی موت کو شکست دے کر ابدی زندگی حاصل کرسکتا ہے۔ لہذا عزازیل راعسیس کے بال حاصل کرنے کی سازش کرنے لگا۔'' لیلیٰ یہاں تک بول کر خاموش ہوگئی۔

''عزازیل راعسیس کے بال حاصل کرسکا'' مجھے بھی لیلیٰ کی کہانی میں دلچسپی محسوس ہونے لگی تھی۔

''ہاں۔۔۔ عزازیل نے راعسیس کو دوستی کا جھانسا دے کر اپنے محل میں آنے کی دعوت دی جسے راعسیس نے قبول کرلیا اور وہاں پر دھوکے سے عزازیل نے سوتے ہوئے راعسیس کے بال حاصل کرلئے'' لیلیٰ بولی۔

''پھر۔۔۔ پھر تو عزازیل نے موت پر فتح حاصل کرلی ہوگی'' میں دلچسپی کے ساتھ بولا۔

''نہیں۔۔۔'' لیلیٰ نے میری بات کا جواب دیا۔

''کیوں۔۔۔ جب عزازیل نے راعسیس کے بال حاصل کرلئے تو پھر وہ موت کو شکست کیوں نہیں دے سکا؟'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

دلچسپ کہانیوں کا رسالہ

ماہنامہ

بچوں کا میگزین

کراچی

آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال سے طلب فرمائیں۔

98 صفحات	قیمت -/30 روپے

ہر شمارہ خاص

جس میں اسلامی، ادبی، سائنسی اور مختلف موضوعات پر بے شمار معلومات، اس کے علاوہ سلسلے وار کہانیاں، لطیفے، اقوال اور حیران کن واقعات، نظمیں اور مزید ذہنی نشوونما کے لئے تحریریں ہیں۔

پیارے بچو! آپ ہمیں اچھی اور بہترین معلومات، لطیفے، کہانیاں اور سبق آموز واقعات لکھ کر بھیجیں۔ آپ کی ارسال کردیں تحریریں ہم ''بچوں کے میگزین'' میں شائع کریں گے۔

اس کے علاوہ آپ اپنی کہانیاں بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں۔

ہمارا ای میل ایڈریس ہے:

bachonkamagazine#gmail.com

خط و کتابت کا پتہ:

گوالی لائن نمبر 3، نورانی آرکیڈ

نیو اردو بازار کراچی

Mob:0324-7232580

''جیسے ہی عزازیل نے راعسیس کے بال کاٹے راعسیس کی آنکھ کھل گئی اور وہ عزازیل کا مقصد جان گیا لہٰذا راعسیس اور اس کے جانثار ساتھیوں نے عزازیل اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کر دیا اس حملے میں عزازیل کے کافی ساتھی ختم ہوئے لہٰذا عزازیل اپنے چند خاص چیلوں کے ساتھ محل سے فرار ہو گیا راعسیس اور اس کے ساتھی عزازیل کے تعاقب میں دوڑے اور کافی دور جا کر انھوں نے عزازیل اور اس کے ساتھیوں کو نرغے میں لے لیا جب عزازیل نے دیکھا کہ اس کی موت قریب ہے ۔۔۔تو'' لیلیٰ کتاب پڑھتے پڑھتے رک گئی۔

''موت قریب دیکھ کر عزازیل نے کیا کیا؟'' میری دلچسپی اس کہانی میں بڑھتی جا رہی تھی۔

''عزازیل نے موت کو قریب دیکھ کر اپنے آپ کو الداہو کر لیا'' لیلیٰ بولی۔

''الداہو۔۔یہ کیا ہے؟'' میں ایک انجان لفظ سن کر حیران رہ گیا۔

''الداہو کا مطلب ہے ٹکڑے کرنا'' لیلیٰ نے میری بات کا جواب دیا۔

''ٹکڑے کرنا مطلب'' میں لیلیٰ کی بات سمجھ نہیں سکا۔

''عزازیل نے اپنی موت کو قریب دیکھ کر اپنے آپ کو الداہو کر لیا۔۔اس وقت اس کے ساتھ اس کے چار چیلے موجود تھے لہٰذا عزازیل نے اپنے آپ کو الداہو کرتے ہوئے اپنے ایک چیلے کو اپنی سانسیں بخش دیں اور دوسرے چیلے کو اپنا خون اور تیسرے کو اپنے جسم کے دیگر اعضاء اور چوتھے کو اپنا گوشت اور کھال دے کر زمین کے چاروں سمتوں میں بھگا دیا۔'' لیلیٰ بولی۔

''بھگا دیا مطلب'' میں حیران ہو رہا تھا۔

''ہاں ۔۔۔عزازیل نے اپنے جسم کو چار ٹکڑوں میں تقسیم کر کے اپنے چار چیلوں میں بانٹ دیا اور ایک چیلے کو مشرق دوسرے کو مغرب تیسرے کو شمال اور چوتھے چیلے کو جنوب کی جانب روانہ کر دیا۔''

لیلیٰ نے تفصیل بتائی۔

''اوہ تو اس کا مطلب ہے۔۔صدیوں بعد عزازیل اپنے چیلوں سے اپنا جسم واپس لے رہا ہے'' میں نے حیرت سے پوچھا تو لیلیٰ نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

''تمہاری بات کہانی کے طور پر تو بہت اچھی ہو سکتی ہے مگر۔۔عقل میں نہیں سما رہی'' میں نے لیلیٰ سے کہا۔

''تمہارے ساتھ یہی مشکل ہے کہ تم ہر چیز کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہو۔۔۔جبکہ دنیا میں ہزاروں نہیں لاکھوں ایسی پراسرار باتیں ہیں جس کا جواب عقل کے پاس نہیں ہے'' لیلیٰ میری بات سن کر بولی۔

''اگر تمہاری بات سچ مان لیں تو اس کا مطلب ہے عزازیل کا ابھی ایک شکار اور باقی ہے جس سے عزازیل اپنا گوشت اور کھال واپس لے گا'' میں سوچتے ہوئے بولا۔

''یقیناً''۔

''وہ کون ہو سکتا ہے'' میں سوچنے لگا۔

''عزازیل کے چاروں چیلے سامی نسل سے تعلق رکھتے تھے'' لیلیٰ نے میری بات کا جواب دیا۔

''قاہرہ کی بیس فیصد سے زیادہ آبادی سامی نسل سے تعلق رکھتی ہے اب پولیس کس کس سامی نسل کے بندے کی نگرانی کریں گی۔۔ہمارے چیف آئرم خود سامی نسل سے تعلق رکھتے ہیں'' میں نے لیلیٰ کو جواب دیا۔

''میں یہ بات نہیں کہہ رہی کہ تم سامی نسل کے ہر شخص کی نگرانی کرو۔۔میں نے ایک بات کہی ہے۔اب تم دیکھو رجائن، سلیان اور اشراف بھائی سامی نسل سے ہی تعلق رکھتے تھے کہ نہیں؟'' جواب دیتے دیتے لیلیٰ نے سوال کیا تو میری گردن اقرار میں ہل گئی۔

''وہ تینوں نہ صرف سامی نسل سے تعلق رکھتے تھے ۔۔۔بلکہ وہ تینوں اولاد کی نعمت سے بھی محروم

تھے'' میں نے سوچتے ہوکہا۔

''اسی لئے عزازیل واپس آیا ہے کہ اب اس کے جسم کی حفاظت کے لئے اس کے چیلوں کی نسل ختم ہو رہی ہے۔۔اور یقیناً اس کا چوتھا چیلا بھی نہ صرف سامی نسل سے ہوگا بلکہ وہ بھی لاولد ہوگا'' لیلیٰ بولی۔

''سامی نسل کے بہت سے لوگوں کو تو میں جانتا ہوں۔۔ہمارے چیف آئرم خود سامی نسل سے ہیں مگر۔۔۔ان کا ایک بیٹا بھی ہے'' میں سوچتے ہوئے بولا۔

''ضروری نہیں کہ تمہارے چیف ہی عزازیل کے چیلوں کی نسل سے ہوں۔۔۔کوئی بھی ہو سکتا ہے'' لیلیٰ بولی۔

''اس کا مطلب ہے میری تفتیش یہاں آکر ٹھپ ہو جاتی ہے۔۔میں عزازیل کے اگلے شکار کا انتظار کروں'' میں بولا۔

''نہیں۔۔سب سے پہلے تو مسٹر رجائن کے گھر جا کر معلوم کرو کہ کیا یہ چمگادڑ نما جانور رجائن کی موت سے پہلے ان کے گھر کے آس پاس نظر آیا۔۔۔اور پھر اپنے آدمیوں کو اس چمگادڑ کی تلاش میں لگا دو جہاں یہ چمگادڑ ہوگی وہیں عزازیل کا اگلا شکار ہوگا'' لیلیٰ بولی تو میں اچھل پڑا۔

''یہ تم نے پوائنٹ کی بات بتائی ہے میں ابھی رجائن کے گھر جاتا ہوں اور ساتھ ہی تمام جگہوں پر اس چمگادڑ کی تصویر بھیج دیتا ہوں کہ کسی کو یہ چمگادڑ نظر آئے تو فوراً اطلاع دے'' میں نے کہا تو لیلیٰ نے سر ہلا دیا پھر میں نے اپنے موبائل سے چمگادڑ کی تصویر کی کئی تصویریں بنائیں اور لیلیٰ کے گال پر پیار کرتے ہوئے رجائن کے گھر کی جانب روانہ ہوا۔

رجائن کے گھر پہنچ کر جب میں نے رجائن کی بیوہ کو اس چمگادڑ کی تصویر دکھائی تو وہ فوراً ہی اس منحوس چمگادڑ کو پہچان گئی۔اور اس نے بتایا کے رجائن کی موت سے کئی دن قبل اس چمگادڑ نے ان کی چھت پر اپنا گھر بنا لیا تھا اور دن رات وہیں پر الٹی لٹکی رہتی تھی۔مسز رجائن کی بات سن کر میں سیدھا اپنے دفتر پہنچا تاکہ فیلڈ میں موجود لوگوں کو اس چمگادڑ کی تصویر بھیج سکوں دفتر پہنچ کر معلوم ہوا کہ چیف ابھی تک دفتر نہیں پہنچے ہیں یہ خلاف معمول بات تھی چیف کبھی لیٹ نہیں ہوتے تھے اور اگر انہیں کہیں جانا ہوتا تھا یا دفتر سے چھٹی کرنی ہوتی تھی تو وہ اپنی سیکریٹری کو ضرور مطلع کرتے تھے۔لہذا میں نے چمگادڑ کی تصویر بھیجنے کے بعد چیف آئرم کو فون کیا۔بیل مسلسل بج رہی تھی مگر فون کسی نے نہیں اٹھایا بیل بج بج کر بند ہوگئی تو میری ماتھے پر شکنیں گہری ہوگئیں اسی وقت میرا موبائل بجنے لگا میں نے جیب سے موبائل نکال کر دیکھا اسکرین پر چیف کا نام جگمگا رہا تھا۔

''السلام علیکم چیف۔۔۔آپ آج آفس نہیں آئے''؟ میں نے سلام کے بعد کہا۔

''قیس۔۔۔جتنی جلدی ہو سکے میرے گھر آجاؤ۔۔'' چیف نے میری بات سنتے ہی کہا۔

''کیا ہوا سر۔۔۔خیریت تو ہے نا؟'' میں نے چیف کی آواز سنتے ہی کہا چیف کی آواز میں نقاہت نمایاں تھی۔

''قیس وقت ضائع نہ کرو فوراً۔۔۔میرے گھر آجاؤ'' چیف نے اتنا کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔چیف کی پریشان زدہ آواز نے میرے اندر خطرے کی گھنٹی بجا دی لہذا میں کوئی وقت ضائع کئے بغیر آندھی طوفان کی طرح چیف آئرم کے گھر کی جانب روانہ ہوگیا۔

جب میں چیف آئرم کے گھر کے سامنے پہنچا۔۔۔۔تو میں حیران رہ گیا چیف کے گھر کے باہر لگے درخت پر سینکڑوں بھیڑیئے کے منہ والی چمگادڑیں بیٹھی تھیں اور اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے چیف کے گھر کے دروازے کو گھور رہی تھیں وہ چمگادڑیں اتنا زیادہ تعداد میں تھیں کہ سارا درخت سیاہ نظر آرہا تھا۔

''اوہ میرے خدا۔۔۔اس کا مطلب ہے عزازیل اس وقت چیف کے گھر میں ہے۔۔۔اور اس کا اگلا شکار چیف آئرم ہے'' میں نے سوچا اور جلدی سے اپنی جیپ سے اتر کر چیف کے دروازے کے سامنے

پہنچا اور اطلاعی گھنٹی بجائی گھنٹی بجتے ہی دروازہ کھلا اور دروازے میں چیف کا چہرہ نظر آیا جیسے ہی چیف کا چہرہ دروازے میں نمودار ہوا درخت پر بیٹھی سینکڑوں چمگادڑیں اپنی کریہہ آواز میں چیخنے لگی اتنی زیادہ تعداد میں چمگادڑوں کے چیخنے کی آواز میرے کانوں کو نہایت ناگوار گزری میں نے جلدی سے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ لئے چیف نے میرا بازو پکڑا اور مجھے گھسیٹ کر گھر کے اندر کیا اور ساتھ ہی دروازہ بند کر لیا دروازہ بند ہوتے ہی تمام چمگادڑیں خاموش ہو گئیں۔

''چیف۔۔۔چیف یہ سب کیا ہے؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''اندر آؤ میں تمہیں سب کچھ بتاتا ہوں'' چیف اتنا کہہ کر مجھے ایک کمرے میں لے گئے اور مجھے صوفے پر بیٹھنے کا کہا اور خود میرے سامنے دوسرے صوفے پر بیٹھ گئے۔ میں صوفے پر بیٹھنے کے بعد چیف کی جانب دیکھ رہا تھا چیف کافی پریشان نظر آ رہے تھے ان کے ماتھے پر گہری شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔

''جی چیف۔۔۔ آپ مجھے کچھ بتا رہے تھے''؟ جب خاموشی طویل ہونے لگی تو میں نے چیف کو پکارا میرے پکارنے پر ایسا لگا جیسے چیف گہری نیند سے جاگے ہو۔

''وہ۔۔۔وہ دوبارہ زندہ ہو گیا ہے۔۔۔اور اپنی امانت لینے کے لئے آنے والا ہے'' چیف نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

''کس کی بات کر رہے آپ'' میں نے پوچھا۔

''شیطان کی۔۔۔اس شیطان کی''۔

''عزازیل'' میں نے جیسے ہی عزازیل کا نام لیا چیف اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

''ت۔۔۔تم عزازیل کے متعلق کیسے جانتے ہو؟'' چیف نے مجھ سے پوچھا تو میں نے لیلیٰ سے سنی ساری کہانی ان کو بتائی۔

''لیلیٰ کی بتائی ساری باتیں درست ہیں'' میری بات سن کر چیف نے کہا۔

''تو۔۔۔عزازیل کے چوتھے چیلے کی نسل سے آپ ہیں''؟ میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا تو چیف نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

''مگر چیف۔۔۔عزازیل کے تو سارے چیلے لاولد تھے یعنی ان کی اولاد نہیں تھی اسی لئے وہ اپنا جسم لینے واپس آیا ہے مگر۔۔آپ۔۔آپ کا تو ایک بیٹا ہے'' میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''یہ بات صرف میرے چند قریبی عزیز جانتے ہیں اور آج میں تمہیں بتا رہا ہوں'' چیف نے کہا۔

''جی''۔

''میکائیل میرا بیٹا نہیں ہے'' چیف نے اپنے بیٹے کا نام لیتے ہوئے کہا تو میں اچھل پڑا۔

''آپ کا بیٹا نہیں ہے۔۔۔کیا مطلب'' میں حیران ہو رہا تھا۔

''جب کافی سال میرے گھر اولاد نہیں ہوئی تو میں نے اور میری بیوی نے یتیم خانے سے ایک لاوارث بچہ گود لے لیا تھا اور وہ بچہ میکائیل ہے'' چیف نے انکشاف کیا۔

''اوہ''۔

''یہ بات صرف تم اپنے حد تک ہی رکھنا۔۔میکائیل کو اس بات کا پتا نہ چلے'' چیف نے مجھ سے راز داری کا وعدہ لیا۔

''میکائیل اس وقت کہاں ہے'' میں نے چیف سے پوچھا۔

''وہ اپنے دوستوں کے ساتھ دوسرے شہر گیا ہوا ہے'' چیف نے بتایا۔

''عزازیل سے بچنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے''؟ کچھ دیر بعد میں نے چیف سے پوچھا۔

''ہے۔۔اسی لئے میں نے تمہیں یہاں بلایا ہے'' چیف نے کہا۔

''کیا طریقہ ہے''۔

''تم نے اس کیس پر بڑا کام کیا ہے اور تمہاری بیوی لیلیٰ کو عزازیل کے بارے میں کافی معلومات ہے

اور تم عربی النسل بھی ہو ہماری قدیم کتابوں میں لکھا ہے کہ عزازیل کی موت ایک عربی النسل شخص کے ہاتھوں ہی ہوگی'' چیف بولے میں خاموشی سے انہیں سن رہا تھا۔

''مجھے اسے مارنے کے لئے کیا کرنا ہوگا'' میں نے پوچھا۔

''تمہیں بیت اللبین جانا ہوگا'' چیف نے قاہرہ سے چند گھنٹے کی مسافت پر ایک دوسرے شہر کا نام لیا۔

''بیت اللبین'' میں بڑبڑایا۔

''ہاں ۔۔۔ وہاں قدیم سامی نسل کا قبیلہ آباد ہے اور وہاں کے مذہبی رہنما تمہیں صحیح گائیڈ کر سکتے ہے'' چیف نے کہا۔

''اوہ''۔

''تم ابھی نکل جاؤ بیت اللبین کے لئے'' چیف نے مجھے کہا۔

''لیکن چیف آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر میں کیسے جا سکتا ہوں'' میں نے کہا۔

''میری موت یقینی ہے مگر ہمیں ہر حالت میں عزازیل کو روکنا ہوگا۔۔۔ ورنہ دنیا کو اس کے خطرناک نتائج بھگتنا ہوں گے'' چیف نے کہا۔

''لیکن''

''لیکن ویکن کچھ نہیں ۔۔۔ تم فوراً بیت اللبین کے لئے نکلو'' چیف نے میرا بازو پکڑ کر مجھے کھڑا کرتے ہوئے کہا۔

''چیف ۔۔ کوئی ۔۔ کوئی ایسی صورت نہیں ہو سکتی کہ ۔۔۔ آپ کی جان بچ جائے'' میں نے دراز کے پاس رکتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں ۔۔۔ میرا گوشت اور کھال عزازیل کی امانت ہے اور وہ ہر حالت میں اسے لیکر رہے گا ۔۔۔ بس تمہیں عزازیل کو روکنا ہوگا ۔۔۔ جاؤ ۔۔ میرے بچے ۔۔ خدا تمہیں کامیاب کرے'' چیف کی آواز رندھ گئی اور میں نے آنسو پیتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

جیسے ہی میں باہر نکلا باہر درخت پر بیٹھی سینکڑوں چمگادڑیں اپنی بھیانک آواز میں چیخنے لگیں میں کان دبا کر اپنی جیپ کی جانب بڑھا اسی وقت چار پانچ چمگادڑیں تیزی کے ساتھ اڑتی ہوئی میرے قریب آئیں اور مجھ پر حملہ آور ہوئیں میں تیزی کے ساتھ نیچے بیٹھ گیا چمگادڑوں کا حملہ ناکام ہوا تو مزید چمگادڑیں درخت سے اڑیں اور تیزی کے ساتھ میری جانب بڑھیں میں نے اپنا ہاتھ سر سے بلند کر کے ان چمگادڑوں کا مقابلہ کرنا چاہا کئی چمگادڑیں میرے ہاتھ سے ٹکرا کر روڈ پر گر پڑیں مگر ایک چمگادڑ کا تیز ناخن میری گردن پر پڑا تو میری سسکاری نکل گئی اسی کے ساتھ درخت پر بیٹھی ساری چمگادڑیں مجھ پر حملہ کرنے کے لئے میری جانب لپکیں ان سب کے ایک ساتھ اڑنے کی وجہ سے اندھیرا سا چھا گیا میں تیزی کے ساتھ جیپ کے قریب پہنچا اور میں نے جیپ کا دروازہ کھولا اور جلدی سے جیپ کے اندر بیٹھ گیا ساری چمگادڑیں میری جیپ پر حملہ اور ہو گئیں وہ چمگادڑیں میری جیپ کی چھت پر ونڈ اسکرین پر بیٹھی اپنے ناخنوں سے جیپ کی چھت اور ونڈ اسکرین کو کھرچ رہی تھیں میں نے جلدی سے جیپ اسٹارٹ کی اور تیزی کے ساتھ جیپ چلا دی جیپ کے چلتے ہی چمگادڑیں اچھل اچھل کر جیپ سے نیچے گرنے لگیں کئی چمگادڑیں جیپ کی ٹائر کے نیچے آ کر مر گئیں مگر پھر بھی سینکڑوں چمگادڑیں جیپ کے ساتھ ساتھ پرواز کر رہی تھیں ۔ میں جیپ کو نہایت تیزی کے ساتھ چلا رہا تھا کافی دور تک میں تیزی کے ساتھ ڈرائیو کرتا رہا آخر کار چمگادڑوں نے میری جیپ کا تعاقب بند کر دیا اور واپس چلی گئیں جب مجھے محسوس ہوا کہ تمام چمگادڑوں نے میرا پیچھا چھوڑ دیا ہے تو میں نے جیپ سڑک کنارے روکی اور شیشے میں اپنی گردن کا معائنہ کیا جہاں پر ایک چمگادڑ نے اپنے ناخن سے گہری خراش ڈال دی تھی جس سے خون ابل رہا تھا میں نے اینٹی سپٹک سے خون صاف کیا اور جیپ میں رکھی دوا خراش پر لگائی۔ پھر میں نے موبائل نکالا تا کہ لیلیٰ کو فون کر سکوں کیونکہ اب تک مجھے لیلیٰ کی کہانی پر یقین نہیں تھا مگر چیف آئرم کی بات سن کر

مجھے لیلیٰ کی کہانی سچ معلوم ہونے لگی تھی لہذا میں اسی سلسلے میں لیلیٰ کو فون کرنا چاہ رہا تھا موبائل نکال کر میں نے دیکھا کہ موبائل کے اسکرین پر تین چار مس کال تھی وہ مس کال لیلیٰ کی تھی شائد وہ مجھے کال کرنا چاہ رہی تھی مگر بھاگ دوڑ میں مجھے موبائل کی رنگ ٹون نہیں سنائی دی۔ میں نے جلدی سے ری ڈائل کا بٹن دبایا تو کال لیلیٰ کو جانے لگی۔

''ہیلو لیلیٰ'' کال ملتے ہی میں نے کہا۔

''ہیلو قیس۔۔۔ میں تم کو کب سے کال کر رہی تھی مگر تم نے کال ریسیو ہی نہیں کی'' میری آواز سنتے ہی لیلیٰ نے گلہ کیا۔

''لیلیٰ۔۔۔ عزازیل کا چوتھا شکار چیف آئرم ہی ہے'' میں نے لیلیٰ کا گلہ نظر انداز کرتے ہوئے لیلیٰ سے کہا۔

''کیا۔۔۔ مگر میری معلومات کے حساب سے تو عزازیل کا چوتھا شکار سامی نسل سے ہونے کے علاوہ بے اولاد بھی ہوگا'' لیلیٰ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''چیف بے اولاد ہی ہے''

''ان کا تو ایک بیٹا ہے نا۔۔۔ کیا نام ہے ہاں یاد آیا۔۔ میکائیل۔۔ یہی نام ہے نا اس لڑکے کا'' لیلیٰ سوچتے ہوئے بولی۔

''وہ لے پالک ہے۔۔ چیف آئرم کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے'' میں نے لیلیٰ کو بتایا۔

''اوہ'' لیلیٰ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''لیلیٰ ایک اہم بات ہے۔۔۔ میں شائد ایک دو دن گھر نہ آسکوں'' میں نے لیلیٰ سے کہا۔

''کہیں جا رہے ہو تم''؟۔

''ہاں میں بیت اللبین جا رہا ہوں'' میں نے لیلیٰ کو جواب دیا۔

''بیت اللبین۔۔۔ قدیم سامی نسل کے قبیلے کے مذہبی رہنما سے ملنے'' لیلیٰ کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

''ہاں''۔

''تو تم فوراً مرکزی ریلوے اسٹیشن پہنچ جاؤ میں اس وقت وہیں پر ہوں اور میں بھی بیت اللبین جا رہی ہوں'' لیلیٰ نے جواب دیا تو میں حیران رہ گیا۔

''تم۔۔۔ تم کیوں بیت اللبین جا رہی ہو'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''تمہیں اندازہ نہیں قیس'' لیلیٰ نے ایک آہ بھرتے ہوئے کہا ''تمہیں معلوم ہے۔۔۔ اگر عزازیل راعسیس کے بال حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔۔۔ تو دنیا کے لئے کتنا خطرناک ہو سکتا ہے۔۔۔ ہمیں ہر حالت میں اسے روکنا ہوگا''۔

''لیکن لیلیٰ۔ تم۔۔۔ تم کیا کر سکتی ہو'' میں لیلیٰ کے لئے پریشان ہو گیا۔

''میں موت کی وادی میں جا رہی ہوں۔۔۔ جو بیت اللبین سے آگے تپتے ریگستان کے درمیان میں ہے وہاں مجھے قدیم سامی نسل کے مذہبی رہنما سے ملنا ہے وہی ہے جو ہمیں وہ راستہ دکھا سکتے ہیں جس پر چل کر ہم عزازیل کو روک سکتے ہیں'' لیلیٰ بولی۔

''مذہبی رہنما۔۔۔ وہ کیا کریں گے'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''دنیا میں شیطانی طاقتوں کے ساتھ روحانی طاقتیں بھی ہیں۔۔۔ اس لئے مجھے مذہبی رہنما سے ملنا ہے'' لیلیٰ نے جواب دیا۔

''لیکن تم اکیلے۔۔۔ اکیلے کیسے جاؤ گی۔۔ کہیں تمہیں کچھ ہو گیا تو۔۔۔'' میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

''دنیا کے اربوں انسانوں کو بچانے کے لئے اگر میری جان قربان ہوتی ہے۔۔۔ تو یہ منافع کا سودا ہوگا'' لیلیٰ بولی۔

''لیلیٰ۔۔۔۔۔۔'' لیلیٰ کی بات سن کر میں چیخ اٹھا ''تم۔۔ اسٹیشن پر رکو۔۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلونگا'' میں نے اتنا کہہ کر رابطہ منقطع کیا اور جیپ اسٹارٹ کر کے تیزی کے ساتھ ریلوے اسٹیشن کی جانب چل دیا۔

ٹرین میں لیلیٰ کے ہمراہ سفر کرتے ہوئے میں

اپنے آپ کو کسی پراسرار فلم کا ہیرو سمجھ رہا تھا جو نہ صرف اپنی ہیروئین بلکہ پوری انسانیت کو بچانے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے۔ تیز رفتار ٹرین نے چھ گھنٹے بعد ہمیں بیت اللبین کے ریلوے اسٹشن پر اتار دیا اسٹیشن پر اترتے ہی میں نے چاہا کہ کسی ہوٹل میں چند گھنٹے آرام کیا جائے مگر لیلیٰ کو منزل پر پہنچنے کی بہت جلدی تھی لہذا ہم نے ایک ٹیکسی کی اور دو گھنٹے بعد ایک صحرائی علاقے میں پہنچ گئے یہاں کے زیادہ تر لوگ سامی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور قدیم مصری زبان بولتے تھے چند ایک کو عربی بھی آتی تھی مگر زیادہ تر لوگ مقامی زبان ہی بول رہے تھے خوش قسمتی سے لیلیٰ کو یہ زبان نہایت اچھی طریقے سے آتی تھی لہذا ہمیں کوئی مشکل پیش نہیں آئی پھر یہاں پر لیلیٰ کے کچھ کنٹریکٹ بھی تھے لہذا اس صحرائی علاقے میں پہنچتے ہی لیلیٰ نے اپنے ایک دوست کی مدد لی اور پھر لیلیٰ کو وہ دوست جس کا نام ایان تھا وہ میں اور لیلیٰ اونٹوں پر سوار ہو کر صحرا میں نکل پڑے میں تو چاہ رہا تھا کہ کچھ دیر آرام کیا جائے مگر لیلیٰ کی سنجیدگی دیکھتے ہوئے میں نے آرام کرنے پر اصرار نہیں کیا ورنہ صبح سے میں بھاگ دوڑ ہی کر رہا تھا لہذا اس وقت میرا پورا جسم ٹوٹ رہا تھا اور اوپر سے اونٹ کا سفر وہ بھی ریگستان میں۔۔۔

میرے جسم کا جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا چند گھنٹے کے مسافت۔۔۔ مجھے زندگی بھر کی مسافت معلوم ہو رہی تھی چند گھنٹے بعد ہی ہم ایک ایسا جگہ پہنچ گئے جہاں چند درخت تھے ساتھ ہی میٹھے پانی کی موجودگی کا احساس بھی ہو رہا تھا شائد ریگستان میں یہ کوئی نخلستان تھا یہاں جھونپڑیاں بنی ہوئی تھیں لیلیٰ اور ایان ان جھونپڑیوں کے سامنے اونٹوں سے اتر گئے تو میں بھی اپنے اونٹ کو بیٹھا کر اس پر سے اترا پھر ہم لوگ اونٹوں کی تکیل تھام کر پیدل جھونپڑیوں کے درمیان پہنچے ان تمام جھونپڑیو ں کے بالکل درمیان میں ایک نسبتاً بڑی جھونپڑی کے سامنے لیلیٰ اور ایان رکے تو میں بھی رک گیا پھر لیلیٰ نے جھونپڑی کے باہر کھڑے ایک نوجوان سے کچھ کہا تو وہ جھونپڑی کے اندر چلا گیا ہم تینوں نے اپنے اونٹ وہاں کھڑے دوسرے جوان کو دے دیئے جنہیں وہ جھونپڑی سے دور لے گیا کچھ دیر بعد جھونپڑی میں جانے والا جوان واپس آیا اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے ہمیں جھونپڑی میں جانے کا کہا تو لیلیٰ نے ایان کو باہر ہی رکنے کا کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر جھونپڑی میں داخل ہو گئی۔

جھونپڑی کے اندر داخل ہو کر میں نے دیکھا کہ مدہم روشنی میں ایک بوڑھا سا شخص ٹیک لگائے بیٹھا تھا اس کے چہرے پر بہت زیادہ جھریاں پڑی ہوئی تھی اس کے گلے میں ایک بڑی سے مالا تھی اس مالا کے تمام موتی سیاہ تھے مگر درمیان والا بڑا موتی سرخ رنگ کا تھا وہ سرخ رنگ مجھے اپنی آنکھوں میں چبھتا ہوا محسوس ہوا میں نے جلدی سے اپنی نظریں جھکا لیں۔

''لیلیٰ۔۔۔ میری بیٹی'' وہ بوڑھا شخص لیلیٰ کو دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا لیلیٰ اس بوڑھے کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئی لیلیٰ کی دیکھا دیکھی میں بھی لیلیٰ کے برابر میں اس بوڑھے شخص کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا میری نظریں نیچے تھی اس بوڑھے شخص نے آگے بڑھ کر لیلیٰ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''یہ میرے شوہر سید محمد قیس السعیدی ہیں'' لیلیٰ نے میرا تعارف کرایا تو اس بوڑھے نے میرے سر پر بھی ہاتھ پھیرا۔

''آپ سید زادے ہیں۔۔۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ کے مبارک قدم ہمارے گھر تک آئے'' وہ بوڑھا شخص میرا نام سن کر بولا اور مجھے کھڑا کر کے میرے ہاتھ کو بوسہ دینے لگا۔

''ماسٹر وہ۔۔۔ وہ واپس آ گیا''؟ لیلیٰ نے اس بوڑھے شخص کو ماسٹر کہہ کر مخاطب کیا۔

''کون۔۔۔ تم کس کی بات کر رہی ہو'' ماسٹر نے لیلیٰ کی بات سن کر پوچھا۔

''وہ شیطان۔۔۔ اعماطونوس'' لیلیٰ کی زبان لڑکھڑا گئی۔

''اعماطونوس۔۔۔۔۔ شیطان۔۔۔ واپس

آ گیا'' ماسٹر کے چہرے پر بھی سراسیمگی پھیل گئی۔

''جی وہی اعماطونوس۔۔۔۔جو اپنے آپ کو عزازیل کہتا ہے وہ واپس آ گیا ہے'' لیلیٰ بولی۔

''تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ واپس آ گیا'' ماسٹر نے پوچھا۔

''قیس تم بتاؤ۔۔۔شروع سے'' ماسٹر کے بات سن کر لیلیٰ نے مجھ سے کہا تو میں نے رجائن سلیان اور اشرف کے موت کی پوری صورتحال سے ماسٹر کا آگاہ کیا ماسٹر نہایت سنجیدگی سے میری بات سن رہا تھا۔

''تمہیں اندازہ ہے اب دنیا کتنے بڑے خطرے سے دوچار ہو چکی ہے'' ماسٹر میری پوری بات سن کر بولا۔

''جی''۔

''وہ شیطان عزازیل اپنے جسم کے تین حصے حاصل کر چکا ہے اب وہ اپنے جسم کا چوتھا اور آخری حصہ یعنی گوشت اور کھال حاصل کرے گا''۔

''جی۔۔۔اور میرا خیال ہے اس کا چوتھا شکار قاہرہ کے پولیس چیف مسٹر آئرم ہے'' میں نے بتایا۔

''اور ہو سکتا ہے وہ شیطان اب تک اپنے جسم کا چوتھا حصہ حاصل کر چکا ہو'' لیلیٰ نے میری بات آگے بڑھائی تو ماسٹر گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

''ماسٹر ہمیں آپ کی مدد درکار ہے'' لیلیٰ نے بوڑھے سے کہا۔

''میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں۔۔میرے بدن میں اب طاقت نہیں رہی۔۔۔اور پھر ہماری مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ عزازیل کو مارنے والا سید ہوگا اور عربی النسل ہوگا'' بوڑھا ماسٹر بولا۔

''میں سید بھی ہوں اور عربی النسل بھی ہوں'' میں نے جواب دیا تو بوڑھا ماسٹر غور سے میری پیشانی کی جانب دیکھنے لگا۔

''تمہاری روشن پیشانی بتا رہی ہے کہ تم ایک بہادر اور نڈر انسان ہو۔تم اس شیطان کا مقابلہ کر سکتے ہو۔۔۔مگر اس کے لئے تمہیں اپنی جان کی بازی لگانی ہوگی'' بوڑھا ماسٹر بولا۔

''میں اس کے لئے تیار ہوں دنیا کے اربوں انسانوں کی بقاء کے لئے میں اس شیطان سے ضرور ٹکراؤں گا'' میں نے عزم کا اظہار کیا۔

''عزازیل اپنا جسم مکمل کرنے کے بعد پاتال سے اپنی محبوبہ تلمیس کی روح کو نکالے گا اور پھر اسے اس دنیا کی کسی دوشیزہ کی ضرورت پڑے گی'' بوڑھا ماسٹر بولا۔

''تلمیس عزازیل کی محبوبہ'' لیلیٰ بڑبڑائی۔

''ہاں۔۔۔تلمیس عزازیل کی محبوبہ جسے راعمسیس کے سپاہیوں نے قتل کر کے اس کی لاش کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے صحرا میں پھیلا دیئے تھے جسے پرندے کھا گئے تھے مگر۔۔۔عزازیل نے اپنی شیطانی قوتوں سے کام لیتے ہوئے تلمیس کی روح کو آسمانوں پر جانے سے روک دیا اور اسے پاتال میں رکھ دیا کہ جب وہ دوبارہ دنیا میں آئے گا تو اپنی محبوبہ تلمیس کو زندہ کر لے گا مگر۔۔۔تلمیس کا جسم ختم ہو چکا ہے لہذا عزازیل اس دنیا کی کسی دوشیزہ کے بدن میں تلمیس کی روح کو داخل کرے گا اور پھر وہ دونوں مل کر اس دنیا پر قہر برسائیں گے'' بوڑھے ماسٹر نے تفصیل بتائی۔

''اس شیطان کو روکنے کی کوئی ترکیب ہے'' بوڑھے ماسٹر کی بات سن کر میں نے پوچھا۔

''وہ شیطان اپنی محبوبہ کو زندہ کرنے کے بعد راعمسیس کے بال حاصل کرے گا جسے اس نے دریائے نیل کے کنارے کسی جگہ چھپا رکھے ہیں اس شیطان کی اصل طاقت ان ہی بالوں میں ہے۔۔۔تمہیں کسی طرح وہ بال اس شیطان سے پہلے حاصل کرنے ہیں جیسے ہی وہ بال تمہارے سر پر رکھے جائیں گے تم لامحدود طاقتوں کے مالک ہو جاؤ گے پھر تم اس شیطان کا مقابلہ کر سکو گے'' بوڑھا ماسٹر بولا۔

''لیکن وہ بال کہاں ہیں''؟۔

''دریائے نیل کے کنارے کسی جگہ وہ بال دفن ہیں''۔

''دریائے نیل تو بہت بڑا ہے''۔

''کوئی بھی مقصد آسانی سے حاصل نہیں ہوتا'' بوڑھا ماسٹر بولا تو میں نے سر جھکا لیا پھر بوڑھے ماسٹر نے اپنے گلے سے مالا اتاری اور میرے گلے میں ڈال دی اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر دعائیہ کلمات پڑھنے لگا بوڑھا ماسٹر جیسے جیسے دعائیہ کلمات پڑھ رہا تھا مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میری اندر روشنی بھرتی جارہی ہو میرے اعتماد میں اضافہ ہو رہا تھا مجھے اس دنیا کو بچانے کے لئے شیطان عزازیل سے مقابلہ کرنا ہی تھا۔

''عزازیل کسی ہانپتے ہوئے کتے کی طرح سانس لیتا ہے اور اس کا چہرہ آسیبی بھیڑیے کی طرح کا ہے اور نحوست کے سائے اس کے ساتھ رہتے ہے'' بوڑھا ماسٹر دعائیہ کلمات کے بعد مجھ سے مخاطب ہوا۔

''نحوست کے سائے سے آپ کی کیا مراد ہے'' میں نے پوچھا۔

''وہ منحوس پرندے جن کی شکل بھیڑیئے کی ہے اور جسم چمگادڑ کا ہے''۔

''وہ کالے رنگ پرندے ۔۔۔جو زیادہ تر خاموش رہتے ہیں مگر جب چیختے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کانوں کے پردے پھٹ جائیں گے'' بوڑھے ماسٹر کی بات سن کر میں نے کہا۔

''ہاں۔۔۔تم نے دیکھے ہیں وہ پرندے'' بوڑھے ماسٹر نے پوچھا تو میں نے اقرار میں سر ہلا دیا۔

''وہ منحوس پرندے عزازیل کے غلام ہیں اس کے ایک اشارے پر وہ کسی بھی شخص کی تکہ بوٹی کر سکتے ہیں'' بوڑھے ماسٹر کی آواز لرز رہی تھی۔

''وہ عزازیل کی محبوبہ ۔۔تلبیس وہ کیسی ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''وہ کسی ریچھ کی مانند ہے۔۔عزازیل تلبیس کی روح کو پاتال سے نکال کر کسی عورت کے جسم میں داخل کرے گا تو اس عورت کے جسم پر ریچھ کی طرح بال نمودار ہو جائیں گے'' بوڑھا ماسٹر بولا۔

''کیا تلبیس کے پاس بھی کچھ شیطانی طاقتیں ہیں'' میں نے پھر پوچھا۔

''نہیں۔۔۔اس کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے اس کی اصل طاقت عزازیل کی محبت ہے'' بوڑھے ماسٹر نے جواب دیا۔

''میں کس طرح عزازیل کو جہنم واصل کر سکتا ہوں'' میں نے آخری سوال کیا۔

''جب تم عزازیل پر غلبہ پالو تو میری یہ مالا اس کے گلے میں ڈال دینا۔۔۔وہ فنا ہو جائے گا'' بوڑھا ماسٹر میرے گلے میں پڑی ہوئی مالا کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا تو میرا ہاتھ بے اختیار مالا کی جانب بڑھ گیا۔

''ماسٹر آپ ہمارے ساتھ چلتے تو ۔۔اچھا ہوتا'' لیلیٰ جو اتنی دیر سے خاموش ہماری باتیں سن رہی تھی بول اٹھی۔

''اب میرا بھی آخری وقت آن پہنچا ہے۔۔میں یہی سے بیٹھ کر تمہاری مدد کرونگا'' بوڑھا ماسٹر بولا تو لیلیٰ نے سر جھکا دیا پھر ہم دونوں بوڑھے ماسٹر سے رخصت لیکر ان کی جھونپڑی سے باہر نکلے اور ایان کے ساتھ اونٹوں پر بیٹھ کر بیت اللبین آئے اور سیدھے اسٹیشن پہنچے اور قاہرہ کا ٹکٹ لیکر ٹرین میں بیٹھ گئے ٹرین میں بیٹھ کر میں نے اپنے موبائل سے آفس فون کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ چیف آئرم کا کچھ معلوم نہیں چل رہا ہے وہ اپنے گھر سے غائب ہیں ان کی گمشدگی کی وجہ سے محکمے کے لوگ کافی پریشان ہے چیف آئرم کے گھر سے ایک ڈھانچہ ملا ہے اور ابھی تک ہی معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ ڈھانچہ کس کا ہے۔یہ سب باتیں سن کر میں سمجھ گیا کہ عزازیل نے اپنے جسم کا چوتھا اور آخری حصہ بھی حاصل کر لیا ہے اور اب وہ اپنی محبوبہ تلبیس کی روح کو پاتال سے نکالے گا اور پھر اگسیس کے بال حاصل کرے گا۔

قاہرہ ریلوے اسٹیشن پر جب میں اور لیلیٰ

اترے تو صبح ہو چکی تھی ٹرین میں سو کر میں نے نیند پوری کر لی تھی لہٰذا اسٹیشن سے میں نے لیلیٰ کو ٹیکسی کروائی اور اسے گھر جانے کا کہا اور خود میں پولیس ہیڈ کوارٹر کی جانب چل دیا تاکہ کوئی نئی بات ہوئی ہو تو معلوم کر سکوں۔ پولیس ہیڈ کوارٹر سے مجھے کوئی خاص معلومات حاصل نہ ہو سکی اب میں پریشان ہو رہا تھا کہ آخر عزازیل کہاں ہوگا۔ مجھے ان کی تلاش کہاں سے شروع کرنی چاہیے۔ اچانک میری دل میں خیال آیا کہ جہاں میری ملاقات پہلی بار عزازیل سے ہوئی تھی مجھے وہیں سے اس کی تلاش دوبارہ شروع کرنی چاہیے یعنی سلیان کے مکان سے۔۔۔

لہٰذا میں اپنے دفتر سے باہر نکلا اور جیپ میں بیٹھ کر سلیان کے مکان کی جانب چل دیا دوپہر ہو رہی تھی دھوپ کافی تیز تھی لہٰذا قاہرہ کی سڑکیں سنسان تھی میں تیزی کے ساتھ سلیان کے مکان کی جانب جا رہا تھا جب میں سلیان کے مکان کے قریب پہنچا تو۔۔۔ تو میں نے دیکھا سلیان کے مکان کے پاس ایک لڑکی کھڑی ہے اس لڑکی کا لباس دیکھ کر میں بآسانی کہہ سکتا تھا وہ لیلیٰ ہے میں نے لیلیٰ کو گھر جانے کا کہا تھا۔۔۔ مگر اس وقت یہاں سلیان کے مکان کے پاس کیا کر رہی ہے میں حیران ہو رہا تھا میں نے جیپ سلیان کے مکان کے پاس روکی اور جیپ سے نیچے اتر کر لیلیٰ کو آواز دی تو لیلیٰ نے میری آواز سن کر پیچھے کی جانب دیکھا اور مجھے دیکھ کر مسکرا دی۔

''لیلیٰ تم یہاں کیا کر رہی ہو۔۔۔ میں نے تمہیں گھر جانے کا کہا تھا'' میں نے لیلیٰ کو ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تو لیلیٰ نے میری کسی بات کا جواب نہیں دیا بلکہ صرف اپنی پلکیں جھپکا رہی تھی۔ لیلیٰ چہرے سے بہت مضمحل اور بیمار نظر آ رہی تھی۔ میں نے لیلیٰ کا ہاتھ پکڑا تو مجھے اس کا ہاتھ گرم محسوس ہوا۔

''لیلیٰ تمہیں تو بخار ہے'' میں نے لیلیٰ کے ماتھے کو چھوتے ہوئے کہا ''تم ٹھیک ہو نا۔۔۔ تمہارے ساتھ کوئی حادثہ تو پیش نہیں آیا'' میں لیلیٰ کی طبیعت خراب دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

''نہیں۔۔۔ میں ٹھیک ہوں'' لیلیٰ نے مسکرا کر جواب دیا۔۔۔ مگر لیلیٰ کی مسکراہٹ بڑی عجیب سی تھی جسے میں کوئی معنی نہیں پہنا سکا۔

''چلو جیپ میں بیٹھو۔۔۔ گھر چلتے ہیں'' میں نے لیلیٰ کا بازو پکڑتے ہوئے لیلیٰ سے کہا۔

''نہیں مجھے سلیان کے گھر کے اندر جانا ہے'' لیلیٰ ضدی بچے کی طرح بولی۔

''کیوں۔۔۔ تم سلیان کے گھر کیوں جانا چاہتی ہو'' میں نے لیلیٰ سے پوچھا۔

''مجھے جانا ہے گھر کے اندر'' لیلیٰ بالکل بچے کی طرح ضد کر رہی تھی میں لیلیٰ کی حالت دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔

''اچھا ٹھیک ہے چلو'' میں نے لیلیٰ کا ہاتھ پکڑا اور سلیان کے گھر کے دروازے کی جانب چلا۔ لیلیٰ نے نہایت نرمی کے ساتھ میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر اپنے سینے پر رکھ لئے میں نے ایک بار پھر حیرت سے لیلیٰ کو دیکھا مگر منہ سے میں نے کچھ نہیں کہا اور سلیان کے دروازے کے جانب بڑھا۔

''لو۔۔۔ یہاں تو پولیس نے سیل لگائی ہوئی ہے'' سلیان کے دروازے کو بند کر کے پولیس نے سیل لگا دی تھی تاکہ کوئی شخص گھر کے اندر نہ داخل ہو سکے۔

''سیل توڑ دو۔۔۔ تم تو خود پولیس والے ہو'' لیلیٰ بولی۔

''یہ غیر قانونی عمل ہوگا''۔

''ٹھیک ہے میں سیل توڑ دیتی ہوں'' اتنا کہہ کہ لیلیٰ نے آگے بڑھ کر دروازے میں لگے تالے پر لگی سیل توڑ دی۔

''یہ کیا کیا؟'' میں چیخا۔

''اس تالے کو تم کھولو گے یا یہ بھی میں کھولوں'' لیلیٰ نے کہا تو میں گہری نظروں سے اسے دیکھتا ہوا تالے پر جھک گیا ذرا سی کوشش سے تالا کھل گیا تالا کھلتے ہی لیلیٰ فوراً اندر داخل ہو گئی اس کے پیچھے

میں بھی اندر داخل ہوگیا سامنے ہی زینہ تھا لیلیٰ سیدھی زینے کی جانب بڑھی اور اوپر جانے لگی سیڑھی چڑھتے ہی سامنے دیوار میں ایک مجسمہ بنا ہوا تھا جس کا دھڑ انسان کا تھا مگر چہرہ بھیڑیئے کا تھا۔ لیلیٰ سیدھی اس مجسمے کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی۔

اسی وقت جو منظر میں دیکھا وہ ناقابل یقین تھا وہ مجسمہ دیوار سے نکل کر لیلیٰ کے سامنے کھڑا ہوگیا۔۔وہ مجسمہ زندہ ہوگیا تھا۔

''کون ہو تم۔۔۔کون ہو تم'' میں بوکھلا گیا میرے اس طرح بوکھلانے پر اس مجسمے نے ایک قہقہہ لگایا مجھے ایسا لگا جیسے میرے کانوں کے پردے پھٹ گئے ہوں۔

''کون ہو تم۔۔۔کیا تم عزازیل ہو'' کچھ دیر بعد میں نے حواس قابو کرتے ہوئے اس مجسمے سے پوچھا۔

''میں آقا عزازیل کا ایک ادنا سا غلام ہوں'' اس مجسمے کے ہونٹ ہلے۔

''جو منتر میں نے تمہیں بتایا تھا وہ پڑھو'' میرے کانوں میں بوڑھے ماسٹر کی آواز گونجی تو میں نے جلدی سے منتر پڑھنا شروع کیا۔

''ہاہاہاہا'' اس مجسمے نے میرے منتر پڑھنے پر ایک قہقہہ لگایا۔

''منحوس۔۔۔ہو تم۔۔اور ناپاک ہے تمہارا آقا عزازیل۔۔عنقریب وہ جہنم کی آگ میں جل رہا ہوگا۔۔۔زمین میں دھنسا دیا جائے گا وہ ناپاک وجود'' میں منتر پڑھتا جا رہا تھا۔

''تمہارے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ تم مجھے فنا کر سکو۔۔۔اور بات کرتے ہو میرے آقا عزازیل کو مٹانے کی۔۔۔میں ابھی تمہیں ختم کر دونگا'' مجسمہ میری جانب بڑھنے لگا۔

''سائبیریا کی ٹھنڈی اور یخ بستہ ہواؤں آؤ۔۔۔اور اپنی سردی سے اس شیطان کے چیلے کو فنا کر دو'' میں تیزی کے ساتھ منتر پڑھ رہا تھا۔ میرے منتر پڑھتے ہی ایسا لگا جیسے کمرے میں ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگی ہوں اس مجسمے نے کچھ بولنے کے منہ کھولا۔۔۔تو اس کا منہ برف سے بھر گیا کمرے میں چھت سے برف باری ہونے لگی مجھے بھی سردی سے محسوس ہو رہی تھی۔۔۔

مگر حیرت انگیز طور پر لیلیٰ بالکل ساکت کھڑی تھی اس کی آنکھوں کی پتلیاں تک حرکت نہیں کر رہی تھی مگر میں اس وقت لیلیٰ پر توجہ نہیں دے سکتا تھا کیونکہ میری ساری توجہ اس بھیانک مجسمے پر تھی تیز ہواؤں نے اس مجسمہ کو زمین سے اٹھا کر اوپر لے جا کر زور سے نیچے پٹخ دیا اس مجسمے کے کئی ٹکڑے ہوگئے اور وہ مجسمہ ایک بار پھر پتھر کا بن چکا تھا میں نے اس مجسمے کو شکست دے دی تھی۔ مجسمے کے ٹوٹتے ہی میں نے لیلیٰ کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنی جانب کھینچا تاکہ اسے لیکر سلیمان کے مکان سے باہر چلا جاؤں۔۔۔مگر لیلیٰ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔

''لیلیٰ۔۔لیلیٰ چلو یہاں سے'' میں چیخا اور ایک بار پھر لیلیٰ کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔۔۔مگر لیلیٰ نے اپنا ہاتھ آہستہ سے ہلایا اور مجھے دھکا دیا تو۔۔میں کئی قدم دور تک لڑکھڑاتا چلا گیا۔

''لیلیٰ'' لیلیٰ کے اس طرح دھکا دینے اور اس دھکے کی وجہ سے میرا کئی قدم لڑکھڑاتا جانا مجھے حیرت میں ڈال رہا تھا۔

''لیلیٰ'' میں زور سے چیخا تو لیلیٰ نے میری جانب دیکھا۔۔۔۔تو میں کئی قدم لڑکھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

''یہ۔۔یہ وہی لیلیٰ ہے جس سے میں پیار کرتا ہوں۔۔۔جس کے ساتھ میں نے زندگی کے کئی خوبصورت پل گزارے ہیں'' کیونکہ اس وقت لیلیٰ بے حد خوفناک نظر آرہی تھی اس کی آنکھیں خوفناک حد تک سرخ ہو رہی تھی ساتھ ہی اپنے حلقوں سے باہر نکلی پڑ رہی تھیں اس کے ہاتھوں اور پیروں پر سیاہ بال اگ رہے تھے اور اس کا چہرہ۔۔۔۔چہرہ بھیانک ریچھ کے چہرے میں بدل رہا تھا۔

''تلیس'' اچانک میرے منہ سے نکلا تلیس نے لیلیٰ کے جسم پر قبضہ کرلیا ہے یہ سوچ کر ہی خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

لیلیٰ مجھے نظر انداز کرتی ہوئی دروازے کی جانب بڑھی تو میں بھاگ کر لیلیٰ کے سامنے آگیا۔

''لیلیٰ۔۔لیلیٰ'' میں نے لیلیٰ کو پکارا تو لیلیٰ رک گئی پھر اس نے میری جانب دیکھا۔۔۔اور پھر اس نے اپنا بڑا سا منہ کھولا اندر سے اس کے نوکیلے دانت نظر آنے لگے۔

''ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔۔۔ورنہ میں تمہیں کچا چبا جاؤنگی'' لیلیٰ کے منہ سے اجنبی آواز برامد ہوئی یعنی تلیس نے لیلیٰ کے جسم پر مکمل طور پر قبضہ کرلیا تھا۔

''لیلیٰ۔۔لیلیٰ۔۔۔رک جاؤ۔۔۔پلیز تلیس۔۔۔لیلیٰ کو چھوڑ دو'' میں ایک بار پھر لیلیٰ یا تلیس کے سامنے آگیا۔ مجھے اس طرح اپنے راستے میں دیکھ کر تلیس تلملا گئی اور اس نے آگے بڑھ کر میری گردن دبوچ لی تلیس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اسی وقت تلیس کے دوسرے ہاتھ نے اس کے اس ہاتھ پر زور کی چوٹ پہنچائی جس ہاتھ سے تلیس نے میری گردن دبوچ رکھی تھی تلیس کے ہاتھ سے میری گردن چھوٹ گئی تو میں فرش پر گر پڑا فرش پر گرتے ہی میں پھرتی کے ساتھ کھڑا ہوگیا ساتھ ہی میں اپنی گردن مسل رہا تھا اور گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ہی میرے حواس بحال ہوگئے تو میں نے دیکھا کہ تلیس کا ایک ہاتھ اس کے دوسرے ہاتھ سے لڑ رہا ہے اور تلیس تلملا کر اپنے ہی ہاتھ پر وار کررہی ہے۔ پھر تلیس نے لڑنے والے ہاتھ پر قابو پایا اور تیزی کے ساتھ دروازے کی جانب بڑھی اور دروازہ کھول کر باہر کی جانب بھاگی میں بھی اس کے پیچھے بھاگا باہر نکل کر میں نے زور سے لیلیٰ کو آواز دی تو لیلیٰ یا تلیس نے مڑ کر میری جانب دیکھا اف اس کا چہرہ کسی بھیانک ریچھنی کی طرح کا ہوگیا تھا۔

''قیس۔۔۔قیس مجھے بچاؤ'' اس کے منہ سے لیلیٰ کی آواز برامد ہوئی۔

''لیلیٰ۔۔لیلیٰ'' میں۔بے قراری سے چیخا۔

''ہاہاہاہا'' تلیس نے زوردار قہقہہ لگایا ''بھول جاؤ اپنی لیلیٰ کو اب اس کا جسم میرا جسم ہے اور میں عزازیل کے پاس جارہی ہوں'' تلیس نے قہقہہ لگانے کے بعد کہا اس کے ساتھ ہی اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور ایسا لگا جیسے وہ اڑنے لگی ہو۔

''لیلیٰ۔۔لیلیٰ۔۔کہاں جارہی ہو'' میں پھر چیخا۔

''اسوان۔۔اسوان ڈیم۔۔وہیں پر راعسیس کے بال دفن ہے'' مجھے لیلیٰ کے آواز سنائی دی اس کے ساتھ ہی تلیس نے ایک اور لمبی چھلانگ لگائی اور میری نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ میں جلدی سے اپنی جیپ کے پاس پہنچا اور جیپ اسٹارٹ کر کے اسوان ڈیم کی جانب چل دیا۔

میں آندھی طوفان کی طرح جیپ چلاتا ہوا اسوان ڈیم تک پہنچا جب میں اسوان ڈیم کے کنارے پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اسوان ڈیم پر ٹریفک جام ہے اور لوگ اپنی گاڑیوں سے اتر اتر کر ڈیم سے دور بھاگ رہے ہیں میں نے ڈیم کے اوپر دیکھا۔۔تو میرا دل دھک سے رہ گیا ڈیم کے اوپر بلندی پر ایک بھیڑیئے نما آدمی کھڑا تھا اس کا دھڑ تو انسانوں جیسا تھا۔۔۔مگر اس کا چہرہ کسی بھیڑیئے سے مشابہ تھا اور اس کا قد بیس یا تیس فٹ کا تھا میں سمجھ گیا کہ یہ عزازیل ہے عزازیل کے بھیڑیئے نما سر پر موٹے موٹے بالوں کی وگ ہی رکھی تھی جو ہوا میں کسی سانپ کی طرح لہرا رہی تھی میں سمجھ گیا کہ عزازیل نے راعسیس کے بال حاصل کرلئے ہیں اور اب ان بالوں کو اس نے اپنے سر پر کسی وگ کی طرح پہن لیا ہے اس کا مطلب ہے عزازیل کو لامحدود طاقتیں حاصل ہوگئی ہیں۔

اسی وقت میری نظر تلیس پر پڑی جو لیلیٰ کے جسم کے اندر موجود تھی اور بھاگ کر عزازیل کی جانب جارہی

تھی میں تیزی کے ساتھ تلبیس کی جانب بڑھا اور دیوانہ وار تلبیس کے پیچھے دوڑا اتنا تیز شائد میں اپنی زندگی میں کبھی نہیں دوڑا ہوگا جتنا تیز میں اس وقت دوڑ رہا تھا میرے اندر ایک جنون تھا میری پیاری لیلیٰ جس کے جسم پر تلبیس نے قبضہ کرلیا تھا مجھے لیلیٰ کو تلبیس سے چھڑانا تھا میں تیر کے ساتھ تلبیس کے پیچھے دوڑا اور تلبیس کے قریب پہنچ کر میں نے پیچھے سے تلبیس کو زور کا دھکا دیا تو تلبیس لڑکھڑا کر ڈیم کی سڑک پر گر پڑی۔ تلبیس کے گرنے کے بعد میں نے نظر اٹھا کر عزازیل کی جانب دیکھا تو میں لرز کر رہ گیا عزازیل کچھ ہی فاصلے پر کھڑا مجھے کینہ توز نظروں سے گھور رہا تھا۔ اسی وقت تلبیس اٹھ کر کھڑی ہوئی اور تیزی سے میری جانب بڑھی وہ مجھ پر حملہ کرنا چاہتی تھی۔

''نہیں۔۔۔نہیں تلبیس ۔۔۔قیس کو مت چھونا'' عزازیل تلبیس کا ارادہ جان کر زور سے چیخا۔۔۔مگر دیر ہو چکی تھی تلبیس نے اپنا بھیانک ہاتھ بڑھا کر میری گردن پکڑ لی میرا دم گھٹنے لگا میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

''لیلیٰ۔۔لیلیٰ'' مدھم سی آواز میرے حلق سے برامد ہوئی لیلیٰ کا نام لیتے ہی تلبیس کا ہاتھ میرے گلے سے ہٹ گیا۔۔۔اور تلبیس مجھ سے دور ہو کر کھڑی ہوگئی وہ حیرت سے اپنے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی جو مجھے گرفت میں لینے پر تیار نہیں تھا تلبیس پھر میری جانب بڑھی۔

''تلبیس۔۔قیس کو ہاتھ مت لگاؤ۔۔۔ورنہ اس جسم کے اندر موجود لیلیٰ کی روح قیس کی محبت میں پاگل ہو کر تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے'' عزازیل پھر چیخا۔اب میں سمجھ گیا کہ عزازیل کیوں تلبیس کو مجھے چھونے سے منع کر رہا ہے کیونکہ لیلیٰ کی روح میرا لمس پاتے ہی بے چین ہو کر تلبیس کی ناپاک روح سے لڑ جاتی ہے میں یہ جان کر تیزی کے ساتھ تلبیس کی جانب بڑھا اور میں نے ہاتھ بڑھا کو تلبیس کو اپنی گرفت میں لے لیا تلبیس میری گرفت میں آتے ہی مچلنے لگی وہ مجھ سے دور ہونا چاہتی تھی مگر میں نے مضبوطی کے ساتھ اس کو پکڑ رکھا تھا وہ مچل رہی تھی مگر میری گرفت مضبوط تھی۔

آخر کار تلبیس نڈھال ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی تلبیس کا بھیانک چہرہ تبدیل ہونے لگا بھیانک چہرے کی جگہ اب لیلیٰ کا خوبصورت چہرہ جگہ لے رہا تھا۔

اچانک لیلیٰ کے منہ سے سیاہ رنگ کا دھواں نکلنے لگا اس کے ساتھ ہی میرے گلے میں پڑی بوڑھے ماسٹر کی مالا کا سرخ منکا بھی چمکنے لگا پھر سارا سیاہ دھواں اس سرخ منکے میں سما گیا تلبیس لیلیٰ کے جسم سے نکل چکی تھی اب لیلیٰ کا اصل چہرہ اور جسم تھا لیلیٰ بے ہوش ہو کر دھڑام سے سڑک پر گر پڑی لیلیٰ نے اپنے جسم کے اندر تلبیس کی ناپاک روح سے جاں گسل مقابلہ کیا تھا۔

اسی وقت عزازیل میری جانب بڑھا تو میں نے جلدی سے اپنے گلے میں پڑی مالا کو گلے سے اتارا سڑک کنارے پڑے ایک بڑے سے پتھر پر مالا کا منکا توڑنے کے ارادے سے آگے بڑھا۔

''نہیں۔۔نہیں منکا مت توڑنا'' عزازیل میرا ارادہ جان کا چیخا اسی وقت فضا میں ہزاروں کی تعداد میں چمگادڑیں نمودار ہوئیں اور بھیانک آواز میں چیخنے لگیں ۔وہ سب مجھ پر حملہ کرنا چاہتی تھیں مگر شائد عزازیل کی اجازت کی منتظر تھیں یہ دیکھ کر میں نے مالا کو پتھر پر رکھا اور دوسرے پتھر کو مالا پر مارنے کے لئے ہاتھ اوپر کیا۔

''نہیں۔۔نہیں'' عزازیل پھر چیخا۔

''عزازیل میں ایک لمحے میں تمہاری محبوبہ کو جہنم میں بھیج سکتا ہوں'' میری آواز عزازیل کی آواز سے زیادہ بلند ہوگئی میری بات سنتے ہی چمگادڑیں پھر چیخنے لگیں۔

''میں تمہاری محبوبہ کو جہنم کے اندھیروں میں دھکیل رہا ہوں'' میں نے ایک بار پھر دھمکی دی۔

''نہیں۔۔۔نہیں تم ایسا نہیں کروگے'' عزازیل کی آواز اس قدر تیز تھی کہ لگتا تھا جیسے آسمان ٹوٹ کر زمین پر آگرا ہو''تم میری محبت کو ہلاک نہیں کر سکتے''۔

''اگر تم اپنی محبوبہ کو پانا چاہتے ہو تو میری ایک شرط ماننی ہوگی'' میں چیخا۔

''مجھے تمہاری۔۔۔ ہر شرط منظور ہے بس تلبیس کو میرے حوالے کردو'' عزازیل بولا۔

''تو پھر راعسیس کے بال میرے سر پر رکھ دو'' میں نے عزازیل کو شرط سے آگاہ کیا۔

''نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ میں نہیں کرسکتا۔۔۔ تم کچھ اور مانگ لو۔۔۔ میں تمہیں امر زندگی دے دیتا ہوں۔۔ تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی'' عزازیل اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر ڈکرایا۔

''میری صرف یہی ایک شرط ہے۔۔ ورنہ تمہاری محبوبہ گئی'' میں نے اپنا پتھر والا ہاتھ بلند کیا تاکہ دوسرے پتھر پر رکھی مالا کا سرخ منکا توڑ سکو کیونکہ اس وقت سرخ منکے میں تلبیس کی ناپاک روح قید تھی اور جیسے ہی سرخ منکا ٹوٹتا تلبیس کی روح جہنم واصل ہوجاتی۔

''رک۔۔ جاؤ۔۔۔ رک جاؤ'' عزازیل تکلیف دہ انداز میں چیخا پھر اس نے راعسیس کے بالوں کا گچھا اپنے سر پر سے اتارا اور ہاتھ بڑھا کر ان بالوں کو میرے سر پر رکھ دیا۔

جیسے ہی بالوں کا گچھا میرے سر پر رکھا گیا مجھے ایسا لگا جیسے میرے اندر بے پناہ طاقت آگئی ہو اس کے ساتھ ہی میرا قد بلند ہونے لگا اور عزازیل کا قد چھوٹا ہونے لگا اب میں بیس فٹ سے زیادہ لمبا ہو گیا تھا میرے مقابلے میں عزازیل ایک حقیر کیڑا نظر آرہا تھا۔

''تلبیس کو میرے حوالے کردو'' عزازیل بولا تو میں دھیرے سے مسکرایا اور پھر میں نے نہایت تیزی کے ساتھ مالا کو عزازیل کے گلے میں ڈال دیا مالا جیسے ہی عزازیل کے گلے میں پڑی عزازیل زخمی بھینسے کی طرح ڈکرانے لگا اس کے سارے بدن میں آگ لگ گئی وہ اذیت ناک حالت میں چیخ رہا تھا ساری فضا میں شدید بدبو پھیل گئی تھی۔ عزازیل زور زور سے تکلیف دہ انداز میں چیخ رہا تھا اس کا بدن آگ میں جل رہا تھا وہ آگ کا ایک گولہ نظر آرہا تھا آخر کار وہ جلتے جلتے میری نظروں سے غائب ہوگیا۔

''میں پھر آؤنگا۔۔۔ میں پھر آؤنگا'' مجھے عزازیل کی آخری آواز سنائی دی۔

''تم جب بھی اپنی شیطانی طاقتوں کے ساتھ اس دنیا پر حملہ آور ہوگے مجھے اپنے مقابل ہی پاؤگے'' جواب میں، میں بھی چیخا۔

عزازیل کے غائب ہوتے ہی میں نے اپنے سر پر سے راعسیس کے بالوں کو اتارا تو میرا قد دوبارہ پہلے جیسا ہوگیا میں نے جلدی سے اپنی جیب سے ماچس نکالی اور ان بالوں کو آگ لگا دی مجھے ایسا کرنے کے لئے بوڑھے ماسٹر نے کہا تھا کیونکہ اگر عزازیل دوبارہ اس دنیا میں آتا ہے تو اسے راعسیس کے بال نہ مل سکے کیونکہ اصل طاقت تو راعسیس کے بالوں میں ہے۔ راعسیس کے بال جل کر راکھ ہوگئے تو میں نے ان بالوں کی راکھ اٹھا کر نیچے دریائے نیل کے بہتے پانی میں پھینک دی۔ پھر میں لیلیٰ کی جانب متوجہ ہوا لیلیٰ ابھی تک بے ہوش پڑی تھی میں نے لیلیٰ کے ہاتھ اور گال سہلائے تو لیلیٰ ہوش میں آگئی اور مجھے دیکھتے ہی مجھ سے لپٹ گئی۔

''اب سب ٹھیک ہے۔۔۔ وہ شیطان عزازیل شکست کھا کر بھاگ چکا ہے'' میں نے لیلیٰ کو تسلی دی تو لیلیٰ بے اختیار رونے لگی میں نے لیلیٰ کو گلے لگایا اور پھر اسے کھڑا کیا لیلیٰ کی ٹانگیں کمزوری کی وجہ سے لڑکھڑا رہی تھیں اس نے اپنا جسم حاصل کرنے کے لئے تلبیس سے بڑی جاں گسل جنگ لڑی تھی اس لئے لیلیٰ کو شدید کمزوری ہورہی تھی۔

میں نے لیلیٰ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا تو لیلیٰ نے مسکرا کر میری جانب دیکھا اور پھر اپنی بانہیں میرے گلے میں ڈال دیں اور اپنا منہ میرے سینے میں چھپا لیا۔ میں ہنستے ہوئے لیلیٰ کے کان میں پیار بھری سرگوشی کی اور پھر لیلیٰ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھائے اپنی جیپ کی جانب بڑھ گیا۔

آخری مرحلہ

ایس امتیاز احمد-کراچی

اجنبی کے جاتے ہی نوجوان کو احساس ہوا کہ اس سے غلطی ہوگئی ہے کیونکہ زندگی بچانے کے لئے ایک لاکھ ڈالر کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے ایک لاکھ ڈالر دے دینا چاہئے تھے۔

ایک خودغرض اور مطلب پرست شخص کی دل دہلاتی خونچکاں بھونچکاں شاہکار کہانی

فرینک نے اپنی بیس سالہ کاروباری زندگی میں کبھی گھاٹے کا سودا نہیں کیا تھا۔ وہ ایک پیدائشی کاروباری تھا اور ہر چیز کو کاروباری نقطہ نظر سے دیکھتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس عالم موجودات میں انسانی ضرورت کی ہر چیز موجود ہے اور صرف چیز ہی موجود نہیں حصول کے وسائل بھی موجود ہیں۔ انسان ہر چیز خرید سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی قیمت ادا کرسکتا ہو۔

لیکن جب ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ وہ کینسر کا مریض ہے اور زیادہ سے زیادہ دو سال اور زندہ رہے گا تو اس پر سکتہ طاری ہوگیا۔ اس کی حالت اس شخص کی سی ہوگئی جسے عدالت عالیہ نے سزائے موت کا حکم سنا دیا ہو۔

''شاید تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے ڈاکٹر!'' اس نے کہا۔ ''میری عمر بہت لمبی ہے۔ میں کم از کم پچاس سال اور جیوں گا۔''

''عام طور پر ہم مریضوں کو اس قسم کی بات نہیں بتاتے۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''کیونکہ اس سے انہیں سوائے مایوسی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا لیکن تمہارا کیس ذرا مختلف ہے۔ تم ایک باہمت آدمی ہو۔ تمہارا دل مضبوط ہے اور تمہارے اندر صدمہ برداشت کرنے کی قوت موجود ہے۔''

''جس شخص کی زندگی کے صرف دو سال باقی رہ گئے ہوں اس کی قوت برداشت اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔'' اس کی خود اعتمادی واپس آ گئی۔ ''بہرحال میں اتنی جلدی شکست تسلیم کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ کیا علاج کی کوئی بھی صورت باقی نہیں رہی؟''

''تمہارے دونوں پھیپھڑے تقریباً ختم ہو چکے ہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''ان کا علاج ناممکن ہے البتہ ایک صورت ہو سکتی ہے۔''

''کون سی صورت؟''

''اگر تمہارے جسم میں نئے پھیپھڑے لگا دیئے جائیں تو تم بچ سکتے ہو۔''

''تو پھر اس میں سوچنے والی کون سی بات ہے ڈاکٹر۔ پرانے پھیپھڑے نکال کر پھینک دو اور نئے لگا دو! میں معاوضہ دینے کے لئے بالکل تیار ہوں۔''

ڈاکٹر نے مایوسی سے سر ہلایا۔ ''یہ اتنا بھی آسان کام نہیں جہاں تک پرانے پھیپھڑے نکالنے کا تعلق ہے وہ کسی بھی وقت نکالے جا سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ نئے کہاں سے آئیں گے۔ یہ کوئی اسپیئر پارٹس تو ہیں نہیں کہ بازار سے خرید لئے جائیں!''

''شہر میں روزانہ متعدد آدمی مرتے ہیں، کسی کے بھی نکال کر لگائے جا سکتے ہیں۔''

''پھیپھڑے صرف اُسی شخص کے نکالے جا سکتے ہیں جس نے اپنی زندگی میں اس بات کی اجازت دے دی ہو یا اس کے ورثا اجازت دیں اور اس بات کا اختیار صرف اسٹیٹ اسپتال کو ہے۔ کوئی پرائیویٹ کلینک ایسا کرنے کا مجاز نہیں۔''

یہ سن کر فرینک کی گھبراہٹ دور ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ اب فکر کی کوئی بات نہیں۔ مسئلہ صرف نئے پھیپھڑے حاصل کرنے کا ہے اور اس میں ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ زیادہ سے زیادہ معاوضہ ادا کر سکتا تھا۔ اگر کوئی صورت نہ بنی تو وہ پورا آدمی خرید کر اس کے پھیپھڑے اپنے سینے میں لگوا لے گا۔

اگلے روز وہ اسٹیٹ اسپتال کے سول سرجن سے ملا اور اپنا مسئلہ پیش کیا۔

سرجن نے مایوسی کے ساتھ سر ہلایا۔ ''ہم فوری طور پر تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر تم چاہو تو ویٹنگ لسٹ میں نام لکھوا سکتے ہو۔ باری آنے پر تمہارا کام ہو جائے گا۔''

''کوئی بات نہیں کوئی بات نہیں!'' فرینک نے کہا۔ ''میں کچھ روز انتظار کر سکتا ہوں۔ اندازاً کتنے دن لگ جائیں گے؟''

''پانچ سال!'' سرجن نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ ''بلکہ کچھ زیادہ ہی اس وقت دو ہزار مریض ویٹنگ لسٹ پر موجود ہیں۔''

''لیکن ڈاکٹر میں مر جاؤں گا۔ میرے فیملی ڈاکٹر نے کہا ہے کہ میں زیادہ سے زیادہ دو سال اور زندہ رہوں گا۔ میں زیادہ سے زیادہ معاوضہ ادا کرنے پر تیار ہوں۔ میرا کیس فوری توجہ کا مستحق ہے۔''

''ہمارے پاس ہر کیس فوری توجہ کا مستحق ہے۔ ہم کسی کی حق تلفی نہیں کر سکتے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ شروع میں کیوں احتیاط نہیں کرتے اس رپورٹ کے مطابق تمہارے پھیپھڑے بکثرت سگریٹ نوشی کے باعث ختم ہوئے ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن.....''

''لیکن، لیکن!'' سرجن نے غصے سے کہا۔ ''کیا تم نے سگریٹ کے پیکٹ پر لکھی ہوئی وارننگ کبھی نہیں پڑھی؟ ضرور پڑھی ہوگی لیکن اور لوگوں کی طرح تم نے بھی یہی سوچا ہوگا کہ یہ وارننگ تمہارے لئے نہیں ہے۔ تم خدا کے ساتھ ابدی زندگی کا معاہدہ کر کے دنیا میں آئے ہو۔ تمہیں صرف اپنی موت نظر آ رہی ہے اس لئے پریشان ہو لیکن ہمارے پاس روزانہ تم جیسے مریض آتے

ہیں، ہمیں سب کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔''

فرینک چند لمحے سوچتا رہا پھر بولا۔ ''ڈاکٹر فرض کرو میں پھیپھڑوں کا انتظام کرلیتا ہوں۔ کیا تم.....''

''کیا مطلب؟'' ڈاکٹر چیخا۔ ''کیا تمہارے حواس ٹھیک کام کررہے ہیں؟ وہ کون سی مارکیٹ ہے جہاں سے انسانی پھیپھڑے خریدے جاسکتے ہیں؟ اب تم جاسکتے ہو! ویٹنگ لسٹ میں نام لکھوانے کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''میں ویٹنگ لسٹ میں نام لکھوائے بغیر بھی مرسکتا ہوں۔''

فرینک ایک پیدائشی کاروباری تھا۔ اس معاملے میں کوئی شخص اس کے سامنے کھڑا نہیں ہوسکتا تھا۔ ابتدا میں اس نے چھوٹے کاروباری حریفوں پر سبقت حاصل کی اور بالآخر کوہ پیکر حریفوں سے ٹکر لینی شروع کردی۔ وہ نہایت سائنٹیفک طریقے سے کام کرتا تھا۔ اس کے پاس دولت بھی تھی اور ذہانت بھی ان دو چیزوں کو بروقت استعمال ہی کامیابی کی ضمانت تھا۔ یعنی کب کون سی چیز خرید لینی چاہیے اور کب اسے فروخت کردینا چاہیے۔

حال ہی میں اس نے اپنے سب سے بڑے کاروباری حریف جارگوز کو شکست دی تھی۔ بوڑھا جارگوز ایک کہنہ مشق کھلاڑی تھا۔ اس کا ایک اشارہ مارکیٹ میں بحران پیدا کرسکتا تھا بلکہ حقیقت میں مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ کا اس کے مزاج سے گہرا تعلق تھا۔ کہا جاتا تھا کہ جارگوز کو ناراض کرکے کوئی شخص مارکیٹ میں قدم نہیں جما سکتا۔ وہ چوبیس گھنٹے کے اندر جسے چاہتا دیوالیہ کردیتا تھا۔

فرینک کئی مہینوں تک جارگوز کے طریقہ کار کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا، پھر وہ اچانک میدان میں اُتر آیا۔ جارگوز کو وہم بھی نہیں تھا کہ فرینک جیسا معمولی کاروباری اس سے ٹکر لینے کی کوشش کرسکتا ہے۔ اس نے حسب معمول اپنے کاروبار حربے استعمال کئے فرینک پہلے ہی ان کا بندوبست کرچکا تھا۔ اس ناکامی پر جارگوز سخت چراغ پا ہوا حالانکہ نقصان بہت معمولی ہوا تھا لیکن مسئلہ دولت کا نہیں وقار کا تھا۔

اگلے روز جارگوز نے اسے فون کیا اور اس کی کامیابی پر مبارکباد دی لیکن فرینک بخوبی جانتا تھا کہ اس مبارکباد میں درحقیقت طنز چھپا ہوا تھا۔

صورت حال تشویشناک ضرور تھی مگر مایوس کن نہیں تھی۔ اگلے دو ہفتے کے دوران وہ شہر کے بہترین اسپتالوں میں گیا اور چوٹی کے ڈاکٹروں کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا لیکن کوئی بھی اس کی مدد نہ کرسکا۔

ایک روز وہ ساتویں منزل پر واقع اپنے دفتر سے نکل کر سیلف سروس لفٹ میں داخل ہوا تو اس کی نظر ایک درمیانے قد کے شخص پر پڑی جو پہلے ہی لفٹ میں موجود تھا۔ اس نے ہلکے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا اور چہرے مہرے سے مہذب انسان نظر آتا تھا۔ جب لفٹ کا دروازہ بند ہوگیا تو وہ فرینک کی طرف مڑا۔

''مسٹر فرینک!'' اس نے کہا۔ ''میں تمہیں ایک ایسے شخص کا پتہ بتا سکتا ہوں جو کئی لوگوں کے مسائل حل کرچکا ہے۔''

فرینک نے سر سے پیر تک اس شخص کا جائزہ لیا پھر بولا۔ ''میرا خیال ہے کہ میں تمہیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔''

''تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ یہ ہماری پہلی ملاقات ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ ملاقات خوش آئند مستقبل کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ مجھے جان اینڈرسن کہتے ہیں تمہارے لئے صرف جونی میں ایس ایس او سے تعلق رکھتا ہوں۔''

''ایس ایس او؟'' فرینک ذہن پر زور ڈالتا ہوا بولا۔ ''یہ نام بھی پہلی مرتبہ سنا ہے کیا یہ کسی ملک کی خفیہ پولیس کا نام ہے؟''

جونی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ ''ایس ایس او، اسپیشل سوشل آرگنائزیشن کا مخفف ہے۔''

''اور اس تنظیم کے اغراض و مقاصد؟'' فرینک نے کہا۔ ''اجنبی سا نام ہے۔ کیا یہ کوئی خفیہ تنظیم ہے؟''

''اسے نیم خفیہ تنظیم کہا جاسکتا ہے۔ یہ صاحب

حیثیت لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے۔ کچھ مسائل ایسے ہوتے ہیں جنہیں جائز طریقے سے حل نہیں کیا جاسکتا حالانکہ مسائل جائز ہوتے ہیں اور فوری توجہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ ہماری تنظیم مناسب معاوضے پر ان مسائل کی ذمے داری قبول کرلیتی ہے۔ ہمارے پاس ہر قسم کے ماہرین موجود ہیں۔ بعض اوقات ہمیں ایسے طریقے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں جنہیں کلی طور پر قانونی نہیں کہا جاسکتا۔''

فرینک کو اس کی باتوں میں دلچسپی پیدا ہوگئی۔ اس نے سوچا کہ وہ اس کا مسئلہ حل کرسکتا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس اجنبی کو اس مسئلے کے بارے میں کیسے پتا چلا۔ اس اثنا میں لفٹ گراؤنڈ پر پہنچ گئی۔

''میں تمہاری تنظیم کے بارے میں مزید جاننا پسند کروں گا۔'' فرینک نے کہا۔ ''کیوں نہ کسی ریستوران میں بیٹھ کر بات کی جائے!''

جونی نے اس کی تجویز کو پسند کیا۔ چند لمحوں بعد دونوں ایک پرسکون ریستوران کے نیم تاریک گوشے میں بیٹھے باتیں کررہے تھے۔

''ہماری تنظیم کے نمائندے ہر شعبہ ہائے زندگی میں موجود ہیں۔'' جونی بتا رہا تھا۔ ''جب کوئی صاحب حیثیت شخص کسی پریشان کن مسئلے سے دوچار ہوتا ہے تو ہمارا نمائندہ ہمیں مطلع کردیتا ہے۔''

''تو اس طرح تمہیں پتا چلا کہ مجھے نئے پھیپھڑوں کی ضرورت ہے۔'' فرینک نے کہا۔ اس کے چہرے سے اندرونی خوشی کا اظہار ہورہا تھا۔ جونی اسے فرشتہ رحمت لگ رہا تھا۔ تاہم وہ اپنے جذبات کا اظہار کرنے میں احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ ''معاوضے کی بات کرنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تمہاری تنظیم نئے پھیپھڑوں کا انتظام کہاں سے کرے گی؟''

''ہم عام طور پر اپنے اندرونی معاملات کو زیر بحث لانا پسند نہیں کرتے۔'' جونی نے کہا۔ ''اس دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو صرف دوسروں کے لئے زندہ رہتے ہیں اور جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کبھی کبھی ہمیں قانونی حدود سے تجاوز بھی کرنا پڑتا ہے۔ بہرحال ہم ہر چیز کے لئے معقول رقم خرچ کرتے ہیں۔''

''میں تمہارے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ محض اپنا استعجاب دور کرنے کے لئے پوچھ لیا تھا۔ اب معاوضے کی بات ہوجائے۔''

''تمہارے کیس پر ہم ہر پہلو سے غور کرچکے ہیں۔'' جونی نے کہا۔ ''نئے پھیپھڑے لگانے کا معاوضہ ایک لاکھ ڈالر اور اس میں سودے بازی کی کوئی گنجائش نہیں۔''

''ایک لاکھ ڈالر؟'' یہ تو بہت زیادہ ہیں۔''

''ایک انسانی جان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ کیا تم دو لاکھ کے عوض اپنا دل دینا پسند کروگے؟''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن.....''

جونی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''اس معاملے میں کوئی بحث نہیں ہوگی۔ تم اطمینان سے سوچ سکتے ہو۔ اگر ضرورت محسوس کرو تو اس نمبر پر فون کرلینا۔'' اس نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر میز پر رکھ دیا جس پر صرف ایک فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ پھر وہ اپنی نشست سے اٹھا اور تیزی سے باہر چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی فرینک کو احساس ہوا کہ اس نے غلطی کی تھی۔ زندگی بچانے کے لئے ایک لاکھ ڈالر زیادہ بڑی رقم نہیں تھی اور وہ با آسانی اسے ادا کرسکتا تھا۔ اس نے اگلے روز جونی کو فون کرکے آمادگی کا اظہار کردیا۔

''تمہیں اپنے فیصلے پر ہرگز افسوس نہیں ہوگا مسٹر فرینک!'' جونی نے کہا۔ ''اب ہماری ایک ملاقات اور ہوگی تاکہ تمہاری روانگی کے بارے میں تفصیلات طے کرلی جائیں۔''

اس فیصلے کے ٹھیک ساتویں روز فرینک میکسیکو کے ایک دشوار گزار پہاڑی علاقے میں سفر کررہا تھا۔ رات کا وقت تھا اور صاف آسمان پر پورا چاند چمک رہا تھا۔ سڑک تنگ اور ناہموار تھی۔ جگہ جگہ خطرناک موڑ تھے کار کی رفتار بمشکل تیس پینتیس میل کے درمیان تھی۔

فرینک کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ اُسے آپریشن کے لئے اتنا لمبا چوڑا سفر کرنا پڑے گا۔ وہ کچھ خوفزدہ بھی تھا اس کے ذہن میں گونا گوں خدشات سر اٹھا رہے تھے۔

وہ سفر، سفر آخرت بھی ثابت ہوسکتا تھا۔

گو وہ مذہبی آدمی نہیں تھا مگر دل ہی دل میں اپنی سلامتی اور آپریشن کی کامیابی کی دعا مانگ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے یہ فیصلہ کرکے غلطی نہیں کی تھی۔

جونی نے اسے یقین دلایا تھا کہ ڈاکٹر رابسن ایک ماہر سرجن تھا۔ اس نے کبھی کسی مریض کو مایوس نہیں کیا تھا۔ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد ان کی کار وسیع وادی میں پہنچ گئی۔ وہاں سڑک سیدھی اور صاف تھی۔ چاند کی پیلی روشنی میں وادی حسین اور سرسبز معلوم ہوتی تھی۔

تین روز قبل وہ ہوائی جہاز کے ذریعے سان ڈیگو پہنچا تھا۔ تنظیم کا ایک نمائندہ پہلے سے وہاں موجود تھا۔ اس نے رات کی تاریکی میں اسے میکسیکو اسمگل کردیا۔ یہ کارروائی ان ہدایات کے مطابق عمل میں آئی تھی جو جونی نے اسے دی تھیں۔

میکسیکو پہنچ کر اس نے فرضی نام سے ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ اس کے دوست احباب صرف اتنا جانتے تھے کہ وہ ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق سان ڈیگو میں تعطیلات منا رہا ہے۔

اور اس وقت وہ میکسیکو کے نامعلوم پہاڑی علاقے میں سفر کررہا تھا۔ کار کا ڈرائیور چھوٹے قد کا میکسیکن تھا۔ تاہم وہ بڑی روانی کے ساتھ انگریزی بولتا تھا۔

''کتنا سفر باقی رہ گیا ہے؟'' فرینک نے اس سے پوچھا۔

''تقریباً ایک گھنٹہ اور لگ جائے گا۔''

''کیا تم اکثر اس طرف آتے رہتے ہو؟''

''ہاں! پہلے بھی اس سڑک پر سفر کرنے کا اتفاق ہوچکا ہے۔''

''خاصی تنگ اور خطرناک سڑک ہے۔''

فرینک نے کہا۔ ''اس پر بھاری گاڑیاں نہیں چل سکتیں۔ اسپتال کے لئے راشن اور دیگر بھاری سامان کس طرح پہنچایا جاتا ہے؟''

''بھاری سامان ہیلی کوپٹر کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے۔'' ڈرائیور نے جواب دیا۔ ''اسپتال کے قریب ایک ہیلی پیڈ بنا ہوا ہے۔''

فرینک نے سوچا کہ اگر اسے ہیلی کوپٹر کے ذریعے پہنچایا جاتا تو زیادہ اچھا ہوتا لیکن اس طرح شاید اس کے سفر کو خفیہ رکھنا ممکن نہ ہوتا نہ معلوم انہوں نے اتنی زیادہ احتیاطی تدابیر کیوں اختیار کی تھیں! یہ بات اُسے شروع سے ہی کھٹک رہی تھی لیکن وہ اس قدر مایوس تھا کہ کوئی اعتراض نہ کرسکا اور خاموشی سے ہدایات پر عمل کرتا رہا۔ یہ بات اسے اب بھی پریشان کررہی تھی۔ اس کا اپنی دنیا سے کوئی رابطہ باقی نہیں رہا تھا۔ وہ ایک بار پھر دل ہی دل میں اپنی سلامتی کی دعا کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد اسے کچھ فاصلے پر ٹمٹماتی ہوئی روشنی نظر آئی اور جیسے جیسے کار آگے بڑھ رہی تھی وہ روشنی نمایاں ہوتی جارہی تھی۔

''وہ سامنے اسپتال نظر آرہا ہے؟'' فرینک نے پوچھا۔

''ہاں وہ اسپتال کی روشنیاں ہیں۔''

فرینک کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ وہ بار بار خود سے پوچھ رہا تھا۔ کیا یہ آپریشن کامیاب رہے گا؟ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ اتنا بڑا آپریشن کرانے جارہا تھا اور خاصا خوفزدہ تھا۔

اسپتال کی عمارت جدید اور کشادہ تھی۔ اردگرد تیز روشنی کے بلب جل رہے تھے۔ آس پاس سیب اور انگور کے درخت دیکھے جاسکتے تھے۔ ایک طرف سبزیوں کا کھیت بھی تھا۔ گویا اسپتال کے عملے کی بیشتر ضروریات وہیں سے پوری ہوجاتی تھیں۔

کار اسپتال کے صدر دروازے کے سامنے پہنچ کر رک گئی۔ ڈاکٹر رابسن اپنے دو ماتحتوں کے ہمراہ بذات خود اس کے استقبال کے لئے وہاں موجود تھا۔

ڈاکٹر نے اس سے ہاتھ ملایا اور اس کی راہنمائی کرتا ہوا اندر لے گیا۔ ایک ملازم اس کے لئے برانڈی کا گلاس بھر کر لے آیا۔

''مسٹر فرینک!'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''غسل کے لیے گرم پانی تیار ہے۔ برانڈی پینے کے بعد غسل کرلو! باتھ روم میں تمہارے لئے صاف لباس کا جوڑا بھی تیار رکھا ہے۔''

ڈاکٹر کے لہجے سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ درخواست نہیں کر رہا تھا، حکم دے رہا تھا۔ فرینک نے اس کے حکم کی تعمیل میں کوئی دیر نہیں لگائی۔

جب وہ غسل خانے سے باہر آیا تو دو ملازموں کو منتظر پایا۔ وہ اس کی راہنمائی کرتے ہوئے ایک کشادہ کمرے میں لے گئے۔ فرینک سوچ رہا تھا کہ وہ اسے بیڈ روم میں لئے جا رہے ہیں لیکن جب اس نے کشادہ کمرے کا جائزہ لیا تو دنگ رہ گیا۔ وہ جدید آلات سے لیس آپریشن روم تھا۔ دونوں ملازموں نے اسے نہایت آرام کے ساتھ آپریشن ٹیبل پر لٹا دیا اور بیلٹ باندھنے لگے۔ اسی لمحے ڈاکٹر رابسن اپنے دو نائبوں کے ہمراہ آپریشن روم میں داخل ہوا۔ وہ تینوں سبز لباس میں ملبوس تھے۔

''ڈاکٹر! کک..... کیا تم فوراً آپریشن کرنا چاہتے ہو؟''

''ہاں مسٹر فرینک!'' ڈاکٹر نے خوش دلی سے کہا۔ ''یہ کام جتنی جلدی ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔'' پھر وہ اپنے معاونین کو ہدایات دینے لگا۔ اس کے معاونین نہایت تیزی اور مستعدی کے ساتھ آپریشن کا سامان میز کے اردگرد سجانے لگے۔

اس اثنا میں کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک نرس پہیوں والا اسٹریچر دھکیلتی ہوئی داخل ہوئی۔ اس نے اس اسٹریچر کو فرینک کی میز کے ساتھ لگا کر کھڑا کر دیا۔ اس کے اوپر سفید چادر سے ڈھکا ہوا ایک جسم موجود تھا۔

فرینک نے گہرا سانس لیتے ہوئے سوچا۔ تو یہ وہ شخص ہے جس کے پھیپھڑے اس کے جسم میں لگائے جائیں گے! وہ اس کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا لیکن کوشش کے باوجود باز نہ رہ سکا۔ اس نے ہولے ہولے سر گھما کر اسٹریچر کی طرف دیکھا۔

سب سے پہلے اس کی نظر اسٹریچر پر لیٹے ہوئے شخص کے ہاتھ پر پڑی۔ وہ کسی ضعیف شخص کا جھریوں بھرا ہاتھ تھا۔ فرینک کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ جونی نے کہا تھا کہ اسے کسی نوجوان کے پھیپھڑے لگائے جائیں گے لیکن یہاں معاملہ بالکل الٹ تھا۔

''یہ..... آدمی تو بوڑھا ہے۔'' وہ اپنے جسم پر بندھی ہوئی بیلٹ میں کشمکش کرتا ہوا بولا، پھر اس کی نظر بوڑھے کے چہرے پر پڑی۔ اس کے ساتھ ہی اس پر گویا سکتہ سا طاری ہو گیا۔ لمحہ بھر کے لئے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ اسٹریچر پر جو شخص لیٹا ہوا تھا وہ اسے بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ اس کا کاروباری حریف جارگوز تھا۔

''ڈاکٹر!'' فرینک چیخا۔ ''یہ کیا معاملہ ہے؟ اس شخص کو یہاں کیوں لایا گیا ہے؟''

ڈاکٹر نے اس کی طرف توجہ نہیں دی اور بدستور اپنے آلات جراحی کی دیکھ بھال میں مصروف رہا۔

''اس دنیا کے بازار میں ہر چیز مل جاتی ہے۔'' بوڑھے جارگوز نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''لیکن صرف اس کو جو زیادہ بولی دینا جانتا ہو۔''

''کیا بک رہے ہو بڈھے بگلے!''

''ذرا آہستہ بولو میرے بچے!'' جارگوز نے کہا۔ ''تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میرا دل کمزور ہے لیکن بہرحال یہ ایک عارضی کمزوری ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تمہارا دل خاصا مضبوط ثابت ہوگا اور میرے کمزور جسم کو نئی توانائی فراہم کرے گا۔

''بہرحال اس عطیے کا بہت بہت شکریہ!''

''کیا؟'' فرینک چیخا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے ڈاکٹر نے اس کے چہرے پر کلوروفارم کا نقاب چڑھا دیا۔

اماوس کی رات

عامر شہزاد-ننکانہ صاحب

نوجوان نے بہت چیخ و پکار کی مگر کوئی بھی اس کی مدد کو نہ آیا کہ اتنے میں دو ڈھانچے نمودار ہوئے اور انھوں نے نوجوان کی ٹانگوں کو پکڑ کر درمیان سے چیر دیا اور پھر.....

ایک آسیبی.....مخلوق کا ہمدردانہ سلوک جو کہ ایک لڑکی کی.....مدد.....کرتا تھا

سونیا بچپن ہی سے بہت خوب صورت تھی سب لوگ مدھو کی ماں کو اکثر کہا کرتے تیری بیٹی تو بہت خوب صورت ہے ارے یہ تو پری لگتی ہے اس جیسی لڑکی تو ہم نے آج تک نہیں دیکھی اور مدھو کی ماں شانتی یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوتی۔ مدھو کا باپ وجے بھی اپنی بیٹی سے بہت محبت کرتا تھا ان کے گاؤں کا نام ''امن پور'' تھا۔ وہاں کی آبادی ہندو دھرم سے تعلق رکھتی تھی نام کی طرح گاؤں بھی امن وشانتی والا تھا بھی کوئی لڑائی جھگڑا اور فساد وہاں نہیں ہوا تھا۔ سب لوگ پیار سے رہتے اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔

وجے لکڑہارا تھا اور وہ گاؤں کا سب سے غریب آدمی تھا۔ قریبی جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر قریبی قصبے میں فروخت کرتا اس طرح ان کی روزی روٹی چلتی،

وقت تیزی سے گزرتا رہا اور مدھو نے جوانی میں قدم رکھ دیا، اب تو اس کا حسن اور بھی نکھر گیا تھا۔

وہ ہر ایک کی آنکھ کا تارا بن گئی مدھو فطرتی طور پر بھلی مانس اور شریف قسم کی لڑکی تھی وہ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھتی اور کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہ دیتی بہت حسین و جمیل ہونے کے باوجود اس نے کبھی خود پر غرور نہیں کیا وہ جانتی تھی کہ اس کا باپ غریب اور محنتی ہے اور غریبوں کے پاس عزت کے علاوہ اور ہوتا بھی کیا ہے؟ اسی لئے وہ بہت غیرت مند ثابت ہوئی اس نے کبھی کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔

اس کے حسن کا چرچہ نہ صرف گاؤں بلکہ دیگر قریبی علاقوں میں بھی ہونے لگا، کبھی نوجوان اس کی بات کرنے کو ترستے تھے مگر وہ کسی کو گھاس تک نہ ڈالتی۔

گاؤں کا نمبردار لکشمن رائے جو کہ بہت ظالم اور گناہ گار شخص تھا مگر اس نے گاؤں والوں کے سامنے اپنا بھرم رکھنے کے لئے نیک بننے کا خوب ڈرامہ رچا رکھا تھا لوگ اس کی بہت عزت کرتے تھے اور وہ بھی دکھلاوے کی غرض سے گاؤں والوں کے بہت کام آتا اس کی شروع ہی سے مدھو پر نظر تھی وہ ہر حال میں اسے حاصل کرنا چاہتا تھا اس نے وجے سے مدھو کا ہاتھ مانگا مگر شانتی اور مدھو کے انکار کی وجہ سے وجے مجبور ہوگیا۔

لکشمن رائے نے انکار کو اپنی بے عزتی جانا مگر وہ وقتی طور پر خاموش ہوگیا۔

مدھو روزانہ اپنی سہیلیوں کے ہمراہ باغ میں جاتی جہاں سب مل کر کھیلتیں اور خوب لطف اندوز ہوتیں۔

ایک دن باغ سے واپسی پر مدھو کو تیز بخار ہوگیا اس کا بہت علاج کروایا گیا تب جا کر اس کا بخار اُترا وہ ٹھیک تو ہوگئی مگر ہر وقت خاموش رہنے لگی کہاں وہ روزانہ سہیلیوں کے ہمراہ باغ میں جا کر خوب کھیلتی اور کہاں اب گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا۔

شانتی اس کی حالت سے بہت پریشان ہوتی۔ مدھو اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ کھانا پینا بھی بہت کم کر دیا اکثر جب شانتی کھانا لے کر اس کے کمرے میں جاتی تو وہاں سے خوشگوار خوشبو محسوس کرتی اور پھر اس نے اکثر یہ بھی دیکھا کہ مدھو اکیلی بیٹی مسکراتی رہتی ہے اور کسی سے نامانوس زبان میں باتیں بھی کرتی ہے۔

پہلے تو ساری باتیں شانتی نے وجے سے چھپائیں مگر جب حالات زیادہ خراب ہونے لگے تو اپنے پتی کو صورت حال سے آگاہ کیا مگر وجے نے شانتی کو سمجھایا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے یہ بس تمہارا وہم ہے لہٰذا چپ رہو اور کسی اور سے ہرگز یہ بات نہ کرنا ورنہ لوگ ایسے ہی من گھڑت باتیں مدھو سے منسوب کر کے ہمارا جینا حرام کر دیں گے مگر خود گہری سوچ میں پڑ گیا۔

بعد ازاں مدھو رات کے وقت کبھی کبھار اکیلی باغ میں چلی جاتی، بے چارہ وجے اسے گھر لاتا بعض اوقات وہ اکیلی چھت پر چڑھ جاتی آخر کب تک لوگوں سے ایسی باتیں چھپتی ہیں؟

پھر پورے گاؤں میں مشہور ہوگیا کہ مدھو پاگل ہے، کوئی کہتا اسے سایہ ہوگیا ہے کوئی کہتا اسے کچھ نہیں ہے یہ راتوں کو اپنے یار سے ملتی ہے غرضیکہ جتنی منہ اتی باتیں وجے لوگوں کی طنز زدہ باتیں سن کر بیمار رہنے لگا اس سے اپنی جوان بیٹی کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔

اور ایک دن وہ یہ دنیا ہمیشہ کے لئے چھوڑ گیا۔

مدھو یتیم ہوگئی مگر حیران کن طور پر اسے باپ کی موت پر کوئی صدمہ نہ ہوا اور اس کی حرکات میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوگیا پھر تو پورے گاؤں میں مشہور ہوگیا کہ مدھو دیوانی ہوگئی ہے جس کی وجہ سے ڈر کے مارے سب لوگ اس سے دور بھاگنے لگے بے چاری شانتی نے اپنی پیاری اوز اکلوتی بیٹی کا ہر ممکن جسمانی اور روحانی علاج کروانے کی کوششیں کیں مگر سب بے کار۔

☆.....☆.....☆

نمبردار کی اب بھی ہوس ختم نہیں ہوئی تھی وہ اب بھی مدھو کو حاصل کرنا چاہتا تھا جب اس کی ہر کوشش ناکام ہوگئی تو اس نے ایک عجیب طریقہ اپنایا۔

سورج اس کا وفادار ملازم تھا وہ انتہا کا لالچی اور

بے غیرت تھا اور ہر ناجائز کام میں نمبردار کا ساتھ دیتا تھا۔ مگر اس نے بھی نمبردار کی طرح اچھائی کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا جس کی وجہ سے لوگ اس کی بہت عزت کرتے تھے نمبردار سارے غیر قانونی اور ناجائز کام بہت خفیہ کرواتا تھا جس کی کسی کو کانوں کان کوئی خبر نہ ہوتی تھی۔

نمبردار نے مدھو کی شادی سورج سے کروادی اور سورج کو اپنے منصوبے سے بھی آگاہ کردیا، مدھو کی شادی اس کی رضامندی کے خلاف ہوئی تھی۔ مدھو اکثر سورج سے کہا کرتی کہ ''میرے مددگار ضرور آئیں گے اور بدلہ لیں گے۔'' مگر وہ اسے پاگل سمجھ کر اس کی بات سنی اَن سنی کردیتا پھر کچھ دنوں بعد نمبردار نے سورج کو پچاس ہزار روپے دیئے اور کہا۔ ''جاؤ اب مدھو کو میرے بستر پر لاؤ۔'' اتنے روپے دیکھ کر سورج فوراً راضی ہوگیا۔

راضی تو وہ پہلے بھی تھا مگر بس ذرا مول بڑھانا چاہتا تھا نمبردار نے اس سے کہا بے فکر رہو یہ تو پہلی قسط ہے بقیہ قسطیں بھی ملتی رہیں گی۔

سورج نے گھر آکر مدھو سے کہا کہ آج رات تمہیں نمبردار کی پرانی حویلی میں جانا ہے خوبصورت کپڑے پہن کر اچھی طرح تیار ہوجاؤ اور وہاں آج رات تمہیں ہر حال میں نمبردار کو خوش کرنا ہے مگر مدھو نے صاف انکار کردیا تو سورج نے ایک زوردار تھپڑ اس کے چہرے پر رسید کیا۔

بیچاری مدھو کے نازک ہونٹوں سے خون بہنے لگا مگر ظالم کو ترس نہ آیا اور اسے مارنے پیٹنے لگا، مگر جب وہ ہر طرح سے مایوس ہوگیا تو اس نے مدھو کو دھمکی دی کہ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں تمہاری ماں شانتی کو قتل کردوں گا۔ یہ بات سن کر مدھو خاموش ہوگئی کیونکہ اسے اپنی ماں سے بہت پیار تھا۔

رات کے اندھیرے میں سورج نے مدھو کو پرانی حویلی میں پہنچادیا اور ویسے بھی وہ ایسے کاموں میں بہت ماہر تھا۔

مدھو نے نمبردار کی بہت منتیں کیں بھگوان کے واسطے دیئے مگر وہ بھیریا بن چکا تھا اس نے بے چاری کی ایک نہ سنی اور پوری رات مدھو کے جسم کو کتے کی طرح بھنبھوڑتا رہا اور بے غیرت سورج حویلی کے صحن میں بیٹھا حقہ پیتا رہا۔

صبح ہونے سے پہلے ہی رات کے آخری پہر سورج نے نیم بے ہوش مدھو کو اٹھایا اور اپنے گھر لے گیا۔

اب مدھو کی زبان پر ہر وقت یہی الفاظ ہوتے۔ ''میرے مددگار آئیں گے اور بدلہ لیں گے۔'' مگر کوئی ان الفاظ کو سمجھ نہیں سکا۔

نمبردار نے سورج کو پرانی حویلی میں رہائش دے دی جس سے سورج بہت خوش ہوا مگر مدھو کی زندگی مزید اجیرن ہوگئی۔

جب بھی نمبردار چاہتا مدھو کو اپنے بستر پر بلالیتا بلکہ یہ معاملہ اس کا معمول بن گیا۔

سورج کو روپے ملتے رہے اور وہ نمبردار کو مزید خوش کرتا رہا۔

مدھو بہت اذیت سے گزر رہی تھی مگر اپنی ماں کی وجہ سے وہ چپ رہتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے منہ کھولا تو وہ بھری دنیا میں بالکل اکیلی رہ جائے گی۔

مدھو دن بدن کمزور ہورہی تھی اور کچھ زیادہ ہی پریشان رہنے لگی، اسے گھر سے نکلنے اور ماں سے ملنے کی اجازت بھی بہت کم ہی ملتی تھی شانتی اپنی پیاری بیٹی کی اس حالت پر بہت کڑتی تھی اور اکثر مدھو سے پوچھتی مگر مدھو ہمیشہ چپ ہی رہتی اور بات کو ٹال دیتی۔

شانتی کو شک تھا کہ ضرور اس کی بیٹی کے ساتھ کچھ غلط ہورہا ہے اسی وجہ سے اس نے جاسوسی شروع کردی۔

اتفاقاً ان دنوں اس سے کچھ ایسی حرکات سرزد ہوئیں جن سے نمبردار کو بھی شک ہوگیا کہ ضرور شانتی کچھ جاننا چاہتی ہے۔ جس کی وجہ سے نمبردار نے سورج کے ذریعے شانتی کو زہر دلوا کر مروادیا۔ پھر تو اس کے راستے کے آخری کانٹا بھی نکل گیا اب اس نے مدھو کو ہر رات بھنبھوڑنا شروع کردیا۔

نمبردار کی بیوی کافی عرصہ پہلے مرچکی تھی اس

کے دو بیٹے بیرون ملک تھے لہٰذا اسے کسی کا کوئی ڈر نہیں تھا اور کسی کو اس پر شک بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ سورج جو اس کے ساتھ تھا۔

ماں کے مرنے کے بعد مدھو بالکل ہی پاگل ہوگئی کبھی ہنستی اور کبھی رونے لگتی مگر اس کی زبان پر بس یہی الفاظ ہوتے۔ ''میرے مددگار آئیں گے اور بدلہ لیں گے۔''

ایک رات سورج نمبردار کے کسی کام کی غرض سے گاؤں سے باہر جارہا تھا اس رات سردی بہت شدید تھی اندھیرے کا راج تھا، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ وہ ''اماوس'' کی رات تھی سفر کافی لمبا تھا وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتا ہوا چل رہا تھا کہ اسے محسوس ہوا جیسے اس کے پیچھے بھی کوئی چل رہا ہو جیسے ہی اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی نہیں تھا۔

اس رات گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی ہر طرف ہو کا عالم تھا دور کہیں کتا بھونک رہا تھا جس کی آواز ماحول کو مزید خوفناک بنا رہی تھی پھر سورج نے چلنا شروع کردیا ابھی وہ تھوڑی ہی دور گیا ہوگا۔

اچانک ایک چمگادڑ نے اس پر حملہ کردیا۔ مگر وقت وہ جھکنے میں کامیاب ہوگیا اور چمگادڑ اُڑ کر اندھیرے میں غائب ہوگئی۔

سورج بہت خوفزدہ ہو چکا تھا اب وہ تیز تیز چلنے لگا جیسے دوڑتا ہوا اچانک زمین کے اندر سے ایک مضبوط رسی نمودار ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اسی جگہ سے ایک خوفناک ڈھانچہ نمودار ہوا سورج کے اوسان خطا ہو چکے تھے خوف سے اس کا حلق خشک ہوگیا تھا اتنی ٹھنڈی رات میں بھی اسے پسینہ آرہا تھا۔ اس کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔

سامنے ڈھانچے کو دیکھ کر وہ پیچھے کی جانب بھاگنے لگا تو پیچھے بھی ایک ڈھانچہ موجود تھا پھر دھیرے دھیرے دونوں ڈھانچے قریب آتے گئے اور دونوں نے مضبوط رسی اپنے ہاتھوں میں پکڑلی، بعد ازاں رسی سے سورج کے دونوں پاؤں علیحدہ علیحدہ باندھ دیئے گئے۔

سورج نے بہت چیخ و پکار کی مگر کوئی اس کی مدد کو نہیں آیا پھر دونوں ڈھانچوں نے رسی کو اپنی طرف کھینچنا شروع کردیا، سورج دونوں خوفناک ڈھانچوں کے درمیان کھڑا تھا، جب رسی کھینچنی شروع ہوئی تو سورج کی دونوں ٹانگیں ڈھانچوں کی جانب بڑھنے لگیں پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم چیر دیا گیا اور وہ دو حصوں میں بٹ گیا ایک ٹانگ اور آدھا جسم ایک ڈھانچے کے پاس جبکہ دوسری ٹانگ اور آدھا جسم دوسرے کے ہاتھ میں چلا گیا سورج مردود کو سزا مل چکی تھی۔

صبح جب گاؤں والوں نے پیپل کے درخت کے نیچے سورج کی لاش دو حصوں میں دیکھی تو حیران رہ گئے اس کے جسم سے بہنے والا خون درخت کے نیچے جم چکا تھا لاش کی حالت اتنی خراب اور بھیانک تھی کہ لوگ اسے دیکھنے سے بھی ڈرتے تھے۔

پھر لوگ مدھو کو لاش کے پاس لے آئے تو مدھو نے اس کی لاش کو دیکھ کر اس پر تھوک دیا اور اونچی آواز میں مسکرا کر بولی۔ میں نے کہا تھا ناں ''میرے مددگار آئیں گے اور بدلہ لیں گے۔''

یہ الفاظ کہہ کر وہ وہاں سے بھاگ گئی اور کنویں میں چھلانگ لگا کر اپنی جان دے دی۔

اس دن دونوں کی میتیں ایک ہی وقت شمشان گھاٹ میں جلائی گئیں مگر کسی کو مدھو کے الفاظ کی سمجھ نہیں آئی۔

سورج کے قتل کا بھی سراغ نہیں مل سکتا۔ البتہ کچھ دن بعد پراسرار طور پر نمبردار نے بھی اپنی حویلی کی چھت سے کود کر خودکشی کرلی۔

جب نمبردار کی لاش شمشان گھاٹ میں آگ کے شعلوں میں جل رہی تھی تو وہاں کھڑے ہر شخص نے مدھو کی آتما کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

پھر وہ جلد ہی ہوا میں تحلیل ہو کر سب کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

بیٹی

طاہر اشتیاق-ڈی جی خان

سفاک شخص نے بڑی بے دردی سے بچی کو قتل کر ڈالا اور اپنا گناہ چھپانے کے لئے آئے دن بہانے بناتا رہا۔ اور جب بھی رات کا اندھیرا چھاتا تو آواز سنائی دیتی۔ "بابا میرا کیا قصور تھا۔"

نفسانی خواہشات کے لوگ کیا واقعی نشان عبرت بن جاتے ہیں، ثبوت کہانی میں ہے

اکمل تمہیں اتنا تنگ نظر نہیں ہونا چاہئے، اب تم یونیورسٹی میں پڑھ رہے ہو، اپنی سوچ کو بڑا رکھو عالیہ کے یہ الفاظ سننے کے بعد اکمل نے تھوڑی دیر خاموشی اختیار کی پھر بولا۔ ''ہاں لیکن انسان کو اتنا بھی آزاد خیال نہیں ہونا چاہئے کہ وہ شرم و حیا سے بالکل ہی عاری ہو جائے۔ عالیہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کل کی پارٹی میں ہماری کلاس کی لڑکیاں کیسے پروفیسر حضرات کے سامنے ڈانس اور پٹر پٹر کر رہی تھیں۔''

عالیہ خاموشی سے اکمل کی باتیں سن رہی تھیں۔ جب وہ اپنی باتیں مکمل کر چکا تو عالیہ نے تیوری چڑھائی اور اسے Bye کہہ کر چلی گئی۔

اکمل اور عالیہ میں خاصی گہری دوستی تھی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دوستی چاہت میں

تبدیل ہوگئی۔ اکمل عالیہ سے اظہار محبت کر چکا تھا۔ اب ان دونوں کو اپنی پڑھائی کے مکمل ہونے کا انتظار تھا تاکہ وہ جلد سے جلد ایک دوسرے کے ہمسفر بن سکیں۔

دن گزرتے گئے اکمل اور عالیہ کی تعلیم مکمل ہوگئی۔ عالیہ نے اپنے گھر والوں کو اکمل کے بارے میں بتایا اور پھر وہ دن بھی آ گیا جب یہ دونوں رشتہ ازدواج سے منسلک ہوگئے۔

عالیہ کے دن بہت اچھے گزر رہے تھے عالیہ کی نہ تو کوئی ساس تھی اور نہ ہی کوئی نند، اکمل کو اس کے چچا چچی نے پالا تھا اور اب اکمل شادی کے بعد الگ گھر لے کر رہائش پذیر تھا۔ عالیہ نے اکمل کو بہت سمجھایا کہ وہ اپنے چچا چچی کو نہ چھوڑے، لیکن اکمل نہ مانا، اکمل نے عالیہ کو بتایا کہ ''جب میں چھوٹا تھا تو چچی مجھ سے بے حد نفرت کیا کرتیں اور مجھ پر بہت ظلم وستم ڈھاتی تھیں اور جب میں چچا کو اس بارے میں بتاتا تھا تو وہ میری باتوں پر بالکل یقین نہیں کرتے تھے۔

''مجھے اب ان کے ساتھ نہیں رہنا۔'' اکمل نے کہا۔ عالیہ نے بھی الگ گھر میں رہنے کی حامی بھر لی۔

☆.....☆.....☆

آج اکمل اور عالیہ کی شادی کو پورا ایک سال گزر چکا تھا۔ عالیہ کو پتا چل چکا کہ وہ ایک بیٹی کو جنم دے گی۔ لیکن عالیہ یہ بات اکمل سے چھپا رہی تھی کیونکہ اکمل اسے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ اسے بیٹا چاہیے۔

عالیہ نے باتوں باتوں میں اکمل سے پوچھا کہ ''اگر میں نے بیٹی کو جنم دیا تو؟''

''میں اسے جان سے مار دوں گا۔'' اکمل نے جواب دیا۔

عالیہ نے کروٹ بدلی اور اکمل نے لیمپ بند کیا، پورے کمرے میں اندھیرا چھا گیا اور ماحول پرسکون ہوگیا تھا۔

چند دنوں بعد اکمل آفس میں بیٹھا تھا کہ اسے بذریعہ کال بتایا گیا کہ عالیہ کی ڈیلیوری ہو چکی ہے اور وہ ایک لڑکی کا باپ بن چکا ہے۔

اکمل کسی صورت اس بچی کو قبول کرنے والا نہیں تھا۔ وہ غصے سے تلملاتا ہوا اٹھا۔ اور سارے کام چھوڑ چھاڑ کر اپنی گاڑی لے کر اسپتال کی جانب روانہ ہوگیا۔ اکمل جلد ہی اسپتال پہنچ گیا، وہ اس کمرے میں داخل ہوا جہاں اس کی بیوی موجود تھی، جیسے ہی اکمل کی نظریں اپنی بیٹی پر پڑیں تو ویسے ہی اس کا خون کھول اٹھا۔

اکمل زوردار آواز میں بولا۔ ''میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے ایک بیٹا چاہیے۔ اب میں اس بچی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔'' یہ کہہ کر اکمل تیزی سے بچی کی طرف بڑھا۔

عالیہ کی ماں نے جلدی سے بچی کو گود میں اٹھالیا اور اکمل سے کہا۔ ''خبردار! اگر تم نے بچی کو ہاتھ بھی لگایا۔'' عالیہ روتے ہوئے بیڈ سے کھڑی ہوئی اور اکمل سے کہا۔ ''اگر تمہیں بچی قبول نہیں ہے تو ٹھیک ہے۔ میں اس بچی کو تم سے بہت دور لے کر چلی جاؤں گی۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ اگر تم بچی کو قبول کرتے ہو تو ہم لوگ ہمیشہ ساتھ ہی رہیں گے۔''

اکمل تھوڑی دیر تک خاموش کھڑا رہا پھر بولا۔ ''مجھے یہ بچی قبول ہے میں تم سے جنون کی حد تک محبت کرتا ہوں اور تم سے جدائی میرے بس کی بات نہیں۔''

☆.....☆.....☆

عالیہ کی بیٹی ''زرمین'' پانچ سال کی ہو چکی تھی۔ عالیہ بھی بہت خوش تھی کیونکہ وہ اکمل کو بھی زرمین سے خوب لاڈ پیار کرتا دیکھتی۔ وہ دیکھتی کہ اکمل زرمین کی ہر ضد پوری کر رہا ہے وہ اس کے ساتھ ہنستا، کھیلتا اور خوب پیاری پیاری باتیں کرتا ہے۔

لیکن عالیہ بے چاری کو کیا معلوم کہ اکمل کتنا شیطان صفت آدمی ہے۔ وہ یہ سب کچھ صرف اس لئے کر رہا تھا کہ عالیہ کو لگے کہ وہ زرمین سے کتنا پیار کرتا ہے اور عالیہ یہ بھی جان لے کہ اس نے زرمین کو

دل سے قبول کرلیا ہے۔

اکمل صرف ایک موقع کی تلاش میں تھا۔ موقع ہاتھ آتے ہی اس نے زرمین کو موت کے گھاٹ اتار دینا تھا۔

ایک دن یہ موقع بھی اکمل کے ہاتھ آ ہی گیا۔ ہوا کچھ یوں کہ شام کے وقت عالیہ کو اس کے بھائی کا فون آیا۔ بھائی نے بتایا کہ ''امی جان سیڑھیوں سے گر گئی ہیں اور ٹانگ ٹوٹ گئی ہے۔ انہیں اسپتال میں داخل کرنا پڑے گا۔'' یہ سنتے ہی عالیہ پر پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے۔

''اکمل مجھے آج ہی امی جان کی خیریت دریافت کرنے جانا ہوگا۔'' عالیہ نے کہا۔

''ہاں تم جاسکتی ہو صرف ایک رات ہی کی تو بات ہے۔ کل تم واپس آجاؤ گی۔'' اکمل نے کہا۔

''اور زرمین کا کیا ہوگا؟'' عالیہ نے پوچھا۔

''ارے میں اس کا باپ ہوں کیا ایک رات بھی اپنی بیٹی کو نہیں سنبھال سکتا۔'' اکمل نے جواب دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے میں کل واپس آجاؤں گی۔'' یہ کہہ کر عالیہ ڈرائیور کے ساتھ اسپتال کی جانب روانہ ہوگئی۔

عالیہ کو احساس نہیں تھا کہ اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کردی ہے۔

☆.....☆.....☆

اکمل برسوں سے جس موقع کی تلاش میں تھا آج وہ موقع اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں شیطانی منصوبہ گھر کر چکا تھا۔

عالیہ کے جانے کے فوراً بعد اس نے اپنی دوسری گاڑی نکالی اور زرمین کو لے کر جنگل کی طرف روانہ ہوگیا۔ جب وہ جنگل پہنچا تو گھپ اندھیرا چھا چکا تھا۔

اکمل نے اپنی کار جنگل میں موجود ایک پرانے کنویں کے قریب روکی۔

جنگل کے ماحول پر ایک عجیب سی پراسراریت قائم تھی۔ حیرت کی بات تھی کہ جنگل میں کسی چرند پرند کی کوئی آواز نہ تھی۔ پورے جنگل میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔

ہر حالت قابل شکر ہے

دنیا کی ایک بڑی سچائی یہ ہے کہ ہم ناکام ہونے یا بدحال ہونے کے بعد جس جگہ پہنچ جاتے ہیں وہ جگہ کئی بے بس لوگوں کی زندگی کا خواب ہوتی ہے۔

ہم ہوٹل میں ذائقہ چینج کرنے کے لئے کئی کئی ڈشز منگوالیتے ہیں اور پسند نہ آئے تو چھوڑ دیتے ہیں جبکہ آپ کو ایسے بے شمار لوگ ملیں گے جو آپ کی پالتو بلی یا جرمن شیفرڈ کی خوراک کو حسرت سے دیکھتے ہیں۔ اور نہ جانے کتنے لوگ کھانوں کی خوشبو سونگھتے ہوئے کچرا ادھیڑتے رہتے ہیں۔

تمام لوگوں میں سے 80 فیصد لوگ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ کافی کا ذائقہ ہوتا کیسا ہے؟ کچھ لوگ قصابوں کی دکان سے چھیچھڑے اکٹھے کرکے پکاتے ہیں۔ لاکھوں لوگ دواؤں کو ترستے مرجاتے ہیں۔

لوگ تو نسلیں خرچ کرکے بھی اس کھجور تک نہیں پہنچ جاتے جس میں ہم آسمان سے گر کر اٹک جاتے ہیں۔

اپنے گردوپیش پر نظر دوڑائیے اور موجودہ حالت جیسی بھی ہو اس پر سراپا شکر بن جائیے!

(ایس حبیب خان۔ کراچی)

اکمل نے کار سے ٹارچ نکالی اور اردگرد کے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے پورا اطمینان کرلیا کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا۔ پھر بھی اکمل کو ایک نظر شبہ گزرا کہ کوئی ہے جو اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

اس کے بعد اکمل نے زرمین کو گود میں اٹھایا اور کنویں کے قریب آیا۔ پھر وہ ہوا جس سے انسانیت شرما جائے، شیطان بھی کانپ اٹھے۔ اس سفاک درندے نے چند لمحے سوچنے کے بعد اپنی بیٹی کو اس اندھے کنویں میں پھینک دیا۔

دھڑام کی آواز کے ساتھ اس بچی کی روح جسم سے پرواز کرگئی تو اکمل نے ایک شیطانی قہقہہ فضا میں بلند کیا اور کار کی جانب بڑھا۔ اس نے چند قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ اسے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ پیچھے کی طرف مڑا اور بے چینی کی کیفیت میں ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن اسے کچھ نظر نہ آیا۔ اکمل نے سوچا کہ یہ ضرور کوئی جنگلی جانور ہوگا۔

اکمل کو ذرہ بھر بھی احساس نہ تھا کہ اس کے ہاتھوں کتنا بڑا گناہ سرزد ہوگیا ہے اور اب اسے کبھی بھی چین نہیں ملے گا۔

لیکن اکمل نے نہایت بے غیرتی کا ثبوت دیتے ہوئے اطمینان کا مظاہرہ کیا اور نہایت بے شرمی سے کار میں بیٹھا اور گھر آ گیا۔

☆.....☆.....☆

رات کا پچھلا پہر تھا، اکمل کی آنکھ کھلی وہ پانی پینے کے لئے کچن کی طرف گیا۔ اس نے ابھی بوتل منہ سے لگائی ہی تھی کہ اسے زرمین کی آواز سنائی دی۔ ''بابا میرا کیا قصور تھا؟''

اکمل کی تو جیسے جان ہی نکل گئی اس نے ہڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھا لیکن کوئی موجود نہ تھا۔ اکمل نے اپنے آپ کو دلاسہ دیا اور اسے ایک وہم گردانا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ اپنے کمرے میں آ کر سو گیا۔

اس کے بعد اکمل دیکھتا ہے کہ زرمین خنجر تھامے ہوئے آہستگی سے دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں داخل ہوتی ہے اور دھیرے دھیرے اکمل کی جانب بڑھتی ہے اور وار کرنے والی ہی ہوتی ہے کہ اکمل کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلتی ہے۔ ساتھ ہی اکمل کی آنکھ کھل جاتی ہے۔

''یہ خواب تھا۔'' اکمل نے کہا۔ اچانک اکمل کو کمرے کے باہر سے ایک روتی ہوئی نسوانی آواز سنائی دیتی ہے۔ اکمل ایک دم بیڈ سے اٹھا اور باہر کی جانب چل دیا۔ اکمل نیچے پہنچا اور دیکھا کہ کوئی نہیں ہے اور رونے کی آواز کو اپنے دماغ کا فتور سمجھا۔

اچانک اسے پیچھے کی جانب سے ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ ''بابا میرا کیا قصور تھا؟''

اکمل نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ ''یہ تو زرمین ہے۔'' اکمل یہ کہہ کر بے ہوش ہو کر فرش پر گر پڑا۔

☆.....☆.....☆

''اکمل اپنی آنکھیں کھولو، یہ کیا ہوگیا ہے تمہیں؟'' عالیہ کے الفاظ اکمل کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

اکمل ہوش میں آیا تو اس نے خود کو اپنے کمرے میں موجود پایا۔ اکمل کے دائیں جانب عالیہ بیٹھی ہوئی رو رہی تھی اور بائیں جانب عالیہ کا بھائی حیرانگی کے عالم میں کھڑا تھا۔ ''تم کچھ بولتے کیوں نہیں؟ کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ؟ اور زرمین کہاں ہے؟'' عالیہ نے اکمل کے ہوش میں آتے ہی اس کے سامنے سوالوں کی لمبی فہرست لگادی۔

اکمل نے اپنا دماغ چلایا اور ایک من گھڑت کہانی عالیہ کے سامنے پیش کی اکمل نے بتایا کہ ''کل رات تمہارے جانے کے بعد گھر میں ڈاکو گھس آئے تھے۔ جب انہیں گھر میں کسی قسم کا پیسہ نہ ملا تو زرمین کو اغوا کر کے لے گئے اور کہا کہ ''ہمارے فون کا انتظار کرنا'' اور جاتے جاتے پستول کا برسٹ میرے سر پر مار کر بے ہوش کر گئے۔''

یہ سن کر عالیہ کے حواس باختہ ہوگئے۔ عالیہ

زور زور سے چلانے لگی۔ ''مجھے میری زرمین واپس چاہئے۔''

عالیہ کا بھائی بولا۔ ''ہمیں پولیس کی مدد لینی چاہئے۔''

یہ سنتے ہی اکمل تلملا اٹھا۔ ''نہیں ہمیں پولیس کو کچھ نہیں بتانا چاہئے وہ لوگ بہت خطرناک ہیں اور ہماری زرمین کے ساتھ کچھ بھی کرسکتے ہیں، میں خود ہی کوئی نہ کوئی راستہ نکال لوں گا۔'' اکمل غصے میں بولا۔

رات ہونے کو آئی اور دوبارہ اکمل کے کانوں میں زرمین کے رونے کی آواز گونجنے لگی۔ اس کا پورا جسم پسینے سے تر ہو چکا تھا۔

عالیہ نے جب اکمل کی یہ حالت دیکھی تو کہنے لگی۔ ''اکمل یہ آپ کو کیا ہو رہا ہے؟''

اکمل نے جواب دیا۔ ''کچھ نہیں میری طبیعت خراب ہے۔''

تین دن گزر گئے، نہ اغوا کاروں کا کوئی فون آیا اور نہ زرمین کی کوئی اطلاع مل سکی۔ عالیہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ ادھر اکمل بھی پوری طرح بدحال تھا۔ اب صبح ہو یا شام، آفس ہو یا گھر اسے وقتاً فوقتاً زرمین کے رونے کی آواز سنائی دیتی تھی اور ساتھ ہی زرمین بولتی۔ ''بابا میرا کیا قصور تھا۔''

عالیہ کے بے حد اصرار پر اکمل کو مجبوراً اس کے ساتھ پولیس اسٹیشن جا کر زرمین کے اغوا ہونے کی رپورٹ درج کروانا پڑی۔

☆.....☆.....☆

شام کا وقت تھا آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ اندھیرا بس چھانے ہی والا تھا۔ اکمل آفس سے گھر کی طرف لوٹ رہا تھا کہ اس کا گزر اسی جنگل سے ہوا جہاں اس شیطان صفت نے اپنی بیٹی کو کنویں میں پھینک کر ہلاک کر دیا تھا۔

اچانک اکمل کی کار بند ہوگئی۔ اکمل نے بہت کوشش کی لیکن کار اسٹارٹ نہ ہوئی۔ اتنے میں تاریکی چھانے لگی۔ اکمل نے فیصلہ کیا کہ اب اسے یہ جنگل پیدل ہی پار کرنا ہوگا۔

اکمل نے اپنی گاڑی کو سڑک کنارے پارک کیا اور گاڑی سے ٹارچ نکالی اور آہستہ آہستہ آگے قدم بڑھانے لگا۔

ابھی کچھ وقت ہی گزرا ہوگا کہ تیز ہوا چلنے لگی اور ساتھ ہی ساتھ ہلکی بارش بھی شروع ہوگئی۔ جس سے جنگل کے ماحول پر ایک عجیب پراسراریت قائم ہوگئی۔ اکمل کو اپنے قدم بھاری پڑتے ہوئے معلوم ہوئے، اسے یوں محسوس ہوا کہ کوئی نادیدہ قوت اسے اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ وہ قوت نہیں چاہتی تھی کہ اکمل جنگل سے باہر نکلے۔

تھوڑی دیر بعد اکمل کے راستے میں جنگل کا وہ پرانا کنواں آ گیا، جس کنویں میں اکمل نے اپنی بیٹی کو پھینکا تھا جیسے ہی اکمل اس کنویں کے نزدیک پہنچا اسے ایک نہایت دلدوز چیخ سنائی دی اور ساتھ ہی ایک بچی کی لاش فضا میں بلند ہوئی۔

اکمل نے یہ سب دیکھ کر ایک زوردار چیخ ماری اور بھاگنے کی کوشش کی، لیکن کیچڑ ہونے کی وجہ سے اس کا پاؤں پھسل گیا اور سر ایک بھاری پتھر سے جا ٹکرایا۔ جس کی وجہ سے اکمل بے ہوش ہوگیا۔

صبح جب اکمل کو ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو ایک جھونپڑی میں موجود پایا اور سامنے کی طرف ایک عمر رسیدہ بزرگ کو موبائل پر کسی سے بات کرتا پایا۔

''شکر ہے تمہیں ہوش تو آیا۔'' بزرگ نے کہا۔

''آپ کون ہیں؟ اور میں یہاں کیسے پہنچا؟'' اکمل نے استفسار کیا۔

بزرگ نے جواب دیا۔ ''بیٹا میں یہاں کا رہائشی ہوں اور پیشے سے ایک لکڑہارا ہوں۔ آج صبح جب میں لکڑیاں کاٹنے جا رہا تھا تو جنگل کے پرانے کنویں کے قریب تمہیں بے ہوش پایا۔ پھر میں تمہیں اٹھا کر یہاں لے آیا۔''

بزرگ نے اکمل سے پوچھا۔ ''بیٹا تم بتاؤ تم کون ہو! اور یوں بے ہوش کیسے پڑے تھے!''

اکمل نے جواب دیا۔ ''میں کل رات جنگل سے گزر رہا تھا کہ میری کار خراب ہوگئی، پھر میں نے جنگل کو پیدل عبور کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن بارش کی وجہ سے کیچڑ تھی۔ میرا پاؤں پھسلا اور سر ایک پتھر سے جا ٹکرایا۔ جس کی وجہ سے میں بے ہوش ہوگیا۔

بزرگ بڑی توجہ سے اکمل کی باتیں سن رہا تھا۔ بزرگ نے اکمل کو مزید کئی باتوں میں الجھائے رکھا۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی، بزرگ دروازہ کھولنے کے لئے آگے بڑھا۔ دروازہ کھلتے ہی جو شخص اندر داخل ہوا اسے دیکھتے ہی اکمل کے اوسان خطا ہوگئے۔

یہ شخص کوئی اور نہیں بلکہ انسپکٹر خان تھا وہی انسپکٹر خان جس کے پاس اکمل اور عالیہ نے زرمین کے اغوا ہونے کی رپورٹ درج کروائی تھی۔

بزرگ نے بے ساختہ کہا۔ ''جناب یہی ہے وہ درندہ جس نے اس رات ایک بچہ کنویں میں پھینکا تھا میں اس رات چھپ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ گرفتار کر لیجئے اسے۔''

اکمل حیرانگی کے عالم میں بیٹھا تھا۔ انسپکٹر نے آگے بڑھ کر اکمل کو ہتھکڑیاں لگائیں۔ پھر پولیس اکمل کو لے کر اس کنویں کی جانب روانہ ہوئی جہاں پر اکمل نے زرمین کو پھینکا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس نے زرمین کی لاش بھی کنویں سے برآمد کرلی۔

☆.....☆.....☆

''ہیلو! میں انسپکٹر خان بات کر رہا ہوں۔ کیا آپ عالیہ بول رہی ہیں؟''

''جی ہاں میں عالیہ بول رہی ہوں۔'' عالیہ نے جواب دیا۔

انسپکٹر خان نے کہا۔ ''محترمہ آپ فوراً پولیس اسٹیشن پہنچیں۔ آپ کی بچی کے قاتل کا پتا لگ گیا ہے۔''

یہ سنتے ہی عالیہ کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ کر نیچے گرا اور ساتھ ہی عالیہ نے رونا شروع کیا۔ ''نہیں میری بچی نہیں مرسکتی۔'' وہ زور زور سے چلانے لگی۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا تھوڑی دیر بعد عالیہ بوجھل قدموں کے ساتھ پولیس اسٹیشن پہنچی۔

انسپکٹر خان نے کہا۔ ''بیٹھ جائیں محترمہ آپ کی بیٹی کے قاتل اور آپ کے شوہر کا پتہ چل گیا ہے۔''

''کون ہے میری بیٹی کا قاتل؟'' عالیہ نے مدھم سی آواز میں پوچھا۔

''کوئی اور نہیں آپ کے اپنے شوہر اکمل ہی قاتل ہیں اور انہوں نے اعتراف جرم بھی کرلیا ہے۔'' انسپکٹر خان نے عالیہ کو بتایا۔

یہ سنتے ہی عالیہ کی زبردست ہچکی کی آواز سنائی دی اور اس کی روح جسم سے پرواز کرگئی۔

☆.....☆.....☆

اکمل کیونکہ اپنا گناہ قبول کرچکا تھا تو عدالت نے اسے موت کی سزا سنائی تھی۔ اکمل کو جیل منتقل کردیا گیا تھا۔ اسے ہر وقت اپنی بیٹی یہ پوچھتے نظر آتی۔ ''بابا میرا کیا قصور تھا؟''

اکمل ان آوازوں سے بچنے کے لئے کبھی اپنے بالوں کو نوچتا تو کبھی اپنا سر جیل کی سلاخوں اور دیواروں پر مارتا۔ وہ مکمل طور پر پاگل ہوچکا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھتے ہوئے جیل حکام نے اسے مینٹل اسپتال منتقل کردیا تھا۔ لیکن وہاں بھی اکمل میں کوئی بہتری نہ آئی۔ اب رات ہو یا دن وہ اپنے کانوں پر ہاتھ ڈھکے رکھتا اور صرف یہ الفاظ اس کی زبان پر ہوتے۔ ''مجھے معاف کردو، مجھے معاف کردو۔'' اس دنیا میں اب اکمل کا کوئی نہ رہا تھا۔ اب بس وہ موت مانگتا تھا صرف اور صرف موت، لیکن موت بھی اس سفاک انسان سے روٹھ چکی تھی۔ اب صرف یہ زندگی ہی اس کے لئے سزا تھی۔

تو قارئین کرام! ہمیں کبھی بھی ایک بیٹی کو کسی صورت بھی بیٹے سے کم تر نہیں سمجھنا چاہئے۔ اگر بیٹیوں کی بھی اچھی طرح سے تعلیم و تربیت کی جائے تو وہ بھی ہمارا نام روشن کرسکتی ہیں۔

حقیقی کھیل

مریم فاطمہ۔کراچی

اگلے روز صبح کے وقت تینوں دوستوں کی لاشیں سامنے پڑی تھیں، وہ سب رو رہے تھے اور ساتھ ہی ایک دوسرے کو تسلی دے رہے تھے کہ ایک عقاب آیا اور.....

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی عجیب وغریب وحشت ناک کہانی

لندن شہر کی ویران اور سنسان گلیوں میں ایک آدمی اپنے بائیں ہاتھ میں شراب کی بوتل لئے نشے میں دھت چلا جارہا تھا۔ وہ بلند آواز میں دنیا والوں کو کوس رہا تھا۔ بددعائیں دے رہا تھا۔ لعنت ہے تم پہ دنیا والوں لعنت ہے تم لوگ ایک غریب آدمی کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہو۔ لعنت ہے تم پہ۔ اگر آج میرے پاس کچھ نہیں تو کیا ہوا کل کو میرے پاس بھی دنیا جہاں کی دولت ہوگی۔ ہر طرح کا عیش ہوگا میری زندگی میں، اور تم لوگ جو بڑے بڑے مکانوں میں رہتے ہو اور مجھ جیسے غریب مسکینوں کو پوچھنے کے روادار تک نہیں میرے آگے بھیک مانگتے پھرو گے۔ آج تمہاری جیبیں نوٹوں سے بھری ہیں کل جب تم اپنی انہی جیبوں میں ہاتھ ڈالو گے تو ان میں کنکر ہونگے تم لوگ کنگال ہوجاؤ گے۔ میں تم سب کو تباہ کر کے رکھ دوں گا۔

اس آدمی کا نام میکس تھا۔ اس کی عمر بتیس سال تھی اور اس نے اپنی ساری زندگی یتیم خانے میں گزاری تھی۔ لوگوں کو یہ کچرے کے ڈھیر پر سے ملا تھا۔ تب یہ اتنا چھوٹا تھا کہ اسے بولنا اور چلنا بھی نہیں آتا تھا۔ ہاں

یہ ایک گود کا بچہ ہی تھا تب۔ پھر اس بے چارے نے اپنی ساری زندگی یتیم خانے میں گزاری۔

اٹھارہ سال کی عمر میں یہ یتیم خانے سے باہر نکلا تو نوکری کی تلاش میں تھا مگر اسے آج تک کوئی ڈھنگ کی نوکری نہیں ملی اور یہ بس یونہی چھوٹے موٹے کام کرتا رہا۔

آج کل بھی یہ شہر میں اخبار بیچا کرتا تھا۔ اس سے بمشکل بس اس کو دو وقت کھانے کو ملتا۔ وہ ساری دنیا سے خفا تھا ناراض تھا، کبھی کبھار وہ اپنے ماں باپ کو کوستا اور بددعائیں دیتا کہ جنہوں نے اسے پیدا کرنے کے بعد کچرے کے ڈھیر پر ڈال دیا۔ ایسے ماں باپ احترام کے لائق نہیں بلکہ قتل کردینے کے قابل ہیں۔ انہوں نے میری زندگی تباہ کردی۔ وہ ایک بار پھر زور سے چلایا۔

تب ہی اس کی نظر اپنی طرف آتے ایک آدمی پہ پڑی وہ بھی اس کی طرح ہی خستہ حال لگ رہا تھا۔ وہ ذرا نزدیک آیا تو میکس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں بھی شراب کی بوتل تھی لیکن چہرے پر ایک ہلکی سی مگر پھیکی سی مسکراہٹ رقص کررہی تھی۔ میکس اسے دیکھتے ہی چوکنا ہوگیا۔ اے کون ہو تم میرے پاس پستول ہے سمجھے نزدیک آنے کی جرأت مت کرنا۔ ورنہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

وہ شخص ہلکا سا ہنسا پھر بولا تو لہجہ اپنائیت سے بھرا تھا۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں میں نے تمہاری باتیں سنی ہیں میں تو خود بھی تمہاری طرح حالات کا مارا ہوا ہوں۔ میں نے تمہاری کہانی سنی کیا تم اب میری کہانی سنو گے۔ اس شخص نے پوچھا جس کی عمر چالیس سال تھی۔ ہاں سنوں گا ضرور سنوں گا لیکن پہلے تم مجھے اپنے بارے میں یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے، میکس نے پوچھا۔

''میرا نام براؤن ہے۔ میں اپنی زندگی بڑے آرام سے گزار رہا تھا کہ ایک دن کچھ ڈاکو میرے گھر میں گھس آئے اور انہوں نے میرے سامنے میرے گھر والوں کو گولیوں سے مار کے ہمیشہ کی نیند سلادیا۔ لیکن جانتے ہو کیا میں بچ گیا کئی دن اسپتال میں زندگی اور موت سے لڑتے رہنے کے بعد میں صحت یاب ہوگیا۔

لیکن آج میں بالکل تنہا ہوں۔ اور جانتے ہو کیا ان کمینوں نے میرے سامنے میری بہنوں کی عزت لوٹی لیکن میں کچھ بھی نہیں کرسکا کیونکہ انہوں نے مجھے بے بس کردیا تھا۔

آج بھی میرے کانوں میں مجھے اپنی بہنوں کی چیخیں سنائی دیتی ہیں جو بہ مدد کے لئے بلا رہی تھیں۔

براؤن رکا پھر بولا یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور تمہارے ماں باپ نے تمہارے ساتھ کیا بدسلوکی کی۔ میکس ذرا سا ہنسا پھر بولا۔ انہوں نے مجھے پیدا کرکے کچرے کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ میں نے اپنی ساری زندگی یتیم خانے میں گزاری ہے۔ میکس نے بتایا۔

چلو بیٹھنے کے لئے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈتے ہیں اور پھر بات کرتے ہیں۔ براؤن نے کہا تو پھر وہ دونوں آگے چل پڑے۔ ابھی ذرا سا ہی چلے ہونگے کہ ان کو سامنے لکڑی کا ایک چھوٹا سا گھر دکھائی دیا۔ جس کے باہر دو آدمی ہاتھوں میں شراب کی بوتل تھامے باتوں میں مصروف تھے اور نہایت غمگین نظر آرہے تھے۔ جیسے ہی میکس اور براؤن ان کے نزدیک پہنچے۔ ان میں سے ایک نے جس کی عمر 35 سال تھی انہیں آواز دے کر اپنی طرف بلالیا۔ اے تم دونوں گم کے ماروں یہاں آجاؤ۔ ہم بھی بالکل تمہاری طرح ہیں۔ آجاؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ۔

میکس اور براؤن نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور خاموشی سے چلتے ہوئے ان کے پاس جا بیٹھے میکس اور براؤن نے اپنے بارے میں بتایا۔ ان دونوں آدمیوں میں سے جس کی عمر 35 سال تھی نے بتایا کہ اس کا نام ایڈم ہے۔ اس نے اور ایک حسینہ نے پسند کی شادی کی تھی۔ پھر شادی کے بعد وہ دوسرے مردوں سے ملنے لگی۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ ایک نہایت خراب کردار کی عورت تھی۔ اس نے اس کے ساتھ دھوکا کیا۔ اسے اپنی جھوٹی محبت کا فریب دیا۔ وہ اس سے کتنا پیار کرتا تھا اور وہ کیا نکلی۔ شادی سے پہلے شاید اپنے دعوے اور وعدے تو اس نے بھی نہیں کئے تھے کہ جتنے اس کی بیوی

نے کئے تھے۔ پھر دوسرا آدمی جس کی عمر 33 سال تھی اپنے بارے میں بتاتے ہوئے کہنے لگا۔

اس کا نام جوزف ہے۔ اس کے ماں باپ کم عمری میں ہی اس دنیا سے کوچ کر گئے پیچھے اس کی چھوٹی بہن اور وہ رہ گیا۔ بہن نے منشیات فروخت کرنے کا کام چوری چھپے شروع کر دیا اور اسے کانوں کان خبر تک نہ لگنے دی۔ اسے اصل حقیقت کا تب پتا چلا جب ایک روز پولیس کے لوگ اس کی بہن کو گرفتار کرنے اس کے گھر میں آ پہنچے۔

پچھلے کئی سالوں سے اس کی بہن جیل میں ہے اور وہ تنہا زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ جب جوزف اپنی بات کر کے خاموش ہوا تو سب نے باری باری ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہنس دیئے۔ ایڈم بولا۔ آج سے ہم سب پکے یار ہیں۔ یہ گھر جو نا معلوم کب سے خالی پڑا ہے۔ ہم اسے اپنا اڈا بنائیں گے۔ روزانہ رات کو یہاں آ کر ملا کریں گے اور خوب ڈھیر ساری باتیں کیا کریں گے۔ سب نے اس بات سے اتفاق کیا اور پھر یہ روز کا معمول بن گیا۔

☆.....☆.....☆

اس رات وہ چاروں اپنے اڈے پر جمع ہو کر باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے کمرے کے وسط میں لکڑی کی ایک گول میز اور اس کے گرد لکڑی کی ہی کرسیاں سیٹ کی ہوئی تھیں جن پر وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ سگریٹ اور شراب کا دور چل رہا تھا۔ مطلع آج صاف تھا کہ ایسے میں اچانک ہی لکڑی کے اس چھوٹے سے گھر کا دروازہ کھلا اور ایک 28 سالہ لڑکی چلتی ہوئی اندر آ گئی۔

چاروں ایک ساتھ ہی چونک پڑے۔ سب نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔ یہ لڑکی آخر کون تھی جو اس طرح بلا اجازت ان کے گھر میں گھس آئی اور وہ بھی اتنے اطمینان سے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے وہ لڑکی خود ہی بول پڑی۔ Hi ساتھیوں میرے ساتھ کھیلنا پسند کرو گے۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا سب نے پہلی بار اسے بڑے غور سے دیکھا۔ جب وہ ان کی میز کے بالکل نزدیک پہنچ گئی تو اس نے پھنسی ہوئی بلیک جینز اس کے اوپر مہرون رنگ کی سلیولیس شرٹ جس کا ہائی نیک کالر تھا، پیروں میں بلیک سینڈلز ہائی ہیلز والے۔ سیاہ ریشمی بال جو نہایت گھنے اور لمبے تھے اور ماتھے پر سے سیدھے کٹے ہوئے تھے۔

تم کون ہو لڑکی؟ میکس نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔ جواباً وہ مسکرائی اور بولی۔ میرا نام Eagle (عقاب) ہے۔ ایگل یہ کیسا نام ہوا۔

میکس نے عجیب سے انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔ یہ میرا نام ہے۔ میوں ہوں ایگل۔ ایگل نے جواب دیا۔

محترمہ آپ کون ہیں اور ہم سے کیا چاہئے آپ کو۔ براؤن نے کہا۔ اپنا تعارف میں کرا چکی ہوں۔ رہی بات کہ مجھے آپ سے کیا چاہیے تو میں آپ میں سے کسی ایک کے ساتھ کارڈز کھیلنا چاہتی ہوں۔ ایگل نے جواب دیا۔ اس کے چہرے پر مسلسل ایک مسکراہٹ تھی۔

دیکھو محترمہ آ! ایگل ہمیں تمہارے ساتھ کارڈز کھیلنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تم جاؤ اپنا کام کرو۔ اور ہمیں ہمارا کام کرنے دو۔ میکس نے چڑ کر کہا۔ اسے وہ ایگل نامی لڑکی ذرا بھی پسند نہیں آئی تھی۔ کیوں ناں تم اور میں ساتھ میں کھیلیں۔ اس نے میکس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ کہا تھا ناں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میکس نے ذرا غصے سے جواب دیا۔ دیکھو میرے پاس جو کارڈز ہیں وہ کوئی عام کارڈز نہیں ہیں بلکہ میجک کارڈز (Magic Cards) ہیں۔

میکس طنزیہ انداز میں ہنس دیا جبکہ جوزف یہ سن کر تھوڑا سا چونک گیا اور جلدی سے بولا۔ بھلا یہ میجک کارڈز سے آپ کی کیا مراد ہے مس ایگل۔

دیکھو ساتھیوں میرے پاس جو کارڈز ہیں ان میں سے ہر کارڈ پر کچھ لکھا ہوگا۔ اور جو بھی لکھا ہوگا وہ سب سچ ہو جائے گا جب بھی ہم چاہیں گے۔ میں سارے کارڈز آپس میں ملا دوں گی۔ تھوڑے کارڈز میں رکھوں گی تھوڑے کارڈز تم رکھو گے۔ کارڈ پہ جو بھی نکلتا جائے گا جب تم یا میں چاہوں گی وہ پورا ہوگا۔ بولو منظور ہے۔

ایگل نے آخر میں میکس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میکس کو یوں لگا جیسے وہ اسے چیلنج کر رہی ہو۔ اسے غصہ آ گیا۔ اور وہ بولا۔ ٹھیک ہے مجھے منظور ہے تو پھر شروع کرتے ہیں۔ آجاؤ بیٹھ جاؤ۔ میکس نے اسے اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے بیٹھ گئی اور پھر اس نے اپنے پاس سے کارڈز نکالے اور انہیں ملانے لگی۔

پھر اس نے برابر برابر کارڈز اپنے اور میکس کے سامنے رکھ دیئے۔ کارڈز ابھی الٹے رکھے تھے اس لئے کچھ معلوم نہیں تھا کہ ان پر کیا لکھا ہے۔ دونوں نے اپنے اپنے کارڈز اٹھالئے۔ پہلی باری تمہاری۔ میکس نے کہا تو ایگل نے ایک کارڈ میز پر پھینکا تو جوزف نے حیرت سے دیکھا۔ Well تو اب کیا؟ میکس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔

اب یہ کہ میں چاہتی ہوں کہ باہر تیز ہوا چل پڑے ابھی۔ ایگل نے کہا اور اس کے ساتھ ہی باہر واقعی تیز ہوا چل پڑی۔ گھر کی کھڑکی اور دروازہ بھی ہوا سے ہلنے لگا۔ چاروں ہی چونک پڑے۔ انہوں نے ایگل کی طرف دیکھا وہ مطمئن انداز میں مسکرا رہی تھی۔ پھر ایڈم بولا۔ اس میں کون سی حیرت کی بات ہے۔ میں مانتا ہوں کہ باہر ہوا بند تھی لیکن ہوا کا یوں اچانک چلنا محض اتفاق ہوسکتا ہے۔ لیکن اس سے ہرگز بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کارڈز میجک کارڈز ہیں۔ ایڈم بول کر خاموش ہوا تو میکس بھی جلدی سے بولا۔ ہاں بالکل اگر واقعی ان کارڈز میں ایسی کوئی بات ہے تو پھر اب میری باری۔ اتنا کہہ کر میکس نے Thunder Card پھینک دیا۔

براؤن ایڈم اور جوزف بڑی دلچسپی سے دیکھنے لگے۔ میں چاہتا ہوں کہ بجلی ابھی کڑکے بہت زور سے۔ میکس کے یہ کہنے کی دیر تھی باہر زور زور سے بجلی کڑکنے لگی۔ چاروں ہی گھبرا سا گئے۔

اچانک ہی براؤن بول پڑا۔ ٹھہر جاؤ۔ ٹھہر جاؤ کیا یہ گیم کھیلنا مناسب بھی ہے یا نہیں۔ وہ متفکر نظر آ رہا تھا میں یقین دلاتی ہوں یہ گیمز نہایت دلچسپ ثابت ہوگا۔ تو پھر ٹھیک ہے اگلی باری تمہاری میکس اب ذرا متاثر ہوا۔ ایگل مسکرائی اور اس نے اپنا اگلا کارڈ پھینک دیا۔ میکس کو اپنے بائیں کان میں کسی کی سرگوشی کی آواز سنائی دی۔ وہ آواز کسی لڑکی کی تھی اور وہ اس کا نام پکار رہی تھی۔

میکس ایک دم ہی بری طرح گھبرا گیا۔ اسے گھبراتا دیکھ کر سارے متوجہ ہوگئے۔ کیا ہوا براؤن جلدی سے بولا۔ کسی نے ابھی میرا نام پکارا۔ میکس نے بتایا۔

کس نے؟ کون تھا وہ؟ براؤن نے پھر پوچھا۔ وہ کسی لڑکی کی آواز تھی۔ خیر چھوڑو اب میری باری میں کارڈ پھینکوں گا۔ اتنا کہہ کر میکس نے کارڈ پھینکا۔ سب نے دیکھا وہ Rain Card تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ بارش شروع ہوجائے ابھی خوب زور و شور کی۔ میکس نے کہا اور اس کے ساتھ ہی باہر موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ میکس سمیت سب ہی حیرت زدہ سے دیکھ رہے تھے۔ چلو تو پھر اب میری باری۔

ایگل نے کہا اور ایک کارڈ پھینک دیا۔ سب نے دیکھا وہ Flower Blooms کارڈ تھا۔ میں چاہتی ہوں کہ اس میز پر جو ہمارے سامنے رکھی ہے۔ جس کے گرد ہم بیٹھے ہیں۔ اس پر جو گلدان ہے اس میں رکھا ہوا پھول نامعلوم کب کا مرجھایا ہوا ہے۔ میں چاہتی ہو کہ یہ کھل جائے۔ ایسا کہنے کے ساتھ ہی وہ پھول ان سب کے سامنے کھل اٹھا۔ تو وہ سارے کچھ ڈر سا گئے۔

تم آخر ہو کون جادوگرنی۔ میکس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

میں اپنا تعارف کرا چکی ہوں۔ میں Eagle ہوں۔ چلو تو پھر اب میری باری۔ اتنا کہہ کر میکس نے ایک کارڈ اپنے سامنے میز پر پھینک دیا۔ اس پر لکھا تھا۔ Same one Knocks at your dear card۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی ابھی ہمارا دروازہ کھٹکھٹائے۔ اس کے ساتھ ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ چاروں بری طرح چونک پڑے۔ کیا کروں کیا کھول کر دیکھوں۔ میکس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ بالکل نہیں ہرگز نہیں تمہارا دماغ خراب

ہوگیا ہے کیا۔ براؤن نے اسے بری طرح جھاڑ دیا۔ اب میری باری۔

ایگل نے مسکراتے ہوئے کہا اور ایک کارڈ میز پر پھینک دیا۔ سب نے دیکھا وہ Love Card تھا۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہیں مجھ سے پیار ہوجائے ابھی۔ ایگل نے میکس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے نرمی سے کہا اور میکس کو یوں لگا کہ اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں پیار ہوگیا ہے۔ وہ بری طرح اس کے عشق میں گرفتار ہوگیا۔ اس نے بڑے غور سے اس کا جائزہ لینا شروع کردیا۔ اس کے سیاہ ریشمی بال تھے۔ گوری رنگت تھی۔ نیلی سحر زدہ آنکھیں تھیں جن میں ڈوب جانے کو دل کرتا تھا۔ اس کے عریاں بازو۔ اف کیا سڈول جسامت تھی اس کی۔ میکس اس کی محبت میں دیوانہ ہوا جارہا تھا۔

مان گیا تم کو حسینہ مجھے تم سے عشق ہوا۔ ایگل ہنس دی۔ اچھا؟ اب میں جادوگرنی سے حسینہ بن گئی۔ ویسے بڑے غور سے دیکھ رہے تھے تم مجھے کیا میں تمہیں اتنی اچھی لگی ہوں۔ میکس حیران رہ گیا۔ یعنی وہ بھی دیکھ رہی تھی کہ وہ اسے ہی دیکھ رہا ہے۔ واہ! اس کی تو نگاہیں بھی عقابی تھیں بالکل اس کے نام کی طرح۔

جوزف، براؤن اور ایڈم حیران پریشان ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ تو پھر اب میری باری اس کے ساتھ ہی میکس نے ایک کارڈ پھینکا اس پر لکھا تھا۔ Life Card۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں ایک نئی زندگی ملے اور تم خوب جیو۔ ایگل مسکرائی۔ ٹھیک ہے یہی ہوگا۔ تو پھر اب میری باری۔ اتنا کہہ کر ایگل نے بھی اپنا آخری کارڈ پھینک دیا۔ میکس اپنا آخری کارڈ پھینک دیا تھا۔ اب ایگل کی باری تھی۔ سب نے غور سے دیکھا۔ وہ ایک Death Card تھا۔

Well تو تم کیا چاہتی ہو۔ میکس نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ ایگل ہلکا سا ہنسی۔ اس کی ہنسی بالکل گھنٹیوں کی طرح تھی۔ میکس کو یوں لگا جیسے ایک ساتھ کئی گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔ میں کس کی موت چاہتی ہوں اور کب چاہتی ہوں یہ میں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ اچھا تو ساتھیوں کارڈز ختم ہوئے یعنی گیم ختم ہوا۔ اب میں چلوں گی۔ اتنا کہہ کر ایگل اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ اس نے کارڈز سمیٹے اور جانے لگی۔ تب ہی میکس نے اسے روکا۔

رک جاؤ لڑکی مجھے اپنی محبت میں مبتلا کر کے تم کہاں چل دیں۔ گھبراؤ مت ہم پھر ملیں گے۔ بہت جلد میں تم سے پھر ملوں گی۔ یہ کہتی ہوئی ایگل رکی نہیں اور باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد میکس نے دیکھا کہ وہ اپنا Death Card وہیں میز پر بھول گئی ہے۔ میکس نے اسے اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔

دوستو مجھے تو اس ایگل نامی لڑکی سے عشق ہوگیا ہے۔ میکس نے مسکراتے ہوئے ایک آہ بھری۔ کیا سچ میں؟ ایڈم نے حیران پریشان لہجے میں میکس سے سوال کیا۔ ہاں سچ میں۔ وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر تم اسے اپنی بیوی بناتے ہو تو اسے رکھو گے کہاں اس کا خرچہ کیسے پورا کرو گے جوزف نے پوچھا۔

ہاں تم درست کہتے ہو اس کے لئے اب مجھے بہت محنت کرنی پڑے گی لیکن میں کروں گا۔ میں جیسے تیسے کر کے اپنا خود کا گھر بھی بناؤں گا۔ اچھی نوکری بھی کروں گا۔ اچھا دوستوں اب میں چلتا ہوں۔ اتنا کہہ کر میکس اپنے ساتھیوں کو الوداع کہتا ہوا باہر چلا گیا۔ وہ سارے آپس میں ایگل کی باتیں کرنے لگے۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز صبح سویرے ہی میکس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے نیند سے بیدار ہوتے ہی ایگل اور اس کا حسین چہرہ یاد آ گیا۔ وہ بستر سے جلدی باہر نکلا۔ اس نے ایک گھمنڈی اور بدمعاش آدمی سے اس کے گھر میں ایک چھوٹا سا کمرہ کرائے پر لے رکھا تھا۔ وہاں اس نے ایک طرف چھوٹا سا چولہا اور کھانا پکانے اور چائے وغیرہ کے لئے چند برتن رکھے ہوئے تھے۔ ایک طرف واش روم تھا اور اس کے باہر ایک چھوٹا واش بیسن تھا۔ ابھی وہ ناشتے کے لئے چائے کا پانی چولہے پر چڑھا ہی رہا تھا کہ اس کے کمرے کا دروازہ جو نامی اس کے مالک نے پیٹنا شروع کردیا۔

دروازہ کھولو۔ ابھی تک پڑے سو رہے ہو کیا۔

ابھی تک نیند کے مزے لوٹ رہے ہو۔ باہر سے آواز آئی۔ آرہا ہوں میکس نے کہا اور چائے کو بیچ میں ہی چھوڑ کر دروازہ کھولنے اٹھ گیا۔ جلدی کھولو ورنہ توڑ دوں گا۔

کھول رہا ہوں بھئی کھول رہا ہوں۔ میکس نے کہا اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک موٹا سا آدمی سیاہ پتلون پہ وائٹ ٹی شرٹ پہنے کھڑا اسے بری طرح گھور رہا تھا۔ مکان کا کرایہ دو جو نے کہا۔

دے دوں گا۔ پہلے مجھے میری تنخواہ تو مل جائے۔ میکس نے کہا۔ تنخواہ! تنخواہ! ایک تو تمہارے منہ سے مین اسی ایک لفظ کی تکرار سن سن کر تھک چکا ہوں۔ آج دو تاریخ ہے۔ تم سے کتنی مرتبہ کہا ہے کہ کرایہ پہلی تاریخ کو مل جانا چاہئے مجھے سمجھے، پہلی تاریخ کو مل جانا چاہئے۔ جو نے شہادت کی انگلی دکھائی۔ مگر تم ہو کہ تم پہ کوئی اثر ہی نہیں ہوتا۔ ہر مہینے مجھے تمہارا دروازہ بجانا پڑتا ہے کہ کرایہ دو۔ جو نے مزید کہا۔

کرایہ بھی مل جائے گا۔ مگر جو آپ پلیز تھوڑا تحمل تو رکھیے۔ میکس نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرتے ہوئے کہا۔ دراصل ابھی تک مجھے میری تنخواہ نہیں ملی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آج یا کل مل جائے گی اور جیسے ہی ملے گی میں آپ کو کرایہ دے دوں گا۔ میکس نے کہا۔ ہاں اور میں بھی امید کرتا ہوں کہ تمہیں آج ہی تنخواہ مل جائے ورنہ میں اب تمہیں مزید اپنے گھر میں نہیں رکھوں گا۔ سمجھ گئے۔ جو نے غصے سے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

اس کے جالے کے بعد میکس نے دروازہ بند کیا اور منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔ ایک تو اسے سر (Sir) کہتے ہوئے مجھے اتنا برا لگتا ہے۔ ہونہہ کرایہ چاہیے۔ کرایہ نکالو۔ سالا ایک نمبر کا غنڈہ بدمعاش۔ میکس یونہی بڑبڑاتا ہوا ناشتے کی تیاری میں دوبارہ سے لگ گیا۔

☆.....☆.....☆

اس کے کچھ ہی دیر بعد میکس اور اس کا دوسرا اخبار بیچنے والا ساتھی سڑک پر کھڑے اخبار بیچ رہے تھے۔

آج کی تازہ خبر! آج کی تازہ خبر! ڈاکوؤں نے بینک کو لوٹ لیا۔ آج کی تازہ خبر! میکس نے آواز لگائی۔ اور پھر اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر بولا۔ یار ہنری ایک بات بتا تو نے کبھی کسی سے محبت کی ہے۔ میرا مطلب سچی محبت ہاں کی ہے۔ اپنے ماں باپ سے اپنے دادا، دادی سے جو کہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ اس کے علاوہ مجھے اپنی پالتو بلی سے بے حد پیار ہے۔ ہنری نے اس کی طرف دیکھے بغیر لاپروائی سے جواب دیا۔ یار مذاق چھوڑ۔ میں وہ والی محبت کی بات نہیں کر رہا۔ کبھی کسی حسینہ سے محبت ہوئی تجھے؟

ہونہہ! حسینہ سے محبت۔ میرے پاس ہے کیا کسی کو دینے کے لئے کہ کسی سے محبت کروں گا۔ میں اپنا خود کا خرچہ مشکل سے چلا رہا ہوں۔ میں عورت کے چکر میں نہیں پڑ سکتا بھئی۔ آج کل عورتیں ویسے ہی دولت کی خاطر شادی کرتی ہیں۔ جس مرد کو دیکھا بہت بینک بیلنس ہے۔ اسی پہ فدا ہو جاتی ہیں۔ ہمارے جیسوں کو کون پوچھتا ہے یار۔ ہنری نے کہا۔ ہاں ویسے کہتا تو صحیح ہے۔ اچھا یہ بتا تو نے کبھی Eaggle کو دیکھا ہے۔ ایک لڑکی ہے یہ۔ کل رات کو میری اس سے ملاقات ہوئی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں پیار ہوا اور شادی کا ارادہ کر لیا۔ میکس نے اس سے کہا۔

Eagle یہ کیا بلا ہے۔ میں کسی ایگل کو نہیں جانتا اور جاننا بھی نہیں چاہتا۔ Eagle تو نام ہی نحوست زدہ ہے۔ ہنری نے عجیب بے زاری سے کہا۔

تجھے ایگل سے نہیں ملنا تو نہ مل لیکن دیکھ میری ایگل کے بارے میں ایسے الفاظ اپنے منہ سے مت نکال۔ میکس برا مان کر بولا۔ اچھا چل چھوڑ خفا مت ہو یہ بتا کہ تیری وہ ایگل دیکھنے میں کیسی ہے۔ انسان بھی لگتی ہے یا پھر سچ مچ کی Eagle ہے۔ ہنری نے اسے ہنستے ہوئے چھیڑا۔

میکس بھی ہلکا سا ہنس دیا۔ پھر بولا۔ یار تجھے کچھ اندازہ ہی نہیں ہے کہ وہ کتنی خوبصورت ہے۔ یقین کر سیاہ ریشمی لمبے گھنے بال ہیں اس کے نیلی جھیل جیسی آنکھیں ہیں اس کی۔ سڈول جسامت قسم سے یار کیا لگتی ہے وہ۔ میکس خوشی سے چور لہجے میں بولا۔ اتنے میں

ایک گاہک اخبار لینے رکا تو میکس اور ہنری نے باتوں کا سلسلہ ختم کیا اور پھر سے آوازیں لگانے لگے۔ آج کی تازہ خبر! بینک کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔

☆.....☆.....☆

اس رات میکس، جزف، براؤن اور ایڈم اپنے اڈے پر موجود تھے۔ باہر گھر گھر کر بادل آرہے تھے۔ لگتا تھا کہ ابھی موسلا دھار اور طوفانی بارش شروع ہوجائے گی۔ سب باتیں کررہے تھے۔ لیکن میکس بالکل چپ چاپ بس سگریٹ کے کش لے رہا تھا۔ یار میکس کیا بات ہے۔ آج بڑے کھوئے کھوئے سے لگ رہے ہو۔ براؤن نے اس کی طرف فکرمندی سے دیکھ کر پوچھا۔ بس یوں سمجھو دوستو کہ تمہارا دوست کہیں کھو گیا کسی کی یاد میں کسی کی چاہ میں ہار گیا لا پتہ ہوگیا دور کہیں کہکشاں سے میری ایگل کو بلادو۔ میکس نے عجیب اداس لہجے میں کہا۔

تو ایڈم جلدی سے بولا۔ ارے چھوڑ یار اس ایگل کو وہ تو کوئی جادوگرنی تھی۔ تجھ پہ اپنی محبت کا جادو کر کے چلتی بنی۔ وہ نہیں آنے کی اب۔ ایسا مت کہو ایڈم اگر وہ نہ آئی تو تمہارا دوست بھی پھر اس دنیا سے چلا جائے گا۔ میکس قدرے جذباتی لہجے میں بولا۔

تو جوزف سے اس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی وہ فوراً سے پیشتر اس کا موڈ اچھا کرنے کے لئے بولا۔ ارے ایگل ضرور آئے گی یار بلکہ کسی دن اپنی چڑیا، ایڈم کی کوئل اور براؤن کی بلبل بھی آئے گی۔ چلو سارے آج مل کر ایک جام ایگل کی یاد میں پیتے ہیں۔ جوزف نے جلدی جلدی گلاسوں میں وائن نکالی اور سب پینے لگے۔ اور پھر پیتے ہی چلے گئے۔ جب سب کو نیند آنے لگی۔ شراب کی بوتلیں بھی خالی ہوگئیں تو سب کو ہوش آیا اور میکس نے کہا کہ دوستوں اب واپس اپنے اپنے ٹھکانوں پہ چلتے ہیں۔ بہت رات ہوگئی ہے۔

اچانک ہی زوردار بجلی کڑکی۔ دوستوں لگتا ہے بارش بھی شروع ہونے والی ہے۔ چلو میں تو چلا۔ اتنا کہہ کر میکس وہاں سے نکلتا چلا گیا۔ میکس کا رخ اب اپنے چھوٹے سے گھر کی جانب تھا۔ راستے میں ایک ایسا علاقہ بھی پڑتا تھا جہاں بڑے بڑے درخت اور سبزہ ہی سبزہ تھا۔ وقفے وقفے سے بجلی کڑکتی تو پورا علاقہ بجلی کی آواز سے گونج اُٹھتا۔ میکس اپنی دھن میں مست چلا جارہا تھا کہ تب ہی اس کی نظر ایک عقاب پر پڑی وہ بڑی تیزی سے اسی کی طرف چلا آرہا تھا۔

میکس نے جھکائی دے کر خود کو بچایا۔ ورنہ وہ اس پہ جھپٹ پڑتا۔ ایک بار پھر وہ عقاب نیچے اس پر حملہ آور ہوا تو میکس نے پھر خود کو بچایا۔ اور پھر تو جیسے وہ عقاب میکس کے پیچھے ہی لگ گیا بار بار اس پر حملہ کئے جاتا اور وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو بچاتا۔ اور پھر اسی چکر میں میکس کا پاؤں مڑا اور وہ گر گیا۔ اس کا سر ایک بڑے پتھر سے ٹکرایا اور جیسے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ چند ثانیے کے لئے تڑپنے کے بعد میکس نے اپنی زندگی ہار دی۔ اس کے ساتھ ہی وہ عقاب اڑتا ہوا زمین پر اتر گیا اور اس کی شکل Eagle جیسی ہوگئی۔

ہاں وہی ایگل اب میکس کے سامنے کھڑی تھی جو کل اس کے ساتھ میجک کارڈز کھیل کر گئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر میکس کی کوٹ کی جیب میں سے Death Card نکالا جو وہ کل چھوڑ گئی تھی اور جو ابھی تک میکس نے اپنے کوٹ کی جیب میں سنبھال کر رکھا ہوا تھا، ایگل وہ کارڈ لے کر ایک طرف کو خاموشی کے ساتھ چل دی۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز صبح کے وقت براؤن، جوزف اور ایڈم میکس کی لاش کے پاس کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ اور افسوس کے ساتھ رو رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ایک دوسرے کو تسلی بھی دیتے جارہے تھے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی یہ نہ دیکھا۔ ایک عقاب قریب کے ایک درخت کی شاخ پر بیٹھا ہوا انہی کو دیکھ رہا ہے اور اس کے برابر کی شاخ پر میجک کارڈز کی وہ تھیلی لٹک رہی ہے۔ ہاں وہی میجک کارڈز جو Eagle کے پاس تھے۔

جہنمی دروازہ

راشد نذیر طاہر

قسط نمبر:3

قدم قدم پر حیرت و خوف کے لمحات میں لپٹی ہوئی پراسرار داستان اس دروازے کی کہانی جو کہ عرصہ دراز سے بند تھا کیونکہ اگر وہ کھل جاتا تو..... دروازہ کیوں نہیں کھلتا تھا جس کا راز کہانی میں پنہاں ہے

رات کے اندھیرے میں جنم لینے والی داستان جو کہ پڑھنے والوں پر لرزہ طاری کردے گی

میرے والد کی طبیعت بہت زیادہ خراب تھی جو دنیا سے جا چکے ہیں، جولائی اور اگست میں قسط نہیں لکھ سکا، قارئین سے میں معذرت خواہ ہوں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ میرے والد کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔ (راشد نذیر)

وہ تینوں مہمان خانے سے باہر نکل آئے تھے۔ حویلی کی گزرگاہیں بھی اپنے خاص اور پرانے انداز میں بنی ہوئی تھیں۔

ایک طویل راہداری سے گزرنے کے بعد وہ لوگ دالان میں آ گئے۔ جس میں آگے کی طرف مزید دو کمرے بنے ہوئے تھے۔

یہ حویلی کا آخری حصہ تھا، جہاں دوسری طرف باغیچے کی دیوار تھی اور حویلی کا اختتام ہو رہا تھا.....!

عالی بابا کا رخ ان ہی دونوں کمروں کی جانب تھا، عین اسی وقت اچانک ہی دائیں جانب والے ستون کی آڑ سے دلاور برآمد ہوا۔

وہ اپنی ہی جھونک میں آگے بڑھ رہا تھا۔ انہیں دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا:

''آپ لوگ..... کہاں جا رہے ہیں.....؟''

اس کے منہ سے نکلا۔

''اس کی آنکھوں میں الجھن دوڑ رہی تھی۔

''تم آ گئے.....؟'' شرفو نے الٹا سوال کر دیا۔

''جی ہاں.....!!''

''بیٹے کی طبیعت کیسی ہے؟''

''بہت بہتر.....!!''

''خوب.....!!'' نواب انور نے سر ہلایا: ''تم کب آئے؟''

''علی الصبح.....!!''

''لیکن تم نے مجھے خبر نہیں دی.....!!''

''جی بس..... آپ ہی کے پاس حاضر ہو رہا تھا۔'' دلاور جلدی سے بولا۔ ''بات دراصل یہ ہے کہ تین دن بعد میری واپسی ہوئی تھی۔ اس لئے حویلی کے کاموں کی جانچ پڑتال ضروری تھی.....!! میری عادت ہے کہ جب بھی کچھ دنوں کے لئے جاتا ہوں تو واپس آنے کے بعد باورچی خانے کے سامان کا بھی حساب کتاب کرتا ہوں.....!!''

''اس کی وجہ؟'' شرفو پوچھ بیٹھا۔

یہ سن کر دلاور دھیرے سے مسکرایا اور بولا۔

''ایک دفعہ ایسا واقعہ ہو چکا ہے جس کی بنا پر میں اب یہ کام ضرور کرتا ہوں، چند نئے ملازموں نے ملی بھگت سے میری غیر موجودگی میں حویلی کا کچھ سامان غائب کر دیا تھا.....!! کافی دنوں بعد یہ راز کھلا اور پھر میں نے نہ صرف یہ کہ ان ملازموں کو نوکری سے نکالا، بلکہ ان سے غصب کیا ہوا مال بھی نکلوا لیا تھا۔

''واہ.....!!'' شرفو نے تعریف کی۔ ''تم تو واقعی وفادار ملازم ہو.....!!''

''صرف میں ہی نہیں بلکہ میرے باپ دادا نے بھی اس حویلی کا نمک کھایا ہے۔''

وہ فخر سے بولا: ''تو پھر میں کیوں نا وفاداری دکھاؤں.....؟ میری رگوں میں دوڑنے والا خون اسی حویلی کی بنیادوں سے پروان چڑھا ہے۔''

''میں مان گیا.....!!'' شرفو بولا: ''تم واقعی بہت مخلص ہو.....!!''

''شکریہ۔'' لاور کے منہ سے نکلا: ''آپ کی مہربانی.....''

پھر وہ چونک کر بولا۔

''آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں.....؟''

''دروازے تک.....!!'' شرفو کا جواب تھا۔

''دروازہ.....؟'' وہ چونکا۔

''ہاں بھائی.....!!'' شرفو نے سر ہلایا: ''ہم بھی وہ جہنمی دروازہ دیکھنے کے خواہش مند ہیں.....!!''

یہ سن کر دلاور کو چپ سی لگ گئی، البتہ اس کے ماتھے پر سلوٹوں کا جال بچھ گیا۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن جو الفاظ اس کے منہ سے نکلتے، اس کی بنسبت شاید خاموش رہنا ہی بہتر تھا۔

وہ اسی حالت میں وہاں سے رخصت ہو گیا تو نواب انور نے عالی بابا کو مخاطب کیا:

''حویلی کا یہ فرد مجھے بجھا ہوا اور خوف زدہ دکھائی دیتا ہے.....!!''

''بالکل.....!!'' عالی بابا نے سر ہلایا۔ ''اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ دراصل یہ سب وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں جھوٹ کیوں بولوں..... میں تو یہاں اس وقت آیا تھا۔ جب میرے مرشد نے اس عفریت کو قید کیا تھا۔ لیکن اپنے مرشد کی زبانی مجھے ساری تفصیل معلوم ہو گئی تھی.....!!''

''اچھا.....!!''

اور پھر یہ چھوٹا سا قافلہ اس کمرے میں داخل ہو گیا، جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا.....!!

یہ کمرہ خالی تھا..... اس کی دیواروں پر بے تحاشہ مکڑیوں کے جال بنے ہوئے دکھائی دے رہے تھے اور فرش پر دھول اور مٹی کی ایک دبیز تہہ بچھی ہوئی تھی:

''اوہ.....!! اس کمرے کا کیا حال ہو رہا ہے.....!!'' نواب انور نے پاروں طرف دیکھتے ہوئے ناک سکیڑی: ''ایسا لگ رہا ہے جیسے..... سالوں سے یہاں کی صفائی نہ ہوئی ہو.....!!''

''بے شک..... ایسا ہی ہے.....'' عالی بابا نے تائید کی: ''کیونکہ یہاں آنا کافی دل گردے کا کام ہے..... اس عفریت کے خوف سے یہاں کوئی قدم رکھنے کی بھی ہمت نہیں کرتا.....!!''

''اوہ.....!!''

''جی ہاں.....!!'' عالی بابا نے سر ہلایا: ''بس یوں سمجھ لیں کہ اس کمرے میں قدم رکھنے کے بعد وہ عفریت اس سے چند ہی قدموں کے فاصلے پر ہے.....!!''

''کہاں.....!!'' نواب انور نے حیرت سے اس خالی کمرے کو دیکھا۔

''اس کونے میں.....!!'' عالی بابا نے انگلی اٹھا کر اشارہ کیا: ''وہ جو مٹی کا ڈھیر آپ کو دکھائی دے رہا ہے، اسی جگہ ایک قالین کا ٹکڑا بچھا ہوا ہوا اور اس قالین کو ہٹانے پر وہ تہہ خانے کا دروازہ نظر آتا ہے.....!!''

شرفو کے منہ سے نکلا۔

اب نواب انور نے عالی بابا کی طرف مڑ کر پوچھا:

''کیا میں وہ دروازہ دیکھ سکتا ہوں.....؟''

☆.....☆.....☆

سیما کا دل نہ جانے کیوں تیزی سے دھڑکنے لگا تھا، شاید اس کی وجہ اس کا شوہر نادر تھا، جسے وہ اب تک صرف اور صرف اپنی زندگی کا حاصل اور اپنی ہی ذات تک محدود سمجھ رہی تھی، کیا وہ واقعی کسی اور کے ساتھ دل لگا بیٹھا ہے.....؟

یہ ایک ایسا سوال تھا، جو کسی خوں خوار درندے کی طرح اس کے ذہن میں قلقاریاں مار رہا تھا..... ہاں.....!! اگر جواب مثبت انداز میں ملتا، تو اس کی اپنی حیثیت منفی ہو کر رہ جاتی.....!!

وہ تو پہلے سے ہی بے اولادی کی وجہ سے احساس کمتری کا شکار تھی.....اور اب وحیدہ کی راہنمائی میں کسی نہ کسی اٹل حقیقت سے پردہ اٹھنے والا تھا۔

عین اسی وقت سیما نے واپس پلٹ کر دیکھا کہ جب وہ وحیدہ کے بتائے ہوئے ''پتے'' کے قریب پہنچ چکی تھی.....!!

اس درخت کی آڑ میں آ کر سیما نے گھوم کر وحیدہ کو تلاش کیا تھا، لیکن وہ کہیں دکھائی نہ دی، نہ جانے وہ کہاں چلی گئی تھی.....!!

خیر..... سیما نے کندھے اچکائے اور اس درخت کی آڑ سے دوسری طرف جھانکنے لگی اور پھر اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

سامنے ایک بنچ اس طرح موجود تھی کہ اس کی نشست کا رخ دوسری طرف تھا۔ اسی بنچ پر نادر بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ لیکن وہ اکیلا ہرگز نہیں تھا، اس سے ذرا ہی فاصلے پر ایک برقعہ پوش عورت بھی اسی بنچ پر موجود تھی.....! جس کا چہرہ بھی باقاعدہ نقاب سے ڈھکا ہوا تھا.....!!

نادر اس وقت اس عورت کی طرف متوجہ نہیں تھا، البتہ وہ عورت ٹکٹکی باندھ کر کافی گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سیما کا خون کھول اٹھا۔ اس کا دل چاہا کہ اس خبیث عورت کو ابھی وہاں سے اٹھا کر چلتا کرے اور نادر کو غصے میں بہت کچھ کہہ ڈالے۔

لیکن یہ مناسب بھی نہیں تھا..... جو احساس کمتری اور محرومی کا سہا شکار تھی، نادر ایک جواں مرد ہونے کے ناطے اس کمزوری سے پوری طرح فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

ابھی تک اس نے سیما کو دیکھا نہیں تھا، اب اگر سیما ظاہر ہو کر سامنے آ جاتی، تو پردہ ہٹ جاتا اور نادر پھر شاید سینہ ٹھونک کر اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا دیتا..... ابھی ایک آڑ تھی جس کا ان دونوں کے درمیان قائم رہنا ہی بہتر تھا۔

چنانچہ نہ چاہتے ہوئے بھی سیما نے خود کو ضبط میں رکھا اور الوداعی انداز میں ان دونوں پر ایک نگاہ ڈال کر پلٹ گئی.....!!

سیما کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو تیرنے لگے تھے.....وہ تو کس قدر نیک نیتی سے نادر کے باپ کی شادی کروانا چاہتی تھی.....لیکن خود وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ اس کا اپنا شوہر کسی اور عورت کے جھانسے میں آ کر دوسری شادی کا خواہاں ہے.....

آہ.....کاش.....!! جو میں نے دیکھا، وہ محض ایک خواب ہوتا.....کاش.....!!!

پھر اس جانب سے دھیان ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے وحیدہ کی تلاش میں نظریں دوڑائیں.....!!

نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گئی تھی.....!! جبکہ سیما نے اسے قریب ہی ایک کونے میں رکتے ہوئے دیکھا تھا.....!! لیکن وہ اب وہاں نہیں تھی.....!!

''کیا.....!! وحیدہ بھی چلی گئی.....؟'' اس نے سوچا۔

لیکن وہ تھوڑی دور ہی چلی تھی کہ بائیں جانب سے اسے مخاطب کیا گیا: ''سیما.....بیٹی.....!!''

وہ چونک کر گھومی، وحیدہ اس کے عقب میں موجود تھی اور اس وقت اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

''تم..... کہاں چلی گئی تھیں.....؟'' سیما نے بے اختیار پوچھا۔

وحیدہ قدرے مسکرائی اور بولی۔

''تمہارے بہت قریب تھی..... ہاں تو..... اب بتاؤ.....!! تم نے دیکھ لیا اپنے وفادار شوہر کو.....؟''

''ہاں.....!!'' اس کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔

وحیدہ اور آگے بڑھتے ہوئے اس کے قریب ہوگئی۔

''پھر..... اب کیا خیال ہے تمہارا؟''

''ک..... کس بارے میں.....؟''

''آؤ.....!!'' وحیدہ ایک بنچ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی: ''ادھر بیٹھ کر آرام سے بات کرتے ہیں.....!!''

سیما نے اس کی تقلید کی، پھر وہ بنچ پر بیٹھنے کے بعد وحیدہ سے مخاطب ہوئی:

''اب بتاؤ..... تم کیا کہنا چاہتی ہو.....؟''

''تم نے کچھ دیر قبل جو کچھ دیکھا تھا، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' وحیدہ نے اسے غور سے دیکھا۔

سیما نے ایک طویل سانس لی اور نم آلود آنکھوں سے وحیدہ کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

''مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا.....!!''

''اوہ.....!!'' وحیدہ نے سر ہلایا۔ ''میں یہی سننا چاہتی تھی..... اب میں جو کچھ تمہیں کہوں گی۔ تم اسے غور سے سننا..... دیکھو..... تم نے اپنے شوہر کو اس حال میں دیکھ لیا..... اور تم اس کی وجہ اچھی طرح جانتی ہو.....!!''

''مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ تم نے اسے اولاد کی محرومی دی ہے، اسی وجہ سے وہ دوسری عورت کی طرف متوجہ ہوا ہے۔''

''نن..... نہیں.....'' سیما کے منہ سے نکلا۔

وہ اب خوف زدہ سے انداز میں وحیدہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''ہاں..... یہ سچ ہے.....!!'' وحیدہ دھیرے سے مسکرائی۔

''لیکن یہ باتیں تمہیں کیسے معلوم ہوئیں؟'' سیما چونک کر بولی۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جس سے تمہارے شوہر کا چکر چل رہا ہے۔ وہ میری ایک واقف کار ہے۔ تمہارے شوہر نے اسے اپنے دل کے حال سے آگاہ کیا تو یہ بات بھی اگل دی کہ اس کا صحن بچوں کی چہکار سے محروم ہے۔''

''اوہ.....!!'' سیما کا دل دھک سے رہ گیا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وحیدہ کو دیکھ رہی تھی، حالانکہ جو کچھ اس نے بتایا تھا، وہ حقیقت تھی، لیکن جب اس قسم کی کوئی صورتِ حال کسی زہریلے سانپ کی طرح پھن کاڑھ کر سامنے آجاتی ہے۔ تو کافی پر اثر ثابت ہوتی ہے۔

سیما نے اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے دوبارہ گویا ہوئی۔

''اوہ..... اچھا.....!!''

''ہاں رانی.....!!'' وحیدہ بولی: ''اب تم خود دیکھ لو کہ مردوں کا کیا حال ہے..... یہ پل میں اپنے مفاد کی خاطر بدل جاتے ہیں.....!!''

''میں نادر سے بات کروں گی.....!!''

''ارے نہیں.....!!'' وحیدہ جلدی سے بولی۔

''تم اس کے سامنے تو ذکر بھی مت چھیڑنا..... اگر تم نے ایسا کیا تو اس کا انجام بہت بھیانک ہوگا..... اگر تمہارے شوہر نے تم سے قطع تعلق کرلیا تو پھر تم کیا کروگی.....؟''

''کیا..... ایسا بھی ہوسکتا ہے؟''

''بالکل.....!! اسے مت چھیڑو.....!!''

''پھر میں کیا کروں.....؟''

''ہاں..... اب کی ہے تم نے کام کی بات.....!!'' وحیدہ مسکرائی: ''میں تمہیں بتاتی ہوں کہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے تمہیں کیا کرنا ہوگا.....!!

تمہاری گود بھر جائے گی اور تم اولاد کی محرومی سے باہر نکل آؤ گی.....!!''

یہ سن کر سیمانے جلدی سے پہلو بدلا اور بے چینی کے عالم میں بولی:

''برائے مہربانی.....جلدی سے بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہوگا.....؟''

وحیدہ نے نگاہ بھر کر اس کی طرف دیکھا اور سرسراتے ہوئے لہجے میں بولی:

''تمہیں صرف ایک دروازہ کھولنا ہے..... ہاں.....!! وہ دروازہ کھل گیا تو تمہاری قسمت کا دروازہ بھی کھل جائے گا.....!!''

☆.....☆.....☆

عالی بابا کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا، پھر اس نے خود کو سنبھالا اور بولا:

''اس کے قریب جانا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے.....!!''

''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ اسے کھول دو.....!!'' نواب انور گویا ہوئے۔

''مان گئے: ''میں تو صرف اسے دیکھنا چاہتا ہوں.....!!''

''ٹھیک ہے.....!!'' عالی بابا نے سر ہلایا:

''آپ دو ملازموں کو بلوالیں..... میں ان کی مدد سے قالین ہٹوا دیتا ہوں.....!!''

''ٹھیک ہے.....!!'' یہ کہہ کر نواب انور شرفو کی طرف گھومے: ''جاؤ.....تم کرم دین اور دلاور کو لے آؤ.....!!''

شرفو نے سر کھجاتے ہوئے سر کو خم کیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کا رخ حویلی کے درمیانی حصے کی طرف تھا۔

جلد ہی اسے دلاور دکھائی دے گیا، اس کے ہاتھوں میں خورد و نوش کا سامان تھا.....!!

''چلو بھئی.....!! تمہیں نواب صاحب بلا رہے ہیں.....!!'' شرفو نے کہا۔

''اچھا.....!! کہاں ہیں وہ.....؟''

''دروازے والے کمرے میں.....!!'' شرفو ٹھنڈی سانس بھر کر بولا۔

''لیکن یہ کمرے میں دروازہ تو لگا ہوتا ہے.....!!'' دلاور نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''بالکل.....!! لیکن تم لوگوں کے بیان کے مطابق وہ دروازہ ذرا ہٹ کر ہے..... میں جہنمی دروازے کی بات کر رہا ہوں.....!!''

''کیا.....؟'' دلاور کی آنکھوں میں خوف دوڑ گیا: ''کیا وہ دروازہ کھول رہے ہیں.....؟''

''نہیں.....صرف دیکھنا چاہتے ہیں.....!!'' شرفو نے بتایا۔

دلاور کے چہرے پر گہری تشویش کے سائے منڈلانے لگے..... وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔

''کاش.....!! وہ ایسا نہ کریں.....!!''

شرفو نے اسے گھور کر دیکھا اور بولا:

''یہ دعا ہے یا.....کچھ اور ہے.....؟''

''مجھے نہیں پتا.....!!'' دلاور نہ جانے کیوں جھنجھلا سا گیا تھا۔

پھر اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

''میں کرم دین کو بھی لے کر آتا ہوں.....!!''

''ٹھیک ہے.....!!'' شرفو نے سر ہلایا۔ ''میں نے تمہیں بڑے صاحب کے آرڈر سے آگاہ کر دیا، اب تم آؤ یا نہ آؤ تمہاری مرضی.....!!''

''آنا تو پڑے گا جناب.....!!'' وہ جلدی سے بولا۔ ''حکم کی تعمیل نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے..... ہماری تو نسلیں اس حویلی کی غلامی کا نمک کھاتی رہیں.....اب جو بھی انجام ہو، مجھے ان کی بات کو پورا کرنا ہوگا.....!! میں ذرا یہ سامان باورچی خانے میں رکھ دوں، پھر کرم دین کو لے کر حاضر ہو جاؤں گا.....!!''

شرفو پلٹا اور اسی کمرے میں واپس آ گیا۔ نواب انور اور عالی بابا بیک وقت اسی کی طرف دیکھنے لگے۔

پھر نواب انور نے کہا:

''کیا ہوا.....؟ وہ آئے نہیں.....؟''

''آرہے ہیں.....!!''

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دلاور اور کرم دین کی شکل دکھائی دی۔

ان دونوں کے چہرے چغلی کھا رہے تھے کہ آتے ہوئے ان میں آپس میں کوئی تکرار ہوئی ہے۔

لیکن اب اپنے مالک کے سامنے تو تھو بڑوں پر بشاشت سجانی ہی تھی۔ چنانچہ وہ دستِ بستہ کھڑے ہوگئے:

''تم دونوں ذرا یہاں کی صفائی کرو.....!! اور وہ قالین ہٹادو.....!!'' عالی بابا نے انہیں مخاطب کیا۔

''دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر دلاور بولا:

''لیکن..... آپ ایسا کیوں کررہے ہیں.....؟''

''یہ میرا حکم ہے.....!!'' نواب انور بول اٹھے:

''اور میں تم دونوں سے سخت خفا ہوں۔''

''کس بات پر نواب صاحب.....؟'' کرم دین گھبرا اٹھا: ''ہم سے کیا غلطی ہوئی ہے؟''

''تم لوگوں نے اس کمرے کا کیا حال بنا رکھا ہے.....!!'' نواب انور کا لہجہ قدرے سخت تھا: ''یہ تو حویلی پر ایک داغ کی طرح دکھائی دے رہا ہے..... صاف ستھری اور چکا چوند ہونے والے در و دیوار میں یہ گندا اور غلیظ کمرہ کیوں رکھا ہوا ہے.....!!''

''میں معذرت چاہتا ہوں.....!!'' دلاور کے لہجے میں متانت تھی: ''کل آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا.....!! یہ کمرہ بھی کل حویلی کے دوسرے حصوں سے مختلف نہ ہوگا.....!!''

''ٹھیک ہے..... فی الحال تو میں تہہ خانے کا دروازہ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''جی بالکل.....!!'' دلاور نے سر ہلایا: ''لیکن اگر آپ مجھے آج کی مہلت دیں تو میں کل آپ کو دروازہ دکھادوں گا.....!!''

نواب انور کسی سوچ میں ڈوب گئے، عین اسی وقت عالی بابا نے مداخلت کی:

''میرا خیال ہے کہ دلاور ٹھیک کہہ رہا ہے..... ہم لوگ کل تک انتظار کرلیں تو بہتر ہے.....!!''

یہ سن کر نواب انور نے سر ہلایا اور آہستہ سے بولے:

''ٹھیک ہے..... لیکن میں ایک دن کی مہلت میں یہ ضرور چاہوں گا کہ سالوں سے مٹی میں اٹا ہوا یہ کمرہ شیشے کی طرح چمکتا ہوا دکھائی دینا چاہئے.....!!''

دلاور نے فوراً ہی اثبات میں سر ہلایا۔

☆.....☆.....☆

سیما نے چونک کر وحیدہ کی طرف دیکھا:

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی..... کیسا دروازہ.....؟''

وحیدہ خفیف سے انداز میں مسکرائی اور بولی:

''کوئی بھی بند دروازہ کھولا جاتا ہے۔ تو بہت کچھ ظہور میں آتا ہے..... میں بھی ایک ایسے ہی دروازے کی بات کررہی ہوں..... یوں سمجھ لو کہ وہ تمہاری خوش قسمتی کا دروازہ ہے۔ اس کے کھلتے ہی تمہاری قسمت بھی کھل جائے گی..... تمہیں شاید وہ سب کچھ مل جائے، جس کا تم شدت سے انتظار کررہی ہو.....!!''

''کیا آپ مجھے اس بارے میں تفصیل سے بتائیں گی.....؟''

''ہاں ضرور..... تمہیں اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس جگہ جانا ہوگا۔ جو تمہارے شوہر کا آبائی قصبہ ہے.....!!''

''جلال پور.....؟''

''ہاں.....!!''

''میں وہاں جا کر کیا کروں گی؟'' سیما حیرت سے بولی۔

''وہاں تمہیں ایک شخص سے ملاقات کرنی ہوگی.....!!'' وحیدہ کا لہجہ اسرار سے لبریز تھا: ''وہ علم کا

سمندر ہے اور اپنے فن میں شاق بھی ہے.....!!''

''کون ہے وہ.....؟'' سیما بے ساختہ بولی۔

''ایک مجہول سا بابا ہے.....'' وحیدہ نے بتایا۔

''قصے میں اسے اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا..... بلکہ.....ایک بات اور بھی ہے.....!!''

''وہ کیا.....؟'' سیما نے بے چینی سے پوچھا۔

''نہ جانے کیوں وحیدہ کا یہ انداز اسے بے تاب کئے دے رہا تھا:

''وہ بات میں ابھی نہیں بتاؤں گی.....!!'' وحیدہ بولی۔ ''اب تم کسی طرح اپنے شوہر کو وہاں جانے کے لئے راضی کرلو..... جب تم اس کے ساتھ وہاں پہنچ جاؤں گی تو پھر میں تمہیں آگے کے لائحہ عمل سے آگاہ کروں گی.....!!!''

''کیا مجھے ان بابا سے ملاقات کرنی ہوگی.....؟''

''ہاں.....اگر ایسا ہوا تو تمہارا کام بن جائے گا.....!! مجھے پورا یقین ہے کہ اس بابا کے عملیات کے ذریعے تمہاری گود بھر جائے گی.....اور تمہاری زندگی کی سب سے بڑی محرومی کا خاتمہ ہوجائے گا.....!!''

''کیا واقعی.....ایسا ممکن ہے؟''

''میں نے زندگی کے کئی موڑ دیکھے ہیں اور اس قصے میں ساری عمر گزر گئی ہے..... مجھے پورا یقین ہے کہ اور کئی لوگوں کی طرح تم بھی اولاد کی دولت سے مالا مال ہوجاؤ گی.....!!''

''لیکن..... کیا میرے شوہر وہاں جانے پر راضی ہوجائیں گے.....؟''

''یہ اب تمہارا کام ہے اچھی لڑکی.....!!'' وحیدہ بولی: ''البتہ جو کچھ معاملات یہاں تمہارے شوہر کے ساتھ چل رہے ہیں، اس کی بنا پر شاید وہ جانے سے گریز کرے گا..... لیکن اسے راضی کرنا ہی تمہاری کامیابی کی پہلی سیڑھی ہے۔'' سیما کچھ نہ بولی۔ وہ گہری سوچ میں گم ہوچکی تھی۔

☆.....☆.....☆

دوسرے دن ناشتے کے دوران ہی نواب انور کو اطلاع ملی کہ عالی بابا کی آمد ہوگئی ہے۔

ان کا اتنی جلدی اور صبح سویرے ہی نمودار ہوجانا کافی تعجب خیز تھا، نواب انور نے اطلاع دینے والے سے کہا:

''انہیں مہمان خانے میں بیٹھاؤ..... میں آرہا ہوں.....!!''

''خدمت گار چلا گیا۔'' شرفو نے کہا:

''لگتا ہے کہ عالی بابا رات کو سوئے نہیں.....!!''

نواب انور خفیف سا مسکرائے:

''ہاں.....ممکن ہے..... انہیں دھڑکا ہوگا کہ کہیں ہم لوگ اس دروازے سے خود ہی محاذ آرائی نہ کرلیں.....!!''

''یہ سب کچھ میری سمجھ سے بالاتر ہے.....!!'' وہ آہستہ سے بولا۔

ساتھ ہی ساتھ وہ ناشتے سے بھی دو دو ہاتھ کرتا جارہا تھا۔ نواب انور نے کوئی جواب نہ دیا۔

''تھوڑی دیر بعد ہی وہ عالی بابا کی طرف روانہ ہوگئے، جو مہمان خانے میں شدت سے ان کے منتظر تھے۔

ان کے ساتھ حویلی کے اسی کمرے کا رخ کیا گیا، جہاں اس تہہ خانے کا دروازہ موجود تھا۔

دروازہ کھلا، تو واقعی آج یہ کمرہ جگمگاتا ہوا دکھائی دیا، اس کی صفائی کافی محنت اور توجہ سے کی گئی تھی.....!!

نواب انور نے کافی ستائشی انداز میں کمرے کا جائزہ لیا اور پھر عالی بابا سے مخاطب ہوئے:

''کیا خیال ہے عالی بابا.....!! دروازہ دیکھا جائے.....؟''

''جی.....بالکل.....!!'' عالی بابا نے سر ہلایا۔

''پھر وہ قالین سے ڈھکے ہوئے فرشی دیوار کے کونے کی طرف بڑھے۔

''یہ قالین..... اٹھانا ہوگا.....!!'' عالی بابا

بڑبڑائے۔

''میں اٹھا دیتا ہوں.....!!'' شرفو نے کہا اور آگے کی طرف جھک آیا۔

عین اسی وقت وہ جھجک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

''کیا ہوا.....؟'' نواب انور نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ.....وہ.....!! مکڑی.....!!'' شرفو نے ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کیا۔

واقعی قالین کے عین اوپر ایک سیاہ رنگ کی بڑی سی مکڑی اپنے جال کے ذریعے آہستہ آہستہ قالین کی طرف سرکتی ہوئی آرہی تھی۔

عالی بابا نے بھی حیرت سے مکڑی کو دیکھا۔

''یہ اس کمرے کا نقص رہ گیا.....!!'' نواب انور کی آواز ابھری: ''مطلب یہ کہ صفائی ٹھیک سے نہیں ہوئی.....!!''

''شاید.....'' عالی بابا بڑبڑائے: ''ایسا ہوا ہو.....!!''

''میں اسے ہٹاتا ہوں.....!!''

شرفو نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر سائیڈ میں رکھی ہوئی جھاڑو اٹھالی۔ اب وہ دوبارہ مکڑی کی طرف بڑھا۔

اور پھر جیسے ہی اس نے جھاڑو اس کی طرف بڑھائی، اچانک ہی مکڑی کا جال زور سے ہلا، وہ زبردست انداز میں تڑپ کر اس میں سے نکلی اور پھر بجلی کی سرعت سے فرش سے ہوتی ہوئی قالین کے سرے پر غائب ہوگئی۔

یہ سب چشم زدن میں ہوا تھا، شرفو کا اٹھا ہوا ہاتھ، اٹھا ہی رہ گیا۔ ''اوہ..... یہ..... کہاں گئی.....؟'' اس کے منہ سے نکلا۔

وہ اب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر فرش کو گھور رہا تھا، لیکن مکڑی گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھی۔

عالی بابا کے چہرے پر تشویش کے سائے لہرانے لگے، وہ بولے کچھ نہیں۔ ''چھوڑو..... وہ کہیں بھاگ گئی.....!!''

نواب انور بولے: ''تم قالین اٹھاؤ۔''

شرفو نے سر ہلایا اور آگے بڑھ کر قالین کا کونا الٹ دیا، اور پھر انہوں نے دیکھا کہ ایک لکڑی کا بڑا اور مضبوط تختہ فرش میں پیوست دکھائی دے رہا تھا..... جسے چاروں طرف سے باقاعدہ زنجیروں سے اس طرح باندھا گیا تھا کہ ایک بڑا سا تالہ بھی ان زنجیروں کے درمیان میں موجود تھا۔

وہ سیاہ رنگ کی بڑی سی مکڑی..... اسی تختے پر بیٹھی ہوئی دکھائی دے رہی تھی.....!!

☆.....☆.....☆

نادر اپنی کمپنی سے واپس گھر لوٹا، تو اس وقت سیما کچن میں مصروف تھی.....!!

وہ دن بھر اداسی کے گھیرے میں مقید رہی تھی، اور اب نادر کی آمد نے اس کے زخموں کو اور بھی تکلیف دہ بنا دیا تھا.....!!

اس نے سوچا تھا کہ وہ خود پر قابو رکھے گی اور نادر پر کوئی بھی بات ظاہر نہ ہونے دے گی.....!!

لیکن اب وہ اپنے دل کا کیا کرتی، جس نے اس کے چہرے کو پرملال بنا دیا تھا..... نادر کا کسی غیر عورت کے ساتھ پارک میں بیٹھنا، بار بار سیما کے ذہن کو کچوکے لگا رہا تھا۔

نادر کچن میں ہی چلا آیا اور عقب سے اس نے اپنے دونوں بازوؤں کو سیما کے گرد حمائل کر دیا۔

سیما ذرا کسمسائی اور جلدی سے سرک کر علیحدہ ہوگئی۔

''کیا ہوا جان من.....!!'' نادر نے اسے دیکھا: ''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''جی..... میں ٹھیک ہوں.....!!'' وہ آہستہ سے بولی۔

''جھوٹ کیوں بول رہی ہو..... بتاؤ کیا ہوا.....؟'' نادر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

سیما نے اس سے نظریں ملائے بغیر آہستہ سے

اپنے ہاتھوں کو اس کی گرفت سے آزاد کیا اور بولی:

''کچھ نہیں..... میں ٹھیک ہوں.....!!''

''نہیں..... میں تمہارا چہرہ صاف پڑھ رہا ہوں..... تم مجھے کافی تھکی ہوئی دکھائی دے رہی ہو.....!!''

''میں ایک بات پوچھوں.....؟''

''ضرور..... جانِ نادر.....!!'' اس کا لہجہ میٹھا تھا۔

سیما نے چند لمحے کچھ سوچا اور پھر براہِ راست اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولی:

''آج شام میں آپ کہاں تھے.....؟''

''کیا مطلب.....؟'' وہ چونکا۔

''میں نے پوچھا ہے کہ شام میں آپ کہاں تھے.....؟''

''بھئی آفس میں تھا.....!!''

''واقعی.....؟''

''ہاں..... لیکن تم ایسے کیوں پوچھ رہی ہو.....؟''

''دراصل..... کسی نے آپ کو ایک پارک میں دیکھا تھا.....!!'' سیما سرسری انداز میں بولی۔ نہ جانے کیوں اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

''پارک میں.....!!'' نادر نے کہا، پھر دفعتاً ہنس کر بولا: ''اوہ ہاں.....!! لیکن یہ تو میری روٹین میں شامل ہے..... جب میں آفس میں ذہنی طور پر ذرا سست ہو جاتا ہوں تو ہوا خوری کے لئے اس پارک میں چلا جاتا ہوں، جو آفس کے سامنے ہی بنا ہوا ہے.....!!''

''اوہ..... اچھا.....!!'' سیما نے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔

''ہاں..... مجھے دراصل اس لئے یاد نہیں رہا کہ وہاں جانا تو میرے معمول میں شامل ہوتا ہے.....''

''تو آپ وہاں اکیلے تھے.....؟''

''ہاں..... بالکل.....!!'' نادر جھٹ سے بولا۔

''سیما نے ایک طویل سانس لی۔ اب اس سفید جھوٹ کو کریدنا مناسب نہیں تھا۔ نادر ہتھے سے بھی اکھڑ سکتا تھا۔

کیونکہ جب کسی جھوٹ کی بنیاد رکھی جاتی ہے، تو پھر اس کی عمارت بھی جھوٹ کے پلندوں سے ہی بلند ہوتی رہتی ہے۔

فی الحال اس موضوع کو مزید کریدنا مناسب نہیں تھا، چنانچہ سیما بولی۔

''آپ کپڑے تبدیل کریں..... میں چائے نکالتی ہوں.....!!''

''نہیں..... آج تم آرام کرو..... میں یہ کام خود کر لیتا ہوں.....!!''

''میں ٹھیک ہوں..... آپ جائیں..... جلدی سے فریش ہو جائیں!!''

''لیکن مجھے نہیں لگتا کہ تم ٹھیک ہو.....!!''

''مجھے کچھ نہیں ہوا.....!!''

''اچھا..... پھر بھی تم ڈاکٹر جواد کے پاس چلو.....!! ایک بار معائنہ تو کروالو.....!!''

''سوچوں گی.....!!'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''نادر اس کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا۔'' سیما دوبارہ بولی:

''ڈاکٹر کو دکھانے سے بہتر ایک اور حل ہے۔''

''وہ کیا.....؟''

''لیکن آپ مانیں گے نہیں.....!!''

''تم بتاؤ تو.....!!''

''اچھا تو سنیں.....!!'' سیما کا لہجہ معنی خیز سا تھا:

''میں اس گھر میں بند بند رہ کر اکتا سی گئی ہوں..... کیوں نا کہیں چلیں.....؟''

''کہاں.....؟''

''قصبہ جلال پور چلتے ہیں.....!!'' وہ آہستہ سے بولی۔

تو نادر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

☆.....☆.....☆

سب کی نگاہیں مکڑی کے گرد اپنا جال بن رہی تھیں.....!!

ایسے میں شرفو کی آواز کمرے کا سناٹا چیرنے لگی:
''یہ تو..... اس کمرے کی پالتو مکڑی دکھائی دیتی ہے.....!!''

''شاید.....!!'' عالی بابا آہستہ سے بولے۔

''شرفو نے ایک بار پھر جھاڑو اٹھالی.....!! لیکن وہ اس بار بھی ناکام ہی رہا.....!!

اس بار وہ بڑی پھرتی کے ساتھ قالین کے نیچے گھس کر غائب ہو چکی تھی۔ شرفو جھنجھلا سا گیا:

''ہت تیرے کی.....!!''

''یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے برخوردار.....!!'' عالی بابا مسکرائے: ''یہ کوئی اور ہی معاملہ ہے.....!!''

''کیا مطلب.....؟''

عالی بابا نے خاموشی اختیار کرلی، نواب انور نے کہا:

''کیا اس تہہ خانے کو کھولا نہیں جاسکتا؟''

''اب اس قصبے کے لوگوں میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ پھر سے اس طوفان کا سامنا کرسکیں.....!!'' عالی بابا ٹھنڈی سانس بھر کے بولے: ''اور نہ ہی میرے مرشد اب یہاں رہے..... پھر اسے کون سنبھالے گا.....؟''

''اچھا..... ٹھیک ہے۔'' نواب انور نے سر ہلایا۔ ''تو پھر قالین برابر کردو، کیونکہ تم ڈرائے دے رہے ہو.....!!''

شرفو نے آگے بڑھ کر قالین کو دوبارہ فرش پر پھیلا دیا.....

اب کمرے میں موت کی سی خاموشی طاری تھی۔

☆.....☆.....☆

چند لمحوں کے توقف کے بعد نادر بولا: ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو.....؟''

''کیوں.....؟''

''مجھے یقین نہیں آرہا.....!!'' نادر آہستہ سے مسکرایا۔

''اس کی وجہ؟''

''بھئی تم نے تو کبھی اس قصبے میں قدم نہیں رکھا، اور نہ ہی کبھی وہاں جانے کی خواہش ظاہر کی..... آج اچانک تمہیں قصبہ جلال پور کیسے یاد آگیا ہے.....؟''

''بس یونہی.....!!'' وہ مسکرائی: ''میں تو کافی دنوں سے اس بارے میں سوچ رہی تھی، اور جب سے ابا جان وہاں گئے ہیں، بس میرا بھی دل چاہ رہا ہے کہ میں اس جگہ کی سیر کروں.....!!''

''اچھا.....!!'' نادر نے طویل سانس لی۔

پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''میں تمہیں ضرور لے جاتا..... لیکن آفس میں کچھ ایسے مسائل لاحق ہیں کہ میرا جانا فی الحال ناگزیر ہے۔''

''میں جانتی تھی کہ آپ کا یہی جواب ہوگا.....!!'' سیما کا لہجہ قدرے زہر خند تھا۔

''تم کیسے جانتی ہو؟'' وہ چونکا۔

''بس مجھے اندازہ تھا کہ آپ منع کردیں گے.....!!''

''تمہیں اتنا یقین کیوں تھا.....؟''

''میرا دل کہہ رہا تھا.....!!'' سیما سر جھکا کر بولی۔

نادر نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہا:

''مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ کوئی بات تم مجھ سے چھپا رہی ہو.....!!'' سیما گھبرا سی گئی:

''جی..... جی نہیں..... ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''خیر..... اچھا چلو..... میں کوشش کرتا ہوں کہ مجھے چھٹی مل جائے..... پھر ہم بھی قصبے روانہ ہوجائیں گے..... لیکن اس سے قبل شرفو کو یہاں بلانا ہے..... وہ تو قصبے میں ہی چپک کر رہ گیا ہے.....!!''

سیما خاموشی سے کچھ سوچنے لگی۔

☆.....☆.....☆

دوسرے دن صبح شرفو، شہر کی طرف روانہ ہوگیا تھا.....!!

دلچسپ کہانیوں کا رسالہ

ماہنامہ

بچوں کا میگزین

کراچی

اگست کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

جس میں جن، بھوت، چڑیل، بادشاہوں،
شہزادیوں کے علاوہ دلچسپ معلومات عامہ،
پہیلیاں، لطیفے، اقوال زریں اور مزیدار کہانیاں شامل ہیں۔
لہٰذا قلم اٹھائیں اور اپنی اچھی اچھی تحریریں فوراً ارسال کر دیں
تاکہ آپ بھی انعامات کے حق دار بن جائیں۔

ماہنامہ
بچوں کا میگزین

میں لکھنے کے لیے کوئی شرط نہیں بلکہ تحریر کا معیاری ہونا ضروری ہے۔

پیارے بچو! بچوں کے میگزین میں رنگین تصاویر بھی شائع کی جائیں گی تو آپ اپنی اچھی اور رنگین تصویر فوراً ارسال کر دیں۔

پیارے بچو، قلم اٹھائیں اور جلد از جلد اپنی تحریریں ارسال کر دیں۔

خط و کتابت کا پتہ:

ماہنامہ
بچوں کا میگزین

گوالی لائن نمبر 3، نورانی آرکیڈ
نیو اردو بازار کراچی
Mob:0324-7232580

اس میں شرفو کی خود کی مرضی شامل تھی..... اب نواب انور یہاں تنہا رہ گئے تھے..... حالانکہ حویلی میں کئی لوگ موجود تھے، جو کہ شرفو کے ''عہدے'' کے مماثل ہی حیثیت رکھتے تھے.....!!''

لیکن یہاں کے رہائشیوں سے ابھی ان سے اتنی بے تکلفی نہیں تھی اور یوں ان کی عادت تھی کہ وہ اپنے نوکروں سے بھی اچھے برتاؤ سے پیش آیا کرتے تھے.....!!

کرم دین نے کافی پرتکلف ناشتہ تیار کروایا تھا۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد نواب انور نے چہل قدمی کی ٹھانی اور حویلی کے بیرونی حصے کی طرف نکل آئے.....!!

بائیں جانب ذیلی عمارت کے ساتھ ہی حویلی کا باغیچہ اپنے مخصوص رنگوں میں چمک رہا تھا.....!!

انہوں نے دور سے ہی شاداب بابا کو دیکھ لیا تھا، جو برس ہا برس سے اس باغ کی دیکھ بھال کے فرائض انجام دے رہے تھے.....!!

نواب انور اسی طرف بڑھ گئے، شاداب بابا اس وقت فرشی گھانس کو برابر کرنے میں مصروف تھے، نواب انور کو دیکھتے ہی وہ بے ساختہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

''کیسے ہیں بابا جی.....؟''

''آپ کی دعا ہے.....!!'' ان کے لہجے میں متانت تھی: ''اگر کوئی کام تھا، تو میں حاضر ہو جاتا.....!!''

''ارے نہیں بابا جی.....!!'' وہ مسکرائے: ''میں تو بس یونہی اس طرف نکل آیا ہوں.....!!''

''اچھی بات ہے.....!!'' شاداب بابا نے سر ہلایا: ''ان درختوں کے سائے سے اٹھنے والی تازہ ہوا صحت کے لئے مفید ہے.....!!''

''جی ہاں.....!!''

''نواب میاں.....!! اب آپ یہاں مستقل قیام کریں گے.....؟''

''جی..... سوچ کر تو یہی آیا ہوں.....!!''

''یہ بھی بہت اچھی بات ہے۔'' شاداب بابا بولے: ''اس حویلی کو آباد ہونا نصیب تو ہوا.....!!''

نواب انور مسکرا دیئے۔

''میں ایک بات کہوں.....!!''

''جی ضرور.....!!'' نواب انور نے کہا: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا شمار میرے بزرگوں میں ہوتا ہے.....!!''

''یہ آپ کی اعلیٰ ظرفی ہے.....!!'' شاداب بابا کا لہجہ جذباتی ہو گیا: ''میں یہ بات بتانا چاہتا ہوں کہ اب آپ نے حویلی کو آباد کرنے کا ارادہ کیا ہے، تو پھر احسن طریقہ بھی اختیار کریں.....!!''

''میں سمجھا نہیں.....!!''

''آپ شادی کر لیں.....!!'' شاداب بابا نے دل کی بات کہہ دی۔

''یہ..... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں نواب میاں.....!!'' جواب ملا: ''اس میں برائی والی کوئی بات نہیں ہے..... ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے..... جوانی نے ابھی آپ کو چھوڑا نہیں ہے.....''

نواب انور دھیرے سے مسکرا دیئے:

''آپ کی بات بجا ہے، لیکن میں نے اس بارے میں کبھی نہ سوچا ہے اور نہ ہی ایسا کوئی ارادہ ہے.....''

''پہاڑ جیسی زندگی ہے نواب میاں.....!!'' ان کا انداز ناصحانہ تھا: ''برا مت مانیے گا، تنہا یہ عذاب کاٹنا مشکل ہے..... میں جانتا ہوں کہ آپ کو مرحومہ سے بہت محبت تھی، لیکن زندگی کے تقاضے تو پورے کرنے پڑتے ہیں..... وگرنہ انسان گناہوں کے دلدل میں ڈبکیاں لگانے لگتا ہے..... ہاں.....!!''

''ٹھیک ہے بزرگ وار.....!! میں غور کروں گا.....!!''

''خوب.....!! میں آپ کی کیا خدمت

کروں.....!!''

''کیا آپ کو جہنمی دروازے کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟'' نواب انور نے اچانک ہی موضوع بولا۔

شاداب بابا نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب گئے تھے، پھر بولے:

''ہاں..... میں نے سنا تو بہت کچھ ہے.....!!''

''اوہ..... تو کیا آپ نے کچھ دیکھا نہیں.....؟'' نواب انور چونکے۔

''نہیں.....!! کیونکہ ان دنوں میں حویلی میں موجود نہیں تھا، چند ماہ کے لئے چھٹی لے کر اپنے آبائی شہر گیا ہوا تھا۔''

''اوہ.....!!''

''جی نواب میاں.....!!'' وہ سر ہلا کر بولے: ''البتہ میں ایک بات سے ضرور واقف ہوں.....!!''

''وہ کیا.....؟''

''کوئی بات تو ضرور ہے.....!!'' شاداب بابا کا لہجہ گمبھیر تھا: کیونکہ میں نے اکثر راتوں میں عجیب و غریب آوازیں گونجتی ہوئی سنی ہیں اور اس حویلی میں پراسرار قسم کے سائے بھی منڈلاتے ہوئے دیکھے ہیں.....!!''

☆.....☆.....☆

دوپہر کے کھانے کے بعد نواب انور اپنے کمرے میں ایک کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے کہ کرم دین دروازے میں نمودار ہوا۔

''بڑے سرکار.....!! آپ سے کوئی ملنے آیا ہے۔''

''کون ہے؟''

''کوئی خاتون ہیں.....!!''

''خاتون.....!!'' وہ چونکے: ''کون ہو سکتی ہے؟''

''پتا نہیں سرکار.....! بس اس نے آپ کا نام لیا ہے، اور ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔''

''اچھا.....!! تو اسے مہمان خانے میں بیٹھاؤ..... میں آتا ہوں.....!!''

کرم دین چلا گیا..... نواب انور اس اجنبی مہمان کے بارے میں سوچتے ہوئے آئینے کے سامنے کھڑے ہوئے اور خود پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈالتے ہوئے کمرے سے نکل آئے۔

مہمان خانے میں واقعی ایک نقاب پوش عورت موجود تھی، جس نے اپنے جسم کو بڑی چادر سے اچھی طرح ڈھانکا ہوا تھا۔

وہ اس وقت دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے ان تصاویر کو دیکھنے میں مصروف تھی جو کہ سامنے والی دیوار میں آویزاں تھیں۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں.....؟'' نواب انور بولے۔

عورت فوراً ہی پلٹی، اگلا لمحہ نواب انور کے لئے کافی حیرت انگیز ثابت ہوا۔

وہ ان آنکھوں کو کیسے بھول سکتے تھے، یہ وہی عورت تھی، جو انہیں ٹرین کے سفر کے دوران ملی تھی۔

ہاں..... وہی خوابیدہ اور انتہائی پرکشش آنکھوں والی اس وقت ان کے سامنے موجود تھی۔

''اوہ..... تم.....؟'' ان کے منہ سے نکلا۔

وہ شاید مسکرائی تھی۔ کیونکہ نقاب کھنچ گیا تھا۔

''جی نواب صاحب.....! آپ نے نہیں بلایا تو..... مجھے حاضر ہونا پڑا.....!!''

''میری غلطی نہیں۔'' وہ فوراً بولے: ''تم نے یہ ضرور بتایا تھا کہ قصبے میں رہتی ہو، لیکن تمہارا گھر کہاں ہے.....؟ یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں تھا..... میں تمہیں کہاں ڈھونڈتا.....!!''

''میں اس حویلی سے بہت قریب ہوں.....!!'' وہ طویل سانس لے کر بولی۔

''کیا خدمت کی جائے تمہاری.....؟''

''کچھ بھی نہیں.....!!'' وہ بولی: ''میں دراصل اس لئے حاضر ہوئی کہ آپ کو اپنا وعدہ یاد

دلاؤں.....!!''

''کیسا وعدہ.....؟'' وہ چونکے۔

''ارے.....آپ بھول گئے؟''

''تھوڑا تو یاد دہانی کا موقع دو.....!!''

''میں نے حویلی میں نوکری کی خواہش ظاہر کی تھی.....!!''

''اوہ.....ہاں.....!!''

''کیا آپ مجھے موقع دیں گے؟''

''ضرور دیتا.....لیکن یہاں عورتیں ملازمت نہیں کرتیں.....!!''

''یہ بنیاد مجھ سے منسوب کردیں.....!!'' وہ لجاجت سے بولی۔

''کاش ایسا ہوسکتا.....!!''

''تو کیا میں مایوس ہوجاؤں.....؟''

''نہیں.....'' وہ آہستہ سے بولے: ''میں کوشش کرتا ہوں.....!!''

''یہ لفظ آپ پر جچ نہیں رہا۔'' اس کی آواز ابھری: ''آپ کوشش کے نہیں بلکہ حکم کے درجے پر فائز ہیں.....!!''

نواب انور نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ غور سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے، پھر وہ ذرا توقف کے بعد بولے۔

''ٹھیک ہے.....میں حویلی میں تمہاری جگہ بناتا ہوں.....لیکن میں تم سے رابطہ کس طرح کروں.....؟''

''بہت آسان پتا ہے میرا.....!!'' وہ بولی: ''اس قصبے کے آخری سرے پر صنوبر کے درختوں کا جنگل ہے.....اسی جنگل کے آغاز پر وہ بلڈنگ موجود ہے، جس میں میری رہائش ہے.....!!''

''آہم.....'' نواب انور نے ہنکارا بھرا۔ ''اس بلڈنگ کا نمبر کیا ہے؟''

''اس کی ضرورت نہیں ہے نواب صاحب.....!!'' وہ بولی: ''وہ عمارت پرانی بلڈنگ کے نام سے مشہور ہے.....آپ کو وہاں آنے میں دقت نہیں ہوگی۔''

''اچھا.....!!''

''جی ہاں.....'' وہ بولی: ''تو پھر آپ وہاں کب آرہے ہیں.....؟''

''جلد سے جلد..... میری پوری کوشش ہوگی.....!!''

''آپ نے پھر کوشش کا لفظ استعمال کیا..... خیر.....کوئی بات نہیں..... یہ آپ کی طبیعت کا اثر ہے کہ آپ خود کو دوسروں پر مسلط نہیں کرتے.....!!''

''تم یہ بھی جان گئی ہو.....؟''

''جی ہاں..... میں دوسروں کے بارے میں بہت جلد صحیح رائے قائم کرلیتی ہوں.....!!''

''خوب.....!!'' وہ مسکرائے: ''کیا میں تمہاری شکل دیکھ سکتا ہوں.....؟''

''ضرور.....!!'' وہ شاید پھر مسکرائی تھی: ''لیکن پرانی بلڈنگ میں آنے کے بعد، میں آپ کے سامنے یہ نقاب ہٹاؤں گی.....!! میں اب جارہی ہوں اور وہاں آپ کا انتظار کروں گی.....!!''

☆.....☆.....☆

شرفو کی واپسی ہوچکی تھی، اور سیما نے فوراً ہی اسے گھر کے سامان کی لسٹ تھماتے ہوئے بولی:

''میں کب سے تمہارا انتظار کررہی ہوں..... کچن کا سارا سامان ختم ہوچکا ہے.....!!''

''جی.....میں ابھی مارکیٹ جاتا ہوں.....!!''

''ہاں.....فوراً.....!!'' وہ سر ہلا کر بولی: ''اور یہ بتاؤ کہ تم قصبے میں جا کر ''بس کیا بتاؤں.....!!'' وہ بولا: ''میں تو اب بھی نہیں آتا، لیکن آپ کی خاطر مجبور ہو کر آگیا.....!!''

''اوہو..... ایسا بھی کیا.....!!'' سیما نے آنکھیں مٹکائیں: ''وہاں کوئی پسند آگئی ہے کیا؟''

''ارے نہیں بی بی جی.....!!'' وہ جلدی سے بولا: ''حویلی کے حالات تو کافی عجیب و غریب ہیں.....!!''

''کیا مطلب.....؟ کیا ہوا.....؟'' وہ چونکی۔
جواباً شرفو نے مختصر الفاظ میں حویلی کی داستان سنادی، تو سیما حیرت زدہ رہ گئی سن کر بولی:
''یہ کیسے ممکن ہے؟''
''بس جی.....!! میں تو اس تہہ خانے کا دروازہ بھی دیکھ کر آیا ہوں.....!!''
''کیا اسے کھولا بھی تھا.....؟''
''نہ بابا.....!!'' شرفو نے کانوں کو ہاتھ لگایا: ''عالی بابا نے بتایا تھا کہ اگر وہ دروازہ کھولا گیا تو تباہی مچ جائے گی اور وہ بلا پورے قصبے میں خون خرابے کا بازار گرم کردے گی.....!!''
''بات کچھ حلق سے نہیں اتر رہی.....'' وہ بڑبڑائی۔ پھر چونک کر بولی: ''اچھا یہ بات ابا جان کو بھی معلوم ہے!''
''وہی تو ساتھ تھے.....!!''
''اچھا.....تو ان کا کیا ردعمل ہے؟''
''خاموش ہیں فی الحال.....!!''
''چلو..... میں بھی اس دروازے کے درشن کرلوں گی۔'' وہ مسکرائی: ''کیونکہ میں بھی وہاں جانے کی تیاری کرنے والی ہوں.....!!''
''اوہ.....بی بی جی.....واقعی؟''
''ہاں بھئی.....!!''
''تو آپ وہاں کیوں جارہی ہیں؟''
''محض آب وہوا کی تبدیلی کے لئے.....!!''
''مجھے تو کوئی اور ہی معاملہ لگ رہا ہے۔'' شرفو کا لہجہ معنی خیز تھا۔
''کیا.....؟'' سیما نے اسے گھور کر دیکھا۔
''کک.....کچھ نہیں.....!!'' وہ گڑبڑا گیا۔
''شرفو.....!!'' سیما کڑک آواز میں بولی: ''اب تم اپنی بات پوری کرو گے..... بتاؤ جلدی سے.....!!''
''میں نے کچھ اڑتی اڑتی سنی تھی.....!!''
''بکو بھی.....!!''

مشعل راہ

حضرت حسنؓ بن علی سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ ''دوران حصول علم اگر کسی کو موت آجائے اور وہ اس لئے علم حاصل کررہا ہو کہ اس کے ذریعے اسلام کو زندہ کرے گا تو اس کے اور انبیائے کرام کے درمیان جنت میں صرف ایک درجے کا فرق ہوگا۔
(محمد عادل بلوچ - بھولے دی جھوک ساہیوال)

''وہ.....جی.....شادی.....!!''
''ایں.....'' وہ چونکی: ''کس کی شادی؟''
''بڑے صاحب کی.....!!''
سیما زور سے چونکی۔
''یہ بات تمہیں کیسے معلوم ہوئی؟''
''مجھے نہیں پتا.....!!'' وہ مسکین سی صورت بنا کر بولا:
''اب بات کا رخ مت پھیرو.....!!'' سیما کا لہجہ غصیلہ تھا: ''تم نے ضرور کان لگا کر میری اور نادر کی باتیں سنی ہوں گی.....!!''
''جس کی چاہے قسم لے لیں.....!!'' شرفو تڑپ گیا: ''میری یہ عادت کبھی نہیں رہی کہ میں کن سوئیاں کروں.....!!''
''تو پھر تم نے یہ بات کیوں منہ سے نکالی؟''
''میں نہیں جانتا بی بی جی.....!!'' وہ منہ بسور کر بولا: ''میں..... واقعی اس سے ناواقف ہوں کہ یہ بات مجھے کس طرح معلوم ہوئی.....!!''
سیما چند لمحے اسے گھورتی رہی، پھر ایک طویل سانس لے کر بولی: ''ٹھیک ہے..... میں اس بات کا کھوج لگالوں گی..... فی الحال تو تم گھر کا سامان لے کر آؤ.....جلدی سے.....!!''

☆.....☆.....☆

گو کہ نواب انور کے لئے قصبہ جلال پور کوئی نئی

جگہ نہیں تھی، لیکن اس کے باوجود وہ اپنی مصروفیت اور ''فطرت'' کے باعث اب بھی اس قصبے کے کئی حصوں سے ناواقف تھے.....!!

نوعمری میں تو یہاں سے کوچ کیا تھا، اور پھر کئی موقعوں پر یہاں کئی بار پلٹ کر آنے میں وقت کی کمی خاطر ملحوظ رہی.....اسی بنا پر وہ پرانی بلڈنگ سے واقف نہیں تھے.....!!

گھروں کی بنی ہوئی قطار سے پیدل ہی چہل قدمی کرکے گزرنے والے نواب انور کی نگاہ ایک پان کے کیبن پر پڑی۔

''دور سے ہی انہیں دکھائی دے گیا کہ پان والا گانے کی دھن پر لہک لہک کر یقیناً پان پر کتھا اور چونا لگانے میں مصروف تھا.....!!

کیبن سے گونجنے والا گانا ان کی سماعت سے بھی ٹکرایا:

ہوا میں اڑتا جائے
میرا لال دوپٹہ ململ کا

نواب انور بے ساختہ مسکرا دیئے..... پرانے دور کا یہ مشہور گانا اس وقت ایک مرد مجاہد کو مست کئے دے رہا تھا۔

انہوں نے اسی جانب قدم بڑھا دیئے..... وہ بدستور مست تھا۔ ان کی آواز پر چونکا اور گانے کی گونج کم ہوگئی۔

''جی صاحب.....!!'' یہ ایک چھریرے بدن کا درمیانی عمر کا شخص تھا۔ چہرہ سانولا اور بال گھنگھریالے تھے.....!!'' کیسا پان لگاؤں.....؟''

''لگادو..... سادہ خوشبو کا.....!!'' وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''میں اس وقت آرڈر کے پان لگا رہا ہوں.....!!'' اس نے گردن اکڑائی: ''اسی میں سے آپ کا پان بھی لگا دیتا ہوں.....!!''

''اچھا.....مہربانی.....!!''

پان والے نے انہیں پان دیا، جسے منہ میں رکھتے ہوئے نواب صاحب نے اپنے بالوں سے انگلی پونچھی اور بولے:

''ارے صاحب.....!! یہ پرانی بلڈنگ کس طرف ہے.....؟''

''پرانی بلڈنگ.....؟'' وہ چونکا: ''یہ تو اس کھنڈر کا نام ہے، جو جنگل کے دوسری جانب ہے.....!!''

''کھنڈر.....؟''

''ہاں.....!! کسی زمانے میں وہ کوئی خوب صورت عمارت رہی ہوگی.....لیکن اب صرف اس کا کھنڈر ہی رہ گیا ہے.....لوگ اسی کو پرانی بلڈنگ کے نام سے یاد کرتے ہیں.....!!''

''اوہ.....!!'' وہ حیرت زدہ رہ گئے.....!!''

اس نقاب پوش حسینہ نے تو کہا تھا کہ وہ اس پرانی بلڈنگ میں رہائش پذیر ہے.....لیکن کھنڈر میں بھلا اس کا کیا کام.....؟ تو کیا اس نے غلط بیانی کی تھی.....؟

انہوں نے پان کے پیسے دیئے اور پھر بولے:

''تو کیا وہ عمارت اب خالی ہے.....؟''

''بھلا کھنڈر میں کون رہتا ہے.....؟''

''ہاں.....یہ بھی ٹھیک ہے.....''

''تو کیا کسی نے آپ کو وہاں رہائش کا بتایا تھا.....؟''

''ہاں.....!!''

''کس نے.....؟''

''ہے میرا ایک واقف کار.....!!'' گول مول سا جواب تھا۔

''اوہ.....کہیں وہ آپ کا دیندار تو نہیں ہے؟''

''مطلب.....؟''

''مطلب یہ کہ کسی نے آپ کو رقم ادا کرنی ہو اور پرانی بلڈنگ کا پتا بتا دیا ہو.....''

''نہیں.....ایسا کچھ نہیں ہے.....!!''

''اچھا.....!!''

''اب وہ وہاں سے آگے بڑھ گئے.....دل میں ایک جستجو سی تھی کہ اس پرانی بلڈنگ کو دیکھا جائے.....!!

چنانچہ ان کے قدم اسی جنگل کی طرف اٹھنے لگے..... چاروں طرف سناٹا اور ہو کا عالم تھا۔

جلد ہی درختوں کے درمیان انہیں وہ کھنڈرات دکھائی دے گئے..... ٹوٹی پھوٹی عمارت کا گویا ملبہ تھا، جو چاروں طرف بکھرا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

شاید ہی بلڈنگ کا کوئی حصہ سلامت رہا ہوگا.....!! انہوں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور پھر واپس پلٹ گئے.....!!

عین اسی وقت کسی قسم کی آہٹ کی آواز گونجی تھی..... یہ آواز کسی قدموں کی تھی جو یقیناً عقب سے آئی تھی.....

وہ چونک کر پلٹے اور پھر حیرت زدہ رہ گئے۔

☆.....☆.....☆

سیما نے آج خاص طور پر نادر کی پسندیدہ ڈش بنائی تھی.....!!

جب سے پارک والا واقعہ ہوا تھا، سیما نے اپنے دل کی کدورت اور اندرونی جذبات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نادر کی طرف توجہ دینا شروع کر دی تھی، بعض اوقات نادر جھلا بھی جاتا تھا، لیکن سیما ضبط سے کام لے رہی تھی.....!!

اب اس کا مقصد جلد سے جلد قصبے کی طرف روانگی کا تھا..... تاکہ وہ وحیدہ کے بتائے ہوئے بابا سے مل کر اپنی زندگی کا رخ بدل سکے.....

چنانچہ جس وقت کھانے کی میز پر نادر کھانے کی تعریف کر رہا تھا، اسی وقت سیما نے ایک بار پھر ذکر چھیڑ دیا۔

''پھر..... آپ نے کیا سوچا.....؟''

''کس بارے میں.....؟''

''میں نے آپ سے کچھ کہا تھا.....!!''

''ارے بابا کیا کہا تھا.....؟''

''اتنی جلدی بھول گئے آپ.....!!''

''میری غلطی ہے..... معاف کر دو اور اب جلدی سے بتا دو کہ تم نے کہا تھا.....!!''

''مجھے قصبہ جانا ہے.....!!''

''ہاں..... مجھے یاد ہے.....!!''

''تو پھر..... میں کب تیاری کروں.....؟''

''ابھی تو ناممکن ہے ڈیئر.....!!''

''کیوں.....؟''

''ہمارے باس کچھ عرصے کے لئے ملک سے باہر جا رہے ہیں..... اُن کی واپسی تک میں کمپنی نہیں چھوڑ سکتا..... کیونکہ ان کی غیر موجودگی میں بہت سے معاملات مجھے ہی دیکھنا ہوں گے.....!!''

یہ سن کر سیما کے چہرے پر مردنی سی چھا گئی۔ نادر نے اگر قصبہ نہ جانے کے لئے یہ بہانہ تراشا تھا تو واقعی یہ بہت ہی جان دار اور مضبوط بہانہ تھا.....!!

چند لمحوں کے لئے وہ خاموش ہی رہ گئی۔ پھر بولی:

''صاف مطلب یہ ہے کہ آپ نہیں جائیں گے.....؟''

''تمہارا انداز کچھ اچھا نہیں ہے.....!!''

''آپ کا مطلب تو یہی ہے نا.....!!''

''ہاں..... لیکن میں تو مجبوری بتا رہا ہوں.....!!''

''آپ کو جانا ہی نہیں ہے.....!!''

''دیکھو سیما..... فضول سی بات مت کرو.....!!'' نادر کو غصہ آ گیا: ''شاید تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تم سے بہانہ تراش رہا ہوں..... لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے.....!!''

''ٹھیک ہے..... اگر آپ کچھ نہیں کر سکتے، تو اپنے باس سے میری بات کروا دیں..... میں خود ان کو سمجھا لوں گی.....!!''

''یہ بھی بچوں والی بات ہے..... وہ ورکر کی بیوی سے کیوں بات کریں گے..... وہ تو ہم لوگوں سے ہی بہت کم مخاطب ہوتے ہیں..... بھئی ان کا ایک بھرم ہے، معیار ہے.....!!''

''یعنی میں گھٹیا ہوں..... گری ہوئی حیثیت کی مالک ہوں.....؟'' سیما کا لہجہ تیز تھا۔

نادر نے اسے غور سے دیکھا اور بولا:

''اگر تم قصبہ جانا ہی چاہتی ہو، تو شرفو کے ساتھ چلی جاؤ..... میری طرف سے تمہیں اجازت ہے.....!!''

''ہاں.....!!'' وہ معنی خیز لہجے میں بولی: ''تاکہ آپ.....'' وہ بولتے بولتے رک گئی۔

''کیا..... تم خاموش کیوں ہوگئیں.....!! بولو.....!!''

''کچھ نہیں.....!!''

''کوئی بات ضرور ہے.....!! جسے تم چھپا رہی ہو.....!!''

''جی نہیں.....!!''

''جھوٹ مت بولو..... میں کافی دنوں سے محسوس کررہا ہوں.....!!''

''اچھا..... اگر میں آپ سے ایک بات پوچھوں تو کیا آپ سچ سچ بتائیں گے؟'' بالآخر سیما بول اٹھی۔

''ہاں..... بالکل..... کیا میں نے کبھی تم سے جھوٹ بولا ہے.....؟''

''اچھا..... تو پھر یہ بتادیں کہ اس دن پارک میں آپ کے ساتھ بنچ پر وہ کون عورت تھی جو بیٹھی ہوئی تھی.....؟''

☆.....☆.....☆

وہی دلکش سراپا..... اپنا چہرہ نقاب میں چھپائے ہوئے اس طرح ان کے سامنے کھڑا تھا، جیسے چاند شرما کر بادل اوڑھ لیتا ہے.....

ویرانے میں جیسے بہار سی آگئی تھی، نہ جانے کیوں نواب انور کو اپنے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی محسوس ہونے لگیں:

''تو..... آپ آگئے.....؟'' حسینہ کی آواز ابھری۔

''ہاں.....'' ان کے منہ سے نکلا: ''لیکن..... یہ پرانی بلڈنگ تو بلے کا ڈھیر ہے..... تم کیا واقعی یہاں رہتی ہو.....؟''

وہ زور سے ہنسی اور بولی:

''میں تو آپ کو آزمارہی تھی..... بھلا میں اس سناٹے اور بے آباد علاقے میں کیسے رہ سکتی ہوں.....!!''

''لیکن تم یہاں موجود تو ہو.....!!''

''ہاں..... اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں آپ ہی کے پیچھے چلتی ہوئی یہاں تک آئی ہوں.....!!''

''تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں اس طرف آرہا ہوں.....!!'' نواب انور نے پھر سوال کیا۔

''دیکھیں جناب.....!! وہ سنجیدہ ہوگئی: ''میں اس دنیا میں اکیلی اور بے گھر ہوں..... میرا دن اسی طرح کھلے آسمان کے نیچے گزرتا ہے اور رات کو اپنی ایک بچپن کی دوست کے گھر میں اس وجہ سے سوجاتی ہوں کہ اس کا شوہر رات کی نوکری کرتا ہے..... دن بھر کی آوارہ گردی میں اگر میری نگاہ آپ پر پڑ گئی تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔''

''اوہ.....!!''

''جی ہاں.....!'' اس کا لہجہ مغموم تھا: ''میں آپ کو کھل کر بتانا نہیں چاہ رہی تھی..... میں بار بار آپ کی طرف اسی لئے آرہی ہوں کہ مجھے عزت کی دو روٹی اور سونے کے لئے بستر مل جائے..... میں اب در در کی ٹھوکروں سے تنگ آگئی ہوں.....!!''

نواب انور کو اس پر ترس آنے لگا۔ وہ بولے:

''ٹھیک ہے..... میں تمہارے لئے جلد سے جلد کچھ کرتا ہوں.....!!''

''یہ تو آپ کب سے کہہ رہے ہیں.....!!''

''اچھا..... تو پھر تم کل سے آجاؤ.....!!''

''سچ.....!!'' وہ کھل اٹھی۔

''ہاں.....'' وہ مسکرائے: ''اب تو اپنا چہرہ دکھادو.....!!''

''کل ہی دکھاؤں گی.....!!'' وہ عجیب سے انداز میں بولی: ''مجھے اپنے چہرے کے علاوہ اور بھی کئی باتوں سے پردہ اٹھانا ہے.....!!''

(جاری ہے)

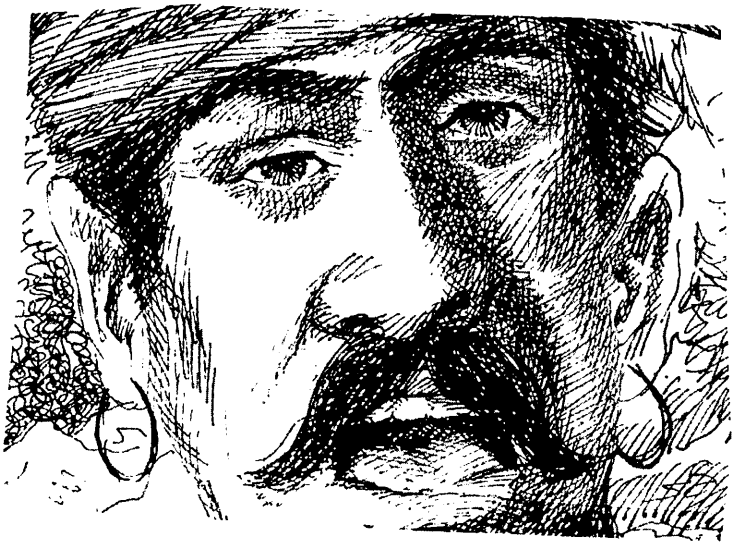

موٹر سائیکل

صائمہ شاہد-ٹوبہ ٹیک سنگھ

اچانک زور کی بجلی چمکی اور ہر طرف روشنی کا جھماکہ ہوا اور پھر ہر سو روشنی چھاگئی لیکن پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک عجیب الخلقت بلا نمودار ہوئی تو دیکھنے والوں کے ہوش اڑگئے پھر.....

جسم وجاں پر.....ہیبت طاری کرتی.....ایک جن کی دل دہلاتی تحیرانگیز.....کہانی

بیساکھ کے دن تھے۔ ہر سو گندم کے پیلے خوشے سونے کی مانند چمک رہے تھے۔ ان سونے جیسے خوشوں سے جانے کتنی امیدیں جڑی تھیں۔ جانے کتنے خواب وابستہ تھے۔ کیسی کیسی خواہشیں تھیں جو ان سے پوری ہونی تھیں۔ کتنوں کی بیٹیاں پیا دیس سدھارنی تھیں۔ جانے کس کس کے کندھوں پر دھرا قرض کا بوجھ اترنا تھا۔ کتنے گھروں میں بستی ماؤں کی آنکھوں میں امید و آس کے بجھتے دیئے پھر سے روشن ہوگئے تھے۔ ان گھروں میں اناج کی خالی کوٹھریاں جو بھرتی تھیں۔

سال بھر کے تھکے ہارے انسانوں میں جیسے بجلی سی بھر گئی تھی۔ ہر کوئی جلد سے جلد فصل کی کٹائی اور فصل کو سمیٹنے کے چکر میں تھا۔ کیونکہ گرمیوں کی ابتدا تھی تو موسم کے تیور کب بگڑ جائیں کوئی بھروسا نہ تھا۔ ہلکی سی چلنے والی ہوا کب آندھی کا روپ دھار لے کوئی اعتبار نہ تھا اکثر دن میں چکراتی پھرتی دو چار بدلیاں رات میں شدید طوفان کی صورت اختیار کرلیتیں اور سال بھر کی محنت اور آسوں، امیدوں پر پانی پھیر کے نو دو گیارہ ہوجاتیں اور اگلے دن چمکتا، سورج پھر سے منتظر ہوتا۔ ہر سال کے تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم بھی جلد سے جلد فصل سمیٹنے کے چکر میں تھے۔

گندم کی کٹائی تو ہو چکی تھی۔ آج کی رات تھریشر لگنی تھی۔ دل سے یہی دعا نکلتی تھی کہ خیریت سے فصل ٹھکانے لگ جائے.....ورنہ خدانخواستہ سال بھر کے قرض کہاں سے چکانے تھے اور اگلی فصل پہ اٹھنے والے

اخراجات کہاں سے ادا کرنے تھے؟ اور سب سے بڑھ کر سال بھر کھانا کہاں سے تھا؟؟؟

ہم کسانوں کا تو سب کچھ ہی ہمارے کھیت اور فصلیں ہوتی ہیں ہمیں اپنے کھیتوں سے اپنی اولاد کی طرح پیار ہوتا ہے۔

جب تک فصل نہ ٹھکانے لگ جاتی ہم یعنی میں اور میرا ساجھی باری باری کٹی ہوئی فصل کا پہرہ دیتے۔ آج رات چونکہ تھریشر لگنی تھی تو ہم دونوں ہی کھیتوں میں موجود تھے۔ بہت سارے مزدور مل کر کام کر رہے تھے۔ ہم خوفزدہ بھی تھے کہ کہیں آندھی نہ آجائے۔ مغرب کا وقت گزر چکا تھا۔ شام رات میں ڈھل گئی تھی۔ اب قدرے اطمینان تھا۔ میرا ساجھی اپنے گھر سے سارے مزدوروں کا کھانا لینے چلا گیا۔ میں کھیتوں میں مزدوروں کی نگرانی کر رہا تھا۔

اچانک سے ہوا کا زور کا جھونکا آیا۔ جو زور دار آندھی کا پیش خیمہ تھا۔ تیز ہوائیں ہمیں حواس باختہ کر گئیں۔ ہوا کے جھونکے کے ساتھ ہی آندھی کی گرد و غبار آسمان پر چھا گئی۔ سنسناتی ہوائیں گندم کے تنکوں کو خوشوں سمیت بکھرانے لگیں۔ یہ سب اس قدر اچانک ہوا کہ ہمیں سنبھلنے کا موقع ہی نہ ملا۔

سنبھل جاتے تو بھی کیا کر لیتے؟ فصل کے ڈھیروں کو کہاں چھپاتے؟ یا ہواؤں کے آگے بند کیسے باندھتے؟

ہوائیں اپنے ساتھ ریتلی مٹی کا طوفان بھی لائی تھیں۔ جن سے ہمارے منہ سر گرد آلود ہو چکے تھے۔ کرکراتی مٹی آنکھوں میں چبھنے لگی تھی۔ جن سے میری آنکھوں میں تو آنسو ہی آ گئے۔ کچھ تو یہ چبھن تھی لیکن زیادہ بے بسی تھی جو آنسو لانے کا باعث تھی۔ مزدوروں کے چہرے بھی ہراساں دکھائی دینے لگے۔ ظاہر سی بات تھی فصل کی بربادی کا مطلب تھا ان کی مزدوری کی بربادی.....

ہم بے بس سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

کھیتوں میں بنا کچا مکان ہم نے جائے پناہ بنایا اور آندھی رکنے کا انتظار کرنے لگے اور دل ہی دل میں بارش نہ ہونے کی دعائیں کرنے لگے۔

فصل کے تنکے ہوا میں بکھرتے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ ہماری امیدیں، آرزوئیں، اور خواب بھی بکھرتے جا رہے تھے۔ کہ اچانک زور کی بجلی چمکی اور ہر طرف روشنیوں کا جھماکہ ہوا، ہر سو روشنی چھا گئی اور پھر روشنی غائب۔

خدا خدا کر کے آندھی کا زور ٹوٹا۔

اتنے میں میرا ساجھی آندھی طوفان کی مانند موٹر سائیکل بھگاتا ہوا نظر آیا۔ وہ ہمارے قریب آتے ہی بائیک سمیت زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ ہمیں کچھ سمجھ نہ آیا۔ اس کے قریب جا کے دیکھا تو وہ بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے بال پراگندہ تھے۔ ہونٹ پپڑی زدہ..... سر سے لے کر پیروں تک گرد آلود تھا۔ ہم مل کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے اپنے ساتھ بیتی ہمیں سنائی تو ہم حیرت سے دنگ رہ گئے اس بات کو اس کا وہم بھی نہ کہہ سکے کیونکہ اس کی حالت اس کی سچائی کی گواہی دے رہی تھی۔

دراصل ہوا یہ کہ..... ساجھی ابھی گھر پہنچا ہی تھا کہ تیز ہوا کے جھونکے نے اسے بھی ہماری طرح حواس باختہ کر دیا۔ وہ کھانے کو بھول کر انہی قدموں موٹر سائیکل پہ سوار ہو کے کھیتوں کی جانب دوڑا۔ جس راستے سے اس نے گزر کے آنا تھا اس راستے میں ایک ویران کھنڈر نما مکان تھا۔ جس کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ وہ آسیب زدہ ہے۔ اس کھنڈر تک پہنچتے پہنچتے آندھی زوروں پر آ چکی تھی۔ اس نے سڑک کنارے ایک بوڑھے اور بڑھیا کو دیکھا جو ہاتھ کے اشارے سے اسے روک رہے تھے۔ ساجھی کو ان پر ترس آ گیا کہ اس طوفان میں یہ بوڑھے لوگ جانے کہاں جانا چاہ رہے ہیں۔

یہاں یہ میں بتاتا چلوں کہ میرے ساتھی کا نام دلاور ہے.....

تو دلاور نے ان کے قریب لے جا کر موٹر سائیکل روک دی۔ ''کہاں جانا ہے بزرگو.....؟'' دلاور نے ان سے پوچھا تو انہوں نے ہاتھ سے اسی جانب اشارہ کر دیا۔ جس جانب دلاور جا رہا تھا۔ ان کی اسرار بھری خاموشی دلاور

کو کھٹکی لیکن اس نے اس خاموشی کو ویرانے اور آندھی کا خوف جانا۔

بہر حال دلاور نے ان دونوں بزرگوں کو اپنے موٹر سائیکل پر بٹھالیا۔ انہیں بٹھانے کے بعد ابھی وہ چلا ہی تھا کہ اسے اپنی موٹر سائیکل وزنی ہوتی محسوس ہوئی۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتا گیا توں توں وزن بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ موٹر سائیکل کا چلنا دشوار ہوگیا اس نے حیرت سے پلٹ کر دیکھا کہ سوکھے سڑے نظر آنے والے بوڑھے اور بڑھیا کا وزن اس قدر زیادہ کیسے ہوگیا کہ موٹر سائیکل کا چلنا مشکل ہوگیا ہے۔ لیکن پلٹ کر دیکھنے پر وہ حیرت سے دنگ رہ گیا۔ کیونکہ ان دونوں کی ٹانگیں اس قدر لمبی ہوچکی تھیں کہ موٹر سائیکل کے ساتھ ساتھ زمین پر گھسٹتی ہوئی آرہی تھیں۔ ان کے پاؤں وہیں کے وہیں تھے جہاں سے دلاور نے انہیں موٹر سائیکل پر بیٹھایا تھا لیکن موٹر سائیکل کے آگے بڑھنے کے ساتھ ان کی ٹانگیں لمبی ہوتی جارہی تھیں اور وزن بھی بڑھتا جارہا تھا۔

خوف دلاور کی رگوں میں سرایت کرگیا۔ اس کے دماغ نے فوراً اس کا ساتھ دیا۔ اس نے موٹر سائیکل کو بریک لگا کر دونوں کو اترنے کا کہا مگر ان کی طرف اسرار بھری خاموشی تھی۔ ان کی آنکھیں بالکل سفید تھیں اور چہرے تاثرات سے عاری..... وجود برف کی مانند ٹھنڈے یخ تھے۔

جب ان کی طرف سے کوئی ردعمل نہیں آیا تو دلاور نے دونوں کو دھکا دے کر گرادیا اور جلدی سے موٹر سائیکل کھیتوں کی طرف بھگادی۔ مگر اگلے ہی پل اسے بریک لگانے پڑے۔ کیونکہ وہ دونوں سامنے موجود تھے۔ اب تو دلاور کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہوگئے اس نے جلدی سے موٹر سائیکل پیچھے موڑ دی اور اپنے گھر کی طرف بڑھنے گا لیکن وہ دونوں پھر سے سامنے موجود تھے۔ اس نے موٹر سائیکل کھیتوں کی جانب موڑ دی۔ وہ پھر سامنے موجود.....

دلاور سمجھنے سے قاصر تھا کہ آخر یہ چکر کیا ہے؟ اپنے آپ کو سنبھالا خوف کو دل سے نکال کر سوچا کہ شاید یہ دونوں جنات کی قوم سے ہوں اور کہیں جانا چاہ رہے ہوں تو کیوں نہ ہمت کرکے انہیں ان کی منزل تک پہنچادیا جائے ورنہ تو یہ پیچھا چھوڑتے نظر نہیں آرہے اور نہ ہی دور دور تک کسی انسان کا نشان تھا جو اس کی مدد کرتا۔

اس نے موٹر سائیکل ان کے قریب روک کے پوچھا کہ آخر وہ کہاں جانا چاہتے ہیں.....؟

مگر جواب ندارد۔ وہ دونوں خاموشی سے پھر موٹر سائیکل پر سوار ہوگئے۔ دلاور نے موٹر سائیکل چلادی۔ لیکن پھر سے وہی عجیب حرکتیں شروع ہوگئیں۔ اب کے تو ٹانگوں کے ساتھ ان کے ہاتھ اور بازو بھی لمبے ہونے شروع ہوگئے۔

وزن بڑھنے سے موٹر سائیکل چلانا دشوار ہوگیا۔

غرض جب تک آندھی کا زور نہیں ٹوٹا "دلاور" کے ساتھ یہی تماشا ہوتا رہا، کبھی وہ دونوں سامنے موجود ہوتے تو کبھی اس کی موٹر سائیکل پر سوار ہوجاتے۔ آندھی تھمی تو وہ دونوں غائب ہوگئے۔

اور دلاور نے بڑے حوصلے سے موٹر سائیکل چلائی اور کھیتوں تک پہنچا مگر یہاں آتے ہی حوصلہ ہار دیا اور خوف کے غلبے نے اسے بے ہوش کردیا۔ بعد میں کئی دنوں تک وہ تیز بخار میں جھلستا رہا۔

وقت کے ساتھ ساتھ وہ نارمل ہوگیا مگر آج بھی وہ اس آسیب زدہ راستے سے رات کے وقت گزرتے ہوئے گھبراتا ہے۔

لیکن ایک بات کی سمجھ نہیں آسکی کہ آخر وہ دونوں چاہتے کیا تھے؟ انہوں نے دلاور کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا بس خاموشی سے موٹر سائیکل پر سوار ہوجاتے..... شاید اپنے من پسند موسم میں وہ موٹر سائیکل کی سواری کا مزہ لینا چاہتے ہوں.....؟

اور پھر وہ دونوں موٹر سائیکل سے اتر گئے، دلاور انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا کہ اتنے میں بوڑھے کی آواز سنائی دی۔

"جا چلا جا، بھلے کا بھلا ہوتا ہے، خوشی خوشی چلا جا..... ہمدردی اور دعائیں کام آگئیں۔"

لالچی انسان

عجب گل اداسی-ٹنڈوالہ یار

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا، اس کے ساتھ ایک عجیب و غریب کتا تھا، اس کتے کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے ان میں دو لال رنگ کی بتیاں لگاگئی ہوں۔

ایک مطلب پرست.....اور خودغرض شخص کی داستان حیرت..... پڑھ کر.....دیکھیں

کالج کا بریک ٹائم تھا اور وہ دونوں دوست ہمیشہ کی طرح اپنی فیورٹ جگہ یعنی کالج کے گراؤنڈ میں رکھی بنچ پر بیٹھے تھے۔

یار دیکھنا ایک دن میں بھی ڈاکٹر وقار صدیقی جیسا بنوں گا اس کے جیسے ہی بلکہ ان سے بھی بہترین شہد بناؤں گا اور پوری دنیا میں مشہور ہوجاؤں گا۔'' فراز نے سامنے والی دیوار پر لگے ڈاکٹر وقار صدیقی کے (Honey Product) والے اشتہار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

بس بس بیٹا! تم نے پڑھائی کے میدان میں جو تیر مارے ہیں نا وہی کافی ہیں، تمہیں مشہور ہونے کے لئے تمہیں مزید تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' فراز کا مذاق اڑاتے ہوئے اصغر بولا۔

یار پڑھائی اپنے بس کی بات نہیں ہے۔ ایک ہی کلاس میں 3 بار فیل ہوکر میں نے جو ورلڈ ریکارڈ قائم کیا ہے وہ تیرے جیسوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ دیکھ میری پڑھائی کی بدولت میرے والد کی طرف سے مجھے نشان حیدر کی طرح ''نشان قلم'' ملا ہے۔'' فراز اپنی آنکھ کے اوپر بنے قلم نما نشان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فخر سے بولا۔

فراز پڑھائی میں بہت ہی زیادہ کمزور تھا۔ ایک ہی کلاس میں لگاتار 3 بار فیل ہو چکا تھا۔ تیسری بار جب اس نے اپنے والد یوسف احمد کو اپنے فیل ہونے کی خبر سنائی تو اس کے والد نے غصے میں آکر اپنے ہاتھ میں پکڑی کار کی چابی پھینک کر فراز کو دے ماری۔ جس کی وجہ سے اس کی آنکھ کے اوپر ایک قلم نما نشان بن گیا۔ اس کی وجہ سے سب دوست اسے ''نشان قلم'' کے نام سے جلا کر چڑاتے تھے۔

دیکھ تو میرا بھائیوں جیسا دوست ہے۔ تجھے صحیح مشورہ یہی دوں گا کہ باقی چیزوں میں کچھ نہیں رکھا۔ خوش نصیب ہو کہ گھر والے تم کو پڑھا رہے ہیں ورنہ کچھ لوگ.....

''لیکچرار صاحب اگر آپ کے لیکچر ختم ہوں تو میں کچھ بولوں۔'' فراز نے اصغر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اچھا بولو'' اصغر نے کہا۔

''دیکھ یار ایسا نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے کوشش نہیں کرتا۔ میں لاکھ کوشش کے باوجود میں کامیاب نہیں ہو پاتا تو اب میں کیا کروں۔ اور میری قسمت تو دیکھ جو سوال میں یاد کرتا ہوں وہ تو پیپرز میں

آنے کا نام ہی نہیں لیتے۔'' فراز نے معصومانہ انداز میں اپنی آپ بیتی سنائی۔

لیکن یہ ڈاکٹر وقار صدیقی صاحب کو تو دیکھ۔ ان کا تیار کردہ شہد روزانہ لاکھوں کروڑوں میں فروخت ہوتا ہے۔ بیرون ممالک نے بھی ان سے اس خاص شہد کی ڈیمانڈ کی ہے۔ ہر کمپنی نے سر توڑ کوشش کی لیکن ڈاکٹر وقار والا (Honey Productu) بنانا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ سب چھوڑ۔ لیکن ڈاکٹر وقار کی سخاوت کے قصے مشہور ہیں۔ تمہیں پتا ہے انہوں نے نوجوان نسل کو اپنے جیسا شہد بنا کر سکھانے کے لئے اپنے بنگلے میں باقاعدہ ایک کلاس بنایا ہوا ہے۔ جہاں پر وہ بے روزگار نوجوانوں کو شہد تیار کرنے کی تربیت دیتے ہیں اور وہ بھی بالکل مفت۔

واہ جی! کیا بات ہے۔ پہلے تو میرے خیال میں شہد بنانے کا کام شہد کی مکھیاں کیا کرتی تھیں۔ اب یہ ڈیوٹی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دی ہے کیا؟ اصغر نے فراز کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

ابے تیرے جیسوں کا کیا پتا۔ شہد بنانے کا کام تو آج بھی شہد کی مکھیاں ہی کرتی ہیں۔ خدا جانے ڈاکٹر وقار اس میں کون سا جادو کرتے ہیں کہ اس میں بے حد انوکھا ذائقہ آجاتا ہے۔ بس اب میں نے فیصلہ کرلیا ہے میں بھی ان سے وہی شہد بنانے کا فارمولا سیکھ کر لاکھوں روپے کماؤں گا۔'' فراز پرجوش انداز میں بولا۔

''دیکھ یار ایک بار پھر سوچ لے۔'' اصغر نے اسے سمجھایا۔

''بس اب میں کسی کی نہیں سنوں گا۔'' فراز اپنا آخری فیصلہ سناتے ہوئے چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

رات کے 12 بج رہے تھے۔ فراز ابھی تک جاگ رہا تھا۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس نے ایک بات ذہن نشین کر رکھی تھی۔ پڑھائی میرے بس کی بات نہیں ہے۔ اگر میں اپنے والدین کو خوش رکھنے کی خاطر زبردستی کالج جاتا رہا تو بھی اس سے

کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ بس اب میں وہ کروں گا جو میرا دل چاہتا ہے۔ صبح سب کے اٹھنے سے پہلے یہاں سے نکل جاؤں گا اور صبح 6 بجے کراچی جانے والی ٹرین میں چڑھ جاؤں گا۔

☆.....☆.....☆

صبح کے ساڑھے آٹھ بج چکے تھے لیکن فراز ابھی تک نہیں اُٹھا تھا۔

اس نالائق کو کیا ہوا ہے جو ابھی تک سو رہا ہے؟ کالج نہیں جانا ہے کیا اس کو؟'' یوسف احمد نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''پتا نہیں شاید بیچارے کی طبیعت خراب ہوگی۔ ویسے تو جلدی اُٹھ جاتا ہے۔'' ان کی اہلیہ نے ڈرتے ہوئے جواب دیا۔

''بس بس تم تو اپنے سپوت کی طرف داری کے موقع کی تلاش میں رہتی ہو۔'' یوسف احمد نے غصے سے کہا اور فراز کے کمرے کی جانب جانے لگے۔ زینب بھی خوف زدہ ہو کر ان کے پیچھے چل دیں۔

جیسے ہی یوسف احمد کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تو ان کے قدموں تلے سے زمین کھسک گئی۔ فراز غائب تھا اور اس کے بیڈ پر ایک کاغذ پڑا تھا۔ یوسف احمد نے جلدی سے وہ اٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا۔

پیارے ابا جان! جب تک آپ کو یہ خط ملے تب تک میں بہت دور نکل چکا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے ایک کامیاب انسان بنانا چاہتے ہیں لیکن آپ چاہے مجھے نالائق کہیں، بدکردار کہیں یا کچھ اور لیکن مجھے معاف کر دینا۔ میں آپ کے خوابوں کی تعبیر دینے کے قابل نہیں ہوں۔

لیکن میں آپ سے ایک وعدہ ضرور کر سکتا ہوں۔ وہ یہ کہ میں ایک دن کامیاب ہو کر واپس آؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میری منزل کہاں ہے۔ اب میں واپس تب ہی آؤں گا جب کامیابی میرے قدم چومے گی۔ دعاؤں میں یاد رکھنا اور امی کو میرا پیار دینا۔

آپ کا پیارا بیٹا!

فراز یوسف

یہ سب پڑھ کر یوسف احمد کی آنکھوں میں غصے سے خون اتر آیا اور وہ غصے سے دھاڑے۔ ''فراز.....''

☆.....☆.....☆

پلیٹ فارم پر ٹرین دھیمی رفتار سے آ کر رکی۔ مسافر آہستہ آہستہ اترنے لگے۔ ان میں فراز بھی اپنا بھاری بیگ کندھے سے لٹکائے نیچے اترا۔ اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اسے بہت سے رکشہ نظر آئے۔ وہ ایک رکشہ والے کے پاس گیا اور اسے ایک ایڈریس بتایا۔

''بیٹھ جاؤ بھائی سو روپے ہونگے۔'' رکشہ والے نے اشارہ کرتے ہوئے کہا تو فراز بیٹھ گیا۔ وہ تقریباً آدھا گھنٹہ رکشہ کو عجیب و غریب گلیوں میں دوڑاتا رہا۔ آخر کار اس نے ایک بہت ہی خوبصورت عمارت کے سامنے بریک لگائی۔

''کیا یہ ڈاکٹر وقار صدیقی کا گھر ہے۔'' فراز نے رکشہ سے اترتے ہوئے ڈرائیور سے سوال کیا۔

''اور نہیں تو کیا ایسے بنگلے مجھ جیسے غریب کے ہوں گے۔'' ڈرائیور نے کالے دانتوں کا اشتہار دکھاتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' یہ بول کر فراز نے اسے سو کا نوٹ پکڑایا تو وہ رکشہ سے دھوئیں نکالتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ فراز عمارت کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ عمارت بہت ہی خوبصورت دکھ رہی تھی۔ لیکن عجیب بات تھی کہ گیٹ پر گارڈز وغیرہ نہیں تھے۔

فراز نے سائیڈ میں لگے ڈور بیل کا بٹن دبایا۔ تھوڑی دیر بعد کسی نے آہستہ سے گیٹ کھولا۔ سامنے ایک ادھیڑ عمر شخص کھڑا تھا۔ اس نے تھری پیس سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ اس کے سر پر پہنا ہوا بلیک ہیٹ اس کی شخصیت میں چار چاند لگا رہا تھا۔

''آؤ بیٹا باہر کیوں کھڑے ہو۔'' اس شخص نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''جی میں فراز ہوں اور

میں.....''

''شہد بنانے کا فارمولا سیکھنے آئے ہو نا؟'' ادھیڑ عمر شخص نے فراز کی بات کاٹ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''جی لیکن آپ کو کیسے معلوم؟'' فراز نے حیرت سے پوچھا۔

''بیٹا تمہاری طرح ہزاروں لوگوں نے مجھ سے یہ کام سیکھا ہے۔ یہاں جو بھی آتا ہے میں سمجھ جاتا ہوں۔'' وہ ادھیڑ عمر شخص جو کہ ڈاکٹر وقار تھا نے مسکرا کر بولا۔

تو اس کا مطلب.....

''میں ہی ڈاکٹر وقار صدیقی ہوں۔'' اس بار بھی ڈاکٹر وقار نے فراز کی بات کاٹ کر کہا۔

''اوہ! Sorry سر میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا۔'' فراز نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔

''سر نہیں انکل بولو۔'' ڈاکٹر وقار نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''ویسے سر اگر آپ ناراض نا ہوں تو ایک بات کہوں۔'' فراز نے کہا۔

''ہاں بیٹا کیوں نہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''انکل آپ کے پاس اتنا بہترین فارمولا ہے۔ شہد بنانے کا۔ آپ چاہیں تو صرف خود آپ اکیلے ایسا شہد بنا کر کروڑوں روپے کما سکتے ہیں۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ دوسروں کو یہ کام کیوں سکھا رہے ہیں۔''

''بہت ہی عمدہ سوال۔'' ڈاکٹر نے فراز کی پیٹھ تھپ تھپا کر کہا۔

دیکھو بیٹا! یہ دنیاوی رنگینیاں صرف انسان کی آنکھوں کا دھوکہ ہیں۔ انسان کی حقیقی زندگی یہ نہیں بلکہ آخرت والی زندگی ہے۔ اس دنیا میں 80 فیصد ایسے لالچی انسان بستے ہیں۔ جو صرف اپنے فائدے کے لئے جیتے ہیں۔ میری نظر میں بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کے لئے جیتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے اس ہنر سے نوازا ہے تو اب اگر میں اس ہنر کو آگے نہ بڑھاؤں تو یہ بے ایمانی ہوگی اور ویسے بھی علم دینے کی چیز ہے چھپا کر رکھنے کی نہیں۔

واہ انکل! میں آپ کا فین تو تھا ہی لیکن اب آپ کی شخصیت کا قائل ہو چکا ہوں۔ سچ کہوں تو میں بھی ادھر لالچ کے شکنجے میں گرفتار ہو کر آپ کے پاس آیا تھا۔ لیکن اب میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں۔ آج کے بعد میرا ہر کام انسان کی فلاح و بہبود کے لئے ہوگا۔'' فراز نے پرجوش انداز میں کہا۔

''ہاں! یہ ہوئی نا مردوں والی بات۔'' ڈاکٹر وقار نے فراز کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

چلو سب سے پہلے میں تمہیں اپنا باغیچہ دکھاتا ہوں۔'' یہ بول کر ڈاکٹر وقار فراز کو گھر کی راہداری سے لیتا ہوا ایک جانب لے گئے۔

فراز نے دیکھا کہ گھر تو بہت ہی خوبصورت انداز میں ڈیزائن کیا گیا ہے۔ رنگ برنگے پھول، کئی قسموں کے پودے، سوئمنگ پول اور ان میں پرتی ہوئی بطخیں خوبصورت ماحول کی نشاندہی تھے۔ یہ ہے میری زندگی بھر کی محنت باغیچہ میں پہنچنے پر ڈاکٹر وقار نے وہاں موجود لال رنگ کے پھولوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ فراز نے اپنی زندگی میں اس قسم کے پھول کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ حیرت سے دیکھ رہا تھا ان میں قسمیں تو کئی تھیں لیکن رنگ تمام پھولوں کا لال ہی تھا۔ ان پھولوں کا وجود ہی کچھ علیحدہ قسم کا تھا۔ دن رات کی کڑی محنت کے بعد کہیں جا کر میں ان پھولوں کو اگانے میں کامیاب ہوا۔ اندر چل کر اچھی لیبارٹری میں، میں تمہیں دکھاؤں گا میری 20 سال کی ریسرچ سے تیار کردہ کیمیکل سے بنائی جانے والی ''اینٹی بائیوٹک'' وہ اینٹی بائیوٹک میں ان پھلوں کو دیئے جانے والے پانی میں چند قطرے شامل کرتا ہوں۔ جس سے پھولوں کے (Structre) میں تو تبدیلی آتی ہی ہے۔ ساتھ میں پھولوں کی خوشبو اور مٹھاس میں 75 فیصد اضافہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر وقار نے وضاحت سے بات سنائی۔

کیا تم میرے جانباز سپاہیوں سے ملنا پسند کرو گے؟

''جی..... ہاں کیوں نہیں۔'' فراز نے نا سمجھتے ہوئے کہا۔

آجاؤ میرے جانباز سپاہیو! ڈاکٹر وقار نے تالی بجا کر بلند آواز میں کہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اچانک کہیں سے ہزاروں کی تعداد میں شہد کی مکھیاں اُڑ کر آنے لگیں۔ اور وہ آکر ڈاکٹر وقار کے پیچھے دائرے کی شکل میں کھڑی ہوگئیں جیسے وہ ڈاکٹر وقار کے 2 پنکھ ہوں۔

''یہ کس طرح کی مکھیاں ہیں۔'' فراز نے حیرت سے پوچھا۔

''گھبراؤ نہیں۔ یہ میری وفادار شہد کی مکھیاں ہیں۔ یہ تمہیں کچھ نہیں کریں گی۔'' ڈاکٹر وقار نے مسکرا کر کہا۔

یہ عام شہد کی مکھیوں سے بالکل ہی مختلف ہیں۔ ان کو میں نے ایک ایک کر کے پکڑا ہے۔ اپنی ذاتی ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہوئے میں نے ان کے اعصابی نظام کو اپنے کنٹرول میں کرلیا ہے۔ اب یہ ویسا ہی کرتی ہیں جو بھی حکم میں ان کو دیتا ہوں۔

''تو کیا یہی مکھیاں آپ کو ان پھولوں سے شہد نکال کر دیتی ہیں؟'' فراز جو کہ ابھی تک حیرت کے سمندر میں ڈوبا ڈاکٹر وقار کی حیرت سے بھرپور باتیں سن رہا تھا اس نے پوچھا۔ فراز ایک بات تو جان چکا تھا کہ ڈاکٹر وقار نہ صرف ڈاکٹر بلکہ ایک بہترین سائنٹسٹ بھی ہے۔

''درست فرمایا آپ نے۔'' ڈاکٹر وقار نے لمبا سانس لے کر کہا۔

کیوں کہ ان پھولوں کی مٹھاس عام شہد کی مکھیوں کی برداشت سے باہر ہے۔ کیوں کہ عام مکھی 53 فیصد مٹھاس کو آسانی سے (Exept) کرلیتی ہے۔ لیکن یہ 75 فیصد مٹھاس صرف میرے جانباز سپاہی کے اختیار میں ہے۔ میں نے ان کے منہ میں کچھ ایسے گلینڈز فٹ کیے ہیں جن سے یہ اپنا کام با آسانی کرلیتی ہیں۔ خیر باتوں ہی باتوں میں تم سے چائے پانی کا چوچھنا بھی بھول گیا۔ ''یہ بول کر ڈاکٹر وقار فراز کو کوریڈور سے لیتا ہوا اندر داخل ہوئے۔

اندر سامنے دو کمرے تھے اور سائیڈ میں ایک بڑے دروازے والا کمرہ تھا۔

انکل یہ بڑا کمرا آپ کا ہے۔'' فراز نے پوچھا۔

ارے نہیں بیٹا یہ کمرا تم جیسے خاص مہمانوں کے لئے ہے۔ جہاں پر تمہارے جیسے ہزاروں نوجوان تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ آج تو تم سامنے والے کمرے میں سوؤ گے لیکن کل سے تمہاری کلاس شروع ہوگی تو تم بھی ان کے ساتھ بڑے کمرے میں سوؤ گے۔'' ڈاکٹر وقار نے فراز کو تفصیل سے سمجھایا۔

اس کے بعد دونوں نے کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد ڈاکٹر نے فراز کو سامنے والے کمرے میں جانے کا اشارہ کرتے ہوئے (Good Night) کہا۔ فراز بھی (Good Night) بول کر چلا گیا۔

کمرے میں زیرو والٹ کے بلب کی دھیمی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ سادہ فرنیچر اور کچھ ضرورت کی اشیاء کمرے میں موجود تھیں۔ فراز سفر کا تھکا ہوا تھا۔ دھڑام سے بیڈ پر گرا اور نیند کی وادیوں میں کھوتا چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

اس کی آنکھ صبح جلدی کھل گئی۔ جیسے ہی اس کی آنکھ کھلی تو اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ اور پاؤں رسیوں کی مدد سے بیڈ کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ اس نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر وقار اندر داخل ہوئے ان کے ساتھ ایک عجیب وغریب کتا ساتھ تھا۔ اس کتے کی آنکھیں ایسی تھیں جیسے ان میں دو لال رنگ کی بتیاں لگائی گئی ہوں۔ اور اس کی دُم میں انٹینا جیسا کوئی پرزہ لگا ہوا تھا۔

''آخر کار موت تم کو میرے پاس کھینچ ہی لائی۔'' ڈاکٹر وقار نے شیطانی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''چلو میں تم کو میری اور میرے ایک دوست کی چھوٹی سی کہانی سناتا ہوں۔'' وقار نے سامنے رکھی کرسی

پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں اور میرا دوست راشد اسکول میں پڑھتے تھے۔ میں راشد کو اپنا سب سے بہترین دوست مانتا تھا۔ میں اس کا ہر طرح سے خیال رکھتا تھا۔ لیکن اس کی نظر ہمیشہ ہی سے میری دولت پر تھی۔ مجھے یہ لا کر دو، وہ لا کر دو، کل میرے لئے اپنے گھر سے فلاں چیز بنوا کر لانا۔ اس کی اتنی فرمائشیں میں پوری کرتا تھا اور اس سے خوش تھا۔

ایک دن اس نے مجھ سے کہا۔ یار وقار! میرے ابا کی طبیعت بہت ہی خراب ہے۔ ڈاکٹر نے ان کے آپریشن کے لئے 30 ہزار مانگے ہیں۔ اب میں کیا کروں؟ میں نے اسے تسلی دی اور اگلے دن اپنے والد کی تجوری سے 30 ہزار چوری کر کے جا کر اسے دیئے۔ پیسے چوری ہونے پر میرے والد نے پولیس کو بلایا۔ پولیس نے مجھ سے پوچھ گچھ کی۔ میں بچہ تھا ڈر کے مارے سب سچ بتا دیا۔

پولیس نے راشد کے گھر پر چھاپہ مارا۔ وہاں سے پتا چلا کہ راشد کا باپ بچپن ہی میں چل بسا تھا اور اس نے مجھ سے لئے 30 ہزار روپے کا جوا کھیلا تھا۔ پولیس نے اسے اریسٹ کر لیا اور میرے والد نے اس دن مجھے اتنی دھلائی کی آج بھی یاد کر کے میری روح کانپ جاتی ہے۔

اس دن میں نے اپنا ایک مقصد بنایا۔ ''لالچی انسانوں کا دنیا سے خاتمہ'' میں پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بنا۔ یہاں آ کر میں نے یہ الگ سے جگہ بنوائی۔ یہاں پر تمہارے جیسے لالچی انسانوں کا خاتمہ کر کے مجھے دلی سکون ملتا ہے۔

''یہ کتا دیکھ رہے ہو؟'' ڈاکٹر وقار نے کتے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اور جیب سے ایک چھوٹا سا ریموٹ نکالا۔

اس کتے کو بھی میں نے اپنے تجربات کی بنا پر تیار کیا ہے۔ اس ریموٹ کا بٹن دباتے ہی یہ کتا تم کو چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔ اس کے بعد تمہارے برابر میں رکھی سائیڈ ٹیبل پر موجود آپریشن کے سامان سے میں تمہارے اندرونی اعضاء نکال کر بیرون ممالک میں فروخت کروں گا۔

فراز اپنے آنے والے وقت کی باتیں سن کر پسینہ سے شرابور ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر وقار نے اپنی خونی بات آگے بڑھائی۔

اعضاء نکالنے کے بعد میں تمہارے خون کی ایک ایک بوند جسم سے نچوڑ کر نکالوں گا اور باہر میرے اگائے گئے پھولوں میں ڈالوں گا۔ وہ پھول پانی نہیں بلکہ لالچی انسانوں کا خون بڑے شوق سے پیتے ہیں۔

میرا شہد بنانے کا تجربہ یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ جب پھول خون چوس لیتے ہیں۔ تب میری فرمانبردار شہد کی مکھیاں میرے اشارے ملنے پر ان سے رس چوس کر شہد بناتی ہیں۔ اسی شہد کو میں لاکھوں کروڑوں میں فروخت کرتا ہوں۔

''واہ انکل واہ!'' فراز نے زبردستی مسکرا کر کہا۔

ایک طرف تو آپ لالچی انسانوں کو ختم کر کے بڑی نیکی کا کام کر رہے ہیں اور دوسری طرف خود لالچ میں آ کر پیسہ کما رہے۔ لعنت ہے تم جیسی سوچ والے پر۔

چڑیا گھر

ایک آدمی اپنے ایک درجن بچوں کے ہمراہ چڑیا گھر گیا۔ وہاں جا کر نگران سے کہا۔ ''ہمیں زیبرا دیکھنا ہے۔''

نگران بولا۔ ''کیا یہ سب بچے آپ کے ہیں؟''

جواب ملا۔ ''جی ہاں۔''

نگران بولا۔ پھر آپ یہاں رکیے میں زیبرے کو یہاں بلاتا ہوں تا کہ آپ کو دیکھ لے۔''

(محمد اسحاق انجم۔ کنگن پور)

بے غیرت! ڈاکٹر وقار نے غصے میں چیخ کر کہا اور دوڑ کر ایک زوردار چانٹا فراز کے منہ پر رسید کیا۔ جس سے فراز کے نچلے ہونٹ سے خون بہہ نکلا۔

''کوئی میرے سامنے بدتمیزی سے بات کرے یہ مجھے پسند نہیں۔'' ڈاکٹر وقار نے زہر اگلتی نظروں سے کہا اور کتے کو اپنے ساتھ لے کر باہر چلا گیا۔ جاتے ہوئے بول گیا۔ 5 منٹ اور جی لو۔

فراز کے دونوں پیر بیڈ کے آخری سروں سے اور ہاتھ دونوں اوپر والے کونوں سے علیحدہ بندھے ہوئے تھے۔ فراز نے سوچا اب میری زندگی کے صرف 5 منٹ باقی ہیں۔ مرنا تو ویسے ہے۔ اگر میں ان 5 منٹ میں خود کو رسیوں سے چھڑا لوں تو شاید بچ سکتا ہوں۔

یہ سوچ کر وہ ایک ہاتھ کو زور زور سے کھینچنے لگا۔ اس نے سوچا ہاتھ چلا جائے کوئی فکر نہیں جان تو بچ جائے گی۔ بہت زور سے کھینچنے کی وجہ سے اس کا ہاتھ زخمی ہو چکا تھا۔

آخر کار بہت سی جدوجہد کے بعد اس کی محنت رنگ لائی۔ رسی ٹوٹ گئی اور اس کا ایک ہاتھ آزاد ہو گیا۔ فراز نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر موجود آپریشن کے سامان میں موجود چھری پر پڑی۔ اس نے جلدی سے وہ اٹھائی اور اپنے ہاتھ پاؤں آزاد کیے۔ اس کے بعد اس نے کچھ سوچا اور چھری لے کر کمرے کے دروازے کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر وقار اپنے کتے کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا۔ بیڈ پر فراز کو نا دیکھ کر اس کے قدموں تلے زمین خشک ہو گئی۔ اچانک اسے اپنی پیٹھ میں کچھ چبھتا ہوا محسوس ہوا۔

وہ فراز تھا جس نے چھری کے کئی وار ڈاکٹر وقار کی پیٹھ پر کر کے اسے زخمی کر دیا تھا۔ ڈاکٹر وقار اپنے قدموں پر کھڑا نہیں ہو پا رہا تھا۔ اتنے میں فراز نے اسے لات مار کر بیڈ پر گرایا اور جلدی سے اسے رسیوں سے باندھ دیا۔

''اسے کہتے ہیں دوسروں کے لئے کھودے گئے کھڈے میں خود گرنا۔'' فراز نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اب انکل آپ کا نام ہمیشہ کے لئے ختم اب یہ شہد کا کاروبار میں سنبھال لوں گا۔ آپ کوئی فکر کریں۔ آپ جا کر جنت میں آرام کرنا۔'' فراز کی باتیں ڈاکٹر وقار آنکھیں پھاڑ کر سن رہا تھا۔ فراز نے کر ڈاکٹر وقار کی جیب سے ریموٹ نکالا۔

''دیکھو تم بہت بڑی غلطی کر رہے ہو۔'' ڈا وقار نے چیخ کر کہا۔

''مجھے اپنی غلطی پر کوئی دکھ نہیں ہوگا۔'' فراز کہا اور ریموٹ کا بٹن دبایا۔

دیکھتے ہی دیکھتے کتے نے جمپ لگایا اور ڈا وقار کو نوچنے لگا۔ ڈاکٹر کی فلک شگاف چیخیں کمرے گونج رہی تھیں اور فراز مسکرا رہا تھا۔

قارئین کرام ایک بات میں آپ کو بتانا بھو گیا۔ جس کمرے کے بارے میں ڈاکٹر وقار نے کہا کہ نوجوان تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اس کمرے اصل میں انہی نوجوانوں کی ہڈیاں موجود تھیں۔

☆.....☆.....☆

ایک نوجوان لڑکا کسی خوبصورت بنگلے سامنے آ کر رکشہ سے اترا۔ اس نے رکشہ والے کو کر دیا اور جا کر گیٹ کی ڈور بیل بجائی۔ اچانک آہستہ گیٹ کھلا۔ سامنے ایک نوجوان لڑکا کھڑا تھا۔ اس تھری پیس سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ اس کے سر پر بلیک ہیٹ اس کی شخصیت میں چار چاند لگا رہا تھا۔

آؤ بھائی جان باہر کیوں کھڑے ہو ا آ جاؤ۔ میں ہی ڈاکٹر وقار صدیقی ہوں۔'' ا کھڑے لڑکے (جو کہ فراز تھا) نے اندر آنے کا اش کرتے ہوئے کہا۔

باہر کھڑا لڑکا مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ فراز ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ صاف جھلک رہی تھی۔ کے بعد چرچراہٹ کی آواز سے گیٹ بند ہو گیا۔

پیشین گوئی

محمد رضوان قیوم-راولپنڈی

نوجوان بولا دراصل میری سزائے موت کنفرم ہونے کے بعد بھائی صاحب بہت پریشان تھے، مر میں رہا تھا لیکن وہ زیادہ ذہنی ازیت کا شکار تھے مجھے بچانے کے لئے.....

حقیقت کو جھٹلانے والے خود کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے بھی دردسر ہوتے ہیں

میں کسی کام کے سلسلے میں لاہور جارہا تھا، اولپنڈی پیرودھائی اڈے سے ڈرائیو بس میں سوار ہوا، س مسافروں سے کھچا کھچ بھری پڑی تھی، اتفاق سے جو یٹ مجھے ملی وہ شیشے کے ساتھ والی سیٹ تھی، میری بغلی شست پر ایک ایسا مکروہ شکل کا شخص بیٹھا ہوا تھا جس کو نگاہ مرکر دیکھنے سے کراہیت کا احساس اجاگر ہوتا تھا۔ وضع قطع سے کوئی جرائم پیشہ محسوس ہوتا تھا میں نے اس کی جانب توجہ ہونے کے بجائے شیشے سے باہر کی جانب دیکھنا شروع کردیا۔ لمحہ بہ لمحہ بدلتے نظارے نگاہ دل کو تقویت دے رہے تھے۔ آپ کو کہیں دیکھا ہے اس شخص نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

جی۔ جی کہاں دیکھا ہے آپ نے مجھے؟ میں نے حیرت بھرے انداز میں پوچھا۔ آپ..... راولپنڈی میں ملازم تو نہیں؟ اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔ نہیں میرا اس محکمے سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے اسے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ ٹال دیا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے اپنی جیب سے قیمتی سگریٹ نکالی اور مجھے آفر کرتے ہوئے بولا۔ ''آپ لیں گے؟'' جی نہیں! میں نے نرمی سے کہا۔ میں

سگریٹ نہیں پیتا۔

بس اپنے مخصوص انداز میں دھول اُڑاتی ہوئی سڑک کا سینہ چیرتی ہوئی لاہور کی جانب گامزن تھی۔ تھوڑی دیر کے سفر کے بعد مجھے کچھ اکتاہٹ محسوس ہوئی تو میں نے شیشے پر پردہ ڈال دیا۔ تھکاوٹ میرے اعصاب پر حاوی ہونے لگی اور میں اونگھنے لگا۔ اچانک شور سے میری آنکھیں کھل گئیں۔ اگلی سیٹوں پر بیٹھا ایک مسافر کراہ رہا تھا۔ ڈرائیور نے زوردار آواز کے ساتھ بریک لگا کر بس روکی۔

ان بزرگوں کو ہارٹ اٹیک ہوگیا ہے۔ ایک مسافر چلایا۔ پوری بس میں کھلبلی مچ گئی۔ میں بھی ہڑبڑا کر اٹھا اور دوسرے مسافروں کی طرح میں بھی اپنی سیٹ سے اٹھ کر اس مسافر کے پاس پہنچا تو وہ بے چارہ دل کے دورے کی وجہ سے ساحل پر پڑی بے یارومددگار مچھلی کی مانند تڑپ رہا تھا۔ اب کیا کیا جائے۔ ڈرائیور نے گھبراہٹ کے عالم میں سب مسافروں کی طرف سوالیہ انداز سے دیکھ کر پوچھا۔

ٹھہرو میں اس کی زبان کے نیچے گولی رکھتا ہوں۔ میرے ساتھ بیٹھے شخص نے کہا۔ میرے پاس یہ گولی موجود ہے۔ وہ مجھ سے پہلے اس مسافر کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے میری طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا کہ فوری طور پر میرے ہینڈ بیگ کی جیب سے دوائیوں کا ڈبہ نکالو۔ میں نے بجلی کی مانند لپک کر اس دستی بیگ سے رنگ برنگی دوائیوں کا ڈبہ نکالا اور اس کو دیا۔ اس نے فوری طور پر ایک گولی جھٹ پٹ اس مسافر کی زبان تلے رکھ دی۔ لمحوں میں تڑپتا شخص اس طرح پرسکون ہوگیا جیسے کوئی بات ہوئی ہی نہیں تھی۔

شکریہ بھائی تم میرے لئے کسی فرشتے سے کم نہیں ہو۔ اس مسافر نے عاجزانہ طور پر اس کا شکریہ ادا کیا۔ آج تو واقعی میں مر چلا تھا۔ تم نے تو مجھے موت کے منہ سے نکال لیا ہے۔ میں اسے کیا سمجھ رہا تھا اور وہ کیا نکلا۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کررہا تھا۔ وہ تو فرشتہ تھا۔ میں نے اپنے دماغ سے شرمندگی کا بوجھ ہٹانے کی خاطر اس کے قریب ہوگیا اور اس سے قدرے شرمندگی سے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے میرے گزشتہ رویے کی معافی دے دیں میں نے اچھا پڑوسی ہونے کا ثبوت نہیں دیا۔

نہیں، نہیں آپ نے بہت اچھا کیا، اس نے ب منائے بغیر کہا۔ آج کل ویسے بھی حالات خراب ہیں چوری چکاری نوسر بازی عام ہے۔ غنڈے بدمعاش لوگ عام سادہ لوح مسافروں کے روپ میں شریف لوگوں کی بسوں گاڑیوں میں لوٹ لیتے ہیں۔ بات سے بات نکل رہی میں نے اپنے تعارف کے بعد اس سے پوچھا کہ آپ لاہور کس غرض سے جارہے ہیں۔ میرے سوال پر اس نے چونک کر جھرجھری لی اور اپنی آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کے آگے بند باندھنے کی کوشش کرنے لگا۔ کیا بتاؤں بھائی اس نے بھیگی آواز میں کہا۔ بڑی مشکل میں پھنسا ہ ہوں۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ میں نے معذرت طلب لہجے میں کہا۔ میں نے آپ کو دکھی کردیا ہے۔ نہیں نہیں کوئی ایسی بات نہیں۔ اس نے اپنی پلکوں پر آئے ہوئے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔ بس آدھے گھنٹے کے لئے کھاریاں کے مقام پر سستانے کے لئے روکی گئی۔ اس نے پہلے وہاں نماز پڑھی اور بعد میں ہم دونوں نے ڈرائیوروں کے مخصوص ہوٹلوں میں کھانا کھایا۔ میرے بے حد انکار کے باوجود اس نے کھانے کا بل دیا۔

مختصر وقفہ کے بعد بس دوبارہ چلی تو ہم دونوں آپس میں اس طرح گھل مل گئے جیسے ہمارے درمیان برسوں پرانی جان پہچان ہے..... میں نے اس بے تکلفی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے کریدنے کی کوشش کی کہ اسے ایسا کیا غم آپڑا ہے، جو وہ اتنا جواں مرد ہونے کے باوجود آبدیدہ ہورہا ہے۔ آپ کو دیکھ کر اور باتیں کرکے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ بہت دُکھی ہیں۔ انسان ہی انسان کا دارو ہوتا ہے اور کسی کو اپنا دکھ کہہ دینے سے غم کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔ کیا آپ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کریں گے۔ میں کوشش کروں گا کہ آپ کے کسی کام آسکوں۔ میں نے شرمندگی کا ازالہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔ جیسے ... کھو گیا ہو اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ پوچھتا وہ خود اپنے اندر لپٹی کہانی شروع کرتے ہوئے بولا۔

میرا نام فیضان رسان ہے اور میں گوجر خان میں آڑھت کا کام کرتا ہوں۔ ایک وقت تھا۔ ہم بڑے خوشحال اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ میرا باپ ایک بہت پرانا آڑھتی تھا اور دوسرے ہمارا کنبہ صرف دو بچوں یعنی میں اور میرے بھائی اسد پر مشتمل تھا۔ ماں کا کچھ عرصہ قبل ایک بڑی بیماری کی وجہ سے انتقال ہوگیا تھا۔ گھر میں معاشی آسودگی خوشحالی کا راج تھا۔ میں میڈیکل کا طالب علم تھا۔ جبکہ چھوٹا بھائی باپ کی دکان پر ان کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ مجھے کاروباری معاملات میں دلچسپی نہ تھی وقت کا پہیہ اپنی رفتار کے ساتھ چل رہا تھا کہ اچانک ہماری تقدیر کی کشتی نے ایسے بھیانک انداز میں پلٹا کھایا کہ ہم سب اچانک مشکلات کے سمندر میں ڈوبتے چلے گئے۔ ہوا یوں کہ والد صاحب کو ڈاکٹر نے کینسر تشخیص کردیا۔ مرض کی آخری اسٹیج پر ان کے علاج معالجہ پر کثیر سرمایہ خرچ ہوا۔ بھائی جو دکان پر کام کرتا تھا وہ اتنا تجربہ کار اور چالاک نہ تھا کہ وہ کاروباری اونچ نیچ کو سنبھال پاتا۔ اس لئے کاروبار میں حد سے زیادہ نقصان ہوگیا۔ اللہ اللہ کر کے والد صاحب کی زندگی ہچکولے کھاتی ہوئی بچ تو گئی لیکن ہم معاشی طور پر تباہ ہوگئے اب ہمیں نئے کینسر کا سامنا تھا۔ یہ تھا سود خوروں کا قرضہ جو ہمیں ذہنی اور معاشی طور پر دیمک کی مانند تباہ و برباد کررہا تھا۔ میں نے مجبوراً میڈیکل کی تعلیم چھوڑ دی اور اپنے خاندان کو گرداب سے نکالنے کے لئے ملازمت کی تلاش شروع کردی۔ مگر تنخواہ نہایت ہی کم ملتی تھی۔

ایک دن والد صاحب کے قریبی دوست بہت عرصہ بعد ہمارے گھر اپنی فیملی کے ساتھ آئے ان کے ساتھ ان کا بیٹا علی اور بیٹی فائزہ تھی۔ وہ دراصل مری گھومنے آئے تھے۔ ان کی فیملی قدرے ماڈرن تھی۔ فائزہ اگرچہ شکل و صورت کی زیادہ خوبصورت نہیں تھی لیکن دولت کی چمک اور میک اپ نے اسے جزوی طور پر خوبصورت بنایا ہوا تھا۔

بٹ صاحب ملتان میں کافی جائیداد کے مالک تھے۔ سچی بات ہے والد صاحب کی رال ان کی جائیداد پر ٹپک رہی تھی۔ حالات اور وقت کے تقاضوں نے والد صاحب کے دل میں طمع کا ارتعاش بیدار کردیا تھا انہوں نے موقع و محل کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے وقت سے فائدہ اٹھایا۔

کیوں نہ ہم اپنی دوستی کو رشتہ داری میں بدل دیں۔ والد صاحب نے ایک دن موقع پا کر بٹ صاحب سے کہا۔

دیکھو میری بیٹی آزاد ماحول میں رہتی ہے اور ذرا ماڈرن ہے۔ بٹ صاحب نے کہا آپ کے گھر کا ماحول ذرا گھٹا گھٹا سا ہے۔ کیا آپ اس صورت حال میں میری بیٹی قبول کریں گے؟

والد صاحب نے فوراً ان کی ہر بات مان لی۔ بٹ صاحب میں پس و پیش کے بعد ان شرائط پر مان گئے کہ فائزہ کی شادی اسد کے ساتھ ہوگی اور وہ گھر داماد بن کر رہے گا۔ اس کی انہوں نے یہ دلیل دی کہ وہ بیٹی کو اپنے سے دور نہیں کرنا چاہتے اس کے علاوہ مجھے ایسے ایماندار شخص کی ضرورت ہے جو میری جائیداد کی دیکھ بھال بشمول کرایہ داری وغیرہ کے امور سنبھال لے۔

باپ بیٹیاں رخصت کرتے ہیں۔ ہمارے ابا نے بیٹا ملتان رخصت کردیا۔ ہم سب بہت خوش تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے ہماری بہت بڑی لاٹری نکل آئی ہو۔ بے انتہا دولت اور روشن مستقبل ہمارے سامنے غلام بنا ہاتھ باندھے نظر آتا تھا، بھائی نے ملتان سے بھاری رقم ہمیں بھیجنا شروع کردی۔ اس سے ہمارے بگڑے معاشی مسائل حل ہونے لگے، سود خوروں کا قرضہ اترا، دکان کی نسبتی ختم ہوئی اسے دوبارہ آباد کیا میں نے پھر سے میڈیکل کالج میں منقطع تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ نظر آرہا تھا کہ ابا کی جانب سے دی گئی بھائی کی قربانی اپنا رنگ دکھا رہی ہے۔

لیکن ہماری خوشیاں نمک کی اس ڈلی کی مانند ثابت ہوئیں جو کہ پانی میں مل کر گھل جاتی ہے۔

ایک دن ہمیں خبر ملی کہ اسد نے فائزہ بھابی کو قتل کردیا ہے۔ پاؤں تلے سے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں اور ابا فی الفور ملتان روانہ ہوئے۔ اطلاع صحیح تھی اسد حوالات میں بند بدحالی کی تصویر بنا ہوا تھا۔ دل پھٹنے کو آرہا تھا۔ ابا نے فائزہ کے قتل کی وجہ پوچھی تو وہ پھٹ پڑا۔

Pakistanipoint
www.pakistanipoint.com

ابا تم نے میری شادی نہیں کی تھی بلکہ مجھے سلگتے ہوئے کوئلوں پر ننگے پاؤں کھڑا کردیا تھا۔ اسد بھائی نے غصے سے کہا۔ فائزہ ایک بدکار عورت ثابت ہوئی۔ اس کے کئی عاشق تھے جن میں زیادہ تر اونچے خاندان کے بگڑے نوجوان تھے میں تو اس کا برائے نام شوہر تھا۔ میرے پاس دولت کی کمی تو نہ تھی لیکن بے غیرتی کا احساس سانپ کی طرح ڈس رہا تھا۔ وہ مجھے جوتی کی نوک پر رکھتی تھی۔ میں اپنی بے بسی اور اس کی طاقت دیکھ کر کڑھتا تھا۔

ایک دن تو حد سے آگے نکل گئی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ شراب کے نشے میں اپنے ایک عاشق کی بانہوں میں جھولتی ہوئی آئی۔ میرا خون کھول اُٹھا میں نے اسے ڈانٹا تو اس نے الٹا میرے منہ پر تھوکتے ہوئے کہا کہ دو کوڑی کے انسان تمہاری یہ ہمت، بس پھر کیا تھا میں نے طیش میں آکر اس کا گلا گھونٹ کر اسے ہمیشہ کی نیند سلا دیا اور پھر اس کے عاشق پر بھی وار کیا لیکن وہ زخمی ہوکر بھاگ گیا۔

بھائی کے سسر بڑے اثر و رسوخ کے حامل تھے۔ انہوں نے دولت کے زور پر قانون اور پولیس کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کیا ہم نے بھی بھائی کی پیروی اچھے وکیل سے کروائی لیکن بالآخر جیت دولت کی ہوئی۔ ہم ہار گئے بھائی کو موت کی سزا ہوگئی۔ والد صاحب میں شاید اپنی زندگی میں بیٹے کو پھانسی کے پھندے میں لٹکتے دیکھنے کی سکت نہ تھی۔ بھائی کی عدالتی موت کا حکم نامہ والد صاحب کی قضا کا سبب بن گیا۔ میں اکیلا رہ گیا۔ ایک بار پھر سے میری میڈیکل کی تعلیم مجھ سے چھوٹ گئی تھی۔ شاید قدرت کو میرا ڈاکٹر بننا پسند نہ تھا۔ اب بھائی کی سزائے موت ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ سے کنفرم ہو چکی تھی۔ صدر پاکستان کے پاس رحم کی اپیل کی ہوئی ہے اگر فائزہ کا باپ میرے بھائی کو معاف کردے تو اسد کو زندگی مل سکتی ہے۔ میں بٹ صاحب کے پاس بھائی کی معافی کے لئے گیا۔ انہوں نے مجھے گالیاں اور دھمکی دی اور کہا کہ ہمارے گھر سے نکل جاؤ لیکن میں پھر بھی بے غیرت بن کر ان کے پاس روزانہ جاتا ہوں اور اپنے بھائی کی زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔ اس نے روتے ہوئے کہا کہ دعا کرو کہ میرا بھائی کسی طرح بچ جائے۔

لگتا ہے لاہور آنے والا ہے۔ میں نے چونک کر بس کے شیشے سے باہر جھانک کر دیکھا فیض رسان نے بھی مایوسی کے عالم میں میری طرف دیکھا اور افسردگی سے کہا۔ یار میں نے آپ کا خوشگوار سفر اپنی درد بھری کہانی سنا کر بدمزہ کردیا۔

نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں میں نے اس کے دل کو بڑھاتے ہوئے کہا اور اس سے پوچھا آپ لاہور کس مقصد کے لئے جارہے ہیں۔

میں دراصل ایک عالم کے پاس جارہا ہوں وہ تعویذ وغیرہ کرتا ہے۔ سنا ہے اس کے تعویذ گنڈے بڑا کام کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کسی طریقے سے بٹ صاحب کا دل موم ہوجائے اور وہ میرے بھائی کو اپنی بیٹی کا خون معاف کردیں میں نے بہت مزاروں، درویشوں کی چوکھٹوں کے دھکے کھائے ہیں۔ بس خدا میرے بھائی اسد کو پھانسی کے پھندے سے بچالے، فیض رسان نے بس کی چھت کو افسردگی سے گھورتے ہوئے کہا۔

آپ میری مانیں تو میری نظر میں ایک ایسا آزمودہ شخص موجود ہے۔ جو پامسٹ ہونے کے ساتھ تعویذ دھاگا بھی کرتا ہے اور اس نے بڑے بڑے لوگوں کے بگڑے ہوئے کام اپنے عملیات کی مدد سے حل کردیئے ہیں۔ میں نے اس کو تسلی دینے کے انداز میں تجویز دی۔

آپ کب پنڈی واپس جائیں گے۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جی میں انشاء اللہ چند دنوں بعد پنڈی میں ہوں گا۔ میں نے اسے جواب دیا۔

بھائی اگر آپ مجھے اس عامل سے ملادیں تو آپ کی بہت مہربانی ہوگی بلکہ مجھ پر احسان ہوگا۔ اس نے لجاجت سے کہا۔ ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں مجھے خوشی ہوگئی میں نے کہا۔ آپ ضرور آئیں۔ آپ مجھ سے روایتی سفری دوستی نہ کیجئے گا۔ اس نے مجھ سے کہا۔ ہم دونوں کے درمیان گھر کا ایڈریس بمع موبائل نمبر کا تبادلہ ہوا۔ بالآخر لاہور آگیا۔ سب مسافر بس سے اترے وہ مجھ سے بغل گیر ہوتے ہوئے بولا آپ جیسے ہی پنڈی پہنچیں مجھے

موبائل پر کال ضرور کیجئے گا۔

جب میں پنڈی پہنچا تو میں نے حسب وعدہ اس کو موبائل فون پر اپنی آمد کے بارے میں مطلع کیا۔ مگر وہ خلاف توقع اگلے چند گھنٹوں میں میرے پاس آ پہنچا تم واقعی غیر روایتی دوست نکلے۔ اس نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ یہ میرا فرض تھا کہ میں آپ کی مدد کروں۔ میں نے کہا میرا دل وضمیر تو نہیں مانتا کہ میں ان لوگوں کے پاس جاؤں اس نے کہا۔ لیکن میں دل کی تسلی کے لئے ہر وہ کام کروں گا جس سے میرے بھائی کے بچنے کی امید ہو۔

میں اسے ایک شاہ صاحب دست شناس جو کہ تعویذ گنڈے کا کام بھی کرتے تھے۔ ان کے پاس لے گیا چھوٹا قد سیاہ کالا رنگ، تیل میں چپڑے ہوئے کندھوں تک آئے لمبے بال اور دونوں ہاتھوں کی پانچوں انگلیوں میں رنگ برنگی پتھروں اور نگینوں کی انگوٹھیاں پہنے ہوئے تھے۔ ان کے اردگرد حاجت مندوں کا رش تھا۔ ہم بھی اس رش کا حصہ بن گئے، آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے ہم بھی آگے بڑھتے رہے بالآخر بڑی مشکل سے ان تک رسائی کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے سب سے پہلے سلام دعا کے بعد شاہ صاحب سے فیض رسان کا پہلے تعارف کرایا۔ پھر ان کا مسئلہ بیان کیا۔

انہوں نے کہا کہ وہ سب سے پہلے ان کے بھائی کے ہاتھوں کی ریکھائیں چیک کریں گے اور پھر وہ کوئی اگلا قدم اٹھائیں گے یعنی کوئی تعویذ گنڈہ دیں گے۔

یہ ممکن نہیں ہے کیونکہ میرا بھائی تو جیل میں ہے۔ فیض رسان نے مایوسی سے کہا یہ کون سی مشکل بات ہے۔ میں نے انہیں کہا۔ نیلی روشنائی کے ذریعہ کسی کاغذ پر ان کے ہاتھوں کی مکمل چھاپ لی جائے یہ اچھی تجویز ہے۔ شاہ صاحب نے کہا۔

شاہ صاحب آپ کو چند دن بعد اسد کے ہاتھوں کا نقشہ مل جائے گا۔ فیض رسان نے کہا۔ چند دن بعد وہ دوبارہ شاہ صاحب کے پاس اسد کے ہاتھوں کا پرنٹ لے کر پہنچے جو کہ جیل سے کسی طریقے سے منگوایا گیا تھا۔ شاہ صاحب نے اس کاغذ کو جس پر اسد کے ہاتھوں کی لکیریں نمایاں تھیں۔ انہیں بغور دیکھا تو وہ چونک کر کھڑے ہو گئے اور منہ میں کچھ بڑبڑانے لگے۔ ان کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں نمایاں ہو گئیں۔ تمام حاضر لوگ حیرانی کی تصویر بنے ان کی جانب دیکھنے لگے۔

انہوں نے ایک گلاس پانی منگوا کر پیا۔ پھر انہوں نے فوراً بجلی کی مانند فیض رسان کا ہاتھ پکڑا اور ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے۔ اوہ میرے خدایا..... قدرت کا یہ کیسا مذاق ہے۔

انہوں نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔ جس کے سر پر موت منڈلا رہی ہے۔ اس کی موت طبعی ہے۔ یعنی وہ چارپائی پر اپنا قضا خدا کے پاس باعزت سپرد کرے گا اور جو زندگی کے مزے لے رہا ہے یعنی اس کا یہ بھائی (فیضان رسان) اس کی موت غیر طبعی اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہے۔ اللہ ہم سب کو معاف کرے۔ وہی سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہی عالم الغیب ہے۔

کیا بکتے ہو..... تم پرلے درجے کے ڈرامہ باز، مکار انسان ہو تم لوگوں کو بے وقوف بنا کر لوٹتے ہو۔ فیض رسان نے طیش میں آ کر چلاتے ہوئے کہا۔

ارے بھائی مجھے کیوں دوش دیتے ہو جو سچ تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔ شاہ صاحب نے تحمل سے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اپنے محدود علم سے جو اللہ نے مجھے عطا کر رکھا ہے جو اندازہ لگایا وہ کہہ دیا۔ اچھے برے کا مالک تو وہی ہے۔

ادھر میں سکتے کے عالم میں ان دونوں کی شکلیں دیکھنے لگا میں نے نیکی کی وہ میرے الٹے گلے پڑ گئی۔ یار تم نے اچھے بندے سے ملایا۔ فیض رسان نے شکوہ کیا اور تھوک اڑاتے ہوئے کہا۔ اس فراڈیئے نے الٹا میری بھیانک موت کی پیشن گوئی کر دی، وہ ایک مانا ہوا دست شناس ہے، میں نے شاہ صاحب کی وکالت کرتے ہوئے کہا۔ بھائی ہم تو پہلے ہی پریشانی میں مبتلا ہیں اور اس نے ہماری پریشانی پر مزید تیل چھڑک دیا ہے۔ فیض رسان نے کہا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ میرے ہزار روکنے پر نہ رکا اور سیکنڈوں میں وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میں نے کئی بار اس سے موبائل کے ذریعہ رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے اسے بند ہی رکھا شاید وہ میری کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا۔

اس بات کو کئی ماہ گزر گئے۔ اتفاق سے میرا بیرون ملک کا ویزہ لگ گیا اور مجھے روزگار کے سلسلہ میں سعودی عرب جانا پڑ گیا۔ ایک عرصہ بعد جب میں اپنی طویل رخصت پر سعودی عرب سے لوٹا تو دل میں کسک اٹھی کہ کیوں نہ فیض رسان سے مل کر شاہ صاحب کی پنشن گوئی کے متعلق معلوم کیا جائے کہ اس کا کیا بنا۔ میں نے ہمت کر کے اس کے شہر جانے کا قصد کیا۔ میں جب اس کے شہر میں جا کر اس کے گھر پہنچا تو گھنٹی بجانے پر ایک نوجوان دروازے پر برآمد ہوا۔ میں نے اس سے کہا کہ فیض رسان صاحب سے ملنا ہے۔

وہ تو نہیں ہیں۔ نوجوان نے کہا۔ کہیں گئے ہیں؟

میں نے پوچھا۔ کب تک آ جائیں گے؟ وہ پہلے چند ساعت خاموش رہا پھر بولا۔ آپ کتنے عرصہ بعد آئے ہیں؟

تقریباً دو سال بعد آیا ہوں۔ میں نے کہا۔

آپ نے بہت دیر کر دی وہ تقریباً ایک سال پہلے اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اس نے تاسف سے کہا۔ اس اجنبی نوجوان کے الفاظ میرے سر پر ہتھوڑے کی مانند برسنے لگے۔

آپ کون ہیں؟ میں نے پوچھا۔

میرا نام اسد ہے۔ میں ان کا چھوٹا بھائی ہوں۔ اس نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ مجھے پیروں تلے زمین کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ آپ کو سزائے موت ہو گئی تھی۔ میرے سوالیہ انداز کی اس نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ ہاں میں ہی وہ بدنصیب ہوں اس نے اخلاقی اقدار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بیٹھک کا دروازہ کھلوایا اور مجھے اندر جا کر بٹھایا تھوڑی دیر بعد وہ کولڈ ڈرنک میرے لئے لایا۔ یہ سب کیسے ہوا؟ میں نے اس تجسس سے پوچھا۔

جی وہ دراصل میری سزائے موت کنفرم ہونے کے بعد یہ بہت پریشان تھے۔ اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ مر میں رہا تھا لیکن وہ مجھ سے زیادہ ذہنی اذیت کا شکار تھے۔ انہوں نے مجھے بچانے کے لئے سرتوڑ کوشش کی۔

وہ ایک دن بٹ صاحب، میرے سسر کے پاؤں میں بیٹھ گئے ان سے گڑگڑا کر میری زندگی کی بھیک مانگی۔ بالآخر وہ ان کو منانے میں کامیاب ہو گئے۔ تو بڑا ڈھیٹ ہے۔ میرے سُسر نے ان کی عزت نفس پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ جا تیرے بھائی کو زندگی کی بھیک دی۔ انہوں نے مجھے معاف کر دیا۔

میں تو بری ہو گیا۔ لیکن میری بریت کے بعد بھائی کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ نہ جانے کون سا نادیدہ مرض تھا جس کو سینے سے لگائے بھائی دن بدن تنکے کی طرح سوکھ کر پیلے ہو گئے تھے۔ میں نے کئی بار ان سے ان کا درد کریدنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ میں نے ان کا ڈاکٹری نفسیاتی بہت علاج کروایا لیکن ان کی صحت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ نہ جانے کون سا روگ پال لیا تھا۔

آخری دنوں وہ بڑے بے چین رہنے لگے تھے۔ اس روز وہ کسی کام سے نکلے تھے۔

موت انہیں گھیر کر اس جگہ لے گئی جہاں ان کی موت آنی لکھی تھی۔

وہاں اس روز بم دھماکہ ہوا تھا۔ ان کے جسم کے ٹکڑے اُڑ گئے۔ بڑی مشکل سے شناخت ہوئی۔ یہ کہہ کر اسد رونے لگا۔

میں نے غم میں ڈوبے ہوئے اسد کو تسلی دی اور پھر ان کی روح کے ایصال ثواب کے لئے فاتحہ پڑھی۔

یہ قدرت کا کتنا عجیب کھیل ہوا۔ میرے اعصاب پر عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ میں نے اسد سے اجازت لی اور جب میں ان کی دہلیز پار کرنے لگا۔

اچانک میری نظر دیوار پر لٹکی فیض رسان کی تصویر پر پڑی۔ اس کے اندر سے اس کا مسکراتا ہوا چہرہ مجھے ایسا لگا جیسے وہ مجھ سے کہہ رہا ہو کہ ”تمہارا جوتشی سچ کہتا تھا کہ میری موت غیر طبعی ہو گئی اور بھیانک انداز میں ہو گی۔“

روح کا انتقام

آس براعہ۔کبیر والا

لڑکی دہشت سے کانپتی آواز میں بولی اور پھر اچانک لڑکی نے پوری قوت سے چھری لڑکے کے پیٹ میں مارنے کی کوشش کی لیکن لڑکے نے لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا تو......

ایک روح کی دیدہ دلیری......جب اس نے اپنا انتقام پورا کیا تو لوگ......دہل کر رہ گئے

میری مارٹن اور اینڈریو رسل پچھلے تین سالوں سے ایک پوسٹ آفس میں کام کر رہے تھے۔میری ایک شوخ اور چنچل سی لڑکی تھی جس نے پورے آفس کے مردوں کو اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا جس کی وجہ سے باقی خواتین ورکرز اس سے اچھا خاصا خار کھاتی تھیں جس کی میری نے کبھی پرواہ نہیں کی۔اس کی رنگت گندمی تھی اور آنکھیں گہری نیلی تھیں جن میں بلا کی کشش تھی۔اس کے بال گھنے اور سیاہ تھے اور کمر سے نیچے تک آتے تھے۔جبکہ اینڈریو رسل ایک پچیس تیس سالہ خوبرو نوجوان تھا جس کے بال سنہری اور گھنگھریالے تھے۔وہ دراز قد اور سرخ وسفید رنگت کا مالک تھا۔اس پر مزید یہ کہ وہ ایک سنجیدہ اور سلجھا ہوا انسان تھا۔آفس کے سبھی لوگ اس کے اخلاق کے معترف تھے مگر وہ بہت کم ہی مسکراتا تھا جس کی وجہ سے

جو لوگ اسے نہیں جانتے تھے اسے مغرور سمجھتے تھے۔ اس کی سنجیدگی کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنا بچپن نہایت کسمپرسی کے عالم میں ایک یتیم خانے میں گزارا تھا۔ وہ آج جو بھی تھا جس مقام پر بھی تھا صرف اپنے بل بوتے پر ہی تھا۔ زندگی میں پہلی بار اگر اسے کوئی عورت پسند آئی تھی تو وہ میری مارٹن ہی تھی جس پر وہ بری طرح فدا ہو چکا تھا۔ وہ بھی اس کے مغرور سے نقوش اور کم گوئی کی اسیر تھی۔ فارغ وقت میں اس کے کیبن میں آ کر گھنٹوں بولتی رہتی اور وہ اس کی باتوں پر مسکراتا رہتا یا مختصر سے جواب دیتا۔ وہ وقتاً فوقتاً اسے تحفے تحائف بھی دیتا رہتا تھا۔ اب تو پورا آفس ان کی محبت کی داستان سے واقف تھا اور انہوں نے بھی اسے چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

اینڈریو کا ایک ہی دوست تھا جیک جس سے وہ اپنے دل کی ہر بات کرتا تھا۔ جیک اور وہ بچپن سے دوست تھے جب وہ دونوں یتیم خانے میں رہتے تھے۔

''جیک میں میری کو شادی کے لیے باقاعدہ پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔''

ایک شام وہ ایک ساتھ واک پر نکلے تو باتوں باتوں میں اینڈریو نے جیک سے کہا۔

''ارے واہ میرے یار۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ تو کیا تم نے فلیٹ خرید لیا؟؟؟''

جیک نے خوش ہوتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

''نہیں یار۔ اسی کے لیے پیسے جمع کر رہا ہوں۔''

اینڈریو ذرا سا افسردہ ہوا۔

''سوچ رہا ہوں چھ ماہ بعد اس کی سالگرہ ہے۔ تب تک میں پیسے بھی جمع کر لوں گا تو اس کی سالگرہ پہ اسے پرپوز کر کے سرپرائز دوں گا۔''

وہ مزید گویا ہوا۔

''کیا بات ہے۔ یقین نہیں آ رہا یہ میرا دوست اینڈریو ہے۔ تم اتنے رومانٹک ہو سکتے ہو میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔''

جیک پر جوش ہو گیا اور اس سے مذاق کرنے لگا جس سے اینڈریو کا چہرہ شرم سے سرخ ہونے لگا۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن اینڈریو جب آفس پہنچا تو اسے غیر معمولی ہلچل کا احساس ہوا۔ آفس میں ایک نیا ورکر آیا تھا جم لائل۔ سرخ و سفید رنگت اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک جم غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا۔ وہ جلد ہی سب سے گھل مل گیا۔ اینڈریو کو وہ بہت اچھا لگا کیونکہ وہ اپنی باتوں سے سامنے والے کو بور نہیں ہونے دیتا تھا۔ میری بھی اس سے اچھی خاصی متاثر نظر آ رہی تھی۔ جم لائل نیویارک میں اپنے گرینڈ پا کے ساتھ بڑے ٹھاٹھ سے رہتا تھا۔ اس کے گرینڈ پا کا اس دنیا میں جم کے علاوہ کوئی نہیں تھا اس لیے وہ اسے سے بے انتہا پیار کرتے۔ اس لاڈ پیار نے جم کو بہت خودسر بنا دیا تھا وہ اپنے گرینڈ پا سے کسی بات پر ناراض ہو کر ان کے بزنس اور عیش و عشرت کو ٹھوکر مار کر یہاں آ گیا تھا۔

چند دنوں میں اینڈریو نے نوٹ کیا کہ میری اسے اگنور کرنے لگی تھی اور زیادہ وقت جم کے آس پاس رہنے لگی تھی۔ لیکن اس نے میری کی لاپرواہ اور گھل مل جانے والی فطرت سمجھ کے نظر انداز کر دیا۔ بہر حال وہ میری پر اندھا بھروسہ کرتا تھا اور سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری اسے دھوکہ دے سکتی ہے۔

دن پر لگا کر اُڑنے لگے۔ وہ میری کی بڑھتی ہوئی بے رخی اور بے زاری سے مغموم رہنے لگا تھا۔ اب تو آفس کے لوگ بھی اسے ترحم بھری نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔ اسے لگا کہ میری اس سے کسی بات پر ناراض ہے۔ جب اس سب کا ذکر اس نے جیک سے کیا تو وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا کہ میری کی سالگرہ میں چند دن رہ گئے ہیں پھر وہ اسے پرپوز کرے گا تو اس کی ساری ناراضگی ختم ہو جائے گی۔ یہ بات اینڈریو کے دل کو لگی اور وہ پرسکون ہو گیا۔

سالگرہ سے ایک دن پہلے اینڈریو نے آفس

سے چھٹی لی اور سارا دن میری کیلیے ایسی انگوٹھی کی تلاش میں پھرتا رہا جو بہت خاص ہو۔اس دوران اس نے میری سے کوئی رابطہ نہیں کیا کیونکہ وہ اسے سرپرائز دینا چاہتا تھا۔

رات وہ ٹھیک گیارہ بج کر پچاس منٹ پر میری کے گھر سے باہر اس کے کمرے کی کھڑکی کے عین نیچے کھڑا تھا۔جیک بھی اس کے ساتھ تھا۔

''جیک۔۔۔میں یہ نہیں کرسکتا۔میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔''

وہ جیک کی طرف مڑتے ہوئے منت بھرے لہجے میں بولا۔

''تمہیں کرنا پڑے گا اینڈریو۔کیا تم میری کو سرپرائز دے کر خوش نہیں کرنا چاہتے تاکہ وہ اپنی ناراضگی تم سے ختم کرلے۔''

جیک نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا تو اینڈریو نے اثبات میں سر ہلایا اور کھڑکی کے ساتھ لگائی گئی سیڑھی پر سرخ رنگ کے غبارے،وشنگ کارڈز اور انگوٹھی لے کر چڑھنے لگا۔یہ منصوبہ جیک نے تیار کیا تھا کہ اینڈریو رات کے بارہ بجے میری کے کمرے کی کھڑکی سے کود کر اسے جگائے اور پرپوز کر کے سرپرائز دے۔اسے یقین تھا کہ میری اس طرح بہت خوش ہوگی کیونکہ لڑکیاں اس طرح کے ایڈونچرس لڑکوں کو بہت پسند کرتی ہیں۔اب اینڈریو چاروناچار اس کے منصوبے پر عمل کررہا تھا کیونکہ بہرحال وہ میری سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

میری کے کمرے کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی البتہ اس کے آگے پردہ پڑا ہوا تھا۔اینڈریو نے کھڑکی پہ دونوں ہاتھوں کا دباؤ ڈالا۔وہ اندر کودنے ہی والا تھا کہ اندر سے آتی میری کی نشے میں ڈوبی آواز نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

''اوہ کم آن ڈارلنگ۔۔۔آج میرے سامنے اس بورنگ سے اینڈریو کی بات مت کرو۔جس کو پتہ ہی نہیں ہے کہ لڑکیوں کو کیسے خوش کیا جاتا ہے۔تنگ آ گئی ہوں میں اس سے۔''

اینڈریو کا رنگ ایک لمحے میں پیلا پڑ گیا تھا۔

''یہ تو کوئی تم سے سیکھے۔کیسے چند مہینوں میں تم نے مجھے اپنا دیوانہ بنالیا۔''

وہ ایک بار پھر مدہوش لہجے میں بولی۔جواباً کسی مرد نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔اینڈریو سمجھ گیا کہ اندر میری کے ساتھ کون تھا۔

''جب اسے پتہ چلے گا کہ ہم دونوں شادی کرنے والے ہیں تو اس کے چہرے کا رنگ دیکھنے والا ہوگا۔میں جلد از جلد یہ لمحہ دیکھنا چاہتا ہوں۔''

وہ شخص اینڈریو کا صاف مذاق اڑا رہا تھا ساتھ میری کی بھی ہنسی شامل ہوگئی۔

اینڈریو نے ذرا سا پردہ سرکا کر دیکھا اور سامنے کے منظر نے اس کے جسم سے خون کی آخری بوند تک نچوڑ لی جیسے۔میری اور جم لائل نشے میں دھت ایک دوسرے کی بانہوں میں دنیا و مافیہا سے بے خبر مدہوش پڑے تھے۔اس نے ایک نظر ہاتھ میں تھامی اشیا کو دیکھا اور واپس نیچے اترنے لگا۔

جیک نے اس سے پوچھا کہ وہ اندر کیوں نہیں گیا مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور گھر واپس آ کر خود کو کمرے میں بند کر دیا۔جیک باہر کھڑا دروازہ بجاتا رہا اسے پکارتا رہا مگر اس نے اس کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن آفس میں میری اور جم نے ایک دوسرے سے شادی کا اعلان کیا جس پہ چند ایک لوگوں کے علاوہ کسی نے خوشی کا اظہار نہیں کیا۔سب کی ہمدردیاں اینڈریو کے ساتھ تھیں جو کہ وہاں موجود نہیں تھا۔

اینڈریو نے نوکری چھوڑ دی وہ ہر وقت کمرے میں بند اداس پڑا رہتا۔جیک اس کی دلجوئی کرتا رہتا مگر اس سے اسے کوئی خاص فرق نہیں پڑا۔جیک میری کے آفس اس سے ملنے گیا۔اس نے وہاں کافی ہنگامہ کیا اور

جم اور میری کو بہت برا بھلا کہا۔ میری نے کوئی پرواہ نہیں کی الٹا پولیس کو کال کر کے اسے گرفتار کروادیا۔

اگلے ہفتے میری اور جم نے شادی کر لی۔ اس دوران نیویارک میں مقیم جم کے گرینڈ پا کی ڈیتھ ہوگئی اور وہ اپنی ساری پراپرٹی اور بزنس جم کے نام کر گئے تھے۔ جم اور میری نے آفس اور وہ شہر چھوڑ دیا اور نیو یارک چلے گئے۔

☆.....☆.....☆

جم لائل نیویارک آ کر اپنے گرینڈ پا کا بزنس سنبھالنے میں لگ گیا۔ وہ میری کو دل و جان سے چاہتا تھا۔ اس کی محبت اور دولت نے میری مارٹن کے حسن جو اور نکھار دیا تھا۔ جم نے میری کو دنیا کی ہر آسائش دینے کی کوشش کی مگر بزنس کی مصروفیات کی وجہ سے وہ اسے کم ٹائم دے پا رہا تھا جس کا اسے شدت سے احساس تھا۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ جلد ہی میری کو لمبی چھٹیوں پر گھمانے کہیں لے جائے گا۔ لیکن میری اس کے مصروف شب و روز کی وجہ سے تنگ آ گئی تھی۔ اس کی رنگین مزاجی اسے ٹک کر بیٹھنے نہیں دے رہی تھی۔ وہ ان عورتوں سے تھی جنہیں ہر وقت تھرل اور ہلا گلا چاہیے ہوتا۔ وہ چاہتی تھی کہ ہمہ وقت کوئی ہو جو اس کے حسن کے قصیدے پڑھتا رہے۔ اس نے جم کی مصروفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا وقت مختلف کلبز میں گزارنا شروع کر دیا۔ اب وہ آئے روز کسی نہ کسی پارٹی میں موجود ہوتی۔ اس کے سوشل حلقے میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔

ان دنوں جم لائل بزنس کے سلسلے میں ساؤتھ افریقہ گیا ہوا تھا۔ میری کے تو شب و روز چاندنی ہو گئے۔ اس نے اب راتیں بھی نائٹ کلبز میں گزارنا شروع کر دی تھیں۔ وہ اب سرکشی کی ساری حدیں پار کر چکی تھی اور دل میں فیصلہ کر چکی تھی کہ جلد ہی وہ جم سے چھٹکارا حاصل کر لے گی۔

وہ ایک نائٹ بار میں بیٹھی شراب سے لطف اندوز ہو رہی تھی جب اس کی نظر کونے میں پڑی ٹیبل کے پاس بیٹھے ایک شخص پہ جا پڑی۔ وہ چونک اٹھی۔ وہ اینڈریو رسل تھا جو وہاں بیٹھا شراب سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ میری نے ایک ادا سے اپنا شراب کا گلاس اٹھایا اور اس کی ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔

''ہائے اینڈریو۔۔۔ لونگ ٹائم نو سی۔۔۔ کیسے ہو؟''

اینڈریو نے اپنے گلاس سے نگاہیں اٹھا کر یونہی اسے دیکھا اور سرسری انداز میں جواباً ہیلو کہا جیسے میری کو اپنے سامنے اچانک پا کر بھی اسے کوئی حیرت نہ ہوئی۔

''کیسے ہو؟ کیا کر رہے ہو آج کل؟ شادی کر لی؟''

اس نے ایک ہی سانس میں کئی سوال پوچھ ڈالے۔ اس کی نگاہیں اینڈریو سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ ہینڈسم ہو گیا تھا اور اس کے بدن پر بیش قیمت لباس بھی تھا۔ البتہ اس کی آنکھوں کے تاثرات برف کی مانند منجمد تھے جنہیں میری بالکل بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

اب کے بار اینڈریو نے گہری نظروں سے اسے دیکھا اور پھر انگلیوں میں انگلیاں پھنسا کر میری کی طرف آگے ہو کر بولا۔

''نہیں شادی نہیں کر سکا۔ تمہارے بعد کوئی اچھی ہی نہیں لگی اور تم ہو کے مجھے چھوڑ کر چلی گئی اور تو اور شادی پہ انوائٹ نہیں کیا۔''

وہ دوستانہ لہجے میں اس سے کہنے لگا۔ میری مارٹن کھسیانی سی ہنسی ہنس دی۔ اس نے اپنے چہرے پہ آتے بالوں کو انگلیوں کی مدد سے کان کے پیچھے اڑسا۔

''یقین کرو جو ہوا اچانک ہوا۔ اس جم منحوس نے مجھے اپنی محبت کے جال میں ایسا پھنسایا کہ مجھے کچھ ہوش نہیں رہا۔ اب وہ مجھ سے شادی کر کے جیسے بھول ہی گیا ہے۔ اس کے پاس میرے لیے وقت ہی نہیں ہے۔''

میری نے چہرے پر افسردگی طاری کرتے ہوئے کہا۔

''تمہیں معلوم ہے میری۔ تم پہلے سے کہیں

زیادہ خوبصورت ہوگئی ہو۔ میرا دل تمہیں دیکھ کر ایک بار پھر سے دھڑکنے لگا ہے۔''

اینڈریو نے اس کی بات کا الگ ہی جواب دیا۔ میری کے چہرے پر ایک مکار مسکراہٹ بکھر گئی۔ اسے لگا وہ ایک بار پھر اینڈریو کو پھانس چکی ہے۔ اس نے ذہن ہی ذہن میں منصوبہ بنالیا کہ جلد ہی وہ جم سے جان چھڑا کر اینڈریو سے شادی کرلے گی۔

وہ اور اینڈریو کافی دیر باتیں کرتے رہے۔

☆.....☆.....☆

اب تو میری اور اینڈریو کی ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ میری اسے بات بے بات یہ جتانا نہیں بھولتی تھی کہ وہ اسے چھوڑ کر پچھتا رہی ہے۔ وہ اسے اب ہر حال میں پانا چاہتی تھی۔ اینڈریو اسے کئی بار اپنے گھر بھی لے گیا جو کسی شاندار محل سے کم نہیں تھا۔ اس کے سامنے میری کو اپنا گھر کسی ڈربے کے جیسے لگنے لگا تھا۔ جم اب اسے کسی بوجھ کی طرح محسوس ہو رہا تھا جس سے وہ جلد از جلد چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔ جب وہ بزنس ٹور سے واپس آیا تو اس کے لیے کئی بیش قیمتی تحائف بھی لے کر آیا تھا۔ لیکن میری نے ان پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔ اس کے ذہن پہ تو اینڈریو کی شاندار پرسنالٹی اور بے تحاشا دولت سوار تھی۔ اور اینڈریو اب کافی حد تک بدل چکا تھا۔ وہ اب پہلے جیسا بورنگ اور شرمیلا سا اینڈریو نہیں رہا تھا۔ میری اس کے عشق مین بری طرح مبتلا ہو چکی تھی۔

☆.....☆.....☆

آج میری مارٹن اور جم لائل کی شادی کی سالگرہ تھی۔ جسے میری مکمل طور پر فراموش کر چکی تھی۔

رات دو بجے وہ نشے میں جھومتی گھر میں داخل ہوئی۔ سامنے لاؤنج میں جم کو پا کر ایک لمحے کو ٹھٹکی۔ وہ صوفے پہ مضطرب سا بیٹھا تھا جس کے سامنے پڑی میز پہ کیک دھرا تھا جس پہ لگی موم بتیاں جل جل کر پگھلنے کے آخری مراحل میں تھیں۔ پورا لاؤنج خوبصورت سے انداز میں سجایا گیا تھا۔ میری ہونٹوں پہ دلکش مسکراہٹ سجائے جم کی طرف بڑھی۔

''اوہ ڈارلنگ تم کب آئے۔؟''

جم جو اسے دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا تھا میری آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گئی۔ لیکن جم نے اپنی بانہوں کو زحمت نہیں دی۔ اس کے انداز میں وہ گرم جوشی مفقود تھی جو پہلے کبھی ہوا کرتی تھی۔

''کہاں تھی تم۔؟''

جم نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں سوال کیا۔

''مم۔۔۔ میں ایک دوست کی طرف پارٹی میں گئی تھی۔''

میری کی زبان لڑکھڑا گئی۔

''کب سے تمہارا افیئر چل رہا ہے اس تھامسن کے ساتھ۔؟''

وہ تقریباً چلاتے ہوئے استفسار کرنے لگا۔

''کک کون تھامسن۔ میں کسی تھامسن کو نہیں جانتی۔''

میری حیران و پریشان سی بولنے لگی۔

صاف گوئی

ایک خاتون ماہر نفسیات صرف خواتین کو ان کی ازدواجی الجھنوں کے سلسلے میں مشورے دیتی تھیں۔

کسی نے پوچھا۔

''آپ صرف خواتین کو مشورے کیوں دیتی ہیں۔'' ماہر نفسیات خاتون نے کہا۔

''اس لئے کہ اگر میں مردوں کو بھی مشورے دینے لگوں تو پھر اس علاقے میں کسی لڑکی کی شادی نہیں ہو سکے گی۔''

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈوالہ یار)

''یو بچ۔۔۔تمہیں کیا لگا تم مجھے دھوکہ دے لو گی۔؟تم کب کہاں اور کیسے وقت گزارتی ہو مجھے پتہ نہیں چلے گا۔؟''

جم نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک لفافہ نکالا اور میری کی طرف پھینک دیا۔میری نے لرزتے ہاتھوں سے وہ لفافہ اٹھایا۔اس کے اندر کافی ساری تصویریں تھیں۔یہ تصویریں میری کی تھیں جن میں وہ کسی اجنبی کے ساتھ مختلف مقامات پر موجود تھی۔

''یہ۔۔۔یہ گھر اور گاڑیاں تو اینڈریو کی ہیں۔۔ان جگہوں پر تو میں اینڈریو کے ساتھ گئی ہوں۔۔یہ۔۔۔یہ کون شخص ہے''

میری دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوئی۔

جم نے آگے بڑھ کر اس کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔

''بولو کب سے چل رہا ہے یہ اور کیوں؟؟''

وہ خونخوار لہجے میں بولا۔

''میں اسے نہیں جانتی۔۔مم۔۔۔میں اسے بالکل نہیں جانتی۔''

میری کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔۔یہ سب کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ وہ چکرا کر رہ گئی۔

میری نے ایک جھٹکے سے اپنے بال چھڑوائے اور دو قدم پیچھے ہٹی۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے ہاتھ لگانے کی۔میں تمہیں جیل بھجوا دوں گی۔میں جا رہی ہوں ابھی اسی وقت۔لعنت بھیجتی ہوں تم جیسے بورنگ انسان پر۔''

''میں اینڈریو نہیں ہوں جسے تم دھوکہ دو گی اور میں چپ چاپ تمہارے راستے سے ہٹ جاؤں گا۔میں جم لائل ہوں تمہیں جہنم میں پہنچا دوں گا۔''

وہ غراتے ہوئے بولا اور اس کی طرف تیزی سے بڑھا اور اس نے میری کی گردن اپنے ہاتھوں میں دبوچ لی۔اس نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے دیوار سے لگایا اور اس کی گردن دبانے لگا۔میری کسی پرندے کی مانند اس کے ہاتھوں میں پھڑ پھڑانے لگی۔اچانک اس کا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرایا۔وہ ایک گلدان تھا۔اس نے وہ گلدان پکڑ کر جم کے سر کے پیچھے دے مارا۔جم تھوڑی دیر کو لڑکھڑایا تو وہ اس کی گرفت سے نکل کر کچن کی طرف بھاگی۔وہاں جا کر اس نے چھری اٹھا لی۔جم بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔اس نے جب میری کے ہاتھ میں چھری دیکھی تو پاگلوں کی طرح قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

''خبردار جو تم میرے قریب بھی آئے تو۔میں تمہاری جان لے لوں گی۔''

میری دہشت سے کانپتی آواز میں بولی۔جم بدستور اس کی طرف بڑھتا رہا۔میری نے پوری قوت کے ساتھ چھری اسے مارنے کی کوشش کی مگر جم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے چھری چھین کر میری کو نفرت سے پیچھے کی طرف دھکا دیا۔میری کا سر ڈائننگ ٹیبل کے ایک کونے سے بری طرح ٹکرایا۔خون کی ایک پتلی لکیر اس کے ماتھے سے بہتی ہوئی گردن تک آ گئی۔وہ اپنے چکراتے ہوئے سر کو تھام کر ابھی سیدھی ہی ہوئی تھی کہ جم نے اس کا بازو پکڑ کر چھری اس کے پیٹ میں گھونپ دی۔میری کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔جم دیوانہ وار اس کے پیٹ میں چھری گھونپتا رہا یہاں تک کہ وہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑی۔اس کا بے جان وجود آڑھا ترچھا سا ڈائننگ ٹیبل کے پاس پڑا تھا۔خون فرش پر تیزی سے جمع ہونے لگا۔

☆.....☆.....☆

وہ ایک چیخ مار کر اٹھی۔اس نے دیوانہ وار اپنے پیٹ کو ٹٹولنا شروع کر دیا،وہاں کوئی زخم نہ پا کر اس نے سکون کا سانس لیا۔سائیڈ ٹیبل پر پڑے جگ کو اٹھا کر اس نے منہ سے لگایا اور غٹا غٹ پانی پینے لگی۔

''اوہ خداوند۔کتنا خوفناک خواب دیکھا میں نے۔''

اس نے بالوں میں ہاتھ پھنسا کر خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔

''جم مجھے کبھی نہیں مار سکتا۔''

میری نے جیسے خود کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

اس نے اٹھ کر شاور لیا اور تیار ہو کر اپنے لیے کافی بنانے کے لئے کمرے سے باہر نکل آئی۔ لاج میں وہی گلدان نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوا پڑا تھا جسے اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ وہ حیرت زدہ سی ان ٹکڑوں کے پاس بیٹھ گئی۔ چند پل وہ اس کے ٹوٹنے کے اسباب پر غور کرتی رہی لیکن جب کچھ سمجھ نہ آیا تو کندھے اچکا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کچن کی طرف چل دی۔ اندر کے منظر نے اس کی روح فنا کر دی۔

سامنے ڈائننگ ٹیبل کے پاس جم کی خون میں لت پت لاش آڑھی ترچھی پڑی ہوئی تھی بالکل ویسے ہی جیسے اس نے خواب میں اپنی لاش کو دیکھا تھا۔ وہ حواس باختہ سی ہو کر جم کی طرف لپکی۔ اس کے ماتھے پر ہو بہو ویسا زخم تھا جیسا خواب میں میری نے اپنے ماتھے پر دیکھا تھا۔ اس نے جم کے پیٹ میں گڑی چھری کو طاقت لگا کر کھینچا اور پھٹی پھٹی نگاہوں سے چھری کو دیکھنے لگی کیونکہ یہ چھری بھی اس کے خواب والی چھری جیسی تھی۔

''ہینڈز اپ۔۔۔ ذرا سی بھی حرکت کی کوشش مت کرنا میری ورنہ میری گولی تمہارا بھیجا اُڑا دے گی۔ تمہیں اپنے شوہر کے قتل کے جرم میں گرفتار کیا جاتا ہے۔''

جانے پولیس کو کس نے خبر کی تھی کہ ایک پولیس والا ہاتھ میں پستول تھامے کچن کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے دو پولیس اہلکار اور بھی کھڑے تھے۔ میری کے ہاتھ سے چھری نیچے جا گری۔

''مم۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔''

اس کے منہ سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔

پولیس والے نے کوئی جواب نہیں دیا اور آگے بڑھ کر اسے ہتھکڑی ڈالنے لگا۔

جب پولیس والے اسے لے کر جا رہے تھے کہ میری نے دیکھا کہ اینڈریو گلاس ٹیبل کے پاس پڑے صوفے پہ بیٹھا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

میری نے خود کو پولیس والوں کی گرفت سے چھڑایا اور اس کی طرف لپکی۔

''یو باسٹرڈ۔۔۔ یہ سب تم نے کیا ہے نا تاکہ ہم سے بدلہ لے سکو۔''

میری اپنے حواس کھونے لگی۔ اس کے منہ میں جو آیا بکتی چلی گئی۔

''سر میں نے نہیں بلکہ اس نے جم کا قتل کیا ہے۔ یہ ہم دونوں کا دشمن ہے اور اب یہ جم کو مار کر مجھے پھنسانا چاہتا ہے۔''

وہ پولیس والوں کو وضاحت دینے لگی۔

''کون۔۔۔؟''

ان میں سے ایک پولیس والے نے پوچھا۔

''یہ۔''

میری نے اینڈریو کی طرف انگلی کر کے پلٹتے ہوئے کہا لیکن اسے حیرت کا شدید دھچکا لگا۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ پاگل ہونے لگی۔

دفعتاً اس کی نظر گلاس ٹیبل پہ پڑی۔ وہاں ایک مخملی ڈبیا پڑی تھی اور ساتھ میں ایک اخبار بھی۔

اس نے غائب دماغی سے اس مخملی ڈبیا کو اٹھا کر کھولا۔ اندر ایک پلاٹینم کی انگوٹھی تھی جس پر چھوٹا سا کھلتا ہوا گلاب بنا ہوا تھا جس کے وسط میں ایک چھوٹا سا ڈائمنڈ جگمگا رہا تھا۔ اس نے اس انگوٹھی کو ڈبیا میں رکھ کر میز پر رکھا اور اخبار اٹھا کر دیکھنے لگی۔ یہ تین سال پہلے کی آج ہی کی تاریخ کا اخبار تھا۔ لیکن فرنٹ پیج پہ لکھی خبر پہ نظر پڑتے ہی میری کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

''پوسٹ آفس کے ایک سینئر ورکر اینڈریو رسل نے محبت میں ناکامی پر اپنی بلڈنگ سے کود کر جان دے دی۔''

میری کے ہاتھ سے اخبار گر گیا اور پولیس والے اسے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔

شیطانی رقص

رضوان علی سومرو۔ کراچی

اچانک خوبرو حسینہ کی آواز سنائی دی آگے بڑھو اور آگ میں کود کر اپنی روح کو آقا کی غلامی میں دے دو، اور پھر جیسے ہی حسینہ آگے بڑھی تو اس کی آنکھوں میں شیطانی رقص تیز ہوگیا۔

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے اندھیرے میں جنم لینے والی.....خوفناک وخونی کہانی

یوں تو میں نے اپنی پولیس کی طویل سروس کے دوران بے شمار مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچایا اور بہت سے مجرموں کا ان کاؤنٹر کرکے موت کے گھاٹ بھی اتارا آج تک میرے دل میں کبھی بھی مجرموں کے لئے ہمدردی کا عنصر پیدا نہیں ہوا اور نہ ہوگا اور آج تک نہ ہی کسی بھی مجرم کے سامنے میں خوف زدہ ہوا تھا ہمیشہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کی سرکوبی کی۔ بچپن سے میرے والدین نے میری تربیت بہت ہی اچھی کی تھی جس کی وجہ سے میں نماز اور روزے کا پابند ہوگیا ہمیشہ نماز کا وقت پر ادا کرنا میری پہلی ترجیح رہی تھی میرے نانا اپنے وقت کے بڑے عالم دین تھے جب میں پیدا ہوا تو میرے نانا نے میری والدہ سے کہا تھا کہ ''اگر یہ نماز کی پابندی کرتا رہا اور اللہ کا خوف اس کے دل میں رہا تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو شکست نہیں دے سکے گی۔''

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میری پہلی پوسٹنگ دھام نگر میں ہوئی تھی۔ شروع سے ہی مجھے پولیس میں بھرتی ہونے کا بہت شوق تھا اس شوق کی وجہ صرف اتنی تھی کہ اسپائی فلموں میں ہیرو کو جب بھی پولیس والے کا رول کرتے دیکھتا۔ تو میرے دل میں بھی پولیس آفیسر بن جانے کا شوق پیدا ہوتا گیا جو کہ وقت کے ساتھ میرا جنون بن گیا پھر وقت سے میں نے یہ سبق لیا کہ کوئی بھی چیز مشکل نہیں ہوتی بس انسان کے اندر اس مقصد کو حاصل کرنے کا حوصلہ ہونا ضروری ہے اس کے بعد منزلیں از خود آسان ہوجاتی ہیں۔ مقابلے کا امتحان جب میں نے اچھے نمبروں سے پاس کیا تو سارے گھر والوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ رہا کیوں کہ اب پولیس کی نوکری کے لئے سارے راستے آسان ہوگئے تھے تقرری نامہ میں عہدہ دیکھتے ہی میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ پولیس کی سروس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں کبھی بھی بخل سے کام نہیں لوں گا۔

اس روز گھر والے بے حد مسرور تھے دن بھر غریبوں میں مٹھائی تقسیم ہوتی رہی پھر شام کو والد صاحب نے بلا کر مجھے بہت سی نصیحت کرتے ہوئے ایمانداری سے کام کرنے کی تلقین کی میری والدہ کو میری پولیس ملازمت ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی قدرے تنک کر مجھ سے مخاطب ہوئی تھیں۔

''ایک بات یاد رکھنا ظفر علی خان تم خالص پٹھان کی اولاد ہو۔۔ پٹھان وہ ہوتا ہے جو گولی سینے پر کھاتا ہے پیٹھ دکھا کر بھاگ نہیں جاتا اور بھاگ جانا

مردوں کا شیوہ نہیں ہمیشہ حالات کیسے بھی ہوں ہار مت ماننا"۔

"آپ فکر نہ کریں امی جان"۔۔۔۔میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

جب تک میری پوسٹنگ کے آرڈرز نہیں آگئے تب تک میرے اور امی کے درمیان یہی بحث چلتی رہی اس کے بعد میری پوسٹنگ ہوتے ہی میں نے روانگی پکڑلی جس روز میں دھام نگر روانہ ہورہا تھا امی نے تعویذ نما ایک لاکٹ میرے گلے میں ڈال دیا تھا میرے دریافت کرنے پر میری والدہ نے کہا تھا کہ "یہ عکسی قرآن مجید ہے اور ہر پریشانی میں اللہ کی مدد تمہارے ساتھ شامل حال ہوگی۔"

دھام نگر میری توقعات کے برعکس نہایت ہی دلچسپ جگہ ثابت ہوئی تھی یہاں زیادہ تر ہندو آبادی زیادہ تھی پرفضا اور شکار کے لئے نہایت ہی دلچسپ جگہ تھی دھام نگر میں سفید برفانی ریچھ کا شکار باآسانی مل جاتا تھا اور جبکہ نیل گائے بارہ سنگھا اور دوسرے جنگلی درندوں کا شکار بھی کھیلا جاتا تھا دھام نگر چونکہ بڑی جگہ نہ تھی اس لئے تین دنوں میں اچھی طرح سے اس جگہ کا جائزہ لے لیا تھا ان دنوں میرا قیام ایک اوسط درجے کے ہوٹل میں تھا اور میں قیام کے لئے کسی مستقل جگہ کی تلاش میں تھا جہاں میں سکونت اختیار کرسکوں۔

ایک استقبالیہ پارٹی میں میرا تعارف شہر کے معززین سے کرایا گیا میں لوگوں سے ہاتھ ملاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا کہ میری ملاقات رام داس سے ہوئی رام داس دھام نگر کا ایک بڑا سرمایہ دار تھا نہایت شریف اور ایماندار انسان تھا رام داس نے مجھے اپنے ایک گھر میں رہنے کی آفر دی جو ان دنوں خالی تھا لیکن میں نے اس کو کرایہ کے لئے کہا جو اس نے بڑی خوبصورتی سے منع کردیا تو میں نے صاف کہہ دیا کہ میں بھی اس طرح مکان میں نہیں رہ سکتا جہاں مجھے مفت میں رہنا پڑے تو اس کا جواب تھا۔۔"انسپکٹر صاحب ہم تو پیدا ہی سرکاری ملازمین کی خدمت کے لئے ہوئے ہیں۔۔"

میں نے بھی ہنس کر جواب دیا۔۔"رام داس جی میں تو عارضی طور پر رہنا چاہتا ہوں جب تک سرکار کی طرف سے کوئی گھر الاٹ نہیں ہوجاتا اتنے قلیل عرصے کے لئے میں آپ کو تکلیف نہیں دینا چاہتا۔۔۔"

"کیوں آپ سیوک کو گناہ گار کرنا چاہتے ہیں کرایہ تو ہم آپ سے نہیں لے سکتے"۔۔۔رام داس کے انداز میں لجاجت تھی۔

"تو پھر ہم آپ کے گھر میں رہ نہیں سکتے۔۔۔"

میں نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

میری بات پر رام داس چند لمحوں تک خاموش رہا اور پھر بولا۔۔"ایسا کرتے ہیں کہ آپ آدھا کرایہ دے دینا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔۔"میں نے بھی حامی بھرتے ہوئے جواب دیا۔

اس کے بعد دو دن کے اندر میں نے اپنا سامان اُٹھا کر اس کے گھر میں شفٹ ہوگیا گھر کافی بڑا اور کشادہ تھا ساتھ ہی ہوادار بھی رام داس کے مکان میں رہنے کی وجہ سے میری رام داس سے بڑی اچھی دوستی ہوگئی جو کہ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ مضبوط ہوتی چلی گئی رام داس کو آگے تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا مگر اپنے والد کے انتقال کے بعد اس نے ساری توجہ اپنے کاروبار پر مرکوز کردی تھی جس کی وجہ سے وہ مزید تعلیم حاصل نہیں کرپایا تھا رام داس کے ساتھ میری کافی اچھی دوستی ہوچکی تھی اور میں نے چارج بھی لے لیا تھا دو ماہ کے اندر ہی میں نے اس علاقے کو اچھی طرح سے سمجھ بھی لیا تھا اور بڑے بڑے افسران سے صاحب سلامت پیدا کرلی تھی۔رام داس کو پارٹیاں دینے کا بہت شوق تھا شہر کے شرفا میں رام داس پارٹیاں دیتا ہی رہتا تھا۔ایک روز اس نے مجھے فون کیا کہ آج اس کی طرف سے اس کے بنگلے پر ایک پارٹی ہے تو میرا پہلا سوال یہی تھا۔

"جناب۔۔۔ابھی دو ہفتے پہلے تو ایک پارٹی دی تھی تم نے۔۔۔"میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہ تو تھی۔۔۔مگر یہ پارٹی کچھ خاص ہے

اس پارٹی میں میری ایک فرینڈ آنے والی ہے جو بہت خاص ہے۔۔'' رام داس نے جواب دیا جواب دیتے وقت رام داس مسکرایا ضرور ہوگا۔

''جناب۔۔تو یہ بات ہے گرل فرینڈ بھی بنالی اور ہم کو بتایا بھی نہیں۔۔'' میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''تم پولیس والے ہو۔۔پتا لگالیتے۔۔۔'' رام داس ہنس کر بولا۔۔۔ کچھ لمحوں کے بعد رام پھر بولا'' آج شام آجانا اور وقت پر ہی آنا''۔

''ضرور۔۔۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

چنانچہ میں شام کے وقت میں رام داس کی پارٹی میں پہنچ گیا پارٹی میں رام داس نے میری ملاقات ایک خاتون سے کروائی جسکو دیکھ کر میں دنگ رہ گیا اپنی زندگی میں کبھی اتنی خوبصورت لڑکی کو نہیں دیکھا اس کی عمر چوبیس یا پچیس سال کے آس پاس تھی اس کا چہرہ نہایت ہی دلکش تھا اس نے ہلکے پیازی رنگ کی ساڑی زیب تن کر رکھی تھی جیسے ہی میری اور اس کی نظریں ملیں تو مجھ کو ایک عجیب طرح کی سنسنی دوڑتی محسوس ہوئی اس طرح کا تجربہ میرے لئے پہلی بار تھا جس طرح کوئی مرد پہلی بار کسی عورت سے نظریں ملانے کے بعد جس احساس سے دوچار ہوتا ہے اس طرح کا نرم ولطیف احساس مجھ سے کوسوں دور تھا بلکہ مجھے اپنے جسم میں ایک سرد لہری ڈورتی ہوئی محسوس ہوئی تھی میں زیادہ دیر تک اس سے آنکھیں نہ ملا سکا ان آنکھوں میں مجھے عجیب پراسراری چمک محسوس ہوئی انجانے سے خوف سے میں کانپ اُٹھا جلدی سے میں نے اپنی نظریں ہٹالیں۔

''کیسی لگی تم کو اپنی بھابھی۔۔۔'' رام داس میری طرف دیکھ کر مسکرا کر بولا۔

''بھابھی۔۔کیا مطلب تم نے شادی کرلی۔۔''

''نہیں یار بس بہت جلد۔۔۔'' لیکن شادی میں آنا ہوگا۔

''کیا نام ہے بھابھی آپ کا۔۔۔'' میں نے مسکرا کر پوچھا۔

''زرتاج ہے اس کا نام نواب خاندان سے تعلق ہے اس کا۔۔'' اس کی جگہ رام داس بول پڑا۔

''یار۔۔تم بھابھی کو تو بولنے دو۔۔۔'' میں نے کہا۔

''ابھی آپ اس کو بولنے دیں۔۔شادی کے بعد صرف میں ہی بولوں گی۔۔۔'' زرتاج مسکرا کر بولی۔

زرتاج کی بات سن کر رام داس نے زوردار قہقہہ لگایا اور زرتاج کو مخاطب کر کے بولا۔۔'' اب بھی تم ہی بولتی ہو۔۔میں کہاں بولتا ہوں''۔

جواباً زرتاج مسکرادی۔۔زرتاج کی مسکراہٹ بڑی ہی جاندار تھی۔

مجھے حیرت تھی کہ زرتاج کا تعلق اگر نواب خاندان سے ہے تو پھر ایک غیر مسلم سے شادی کررہی ہے۔۔کیونکہ نواب گھرانے میں زیادہ تر حسب ونسب کو فوقیت دی جاتی ہے۔۔لیکن رام داس تو ہندو تھا۔۔ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

پارٹی جاری رہی لوگ کھاتے پیتے رہے شراب اور مشروبات کا دور چلتا رہا ایک بات میں نے نوٹ کی تھی زرتاج رام داس کو اکیلا نہیں چھوڑتی تھی جہاں وہ جاتا اسی جگہ پہنچ جاتی نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا کہ زرتاج کی شخصیت جو نظر آتی ہے وہ ہے نہیں پارٹی ختم ہوگئی اور میں گھر آگیا۔

مجھے ڈیوٹی کرتے ہوئے چھ ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا اس دوران دھام نگر میں امن وامان کی صورتحال بہتر رہی اس دوران کوئی بھی کیس نہ آیا جو کہ مشکل ہو بس چوری چکاری کی واردات ہوتی رہتی تھی جو کہ میں باآسانی میں حل کرلیا کرتا تھا لیکن ایک کیس آیا جس کا تعلق میرے دوست رام داس اور زرتاج سے تھا جس نے میری اپنی نجی زندگی کو بھی متاثر کیا تھا۔ ہوا یوں کہ گھر سے امی کے فون کالز کا تانتا بندھ چکا تھا امی مجھ سے کچھ دن آنے کا مطالبہ کررہی تھیں ظاہر ہے میں ان کی اکلوتی اولاد تھا والد صاحب بھی مجھ سے بے حد محبت

کرتے تھے بات دراصل یہ تھی کہ انہوں نے میرے لئے ایک لڑکی دیکھ رکھی تھی جو کہ کسی نواب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی امی چاہتی تھیں کہ میں لڑکی دیکھ لوں تاکہ بات پکی کی جاسکے میں نے ان سے یہی کہا تھا کہ آپ کی جو مرضی ہو کرلیں مجھے آپ کا فیصلہ ہر صورت میں منظور ہے میں نے تو لڑکی دیکھنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔ امی کے اوپر ہی ان معاملات کو چھوڑ دیا تھا کہ جو بھی ہوگا امی خود ہی کریں گی۔ میں نے امی سے پندرہ روز کے بعد آنے کو کہا تھا چنانچہ میں نے فوراً ہی چھٹی کی درخواست جمع کرادی جو کہ فوراً ہی منظور بھی ہوگئی کہا جاتا ہے انسان کے نصیب میں جو ہوتا ہے وہ اس کو جلد یا بدیر مل کر رہتا ہے ہر اچھائی برائی یا حادثات کا نصیب سے بڑا گہرا تعلق ہے۔

اس دن اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کار کا سفر میری زندگی کے راستے ہی بدل دے گا اور ایک ایسی کہانی کو جنم دے گا جو کہ بہت زیادہ ہولناک ہے تو میں کار سے نہیں بلکہ ٹرین کا سفر کرلیتا مگر پھر وہی نصیب۔۔ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہتا ہے۔

اس روز سال کی سب سے تاریک رات تھی دسمبر کی بیس تاریخ تھی کار کے ذریعے بائی روڈ میں گھر کے لئے روانہ ہوا میں بڑا خوش تھا جاتے ہوئے میری رام داس سے ملاقات نہ ہوسکی لیکن میں نے یہ سوچا کہ رام داس سے واپسی میں ملاقات کرلوں گا اس لئے امی ابو سے ملنے کے لئے بڑا ہی خوش خوش میں دھام نگر سے روانہ ہوا تھا راستے میں ایک چھوٹا سا شہر پڑتا تھا جس کا نام سروپ نگر تھا سروپ نگر کو انگریزوں کے دور حکومت میں دوسو سال قبل ایک مسلمان نواب صولت مرزا نے بسایا تھا کہا جاتا تھا کہ صولت مرزا نہایت ہی ملنسار اور انسان دوست تھا غریب ہندو ہو یا مسلمان صولت مرزا کے در سے خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔

ایک رات صولت مرزا کی حویلی میں آگ لگ گئی نواب صاحب پراسرار طور پر اس حویلی میں جل مرے اور ساتھ ہی اس حویلی کے ملازمین بھی نواب صاحب کے ساتھ جل مرے تھے دریا کے کنارے بنی یہ حویلی اب کھنڈرات کی شکل میں موجود تھی میری کار اسی دریا کے کنارے سے گزر رہی تھی کہ میں نے ایک دوسری کار کو اس حویلی والے راستے کی طرف جاتے دیکھا جہاں اس حویلی کے کھنڈرات موجود تھے اس کار میں رام داس اور لڑکی زرتاج موجود تھے۔

رام داس کی ایک جھلک دیکھ کر نہ جانے میرے دل میں کیا خیال آیا میں نے کار کا رخ حویلی کی جانب موڑ دیا اگر اس کار میں رام داس اور زرتاج نہ ہوتے تو میں ان کا پیچھا کرنے کی جسارت نہ کرتا نہ جانے ان کھنڈرات کی طرف دونوں کو جاتا دیکھ کر میرے اندر کا پولیس افسر انگڑائی لے کر جاگ گیا کہیں ایسا تو نہیں کہ زرتاج رام داس کو کسی پریشانی میں نہ مبتلا کردے رام داس کے تحفظ کی خاطر میں ان دونوں کے پیچھے لگ گیا تھا۔

میں نے ان دونوں سے اتنا فاصلہ رکھا تھا کہ اس کی نظر مجھ پر نہ پڑ سکے تھوڑی دیر کے بعد کار میری نظروں سے اوجھل ہوگئی لیکن میں نے ہمت نہ ہاری اور میں آہستہ آہستہ کار چلاتا ہوا اس حویلی کے پاس پہنچ گیا حویلی دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ میرے خیال سے تو یہ حویلی کھنڈرات کا نمونہ ہونا چاہیے تھی لیکن یہ حویلی تو رنگا رنگ روشنیوں سے آراستہ تھی سامنے والا پھاٹک کھلا تھا جس میں ملازمین کی ایک فوج ہاتھوں میں بڑے بڑے تھال لئے آمنے سامنے کھڑی تھی حیرت انگیز بات یہ تھی ملازمین نے جس طرح کا لباس زیب تن کر رکھا تھا وہ لباس نہایت پرانا اور قدیم فیشن کا معلوم ہوتا تھا یوں لگتا تھا کہ مغلیہ سلطنت میں موجود ہوں میں نے اپنی کار ایک برگد کے ایک پرانے پیڑ کی آڑ میں کھڑی کی اور چھپ کر سارا تماشہ دیکھنے لگا۔

ایک بوڑھے ملازم نے رام داس کی کار کا دروازہ کھولا اور رام داس کار سے باہر نکل آیا اس کے ساتھ زرتاج بھی تھی جس نے دلہنوں والا لباس زیب تن

کیا ہوا تھا جبکہ رام داس اپنے مذہب کے روایتی لباس میں تھا یعنی دھوتی کرتا رام داس کے چہرے کے تاثرات میرے لئے حیران کن تھے رام داس کے چہرے پر تنویمی قسم کے تاثرات تھے نہ تو وہ تو کسی طرح کی حیرت کا مظاہرہ کررہا تھا نہ ہی کسی طرح کی خوشی کا بس سحرزدگی کے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کہ اس کے جسم پر کسی اور کا تصرف ہو۔

دونوں چلتے ہوئے حویلی میں داخل ہوگئے حویلی میں داخل ہوتے ہی سارے ملازمین بھی ایک ایک کرکے حویلی کے اندر چلے گئے پھاٹک کو بند کردیا گیا نہ جانے کیوں میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ رام داس خطرے میں ہے میں نے سوچا اگر میں اس وقت چلا گیا تو رام داس کی جان خطرے میں آجائے گی چنانچہ میں دبے قدموں نکلا اور پھاٹک کی طرف چلنے لگا۔۔ میں نہایت ہی رازداری سے بغیر آواز پیدا کئے چل رہا تھا پھاٹک کوئی سات فٹ اونچا تھا جسکو میں باآسانی پھلانگ سکتا تھا میں کھڑا ہی تھا کہ ایک تیز چیخ کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

چیخ مردانہ تھی چیخ میں درد و کرب کا تاثر تھا جیسے کوئی شدید اذیت میں ہو یہ چیخ ضرور رام داس کی تھی میں فوراً پھاٹک پھلانگ کر اندر داخل ہوگیا اور جیسے ہی میں اندر داخل ہوا راہ دری بالکل خالی نظر آرہی تھی میں آہستہ چلتا ہوا آگے بڑھنے لگا اچانک مجھے راہ داری کے پاس ایک زینہ اوپر کی طرف جاتا نظر آیا میں زینہ سے اوپر چڑھ گیا حیرت انگیز بات یہ تھی کہ جس حویلی کو میں خالی سمجھ رہا تھا وہ بالکل خالی نہ تھی بلکہ اندر سے نہایت ہی شاندار تھی زینہ سے اوپر کی طرف ایک طویل راہ دری تھی جس کے آمنے سامنے کمرے بنے ہوئے تھے۔

اچانک میں نے دیکھا کہ سامنے والے کمرے سے وہی بوڑھا نوکر باہر نکل رہا ہے اس کے پیچھے زرتاج تھی زرتاج نے دلہنوں والا لباس اتارا ہوا تھا اس کی جگہ اس نے ڈھیلا سا گون پہن رکھا تھا۔ یہ میرے لئے کافی عجیب سی بات تھی زرتاج نے عروسی جوڑا اتار ہوا تھا وہ دونوں چلتے ہوئے دائیں طرف مڑ گئے ان دونوں کی نظر مجھ پر نہیں تھی میں لپک کر تیزی سے اس کمرے میں پہنچا جہاں سے وہ دونوں نکلے تھے کواڑ نیم وا تھا میں نے جھانک کر دیکھا رام داس ایک شاندار مسہری پر آنکھیں بند کئے پڑا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ گہری نیند میں ہو مجھے اس بات پر حیرت تھی کہ اگر رام داس اس قدر گہری نیند میں ہے تو چیخ کی آواز کس کی تھی میں اس بات پر بھی شدید حیرت میں تھا کہ زرتاج رام داس کو چھوڑ کر کیوں چلی گئی ہے جبکہ آج ان کی شادی کی پہلی رات تھی یہ رات تو ارمانوں کی رات تھی جو کہ دونوں کے لئے بے حد اہم تھی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں کچھ تو گڑبڑ تھی۔

چنانچہ میں نے رام داس کو اسی حالت میں چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل آیا اور اس کمرے کی طرف چل پڑا جہاں زرتاج اور وہ نوکر گئے تھے میں نے کمرے کے اندر جھانکا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کمرے کے وسط میں قدیم وضع کا ایک بہت بڑا پتھر کا آتش دان رکھا ہوا ہے اس کے سامنے تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچی اور پانچ فٹ لمبی پتھر کی لمبی بنچ پڑی ہے اس پر تین پیالے رکھے ہیں بوڑھا نوکر ایک طرف کھڑا تھا جبکہ زرتاج نے الماری سے ایک شیشے کی بڑی ہی خوبصورت صراحی نکالی جس میں ایک چمکدار سا زرد رنگ کا مشروب بھرا ہوا تھا۔ زرتاج نے اس صراحی کو بنچ پر رکھ دیا اتنی دور سے میں یہ دیکھنے سے قاصر تھا کہ ان پیالوں میں وہی مشروب ہے یا نہیں معاملہ پراسرار معلوم ہورہا تھا ساری چیزیں میری سمجھ سے باہر تھیں کچھ تو یہاں بہت ہی غلط ہورہا تھا۔

بوڑھا ملازم مسکراتا ہوا زرتاج کی جانب آگے بڑھا زرتاج بھی اس کو مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی دوسرے پل ہی میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں میں نے جو دیکھا وہ میرے لئے ناقابل یقین تھا بوڑھا ملازم مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور آتش دان کے

دوسری جانب اس بنچ کے بالمقابل جا کر رُک گیا۔۔اس نے دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں بلند کئے پھر میں نے اس کے ہونٹوں کو ہلتے دیکھا جیسے وہ منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ رہا ہو ابھی میں اس کی حیرت انگیز حرکات کا مطلب اخذ کرنے کوشش کر رہا تھا کہ آتش دان کے شعلے بھڑک اُٹھے یہ شعلے اتنے بلند تھے ان شعلوں نے کچھ دیر کے لئے اس بوڑھے ملازم کو اپنی چادر میں چھپالیا پھر آہستہ آہستہ ان کی اونچائی کم ہوتی گئی پھر وہ چند انچ سے کم نہیں رہ گئے۔۔میں اس کو دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ دوسری طرف کھڑے ملازم پر غور نہیں کر سکا۔

جب شعلے بالکل ہی کم ہو گئے تو میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔اس بوڑھے کی جگہ ایک نہایت ہی خوبصورت نوجوان کھڑا تھا جس نے نہایت ہی شاہانہ لباس زیب تن کر رکھا تھا میں نے اپنی آنکھیں ملیں کہیں ان آنکھوں نے دھوکا تو نہیں کھایا کہیں وہ نوجوان کہیں اور سے تو نہیں آیا شاید وہ بوڑھا ملازم کسی اور طرف تو نہیں چلا گیا مگر ایسا کچھ تو نہیں تھا نوجوان کی آنکھیں بند تھیں اس کے ہاتھ اوپر اُٹھے ہوئے تھے اس کے گلے میں ایک سیاہ رنگ کی موتیوں کی چمکدار مالا جھول رہی تھی اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں اور زرتاج کی طرف دیکھا میں نے دیکھا کہ اس نوجوان کی آنکھوں میں نرمی کی جگہ کرختگی تھی۔زرتاج کسی سحر زدہ معمول کی طرح اس نوجوان کی آنکھوں مین ٹکٹکی باندھے گھور رہی تھی۔

اچانک میں نے زرتاج کو سجدے میں گرتے دیکھا زرتاج کو یوں سربسجود دیکھ کر میں کانپ کر رہ گیا کیونکہ سجدہ اور عبدیت صرف ایک ہی ذات کے لئے ہے جو کہ واحد اور یکتا ہے اس کا کوئی ثانی نہیں۔

چند لمحوں تک وہ سجدے میں پڑی رہی پھر اُٹھ کر اس نوجوان کو دیوانوں کی چومنے لگی تھی۔اور یوں سمٹی جا رہی تھی جیسے کہ اس میں سما جانا چاہتی ہو اچانک اس نوجوان نے زرتاج کو دھکا دیا دھکا لگتے ہی زرتاج دور جا گری۔

''بے وقوف۔۔مت بنو۔۔زرتاج میرا قرب بغیر قربانی کے حاصل نہیں ہو سکتا''۔۔نوجوان کے لہجے میں غصہ تھا۔

''ٹھیک۔۔کہتے ہیں آپ آقا۔۔''زرتاج نے طویل سانس لے کر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔''میں اس کھیل سے اکتا چکی ہوں۔آخر کب تک ہر سال مجھے محبت کا کھیل رچانا ہوگا''۔۔۔زرتاج بیزاری سے بولی۔

''کیوں کیا لازوال حسن وشباب پا کر مطمئن نہیں ہو''نوجوان مسکرا کر بولا۔

''مگر۔میرے اندر کی عورت پیاسی ہے۔۔''زرتاج سسک کر بولی۔

''میں نے تم کو منع تو نہیں کیا۔۔جتنے کھلونوں سے چاہو دل بہلا لو۔۔کوئی روک نہیں۔۔۔''نوجوان سنجیدگی سے بولا۔

''جان بوجھ کر انجان مت بنو۔۔آقا۔یہ کھلونے اگر میرے کام آسکتے تو مجھے اپنی روح کا سودا آپ سے کرنے کی ضرورت کیا تھی۔۔''زرتاج کا لہجہ تلخ تھا۔۔''کب تک مجھے محبت کا یہ جھوٹا ناٹک رچانا پڑے گا آپ جانتے ہیں میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔۔''

''پاگل مت بن زرتاج۔میرا مقصد میرا عہد تمہاری محبت سے زیادہ اونچا ہے۔۔''

''کون سا مقصد کون سا عہد۔۔۔''زرتاج چونکی۔

''وہی عہد جو ایک غلام نے اپنے آقا سے کیا تھا۔۔۔''نوجوان زیر لب بڑبڑا کر بولا۔

''میں تم کو کتنی بار بتا چکا ہوں زرتاج۔۔نوجوان اپنے گلے سے موتیوں کی مالا اتارتا ہوا بولا جب تک اس سیاہ مالا کے ایک ہزار دانے پورے نہیں ہو جاتے اس وقت تک تم قرب حاصل نہیں کر سکتی ابھی تو اس مالا میں صرف تین سو ہی دانے ہیں سات سو دانے باقی ہیں۔۔۔''نوجوان تلخ لہجے میں بولا۔

''مگر۔۔''

''اگر مگر۔۔ کچھ نہیں یہ مالا لے کر اپنے ایک رات کے دولہا کے پاس جاؤ۔۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ یہاں تم کو تلاش کرتا ہوا آجائے۔۔ اور ہاں زرتاج تم بہت خوش نصیب ہو۔۔ جو میں تم کو اپنے درشن دیتا رہتا ہوں۔۔ ورنہ میرے دنیا میں کروڑوں پجاری ہیں جو میری محبت میں مرے جارہے ہیں اور میرا مشن سرانجام دے رہے ہیں۔۔۔ لیکن میں ان کو کبھی بھی اپنے درشن نہیں دیتا۔۔ اب جاؤ شاباش۔۔'' نوجوان نے مسکرا کر کہا۔

''جو حکم آقا''۔۔ زرتاج نے مردنی سے جواب دیا صاف ظاہر تھا کہ زرتاج اس نوجوان کی بات ماننے پر دل سے آمادہ نہیں اتنا کہہ کر زرتاج نے وہ مالا لی اور دروازے کی طرف بڑھی میں نے گھبرا کر ادھر اُدھر دیکھا قریب ہی ایک دروازہ اور تھا میں نے گھبراہٹ میں اس دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ دروازہ اندر کی جانب کھلتا چلا گیا اور میں اس کے اندر چلا گیا اور دروازہ بند کر دیا مگر اتنا کھلا رکھا کہ باہر نظر آتا رہے۔

اس نوجوان کی ذومعنی باتوں نے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا کس مقصد کی خاطر وہ نوجوان زرتاج کو استعمال کر رہا تھا زرتاج نے اپنی روح کا سودا اس سے کیوں کیا تھا نوجوان کون تھا جس کے کروڑوں پجاری اس دنیا میں موجود تھے مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا چل رہا ہے مالا کا کیا چکر تھا ساری باتیں سمجھ سے باہر تھیں اور پراسرار بھی میں نے دیکھا کہ زرتاج گلے میں مالا ڈال کر باہر نکل گئی زرتاج کے جانے کے بعد میں نے اس کمرے میں دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا نوجوان غائب تھا آتش دان کے شعلے بدستور بھڑک رہے تھے اتنا میں سمجھ رہا تھا کہ اس حویلی میں کوئی بہت ہی خطرناک قسم کا شیطانی کھیلا جارہا تھا جس سے رام داس کی زندگی کو شدید خطرات لاحق تھے میں کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ رام داس کو کس طرح آگاہ کروں کہ وہ شدید خطرے میں ہے۔

اچانک مجھے قدموں کی آہٹ سنائی دی میں ایکبار پھر اس کمرے میں آگیا جہاں پہلے تھا جھری سے میں نے جھانکا تو کیا دیکھتا ہوں کہ زرتاج رام داس کا ہاتھ تھامے چلی آرہی ہے وہ مالا اب رام داس کے گلے میں جھول رہی تھی رام داس تنویمی انداز میں قدم اُٹھا رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ رام داس کسی کے زیر اثر تھا زرتاج رام داس کو لے کر اسی کمرے میں داخل ہوگئی جس کمرے میں زرتاج نے اس نوجوان سے بات کی تھی زرتاج نے دروازہ بند کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی ایک کواڑ کھلا تھا اور دوسرا نیم وا تھا میں اس نیم وا کواڑ کی آڑ میں ہوگیا زرتاج اور رام داس آتش دان کی طرف منہ کئے کھڑے تھے ماحول مجھے شدید خوفناک اور پراسرار نظر آرہا تھا۔

''تم مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو۔۔ رام داس''۔ زرتاج مسکرائی۔

''بے حد اپنی جان سے بھی زیادہ۔۔'' رام داس کا لہجہ خوابناک تھا۔

''تم میرے لئے کیا کر سکتے ہو۔۔۔'' زرتاج کی آواز سنائی دی۔

''کچھ بھی جو تم چاہو۔۔'' رام داس بدستور خوابناک لہجے میں بولا۔

''اپنی روح۔۔ میرے آقا کے حوالے کردو۔۔ میرے حوالے کردو۔۔ پھر میں تمہاری ہوجاؤں گی۔۔۔'' زرتاج نے پراسرار انداز میں کہا۔

''بڑی ہی خوشی سے۔۔ روح تو کیا جان بھی حاضر ہے۔۔'' رام داس کا لہجہ تنویمی تھا۔

''قسم کھاتے ہو۔۔'' زرتاج نے بدستور اسی لہجے میں کہا۔

''ہاں۔۔ کھاتا ہوں قسم۔۔۔''

''پھر اس مقدس آگ کے سامنے قسم کھاؤ۔۔۔ تم اپنی روح کو میرے آقا اور میرے حوالے کردو۔۔ جو میں کہوں وہی کہو۔۔۔'' یہ کہتے ہوئے زرتاج کے بھڑکتے شعلوں کے سامنے سجدہ میں گر گئی۔

رام داس نے اس کی طرف دیکھا اور زرتاج کی تقلید میں سجدے میں گر گیا سجدے سے اُٹھنے کے بعد دونوں آتش دان کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے اور زرتاج نے بلند آواز بولنا شروع کر دیا۔۔رام داس بھی اس کی تقلید میں بول رہا تھا۔

''اے۔۔مقدس آقا۔۔تجھے تیرے عہد کا واسطہ۔۔جو عہد تو نے اولاد آدم کو گمراہ کرنے کے لئے کیا تھا۔۔ہماری روحوں کو اپنی غلامی میں لے لے ہم تیرے عہد کو پورا کرنے میں کوئی کمی نہ چھوڑیں گے۔تجھے تیرے عہد کا واسطہ۔۔۔''اتنا کہہ کر وہ دونوں پھر سجدے میں گر گئے۔

یہ سب سن کر میں کانپ گیا تو گویا زرتاج شیطان کی پجارن تھی۔۔انسانوں کو حق کے راستے سے گمراہ کرنے کے مشن میں ابلیس کا ساتھ دے رہی تھی۔

زرتاج شیطان کی محبوبہ تھی اس سے محبت کی دعوے دار تھی۔میں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تاکہ رام داس کو بچا سکوں لیکن میرے قدم اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکے میں نے دیکھا کہ اب زرتاج رام داس کو صراحی والا مشروب پلا رہی ہے رام داس کے مشروب پینے کے بعد زرتاج نے اپنے گاؤن سے ایک خنجر نکالا۔۔یہ دیکھ کر میں کانپ گیا کہ زرتاج رام داس کو قتل کرنے کا ارادہ کر رہی ہے۔اس نے نہ جانے کہاں سے ایک چمڑے کا چرمی دستاویز نکال لیا۔اور رام داس سے کہنے لگی۔

''اپنا ہاتھ لاؤ۔۔رام داس تمہارے خون سے اس عہد نامہ پر مہر تصدیق ثبت کر دوں۔''

رام داس نے ہاتھ آگے بڑھایا اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس شیطان عورت نے رام داس کی دونوں کلائیاں کاٹ دیں اور سیدھے ہاتھ والی کلائی پر منہ لگا کر خون پینے لگی تھی اور خون کے چند قطرے اس چرمی دستاویز پر گرے تھے۔میرے سامنے میرے دوست کا قتل ہو رہا تھا میں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔میرے دوست کے چہرے کی رنگت زرد پڑتی جا رہی تھی میں نے دیکھا کہ رام داس موت کے منہ میں جا رہا ہے چند لمحوں کے بعد زرتاج نے منہ اُٹھایا تو اس کے منہ پر لگا خون دیکھ کر میں کانپ گیا اس وقت اس کے چہرے پر بے حد درندگی اور سفاکی نظر آ رہی تھی۔

اچانک اس نے اپنا ہاتھ رام داس کے سینے کی طرف بڑھایا میں نے گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں آیت الکرسی کی تلاوت شروع کر دی میری نظریں زرتاج پر جمی ہوئی تھیں زرتاج نے رام داس کے سینے سے ہاتھ ہٹایا تو میں نے دیکھا کہ زرتاج کی بند مٹھی میں کوئی شے تڑپ رہی ہے پھر اس نے دوسرے ہاتھ سے رام داس کی گردن میں پڑی مالا اتار لی پھر اس نے مالا اور اپنی دبی مٹھی کوئی شے ملائی جب اپنی مٹھی ہٹائی تو مالا میں ایک موتی کا اور اضافہ ہو چکا تھا۔رام داس فرش پر گر چکا تھا۔

اس دوران میں نے آیت الکرسی پوری تلاوت کر لی تھی مجھے ایسا لگا کہ میں کسی بندش سے آزاد ہو گیا ہوں۔میں نے قدموں کو جنبش دی یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ میرے قدم آگے بڑھ سکتے تھے میں فوراً ہی ڈورتا ہوا اندر چلا گیا زرتاج نے مجھے دیکھا تو ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں حیرت و خوف کے تاثرات ابھرے اور مالا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی دوسرے ہی پل اس کی آنکھوں سے غصہ ظاہر ہونے لگا تھا زرتاج چلاتی ہوئی میری جانب بڑھی میں نے فوراً ہی سورہ الناس کی تلاوت شروع کر دی تلاوت کے الفاظ سنتے ہی اس کے چہرے سے خوف ظاہر ہونے لگا اور زرتاج اسی جگہ رک گئی اس کے حلق سے خوفناک چیخ نکلی اور زرتاج فرش پر گر کر تڑپنے لگی تھی۔

یہ آیت کا ہی کرشمہ تھا کہ جس نے زرتاج کو شکست دے دی تھی کہ فرش پر تڑپنے لگی تھی میں زیر لب آیت کی تلاوت کرتا ہوا جیسے ہی اس کے قریب پہنچا تو وہ بجلی کی تیزی سے اُٹھی اور مجھے دھکا دیتی ہوئی باہر کی جانب بھاگی۔۔میں بھی اس کے پیچھے بھاگا۔۔لیکن

اس وقت تک زرتاج نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی اس نے اپنی پراسرار قوتوں کا استعمال کر کے مجھے دھوکا دے کر نکل چکی تھی اُسی وقت فضا میں نسوانی سسکیوں کی آوازیں گونجنے لگیں تھیں میں پلٹ کر کمرے میں پہنچا تو مالا اُسی جگہ موجود تھی جبکہ رام داس مر چکا تھا۔ مالا کو جیسے ہی میں نے اُٹھایا تو مالا گرم تھی پہلی بار میں نے دیکھا مالا کے ہر دانے میں ایک انسانی سر نظر آرہا تھا ہر سر سے ہلکی سسکیوں کی آواز آتی محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے مالا کو فی الفور جیب میں رکھ لیا اور حویلی سے باہر نکل آیا رام داس کی موت پر میرا دل اندر سے دکھ رہا تھا ایک بے گناہ جوان آدمی مارا گیا تھا میرا پہلا فرض یہی تھا کہ سروپ نگر جا کر وہاں کی پولیس کو سارے واقعات سے آگاہ کروں۔

چنانچہ میں نے برگد کے پیڑ کے پیچھے سے اپنی کار نکالی اور پولیس اسٹیشن چل پڑا راستے میں مجھے خیال آیا کہ اگر میں نے پولیس کو سچ بتایا تو پولیس مجھے پاگل سمجھے گی بھلا اس دور میں ایسے واقعات کا ظہور کہاں ممکن ہے۔ پھر میں پولیس کو کیا بتاؤں گا اگر میں کوئی جھوٹی کہانی گھڑتا ہوں تو پولیس کا پہلا سوال یہی ہوگا کہ آپ بھی تو ایک پولیس والے ہیں آپ نے ایکشن کیوں نہیں لیا کہیں ایسا نہ ہو مجھ پر ہی رام داس کے قتل کا الزام نہ لگا دیں۔

چنانچہ میں واپس رام داس کی لاش کے لئے پلٹا جب میں حویلی کی طرف پلٹا یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حویلی کھنڈر کا نمونہ بنی ہوئی تھی اور رام داس کی لاش کا کہیں کوئی پتہ نہ تھا پوری حویلی دھول مٹی اور گرد میں اٹی ہوئی تھی ایسا لگتا تھا کہ جیسے کہ اس حویلی میں برسوں سے کوئی داخل نہیں ہوا تو کیا میری نظروں نے دھوکا کھایا تھا۔

لیکن مالا تو میری جیب میں تھی مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ شیطانی جال میرے اردگرد بنا جا چکا ہے نہ کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ زرتاج اپنی مالا کے لئے واپس ضرور آئے گی۔

☆.....☆.....☆

میرے دل و دماغ میں ایک جنگ سی جاری تھی رہ رہ کر رام داس کی صورت میری آنکھوں کے سامنے ناچنے لگتی تھی اس چڑیل نے ضرور رام داس کو مار دیا تھا بس حویلی کے سارے واقعات میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہے تھے میں نے زرتاج کی مٹھی میں کوئی چیز پھڑپھڑاتے دیکھی تھی وہ ضرور رام داس کا دل تھا جو اس نے کسی پراسرار عمل سے باہر نکال لیا تھا۔

ابلیس صدیوں سے انسان دشمنی میں عمل پیرا تھا اپنے غرور و تکبر کا بدلہ وہ انسان سے لے رہا تھا اللہ پاک کے حکم کو سارے فرشتوں نے مانا تھا حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا مگر اس نے انکار کیا تھا جس کی وجہ سے وہ مردود قرار پایا تھا اس بات کا بدلہ وہ آج تک لے رہا تھا اور قیامت تک لیتا رہے گا۔۔ اس کے گماشتے وہ انسان ہوں یا جن اس کے مشن کو آگے بڑھاتے رہیں گے زرتاج بھی اسی مشن کا حصہ تھی لوگوں کی روحوں کو قبضے میں کر کے شیطانی مشن کو آگے بڑھا رہی تھی۔

رات دیر سے گھر پہنچا تھا گھر پہنچ کر میں والدین سے ملے بغیر ہی اپنے سونے کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

وہ رات میرے لئے بڑی عجیب و غریب تھی اپنے دوست کی موت کو دیکھنے کے بعد دل پر بوجھ تھا۔۔ چنانچہ میں سونے کے لئے جلد ہی بستر پر لیٹ گیا تھا لیکن نیند تو میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی مجھے لیٹے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک سیاہ رنگ کا دھواں میں نے اپنے کمرے میں دروازے کے ذریعے داخل ہوتے ہوئے دیکھا کچھ ہی لمحوں بعد دھواں پورے کمرے میں بھر چکا تھا۔۔ جب دھواں چھٹا تو میں نے دیکھا کہ وہی نوجوان سیاہ رنگ کے لباس میں میرے سامنے کھڑا تھا۔

''تم۔۔۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں میں۔۔۔'' نوجوان مسکرایا۔

''کیوں آئے ہو۔۔ میرے پاس۔۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''تم کو انعام دینے، میں چاہتا ہوں تم میری وہ مالا واپس کردو۔۔۔'' نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مالا۔۔کیسی مالا۔۔میرے پاس کوئی مالا نہیں۔۔۔''

میری بات سن کر وہ ہنس پڑا کافی دیر تک ہنسنے کے بعد نوجوان بولا۔۔''جھوٹ بول رہے ہو۔۔مجھ سے جانتے ہو دنیا کو جھوٹ بولنا بھی میں نے سکھایا۔اس لئے اچھے بچوں کی طرح مالا میرے حوالے کردو۔۔۔''

''ہرگز۔۔نہیں تم چاہے مجھے جان سے مار دو مگر میں مالا تمہارے حوالے نہیں کروں گا۔۔۔''

''ہوں۔۔تو مجھے خود تم سے لینی پڑے گی۔۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

پھر وہ میری جانب بڑھنے لگا اس کو آگے بڑھتا دیکھ کر میں کانپ گیا تھا میں اچھی طرح جانتا تھا کہ پروردگار کا یہ مجرم کس قدر پرسرار اور شیطانی قوتوں کا مالک ہے چنانچہ میں بستر سے اُٹھ بیٹھا مجھے کچھ نہ سوجھا تو میں نے آواز بلند سورہ الناس کی تلاوت شروع کردی اور جیسے ہی میں نے تلاوت شروع کی اس نوجوان کے چہرے کا رنگ بدلنا شروع ہوگیا دوسرے ہی لمحے اس کے منہ سے دلخراش چیخ نکلی اور وہ ایسے غائب ہوگیا کہ جیسے وہاں تھا ہی نہیں اسی وقت میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے دل میں سوچ لیا تھا کہ اس پراسرار مالا کی حفاظت اپنی جان سے بھی زیادہ کروں گا کسی بھی صورت اس کو اپنے سے دور نہیں ہونے دوں گا ابلیس کے یوں نامراد لوٹ کے جانے کے بعد مجھے یقین تھا کہ ابلیس دوبارا کوشش ضرور کرے گا چنانچہ اس کی حفاظت بے حد ضروری ہوگئی تھی۔لیکن پہلے رام داس کی موت کی تصدیق کرنا ضروری تھا۔

دوسرے دن کے اخبارات کے ایک ایک کالم اور خبر کو اچھی طرح چیک کیا تاکہ کہیں سے رام داس اور زرتاج کی کوئی خبر چھپی ہو مگر ایسا کچھ نہ تھا نہ ہی رام داس کی موت کی خبر تھی نہ ہی زرتاج کے بارے میں کچھ چھپا تھا رام داس کوئی اتنا معمولی نہ تھا کہ اس کے بارے میں کوئی خبر نہ چھپے حویلی میں پیش آنے والے پراسرار واقعات چونکہ سچ تھے اس لئے زرتاج اور رام داس کی گمشدگی کی خبر میرے لئے حیرت انگیز تھی۔کہیں ایسا تو نہیں کہ زرتاج نے رام داس کی لاش کو کسی جگہ دفنا دیا ہو ہوسکتا ہے رام داس کے گھر والوں نے اس کی گمشدگی کی اطلاع کسی تھانے میں کروائی ہو سوال تو یہ تھا کہ رام داس نے اتنی چھپا کر شادی کیوں کی شادی کی تو اس اجاڑ اور ویران حویلی میں بنی مون کے لئے آیا تھا اس کا لباس تو دولہا والا تھا اور زرتاج دلہن والے لباس میں تھی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا ہے۔

یہ تو دھام نگر واپس جانے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔میری والدہ نے مجھے تو لڑکی دیکھنے کے لئے بلایا تھا امی سے میں نے یہی کہا تھا کہ آپ کو جو بھی لڑکی پسند ہو اس کے لئے ہاں ہے میرا دیکھنا نہ دیکھنا کوئی ایشو نہیں ہے۔

پندرہ دن بعد ہی ڈیوٹی حاضر ہونے کا بہانہ کرکے میں گھر سے نکل آیا تھا جب تک میں اپنے گھر رہا ایسا کوئی نہ انوکھا غیر معمولی واقعہ نہ ہوا۔ مالا بدستور میرے پاس تھی روزانہ میں اس مالا کا بغور مشاہدہ کرتا ہر بار جب بھی میں اس کو ہاتھ میں پکڑتا مجھے عجیب سی بے چینی ہونے لگتی۔

پندرہ دن بعد میں دھام نگر کے لئے بذریعہ ٹرین روانہ ہوا۔دھام نگر پہنچتے ہی میں سب سے پہلے رام داس کے گھر گیا تھا مجھے اندازہ تھا کہ رام داس کی غیر حاضری سے اس کے گھر والے بہت پریشان ہونگے مجھے وہاں پہنچ کر بیحد تعجب ہوا جب میں نے اس کے دونوں چھوٹے بھائیوں کو گھر کے لان میں کرکٹ کھیلتے ہوئے دیکھا ان کا اس قدر بے فکری سے کرکٹ کھیلنا میرے لئے حیران کن تھا۔

''سریش۔۔'' میں نے اس کے چھوٹے بھائی کو آواز دی۔

میری آواز سن کر سریش ہاتھ میں بلا لئے میرے قریب چلا آیا۔

''ارے ظفر بھائی آپ۔۔'' وہ ہانپتے ہوئے بولا۔

''بیٹا۔۔بھائی کہاں ہیں۔۔''

''ارے۔۔بھیا۔۔تو۔۔'' ابھی اس کا جملہ پورا ہی نہیں ہوا تھا کہ میں ایک کار کو گیٹ سے اندر آتے ہوئے دیکھا۔

''لو۔۔بھیا آگئے۔۔'' سریش خوشی سے بولا۔

جیسے ہی کار اندر داخل ہوئی کار سے باہر نکلنے والے کو دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔۔کیونکہ بلاشبہ کار سے اترنے والا رام داس ہی تھا۔

☆.....☆.....☆

یہ چیز میرے لئے نہایت حیران کن تھی کہ رام داس دوبارہ زندہ ہوگیا تھا اس قدر حیرت میں تھا کہ میں اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکا رام داس نے میرے قریب آکر بڑی ہی گرمجوشی سے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بلند و یانگ قہقہہ لگا کر بولا۔

''ارے۔۔۔ظفر صاحب آپ۔۔۔۔''

میری تو حیرت کا عالم ہی نہ تھا میں تو رام داس کو یک ٹک نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''ظفر صاحب۔۔کم۔۔'' اس نے میرے کندھے میں ہاتھ ڈالا اور لے کر چلنے لگا رام داس کا بدلا ہوا رویہ میرے لئے حیران کن تھا وہ کبھی بھی اتنی بے تکلفی سے مجھ سے بات نہیں کرتا تھا ہمیشہ عہدے کا لحاظ رکھتا تھا۔رام داس مجھے لے کر اپنے کمرے میں آگیا کمرے میں پہنچ کر اس نے اپنا کوٹ اتار کر الماری میں لٹکایا اور الماری سے شراب کی بوتل اور دو گلاس نکال کر میرے پاس آگیا۔

''فل۔۔یا ہاف۔۔'' رام داس نے مسکرا کر پوچھا۔

''تم جانتے ہو۔۔رام داس میں شراب نہیں پیتا۔''

میری بات سن کر گڑبڑا گیا دوسرے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا اور اپنے گلاس سے سپ لی اور مجھے حیرت سے دیکھتا ہوا بولا۔

''ارے۔۔یار تم کیسے پولیس والے ہو۔۔۔حیرت ہے اتنی دقیانوسی باتیں۔۔''

''شراب نہ پینا کوئی دقیانوسی بات تو نہیں۔۔جو نہیں پیتا نہیں پیتا۔۔بس۔۔۔۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''شراب نہ پینے والے تو کبھی مدہوش نہیں ہوتے۔۔لیکن مجھے حیرت تم کیسے مدہوش ہوگئے۔۔'' رام داس نے شراب کے گلاس میں برف ملاتے ہوئے کہا۔

''کیا۔۔مطلب۔۔'' میں چونک گیا۔

''مطلب۔۔یہ کہ مالا میرے حوالے کردو۔۔زرتاج سے الجھنا آسان نہیں ہے۔۔'' اس نے شراب کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''ہوں۔۔تو مطلب۔۔تم بھی ان کی فہرست میں شامل ہوگئے ہو۔۔اپنی روح کو فروخت کردیا ہے تم نے۔''

''سمجھدار انسان ہو تم۔۔۔'' رام داس مسکرایا۔

''تم رام داس۔۔نہیں ہو۔''

''ظفر علی خان تم جو بھی سمجھو۔۔مالا تو تم کو دینی ہی پڑے گی۔''

''مالا کو بھول جاؤ۔۔'' میں نے حتمی لہجے میں کہا اور کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا کمرے کے دروازے تک ہی پہنچا تھا کہ رام داس کی پیچھے سے آواز سنائی دی

''میرا گھر خالی کردینا۔۔ملازم بھیج رہا ہوں۔۔چابی دے دینا۔''

میں نے کوئی جواب نہ دیا اور اس کے کمرے سے باہر نکل آیا۔

اس کا مکان میں نے خالی کردیا رام داس کے بارے میں شبہ ٹھیک تھا کہ یہ رام داس نہیں ہے میں رام داس کے مکان سے سرکاری کوارٹر میں آگیا اس بات کو ہفتہ ہی گزرا ہوگا رام داس کے بارے میں مجھے متضاد

اطلاعات مجھے مل رہی تھیں رام داس کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ رام داس رنگین مزاج نہیں ہے مگر اب لڑکیوں کی زندگی خراب کرنا جو اسٹہ بے ایمانی جیسے اس کے خون میں شامل ہوگئی تھی۔ شہر کے ہر چھوٹے بڑے جرم اس کا ہاتھ ملوث ہونے کی اطلاعات مجھے مل رہی تھیں۔ پولیس کے دوسرے لوگ اچھی طرح سے جانتے تھے کہ رام داس میرا دوست ہے چنانچہ میں نے اس کے خلاف خود ہی انکوائری شروع کروائی تاکہ کوئی بھی ثبوت ملنے کی صورت میں اس کو گرفتار کیا جائے ایک طرف یہ حالات تھے کہ میرا گھر عجیب وغریب پراسرار گرمیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

رام داس کا مکان چھوڑنے کے بعد حکومت کی جانب سے رہنے کے لئے ایک کوٹھی مل گئی تھی جس میں صاف صفائی کے لئے ایک ملازم لڑکا کھانا پکانے کے لئے ایک بوڑھی ملازمہ موجود تھی۔ صبح آفس جاتے ہوئے میں ہمیشہ سے بیڈروم اور نجی کمرے کو مقفل کر کے جاتا تھا پھر بھی مجھے ایسا لگتا تھا کہ جیسے کہ بیڈروم اور نجی کمرے کو چھیڑا گیا ہے میں ملازمہ اور اس لڑکے پر شک بھی نہیں کرسکتا تھا کیونکہ چابیاں میرے پاس ہوتی تھیں۔

یہ غالباً شام کی بات ہے اس روز میں ذرا جلدی گھر آگیا تھا میں نہا کر نکلا ہی تھا کہ بوا کمرے میں آتی دکھائی دی ملازمہ کو میں بوا ہی کہہ کر پکارتا تھا۔

''بوا۔۔خیریت۔۔'' میں نے بوا کی طرف دیکھ کر کہا۔

بوا نے میری طرف سہمی ہوئی نظروں سے دیکھا اور بولی۔۔۔''بیٹا ہمارا حساب کردو۔۔ہم اب کام نہیں کرسکتے''۔

''خیریت۔۔بوا''

''بب۔۔بیٹا۔۔۔اس گھر میں آسیب ہے۔''

بوا کی بات پر میں چونک پڑا۔

''آسیب۔۔کیسا آسیب۔۔۔''

بیٹا۔۔ میں جب کھانا بنانے کے کچن میں جارہی تھی کہ تمہارے بیڈروم کے پاس میں نے ایک لڑکی کو دیکھا جو کہ دروازے پر کھڑی تھی کچھ لمحوں تک لڑکی دروازے کے پاس کھڑی رہی اور اس کے بعد دروازے کے سامنے سے غائب ہوگئی۔

بوا کی بات سن کر میں چونک گیا تھا مطلب کسی لڑکی نے میرے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کی ہوگی۔۔مگر کیوں پھر مجھے خیال آیا کہ مالا کی وجہ سے تھا۔۔۔ہو نہ ہو وہ لڑکی زرتاج کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتی تھی مالا کی تلاش میں زرتاج نے میرے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کی ہوگی مگر ناکام رہی ہوگی کیوں کہ میری ہمیشہ کی عادت تھی کہ اپنے کمرے کے دروازے اور اس کے چاروں کونوں کو چاروں قل سے محفوظ کردیا کرتا تھا۔ زرتاج نے اندر داخل ہونے کی کوشش کی ہوگی اور ناکام رہی ہوگی۔۔مالا تو کمرے میں ہی موجود تھی لیکن کلام پاک کی برکت کی وجہ سے کمرے کے اندر داخل نہیں ہوسکی تھی میں نے بوا کو کسی طرح بہلا کر بھیج دیا جہاں مالا موجود تھی اس جگہ میں نے آیت الکرسی کا دم کردیا تاکہ میری غیر موجودگی میں اگر زرتاج کمرے میں داخل ہوجائے تو اس جگہ کو چھو بھی نہ سکے۔

اس بات کے تین روز بعد میرے ساتھ ایک ایسا ہی غیر معمولی واقعہ پیش آیا جس کے بعد میں اور مزید محتاط ہوگیا اس روز خلاف معمول میں جلد گھر پر آگیا کار گیرج میں کھڑی کرنے بعد جیسے ہی میں بیڈروم میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ بوا الماری کھولے کھڑی تھی مجھے شدید تعجب ہوا کہ بوا الماری میں کیا کررہی ہے۔۔اس الماری میں میرے کپڑے اور دوسری چیزیں اور الماری کی ایک دراز میں وہ پراسرار مالا بھی موجود تھی۔

''کیا کررہی ہو۔۔بوا۔۔۔'' میں نے پوچھا

۔۔۔۔وہ بغیر کسی پریشانی کے میری طرف گھومی۔

جیسے ہی میری طرف گھومی بوا کی آنکھیں دیکھ کر میں چونک گیا بوا کی آنکھیں حد درجہ سرخ تھیں ان آنکھوں میں اجنبیت موجود تھی۔۔بوا مجھے قہر آلود

نظروں سے گھور رہی تھی۔

''مالا۔۔کہاں ہے۔۔۔''بوا نے پوچھا۔

بوا کی آواز سن کر میں پھر چونک گیا وہ آواز ہرگز ہرگز بوا کی نہیں تھی۔۔قدرے بیٹھی ہوئی غیر انسانی آواز تھی لگتا تھا بوا کے اندر کوئی شیطانی روح حلول کر گئی ہے۔

''کون۔۔سی مالا۔۔''میں نے حیرانگی سے کہا۔

وہی مالا جو تم نے مجھ سے چھینی تھی۔۔۔بوا نے کہا۔

اتنا سننا تھا کہ میں چونک پڑا دوسرے ہی لمحے میں نے مسکرا کر کہا۔۔۔''تو تم زرتاج ہو۔۔جس نے میرے دوست رام داس کا خون کیا ہے''۔

میری بات سن کر بوا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔۔ اس کی ہنسی سن کر مجھے اپنے جسم میں سنسنی سی ڈورتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''ہاں۔۔میں زرتاج ہوں۔۔لیکن رام داس تو زندہ ہے۔۔۔''زرتاج نے مسکرا کر مکاری سے کہا۔

''وہ رام داس نہیں ہے۔۔اس نے اپنی روح کا سودا کیا ہے۔''

''جو بھی ہے۔۔۔مالا مجھے دے دو۔۔میں تم کو مالا مال کر دوں گی۔''

''نہیں۔۔مجھے ایسے مال کی ضرورت نہیں ہے جس میں ایمان کا سودا کیا جائے۔۔۔''میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''میں۔۔تم سے مالا چھین لوں گی۔۔''اس نے سفاکی سے کہا۔

''نہیں۔۔۔بے بی ڈول تم ایسا۔۔نہیں کر سکتی۔۔''میں مسکرایا۔۔۔''تم کو میرے کمرے میں داخل ہونے کے لئے بوا کے جسم کا سہارا لینا پڑا۔کیونکہ میں نے اپنے کمرے کو کلام مقدس سے محفوظ بنالیا ہے۔۔اگر کر سکتی ہوتی تو بہت پہلے کر دیتی۔۔۔''میں نے سخت لہجے میں کہا۔

''تو۔۔میں تم کو جان سے مار دوں گی۔۔تا کہ پھر مالا ڈھونڈنے میں مشکل نہ ہو۔۔۔''اس نے زہر خند سے کہا اور چیخ کر میری جانب بڑھی میں ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔۔جیسے ہی اس کا ہاتھ گردن کو لگا۔۔دوسرے ہی پل اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔۔اور بوا لہرا کر زمین بوس ہوگئی۔۔اسی پل میں نے دیکھا کہ بوا کے جسم سے سیاہ رنگ کا دھواں باہر نکلا ہے اور تیزی سے کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔۔یہ سب میرے لئے نہایت حیران کن تھا لیکن دوسرے پل ہی میں سمجھ گیا کہ زرتاج کا ہاتھ میرے گلے میں۔۔موجود اس عکسی لاکٹ سے چھو گیا تھا جو میری امی نے گلے میں ڈالا تھا۔۔جس لاکٹ کے اندر عکسی قران مجید موجود تھا میں نے عقیدت سے اس لاکٹ کو چوما قعی قران مجید کی برکت سے آج میری جان بچ گئی تھی اس کے بعد میں اس مالا کی حفاظت کے سلسلے میں اور محتاط ہو گیا تھا ہر روز میں مالا کو دن میں دو یا تین دفعہ ضرور دیکھتا تھا۔

اس روز اتوار تھا میں ضروری فائلوں کے سلسلے میں آفس گیا تھا واپس آنے کے بعد کھانا کھا کر میں تھوڑی دیر کے لئے لیٹ گیا تھا لیٹے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک آہٹ کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی میں نے دیکھا کہ کمرے میں نہایت ہی نورانی صورت ایک بزرگ کھڑے ہیں۔ میں نے زندگی میں اتنا نورانی اور خوبصورت چہرہ کبھی نہیں دیکھا تھا ان کی عمر ستر یا اسی کے درمیان تھی سرخ اور سفید چہرے پر سفید ریش اور ماتھے پر نماز کا نشان ان کے وقار میں اضافہ کر رہا تھا ان کو دیکھ کر میں فوراً اُٹھ بیٹھا۔۔ان کے جلال اور وقار کو دیکھ کر از خود میں رعب میں آ گیا۔

''بابا۔۔آپ کون ہیں۔۔''میں ان کی شخصیت سے متاثر ہوتے ہوئے بولا۔

میری بات سنکر بابا کے لبوں پر مسکراہٹ ڈور گئی ۔۔ان کی مسکراہٹ بھی بے حد خوبصورت تھی۔

''بیٹا۔۔خدا کے مقرب بندے اپنی شناخت

ظاہر نہیں کرتے''۔

''بات اتنی خوبصورت تھی کہ میں دل وجان سے ان پر فدا ہوگیا قدرے توقف کے بعد میں نے بابا کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

''بابا۔۔میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔۔'' میرے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

''بیٹا۔۔ہمیں اپنے علم سے معلوم ہوا ہے زرتاج نامی ایک عورت ابلیس سے معاہدہ کرکے ۔۔خلق خدا کو بہکا رہی ہے یہ عورت ہر سال ایک نوجوان کو اپنے حسن وشباب کے جال میں پھانس کر اس کی روح شیطان کے حوالے کردیتی ہے پھر وہ نوجوان ابلیس کا کارندہ بن کر جب تک اس دنیا میں زندہ رہتا ہے۔۔لوگوں کو بہکاتا رہتا ہے برائیوں کو فروغ دیتا رہتا ہے اس عورت کے پاس ایک مالا ہے جس میں ان نوجوانوں کی روح قید ہوتی ہے۔۔وہ مالا تمہارے ہاتھ لگ گئی ہے۔۔۔تم اس مالا کی حفاظت نہیں کرسکو گے اس لئے مجھے دے دو۔۔ویسے بھی تمہاری جان کو خطرہ ہے۔۔۔'' بزرگ کے لہجے میں سنجیدگی تھی۔

بزرگ کی بات میں وزن تھا چنانچہ میں وہاں سے اُٹھ کر الماری کی جانب بڑھا اور جیسے ہی میں نے الماری کھولی الماری کے پٹ میں لگے آئینے کو دیکھ کر میں چونک گیا آئینہ میں بزرگ کی جگہ اس نوجوان کا عکس نظر آرہا تھا۔نوجوان کا عکس دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ شیطان بزرگ کا روپ لے کر مجھے بہکا کر مالا کو حاصل کرنے آیا ہے۔آئینے نے اس کی اصلیت واضح کردی تھی۔

چند لمحے تک سوچنے کے بعد میں نے اس بزرگ کو گہری نظروں سے دیکھنے کے بعد مسکرا کر کہا۔

''حضرت ۔۔آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں ۔۔آپ کو اللہ نے نوازا ہے۔۔آپ آکر خود نکال لیں مالا۔۔'' میں نے پیچھے ہٹتے ہوئے جواب دیا۔

یہ سننا تھا کہ بزرگ کے چہرے پر غصہ در آیا اور وہ کڑک کر بولے۔

''ناہنجار۔۔تو نے کیا ہم کو اپنا نوکر سمجھ رکھا ہے۔۔۔تو مالا خود نکال کردے۔''

میں نے بھی سخت جواب دیا۔۔۔

''باباجی۔۔ضرورت آپ کی ہے میری نہیں۔۔۔''

بابا آگ برساتی ہوئی نظروں سے مجھے گھورنے لگے۔۔بزرگوں کی شان میں گستاخی تیرے حق میں بہتر نہ ہوگی۔۔''بہتری اسی میں ہے کہ مالا دے دو۔۔۔''

''مالا۔۔تو نہیں دے رہا۔۔۔لینی ہے تو آکر خود لے لو۔۔۔'' میں نے مسکرا کر کہا۔

میری مسکراہٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔۔بابا کی آنکھوں میں انگارے ناچنے لگے تھے۔

صاف سی بات تھی کہ میں نے اپنی الماری اور کمرے کو قرآن کی تلاوت کے دم سے محفوظ کرلیا تھا۔۔اس لئے شیطان جانتا تھا کہ اس کو کبھی ہاتھ نہیں لگا سکتا تھا چنانچہ اس نے دھمکیوں سے کام لینا مناسب سمجھا تھا۔

''میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔۔۔ا'' تنا کہہ بابا کا روپ بدلنے لگا اب بابا کی جگہ وہی نوجوان کھڑا تھا۔

''میں جانتا تھا کہ تم بزرگ کے روپ میں مجھے گمراہ کرنے آئے ہو۔۔کبھی لیتے اگر آئینے میں تمہارا اصل روپ نہ نظر آجاتا''۔۔میں نے سنجیدگی سے کہا۔

جواباً اس نوجوان نے اپنا بھاڑ سا منہ کھولا۔۔میری جانب دیکھ کر ایک چیخ ماری۔۔چیخ نکلتے ہی اس کے منہ سے بہت سے سانپ نکل نکل کر فرش پر گرنے لگے تھے۔۔۔سانپ چھوٹے بڑے مختلف اقسام کے تھے۔۔سانپ تیزی سے رینگتے ہوئے میری جانب بڑھنے لگے تھے۔۔اور میرے حلق سے چیخ نکل گئی۔۔۔پھر میری آنکھ کھل گئی۔۔میرا پورا جسم پسینے سے تر ہورہا تھا میری آنکھوں سے بے اندازہ وحشت ظاہر ہورہی تھی۔۔تو گویا یہ خواب تھا۔۔میں نے گھڑی میں وقت دیکھا تو شام کے پانچ بج رہے تھے۔۔نماز عصر کا وقت ہوچکا تھا میں نے وضو کرکے نماز ادا کی اور شیطانی قوتوں سے پناہ کی اللہ سے مدد کی

درخواست کی۔

شیطانی قوتوں نے خواب میں بھی مجھے تنگ کرنا شروع کردیا تھا۔۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آنے والے وقت میں کیا ہونے والا ہے لیکن جب تک مالا میرے پاس تھی اس وقت تک زرتاج اپنے شیطانی مقاصد کو پورا کرنے میں ناکام تھی۔۔ کئی ہفتے گزر گئے دوبارا ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا لیکن میں جانتا تھا کہ وہ لوگ چپ نہیں رہ سکتے اس مالا کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کررہے ہوں گے۔

ایک روز ایک لڑکی کے غائب ہونے کی واردات رپورٹ ہوئی۔لڑکی کے والد کو رام داس پر شک تھا۔کیونکہ لڑکی رام داس کے آفس میں جاب کرتی تھی بہت دفعہ رام داس نے اس کو ہراساں کرنے کی کوشش کی تھی مگر ہر بار اپنی جاب جانے کے خوف سے خاموش رہتی۔لیکن اس نے اپنی ماں سے ان تمام باتوں کا تذکرہ کردیا تھا۔ماں کے مشورے پر اس نے جاب چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا تھا اس کے بعد اس لڑکی کا کوئی پتہ نہیں چلا پولیس نے تحقیقات شروع کی تو اس لڑکی کی لاش ایک ویران مقام پر پائی گئی ابتدائی رپورٹ سے اندازہ ہوگیا کہ اس لڑکی کو ایک سے زائد بار زیادتی کا نشانہ بنایا گیا ہے اور اس کے بعد اس کو قتل کردیا گیا لاش کے ساتھ جس طرح کی درندگی کا ثبوت دیا گیا تھا اس کو دیکھ کر ہی میری آنکھیں اشک بار ہوگئیں تھیں۔بہت زیادہ تحقیقات کے باوجود بھی کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی تھی ایک روز میرے گھر میں ایک عجیب سا واقعہ پیش آیا میں ذرا کسی کام کی وجہ سے گھر جلدی آگیا تھا آتے ہی نہانے کی نیت سے واش روم میں گھس گیا یہ بتادوں کہ میرے بیڈروم میں اٹیچ باتھ ہے۔جیسے ہی میں باہر نکلا تو میں اپنے آپ کو کافی پرسکون محسوس کررہا تھا جیسے ہی میری نظر الماری کی جانب پڑی میں بری طرح اچھل پڑا۔

ایک چور تھا جو میری بیڈروم والی الماری میں جھکا ہوا تھا اس نے سیاہ رنگ کا چیسٹر زیب تن کررکھا تھا وہ بڑے ہی اطمینان سے میری الماری میں جھکا کچھ تلاش کررہا تھا تلاش مالا کی ہی ہوسکتی تھی نوارڈیل ڈول سے نہ ہی رام داس کا مشابہہ تھا اگر نوارذرتاج کا کوئی ساتھی ہوتا تو کلام پاک کی تاثیر کے سبب وہ الماری کے نزدیک پھٹک بھی نہیں سکتا تھا الماری کھولنا تو دور ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا تھا کیونکہ الماری میں کلام پاک موجود تھا تو وہ کوئی چور تھا جو کہ چوری کی نیت سے میرے گھر میں گھسا تھا مگر مالا ہی کی چوری کیوں۔

میں فوراً ہی دبنگ لہجے میں چلایا ۔۔۔ ''خبردار۔۔''

وہ یوں اچھلا جیسے کہ کسی نے غیر متوقع طور پر چابک رسید کردیا ہو اس نے میری طرف گھوم کر دیکھا تو اس کے چہرے پر شدید حیرت کے تاثرات نمایاں تھے گویا میری آمد اس کے لئے غیر متوقع تھی۔

''کون۔۔ہو تم۔۔یہاں کیسے آئے تھے۔۔۔''

میری آواز سن کر وہ چونکا اور دوسرے پل اس نے دروازے کی جانب چھلانگ لگادی۔۔لیکن میں بھی غافل نہ تھا اس سے قبل وہ باہر نکل پاتا میں نے اس کو دبوچ لیا بڑی ہی پھرتی سے اس کو فرش پر گرادیا۔

''اگر۔۔تم نے بھاگے تو یہاں سے تمہاری لاش جائے گی۔۔'' میں نے سرد لہجے میں کہا۔

میری بات سن کر وہ سہم گیا اور اس کے چہرے سے خوف ظاہر ہونے لگا تھا۔

''صاحب۔۔میرا کوئی قصور نہیں۔۔مجھے کہا گیا تھا کہ آپ گھر پر نہیں ہیں۔۔۔'' چور نے منمناتے ہوئے جواب دیا۔

''تم۔۔مجھے جانتے ہو۔۔'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''آپ کو اس شہر میں کون نہیں جانتا۔۔۔۔''

''تم سے کس نے کہا تھا کہ میں گھر پر نہیں ہوں۔۔۔۔''

''اسی نے جس نے مجھے دس ہزار روپے کا لالچ

دیکر چوری کرنے بھیجا تھا۔''

''بہت ۔۔خوب میں مسکرایا۔''تم اپنا جرم کسی اور کے سر پر ڈالنے کی کوشش کررہے ہو۔۔''میں نے ترش لہجے میں کہا۔۔''سب جانتے ہیں میں بالکل اکیلا رہتا ہوں اس بنگلے میں زیورات یا نقدی ایسی کوئی بھی چیز بنگلے میں ہو بھی نہیں سکتی ۔۔پھر کون ایسا احمق ہوسکتا ہے۔۔جو دس ہزار روپے دیکر چوری کرنے کے لئے بھیجے گا۔۔۔''

''مالا۔۔انسپکٹر صاحب۔۔اس نے کہا تھا کہ میں ایک سیاہ موتیوں والی ایک مالا چوری کرکے اس کو دوں۔۔۔''

مالا۔۔کی بات سن کر میں چونک گیا اور میرے ذہن میں صرف ایک ہی نام گونجا تھا کہ زرتاج اس مالا کو حاصل کرنے کے لئے اس طرح کی ترکیب بھی سوچ سکتی ہے میرے گمان میں بھی نہیں تھا۔

اس نے کہا تھا کہ آپ اس وقت تھانے میں ہیں اور ملازمہ سودا سلف لینے گئی ہوگی۔اس لئے میں نے یہ حرکت کی مجھے معاف کردو۔۔صاحب میرے گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں کوئی کام دھندا نہیں۔۔''چور رو پڑا۔

ظاہر ہے مجھے اس کو معاف کرنا پڑا۔اب مالا ہر دم مجھے اپنے ساتھ ہی رکھنی تھی۔

سال ختم ہونے کے قریب تھا دسمبر چل رہا تھا امی نے ایکبار پھر شادی کے لئے اصرار کرنا شروع کردیا تھا بات ٹالنے کا بھی جواز نہ تھا چنانچہ میں نے حامی بھرلی تھی میری شادی جس لڑکی سے ہونے جارہی تھی اس کا نام نیلوفر تھا نیلوفر ایک بہت بڑے نواب خاندان سے تعلق رکھتی تھی سُنا تھا نیلوفر بہت حسین ہے وکالت کی تعلیم حاصل کررہی ہے اس کے والدین وکالت پوری ہونے سے قبل ہی اس کی شادی کردینا چاہتے تھے شادی کی تاریخ دسمبر کی بیس تاریخ مقرر کی گئی تھی۔میں نے تین ماہ کی چھٹی کی درخواست دے دی۔۔بڑی ہی مشکلوں سے ایک ماہ کی منظور ہوئی تھی چنانچہ اپنے مختصر سامان کے ساتھ مالا سمیت ہی دھام نگر سے بائی روڈ روانہ ہوگیا۔

میری کار بڑی تیز رفتاری سے اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی شام کے پانچ بج چکے تھے موسم غم آلود تھا سہ پہر سے چھائے کالے بادل کسی وقت بھی برس سکتے تھے اس لئے میں نے اپنی کار کی رفتار کو تیز رکھا ہوا تھا تاکہ جتنا جلدی ہوسکے میں دھام نگر سے نکل کر اپنے گھر تک پہنچ سکوں بارش دھام نگر میں برس پڑی تو پھر میرا جانا دشوار ہوجائے گا جیسے ہی کار دھام نگر سے باہر نکلی موسم نے اپنا رنگ دکھادیا بارش اس قدر تیز تھی کہ آسمان کے سوتے کھل گئے ہوں میری کار کی ونڈ سکرین پر بارش کے تھپیڑے اس قدر زور سے پڑرہے تھے کہ وائپر کا ہونا نہ ہونا یکساں تھا۔کار کی رفتار کو نہایت ہی ہلکا رکھا ہوا تھا تاکہ کسی بھی حادثہ سے محفوظ رہ جاس کے بارش کی تیزی کے سبب راستہ دیکھنے میں دشواری کا سامنا تھا اس لئے مجبور ہوکر میں نے کار کی اگلی بتیاں روشن کردی تھیں۔روشنی ہوتے ہی میں نے دیکھا دور تک تاحد نگاہ ایک لمبی اور کچی ویران سڑک تھی یہ راستہ میرا دیکھا ہوا نہ تھا اس لئے اندازہ نہ ہوا کہ میں کہاں ہوں بارش کی وجہ سے میں راستہ بھٹک گیا تھا۔جیسے جیسے کار آگے آگے بڑھتی جاتی میری حیرانگی میں اضافہ ہوتا جاتا کہ یہ راستہ ویران کیوں ہے سڑک کے کچے ہونے کے سبب کیچڑ جمع ہوچکا تھا جس کی وجہ کار کی ڈرائیونگ میں نہایت دشواری کا سامنا تھا اس لئے مجبور ہوکر میں نے کار روک دی۔

میری کار جس جگہ رکی تھی اس کے دونوں اطراف ایک طویل میدانی سلسلہ تھا جس میں خودرو جھاڑیاں اور پودے بڑی ہی کثیر تعداد میں موجود تھے۔کار روک کر میں کار ہی میں رہنا مناسب سمجھا تھا تاکہ بارش میں بھیگنے سے محفوظ رہ سکوں کار میں بیٹھے مجھے کافی دیر ہوچکی تھی اس دوران مجھے غنودگی بھی محسوس ہونے لگی تھی اس لئے میں نے اپنا سر سیٹ سے ٹکا دیا تاکہ کچھ دیر سوسکوں۔

سوئے ہوئے نہ جانے کتنی دیر گزری تھی کہ ایک عجیب سی آواز سے میری آنکھ کھل گئی میں نے ادھر اُدھر دیکھا تو چاروں طرف رات کا اندھیرا چھا چکا تھا اور بارش بھی رک چکی تھی گویا مجھے سوئے ہوئے کافی دیر گزر چکی تھی۔ آواز کا ماخذ مجھے نظر نہیں آیا وہ آواز جیسے کہ کسی پریشر ککر کی آواز سے مشابہہ معلوم ہوتی تھی۔۔ میں کار سے باہر نکل آیا ٹھنڈ کے ایک ہلکے سے احساس نے مجھے گدگدایا۔۔ میں جھرجھری سی لے کر رہ گیا۔

اچانک میں نے میدانی سلسلے کی طرف سے کسی کو ڈور کر اپنی جانب آتے ہوئے دیکھا۔۔ نوارد کے قریب آنے پر پتہ چلا کہ وہ کوئی عورت ہے۔۔

''مم۔۔ میری مدد کرو۔۔'' اس کی سانس پھولی ہوئی تھی یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کہ وہ بھاگ کر آئی ہے۔۔۔ اس کی آواز سے گھبراہٹ صاف ظاہر ہو رہی تھی میں نے فوراً جیب سے موبائل نکال کر اس کی روشنی میں اس عورت کی جانب دیکھا وہ ایک نوجوان اور خوبصورت عورت تھی اس کی رنگت سرخ و سپید تھی اس کا سانس پھولا ہوا تھا عورت کسی اچھے گھر کی معلوم ہوتی تھی اس نے گلابی پھول دار شلوار قمیص پہن رکھا تھا۔

عورت کے منہ سے فریاد سن کر میرے اندر کا پولیس افسر یکدم بیدار ہو گیا۔۔ میں نے خالص افسرانہ لہجے میں اس سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔۔۔ ''بی بی۔۔ تم کون ہو۔۔ میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔''

''ب۔۔ بھائی ۔۔ خدا۔۔ تم کو خوش رکھے۔۔ مجھے گھر تک پہنچا دو۔۔۔''

اس کے منہ سے خدا کا نام سن کر مجھے اندازہ ہو گیا کہ عورت مسلمان ہے۔

''بی بی کون ہو تم اور یہاں کیسے پہنچی۔۔۔'' میں نے بغور اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''میرا نام مریم ہے۔۔ مجھے چند غنڈوں نے میرے شوہر سے بدلہ لینے کے چکر میں اغوا کیا اور یہاں لے کر آئے۔۔۔ اور میری عزت لوٹنا چاہتے تھے مگر میں بھاگ آئی۔۔'' اس کا سانس پھول رہا تھا اور چہرے پر خوف طاری تھا۔

''کہاں ہیں وہ لوگ ۔۔۔۔'' میں نے غصے سے پوچھا۔

اس طرف۔۔ اس عورت نے میدانی سلسلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''چلو۔۔۔۔'' میں نے کہا۔ ''تاکہ میں بھی تو دیکھوں کون بدمعاش جو تمہارے ساتھ زیادتی کرنا چاہتے ہیں''۔

لیکن اس عورت نے میرا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔۔ اور مجھ سے کہنے لگی کہ ''مجھے میرے گھر پہنچا دو۔۔۔ بھائی تمہارا احسان میں بھولوں گی نہیں۔۔۔''

''بی بی۔۔ تمہارا گھر کہاں ہے۔۔'' میں نے کہا۔

روشن کالونی۔

''روشن کالونی تو بہت دور ہے اور وہ دھام نگر میں ہے''۔

''بھائی پلیز۔۔۔ میری مدد کرو۔۔'' اس نے میرے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

عورت جس انداز سے منتیں کر رہی تھی اس پر مجھے رحم آ گیا حالانکہ میں دھام نگر پیچھے چھوڑ آیا تھا۔۔ لیکن انسانی ہمدردی مجھ پر غالب آ گئی اور میں نے اس کو گاڑی میں بیٹھا لیا اور کار گھمالی اور کار کا رخ دھام نگر کی جانب کر لیا۔

کار چلاتے چلاتے میں نے دیکھا کہ اس عورت نے اپنے چھوٹے سے پرس سے رومال نکال کر اپنا چہرا صاف کیا۔۔ اور میری جانب دیکھ کر کہنے لگی۔

''بھائی جان۔۔ آپ کا شکریہ آپ نے میری مدد کی ورنہ آج میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتی۔''

میں نے دیکھا کہ بولتے بولتے اس کی آواز بھرا گئی ہے اور آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے ہیں۔

''کوئی بات نہیں بہن۔ انسان ہی انسان کے

کام آتا ہے۔۔تمہارا شوہر کیا کرتا ہے۔''

میری بات سن کر عورت یکدم گڑبڑا گئی۔ یکدم اس کے چہرے پر بدحواسی ظاہر ہونے لگی تھی اور وہ کچھ سوچنے لگی چند لمحے کے بعد اس نے جواب دیا۔۔۔''میرے شوہر ایک بلڈر ہیں۔۔انہوں نے کچھ عرصے پہلے ان غنڈوں کو ایک خون کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور انہوں نے عدالت میں گواہی دینی چاہی بدلے میں انہوں نے مجھے اغوا کرلیا۔۔''اتنا کہہ کر وہ سسک پڑی۔

اس عورت کا بدحواس ہوجانا اور گڑبڑا جانا اور کافی سوچ کر جواب دینا مجھے شک میں مبتلا کررہا تھا۔۔ہوسکتا تھا کہ عورت کسی بڑے گروہ سے تعلق رکھتی ہو جو کہ اپنے کسی خاص مقصد کے تحت مجھے اپنے ساتھ لئے جارہی ہو باتیں کرتے ہوئے ہم دونوں دھام نگر کی حدود میں داخل ہوگئے میں نے ہاتھ والی گھڑی میں وقت دیکھا تو رات کے دس کا وقت تھا دھام نگر میں گہرے سناٹے کا راج تھا۔گو کہ بارش رک چکی تھی مگر موسم میں خنکی اب بھی باقی تھی تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم لوگ روشن نگر کی حدود میں داخل ہوگئے۔

''بی بی۔۔گھر کدھر ہے تمہارا۔۔۔''

''سامنے والی گلی میں۔۔۔''اس عورت نے اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا۔

اس کے کہنے پر میں نے کار دوسری گلی میں لے لی میں نے کار ایک پرانی سی کوٹھی کے سامنے روک دی کوٹھی جو کہ جامن اور کیکر کے درختوں کے بیچ گھری ہوئی تھی بہت زیادہ پراسرار محسوس ہورہی تھی۔کار کوٹھی کے اندر داخل ہوکر ایک بغیر دروازے والے گیراج میں داخل ہوکر رک گئی۔

''بھائی۔۔ایک کپ کافی کے بغیر میں آپ کو جانے نہیں دوں گی۔۔۔''اس نے لجاجت سے کہا۔

آفر اتنی محبت سے کی گئی تھی کہ میں انکار نہیں کرسکا کیونکہ کافی کی طلب مجھے بھی بے حد ہورہی تھی۔

''آپ کے شوہر کہاں ہیں۔۔۔۔''میں نے اس کے ساتھ کوٹھی کے اندر جاتے ہوئے پوچھا۔

میری بات سن کر اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آکر گزر گیا لمحاتی توقف کے بعد وہ بولی۔۔میرے شوہر اس وقت کام پر گئے ہوئے ہیں۔

اس کا یہ انداز مجھے مزید شک میں مبتلا کرگیا تھا۔میں اس کے ساتھ اندر چلا آیا میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر اس نے کوئی بھی ایسی ویسی حرکت کی تو میں اس کو گولی ماردوں گا۔میں اس عورت کے ساتھ اس کے ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گیا ڈرائنگ روم کا ماحول کوٹھی کے باہر کی نسبت زیادہ گرم اور پرسکون تھا کیونکہ باہر تو سردی تھی ڈرائنگ روم نہایت خوبصورت تھا اس سے صاحب خانہ کی مالی پوزیشن کا اندازہ ہوتا تھا تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ ایک چھوٹی ٹرالی سمیت کمرے میں داخل ہوئی اس ٹرالی پر کافی کے ساتھ ساتھ سکٹ سموسے اور دوسرے لوازمات بھی موجود تھے۔اس نے اپنے ہاتھوں سے کافی بنائی اور مجھے دی۔کافی کی پیالی سے نہایت ہی سوندھی سوندھی سی خوشبو اُٹھ رہی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کافی بہت ہی شاندار ہوگی۔

''کافی بے حد شاندار ہے۔۔''میں نے کافی کے کپ سے سپ لیتے ہوئے کہا۔

''میں نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہے۔۔۔''مریم نے مسکرا کر جواب دیا۔

کافی پیتے ہوئے میں نے دیکھا کہ مریم مجھے بہت غور سے دیکھ رہی ہے اس کے دیکھنے کا انداز بہت پراسرار تھا یوں لگتا تھا جیسے کہ وہ کسی بات کی منتظر ہو اس کا یہ انداز مجھے شک میں مبتلا کرگیا تھا۔

چند لمحوں کے بعد اس عورت نے دوبارہ مجھے مخاطب کیا۔۔''بھائی جان یہ سموسے بھی ٹیسٹ کریں۔''

''ہاں۔۔لیتا ہوں۔۔''میں نے کہا اور سموسے کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔۔میرا ہاتھ کانپ گیا۔۔۔ایک شدید قسم کا چکر آیا میں نے دیکھا کہ اس کے لبوں پر مسکراہٹ ڈور گئی ہے اس پراسرار عورت نے کافی میں

کچھ ملا کر پلا دیا تھا۔۔وہ پراسرار عورت میرے اوپر جھک آئی۔۔میرے کان میں کہنے لگی۔۔''اب تمہیں چکر آنا شروع ہونگے اور پھر تم بے ہوش ہوجاؤ گے۔۔۔'' وہ پراسرار عورت قہقہہ لگا کر ہنسی۔

میں نے ہلنے کی کوشش کی لیکن میرے جسم نے ہلنے سے انکار کردیا۔۔میں نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن یوں لگا کہ جیسے کہ میرے ہونٹ بھاری ہوگئے میرے پپوٹے آپس میں جڑنے لگے تھے آنکھیں بند ہورہی تھیں بے ہوش ہونے سے پہلے میں نے نہایت حیرت انگیز منظر دیکھا۔۔میری نیم وا آنکھوں کے سامنے اس کے چہرے ایک سے دو ہونے لگے تھے۔۔پھر اس کا چہرا بدلنے لگا تھا اب وہاں زرتاج کھڑی تھی۔۔۔اور اس کے ہونٹوں پر نہایت زہریلی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

مجھے ہوش اس وقت آیا جب میں نے دیکھا کہ میں ایک اسٹریچر پر پڑا ہوں میرے دونوں ہاتھ پاؤں اس قدر سختی سے اسٹریچر سے بندھے ہوئے ہیں کہ میں ان کو ہلا بھی نہیں سکتا تھا چمڑے کی ایک بیلٹ میرے سینے پر بندھی تھی میں پوری طرح سے ہوش وحواس میں واپس آچکا تھا بس میرا سر بھاری بھاری سا ہورہا تھا بے ہوشی کا وقفہ نہ جانے کتنا طویل تھا یہ بھی مجھے علم نہ تھا۔۔مجھے محسوس ہورہا تھا کہ جہاں مجھے باندھ کر رکھا گیا ہے وہاں کچھ اور لوگ بھی موجود ہیں مجھے انکی دھیمی سرگوشیوں میں باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔۔چھت پر ایک میلا سا بلب روشن تھا جس پر لگی میل کی وجہ سے نہایت ہی مدہم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

اچانک مجھے کسی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی میں نے گردن گھما کر دیکھا تو دو نقاب پوش عورتیں میرے دائیں اور بائیں آکر کھڑی ہوگئیں۔دونوں سرتاپا سیاہ رنگ کے لمبے چوغے میں ملبوس تھیں۔حیرت انگیز بات یہ تھی کہ مجھے کسی بھی قسم کا ڈر محسوس نہیں ہورہا تھا بس بندھے ہونے کی وجہ سے تکلیف محسوس ہورہی تھی۔نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی اتنا تو میں سمجھ گیا تھا کہ یہ دونوں زرتاج کے قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں۔ان میں ایک عورت نے اپنے سر پر لگا نقاب اتار دیا۔میں نے دیکھا وہ کوئی اور نہیں بلکہ زرتاج تھی وہی زرتاج جس نے شیطان کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔۔وہی زرتاج جو کہ شیطان کی محبوبہ تھی۔

زرتاج میری جانب قہر الود نظروں سے دیکھ رہی تھی۔۔اس کے چہرے پر گہرے قسم کا میک اپ ہوا ہوا تھا۔

''یہ۔۔تم ہو زرتاج۔۔۔۔'' میں اس کی جانب دیکھ کر مسکرایا۔''آج تو بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔۔۔''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر زرتاج اور تلملا گئی اور غصے سے کہنے لگی۔۔''تم نے مالا نہیں دی تو بے موت مارے جاؤ گے۔''

''جان من۔۔موت کی کس کو پروا ہے۔تمہاری بانہوں میں آنے والی موت بھی اعزاز ہے میرے لئے۔۔'' میں نے استہزائیہ لہجے میں جواب دیا۔

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔۔موت تم سے چند قدموں کے فاصلے پر ہے۔۔'' اس نے تلملا کر جواب دیا۔

''زندگی اور موت اللہ کے اختیار میں ہے۔۔اس کی مرضی کے بغیر میں مر بھی نہیں سکتا۔۔۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

میری بات کے جواب میں اس کی آنکھیں شرارے برسانے لگی تھیں۔''سیدھی طرح سے بتادو۔۔مالا کہاں ہے''۔

''مالا میرے پاس ہے۔۔اگر تم لے سکتی ہو تو لے لو۔۔''

درحقیقت مالا میرے اس سوٹ کیس میں موجود تھی جو کہ میری گاڑی کی ڈکی میں موجود تھا۔

میری بات سن کر اس نے اپنی ساتھی عورت کی جانب کچھ اشارہ کیا تھا۔۔اس کی ساتھی نقاب پوش

عورت اس کے اشارے کو سمجھ کر آہستہ سے میری جانب بڑھی اس نے زیرلب کچھ پڑھنا شروع کردیا۔۔اس کی آواز پہلے پہل آہستہ تھی اور پھر بلند ہوتی گئی۔۔۔میں نے دیکھا کہ سامنے والی دیوار کسی سنیما کی سکرین کی طرح روشن ہوگئی ہے۔دیوار کے اُس پار کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔۔میری طرح کے ایک کمرے میں ایک دوسرے اسٹریچر پر ایک لڑکی بندھی ہوئی ہے لڑکی کی حالت بے حد خراب اور شکستہ ہورہی ہے لڑکی کے چہرے پر بے حد خوف طاری تھا آنکھیں باہر نکل آنے کی حد تک پھٹی ہوئی تھیں۔

اچانک میری نظر لڑکی کے اسٹریچر کے بائیں جانب والی دیوار پر پڑی سیاہ رنگ کی دیوار آہستہ آہستہ شق ہورہی تھی۔۔جیسے ہی دیوار شق ہوئی اس میں سے چار لوگ سیاہ رنگ کے لبادوں میں ملبوس اندر داخل ہوئے چاروں سرتاپا سیاہ رنگ کے لبادے میں تھے۔۔۔ان چاروں میں سے ایک نے سیاہ دستے والی تلوار پکڑ رکھی تھی جبکہ باقی تینوں کے ہاتھوں میں سیاہ موی شمعیں تھیں تینوں سیاہ پوش گول دائرے کی صورت میں اس لڑکی کے گرد کھڑے ہوگئے۔

اچانک اس سیاہ پوش نے اپنا نقاب اتار دیا جس کے ہاتھ میں تلوار تھی اس کا چہرا دیکھتے ہی میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

سیاہ پوش کوئی اور نہیں تھا بلکہ رام داس تھا۔۔جو کہ نہ جانے کون سا شیطانی کھیل رچانے آیا تھا۔۔۔رام داس نے آہستہ سے تلوار اُٹھائی اور اس مجبور لڑکی کے نزدیک آگیا۔۔چند لمحوں تک رام داس اس لڑکی کو دیکھتا رہا جبکہ لڑکی اس کی جانب پھٹی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں خوف اور چہرے پر مردنی طاری تھی لڑکی سمجھ چکی تھی کہ یہ درندے میرے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔۔۔رام داس اس لڑکی کی جانب دیکھ کر بلند آواز میں بولا۔

''اے۔۔بدی کے آقا۔۔سیاہ قوتوں کے مالک ہم تیرے پرستار ہیں۔۔تجھے تیرے عہد کا واسطہ ہماری اس قربانی کو قبول فرما اور۔۔ہم کو اپنی سیاہ قوتوں سے نواز''۔۔گویا رام داس شیطان کی تعریف کررہا تھا۔لیکن رام داس یہ بھول چکا تھا کہ دنیا کی ساری تعریفیں صرف اور صرف اللہ کے لئے ہیں دیکھتے ہی دیکھتے رام داس نے اس تلوار کو پوری قوت سے اس مجبور لڑکی کے سینے میں اتار دیا۔۔لڑکی کی دلخراش چیخ ابھری۔۔چیخ اس قدر دہشت ناک اور درد بھری تھی کہ میں بھی جھرجھری لے کر رہ گیا۔۔تلوار لڑکی کے سینے میں اترتے ہی خون کا فوارہ پھوٹ پڑا تھا۔۔۔جس پر وہ چاروں اس طرح ٹوٹ پڑے تھے جیسے کہ خون ان کی مرغوب غذا ہو۔۔خون کو کتوں کی طرح چاٹ اور چوس رہے تھے۔

یہ سارا منظر اتنا ہولناک کے خود خوف کی وجہ سے میری بھی کپکپی چھوٹ گئی تھی۔

''اب بھی بتادو۔۔مالا کہاں ہے۔۔ورنہ اس سے بھی بری موت ملے گی۔۔۔'' زرتاج کی آواز سن کر میں بری طرح سے چونک گیا اس دوران میں زرتاج کو پوری طرح فراموش کرچکا تھا۔۔میں نے زرتاج کی طرف دیکھا اور تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

''بے شک تم جان سے مار دو۔۔میری زندگی تک مالا تم کو کبھی نہیں ملے گی۔۔۔'' یہ بات کہتے ہوئے میرا دل بخوبی جانتا تھا کہ اندر سے میری کیا کیفیت ہے کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس طرح کا جواب زرتاج کو اور تپا سکتا ہے۔۔یہی ہوا میری بات سن کر زرتاج غصے سے لال بھبھوکا ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں شیطانی قوتوں کا رقص مزید تیز ہوگیا۔۔چند لمحوں تک زرتاج کچھ سوچتی رہی اور پھر زیرلب کچھ بڑبڑانے لگی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں۔زرتاج کسی شیطانی منتر کا جاپ کررہی تھی۔۔چند لمحوں کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔۔میں اس کی آنکھوں کی جانب دیکھ کر کانپ گیا۔۔اس قدر سرخ آنکھیں میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھیں یوں لگتا تھا کہ جیسے کہ ان میں خون اتر آیا ہو۔

''میں جارہی ہوں۔۔مالا تمہاری موت کے بعد بھی ہم ڈھونڈ لیں گے۔۔تمہاری موت کے بعد یہ زیادہ آسان ہوگا۔۔''اس کے لہجے میں سفاکی عود کرآئی۔۔''اب کچھ لمحوں کے بعد۔۔موت کا مزا چکھو گے۔۔'' یہ کہہ کر وہ جہاں سے آئی تھی۔۔وہاں سے واپس چلی گئی۔۔لڑکی کی بے یارومددگار لاش اسی جگہ پڑی تھی۔۔اب وہاں کوئی نہ تھا ان کا مقصد پورا ہوچکا تھا۔

اسٹریچر سے بندھے مجھے کافی دیر ہوچکی تھی میرے جسم میں کافی درد ہورہا تھا۔۔زرتاج کی دھمکی میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔

''ظفرعلی خان۔۔تم بے وقوف ہو۔۔۔ مالا دے کر جان بچالو۔۔'' میرے اندر سے ایک آواز میرے کانوں میں گونجی۔

''اب بھی وقت ہے۔۔۔ مالا دے کر جان بچا لو۔'' وہی آواز میرے کانوں میں گونجی۔۔یہ آواز میرے نفس کی تھی جو کہ مجھے مالا دینے پر اکسا رہا تھا نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے شیطان بھی انسان کا اتنا بڑا دشمن نہیں جتنا بڑا نفس ہے۔۔اسی نفس نے شیطان کو باری تعالی کے سامنے مردود کا لقب دلوادیا تھا۔۔اسی نفس نے اس کے اندر غرور وتکبر پیدا کیا تھا۔۔۔ورنہ اس وقت بہکانے والا تو کوئی تھا نہیں۔

''نن۔۔نہیں نہ۔ظفرعلی خان مالا۔۔مت دینا ۔۔وگرنہ اپنے ایمان کے سامنے رسوا ہوجاؤ گے۔۔اللہ کے دربار میں گناہ گار کہلاؤ گے''۔۔میرے دل سے آواز آئی۔

میرے نفس اور میرے ایمان کے درمیان جنگ جاری ہی تھی کہ اچانک میرے کانوں نے سانپوں کے پھنکارنے کی آوازسنی آوازیں ایک سے زیادہ سانپوں کی تھی۔۔اچانک میری نظر اوپر کی جانب اُٹھی چھت سے بہت سارے سانپ چمٹے ہوئے تھے سانپوں کو دیکھ کر میری چیخ نکل گئی موت کو اتنے قریب دیکھ کر میں نے دل ہی دل میں آیت الکرسی کا وظیفہ شروع کردیا تھا۔۔۔

اچانک ان سانپوں نے مجھ پر گرنا شروع کردیا کلام پاک کی برکت ہی تھی۔۔جو میرے گلے میں موجود لاکٹ کے اندر منقش تھا۔۔سانپ جیسے ہی لاکٹ سے ٹکراتے ان کے جسموں کو آگ لگ جاتی۔۔حیرت انگیز بات یہ تھی کہ آگ نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ ان بندشوں کو جلاتی چلی گئی جس کی وجہ سے میں اسٹریچر پر بندھا تھا۔یہ اللہ کا احسان تھا جس نے مجھے موذی سانپوں سے نجات دلائی تھی۔

سانپ تیزی سے جل جل کر نیچے گرتے جارہے تھے پورے کمرے میں نہایت غلیظ قسم کی بدبو پھیل چکی تھی۔۔آگ نے میری ساری بندشوں کو جلا دیا تھا۔۔آگ کا زور بڑھتا ہی جارہا تھا۔۔میں فوراً ہی اسٹریچر سے اُٹھ کر کھڑا ہوگیا اور باہر کی جانب بھاگا۔۔میرا رخ گیراج کی جانب تھا جہاں سے میں نے اپنی کار کو باہر نکالنا تھا۔۔جلد ہی میں نے گیراج بھی ڈھونڈ لیا تھا اور جیسے ہی میں کوٹھی سے باہر نکلا میں نے دیکھا کہ آگ نے پوری کوٹھی کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔۔میں نے وہاں رکنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی اور فوراً ہی کار اسٹارٹ کرکے اپنی سرکاری کوٹھی کی جانب روانہ ہوگیا۔۔۔اب اپنے گھر جانا فضول ہی تھا رات کے گیارہ بج چکے تھے ہلکی ہلکی بوندیں گرنا شروع ہوچکی تھیں۔

دوسرے دن کے اخبارات روشن کالونی کی ایک کوٹھی میں شارٹ سرکٹ کی کہانی سنا رہے تھے جب میں پولیس پارٹی کے ساتھ وہاں پہنچا تو مجھے وہاں کسی لڑکی کی سوختہ لاش نہیں ملی تھی۔۔کوٹھی بہت سالوں سے خالی تھا۔۔پھر وہاں شارٹ سرکٹ کیسے ہوا یہ بات تو پولیس بھی سمجھنے سے قاصر تھی اور میڈیا بھی۔۔بہرحال اصل بات تو میں ہی جانتا تھا۔۔لیکن میں سچ بولتا تو لوگ مجھے پاگل ہی سمجھتے۔

دوسرے دن شام میں اپنے گھر بذریعہ ٹرین روانہ ہوگیا۔۔۔۔۔شہزاد پور کے اسٹیشن پر اترتے ہی

میری جان میں جان آئی تھی گھر پہنچتے ہی دو دن کے بعد ہی شادی کا زور شروع ہو چکا تھا۔۔گھر میں داخل ہوتے ہی بہلی فرصت میں نے اس مالا کو الماری میں رکھ دیا تھا لیکن مجھ سے ایک غلطی ہوئی مالا کو الماری میں رکھنے کے بعد اس جگہ پر پڑھ کر پھونکنا بھول گیا تھا۔

میں نے سوچ لیا تھا کہ شادی سے فارغ ہونے کے بعد مالا کو لے کر بزرگ کے دربار میں حاضری دوں گا اور پھر اس پریشانی سے ہمیشہ کے چھٹکارا پالوں گا مجھے اس بات کا بھی ڈر خوف تھا کہ میں ان کے شکنجے سے نکل بھاگا ہوں۔۔وہ کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے۔لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ایسا کچھ نہ ہوا حتی کہ شادی کا دن آ گیا۔

گھر میں خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے تھے۔ مہندی مایوں یہ تقریبات میرے کہنے پر منسوخ کر دی گئیں تھیں اور نکاح سادگی سے مسجد میں ہوا اور رخصتی نواب صاحب کی حویلی سے انجام پذیر ہوئی رخصتی سے قبل مجھے اندرون خانہ رسموں کے لئے حویلی میں لے جایا گیا جہاں جوتا چھپائی، دودھ پلائی وغیرہ کی کچھ رسمیں کی گئیں۔مزید واقعات میں آگے بڑھنے سے قبل اپنے پڑھنے والوں کو ایک بات اور گوش گذار کر دوں کہ میری دلہن کا نام نیلوفر مرزا تھا اور اس کے والد کا نام نواب شوکت مرزا تھا۔نیلوفر نواب شوکت مرزا کی اکلوتی اولاد تھی نواب صاحب اس سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرتے تھے۔

گھر پہنچنے کے بعد میں ڈھڑکتے دل کے ساتھ سجے سجائے کمرے میں داخل ہوا۔جہاں نیلوفر سکڑی سمٹی بیٹھی تھی۔عمامہ اور شیروانی اتار کر ایک طرف رکھتے ہوئے میں نیلوفر کے سامنے سیج پر جا کر بیٹھ گیا رسم کے مطابق میں نے منہ دکھائی دی اور پھر گھونگٹ اُٹھا دیا گھونگٹ کے اُٹھاتے ہی میرے منہ سے صرف ماشااللہ کے سوا اور کچھ نہ نکل سکا میں نے گھونگٹ کے پیچھے سے ماہ زرنگار کو طلوع ہوتے دیکھا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ چاند اپنی تمام تر چاندنی کے ساتھ زمین پر نیچے اتر آیا اس نے نہایت معصومیت اور حوروں سا حسن پایا تھا۔میرے منہ میں جو آتا گیا اس کی تعریف میں بولتا چلا گیا نیلوفر شرم سے دہری ہوتی گئی حجاب کے پردے ہٹ گئے دوریاں نزدیکیاں بن گئیں اور فاصلے کم ہو گئے وقت کے گزرنے کا مجھے احساس ہی نہیں ہوا اچانک نیلوفر نے انگڑائی لی اور میری طرف دیکھنے لگی۔

''اب سو جاؤ۔وقت دیکھا ہے دو بج چکے ہیں۔۔۔''اس نے مسکرا کر کہا۔

آنکھیں نیند کے خمار سے بوجھل ہو رہی تھیں مگر کس کم بخت کا دل سونے کو چاہ رہا تھا۔اس نے اپنا خوبصورت اور مرمریں جسم کا بوجھ مجھ پر ڈال دیا اور اپنے نازک ہاتھوں کو میری آنکھوں پر رکھ دیا اور بہت ہی پیار سے میری آنکھوں کو سہلانے لگی تھی۔نیلوفر کے خوبصورت ہاتھوں کی مہک سے مجھ پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔۔۔

اچانک نیلوفر بیڈ سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے بڑی ہی غور سے میری جانب دیکھنا شروع کر دیا جیسے کہ یہ اطمینان کرنا چاہتی ہو کہ میں جاگ رہا ہوں یا سو گیا۔۔عجیب بات یہ تھی کہ غنودگی میں ہونے کے باوجود میں اس کی تمام حرکات کو اچھی طرح سے دیکھ رہا تھا۔مجھے حیرت تھی کہ نیلوفر کر کیا رہی ہے۔نیلوفر میری طرف سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد بیڈ سے نیچے اتر گئی میری ہمیشہ سے عادت تھی کہ والدہ کا دیا ہوا لاکٹ نہاتے اور واش روم میں جاتے وقت اتار کر رکھ دیتا تھا اور پھر پہن لیتا تھا تاکہ بے ادبی نہ ہو۔

چنانچہ یہی ہوا کہ میں نے لاکٹ اتارتو دیا لیکن پہننا بھول گیا اور یہی میری سب سے بڑی غلطی تھی بیڈ سے اترنے کے بعد نیلوفر بڑے ہی پرسکون انداز میں الماری کی جانب بڑھی تھی مجھے شدید قسم کی حیرت تھی کہ نیلوفر الماری میں کیا کر رہی ہے لیکن جلد ہی یہ حیرت خوف میں بدل گئی نیلوفر نے الماری سے سیاہ دانوں والی مالا نکال لی اور بڑے ہی پیار سے اس کی جانب دیکھنے لگی تھی پھر اس نے مالا اُٹھا کر اپنے گلے میں ڈال لی۔۔ اور نہایت سکون سے چلتی ہوئی میری جانب آئی اور کہنے

لگی۔۔''ظفر علی خان تمہاری بیوی کے جسم میں جانا بے حد آسان ثابت ہوا۔۔اور تم مجھے پہچان بھی نہ سکے ۔۔اب میں تمہاری بیوی کو لئے جارہی ہوں۔۔اپنی مالا کے ساتھ۔۔۔جاتے جاتے اتنا ضرور ہے تم ایک بھر پور مرد ثابت ہوئے'' وہ ہنس کر بولی۔۔''تمہاری بیوی کے ساتھ میں وہی کروں گی جو میں نے رام داس کیساتھ کیا اس کی روح بھی میرے آقا کی غلام ہے اور نیلوفر کی روح بھی میرے آقا کی غلام بنے گی۔۔اس طرح میرا بدلہ پورا ہوگا نواب شوکت کے خاندان سے۔۔۔'' زرتاج کا لہجہ سرد تھا۔۔۔اس نے میری نیلوفر کے جسم پر اپنا تسلط جمار کھا تھا میں زرتاج کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

اچانک نیلوفر نے سیاہ دھویں کا روپ اختیار کرلیا اور کھڑکی کے راستے غائب ہوگئی۔۔۔یہ سب میرے لئے اس قدر ہولناک تھا کہ میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ کیا ہوا۔۔جب ہوش وحواس بجا ہوئے تو یہ حقیقت مجھ پر آشکار ہوئی کہ زرتاج نے نیلوفر کے روپ میں اس مالا پر بھی قبضہ کرلیا تھا اور نیلوفر کو بھی لے گئی تھی مگر زرتاج کو نیلوفر سے کس بات کی دشمنی تھی زرتاج چاہتی تھی مجھے بھی مار سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔۔شاید زرتاج مجھے تڑپا کر اپنا بدلہ لینا چاہتی ہو۔لیکن اس کے الفاظ کہ وہ نیلوفر کی روح کو شیطان کا غلام بنالے گی۔۔میرے لئے یہ سننا خاصہ خوفناک اور تکلیف دہ تھا سب سے پہلے تو مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ اس کا شوکت مرزا کے خاندان سے کس قسم کا انتقام تھا۔۔اس کے غائب ہونے کے بعد میں فوراً ہی چیختا ہوا کمرے سے نکلا۔۔اور سیدھا امی کے کمرے کا دروازہ زور زور سے پیٹنا شروع کردیا۔

''امی۔۔فوراً گھبرا کر باہر آئیں۔۔کیا ہوا ظفر۔۔کیا ہوا بیٹے۔۔''میری حالت دیکھ کر امی پریشان ہوتی ہوئی بولیں اس دوران ابو بھی باہر آگئے میری حالت دیکھ کر وہ بھی پریشان ہوگئے۔

''نن۔۔نیلوفر۔۔''

''کیا ہوا نیلوفر کو۔۔''امی چیخ کر بولیں۔

اس کے بعد میں نے امی سے داستان گوش گزار کردی۔۔امی میری باتیں سن کر سینہ پکڑ کر رہ گئیں۔

اسی پریشانی میں رات گزر گئی دوسرے دن نیلوفر کے والد کو بلوالیا گیا تھا۔اور ہم نے ان سے خاص طور درخواست کی تھی کہ اکیلے ہی آنا میرے والدہ کے لہجے کی سنگینی کو محسوس کرکے نواب صاحب سمجھ گئے کہ کچھ گڑبڑ ہے۔۔چنانچہ نواب صاحب اکیلے ہی آئے تھے اور میں نے نواب صاحب کو ساری بات بتائی زرتاج کا ذکر آنے پر نواب صاحب کو میں نے چونکتے ہوئے دیکھا یہ چیز میرے لئے شک پیدا کرنے والی تھی اس لئے میں نے جب ان سے دریافت کیا۔۔پہلے پہل نواب صاحب نے بتانے پر ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

''انکل۔۔آپ سچ بولیں گے۔۔تو ہم نیلوفر کی جان بچاسکتے ہیں۔۔''میں نے سنجیدگی سے کہا۔

میری بات سن کر نواب صاحب کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھری اور بولے۔۔''اگر میری بچی کی زندگی کا سوال نہ ہوتا تو سچ کبھی نہیں بولتا۔۔ویسے بھی کوئی خوشگوار داستان نہیں ہے۔۔''نواب صاحب گہری سانس لے کر بولے۔

کچھ دیر تک نواب شوکت خاموش رہے اس دوران میں ان کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے کہ اپنی بات شروع کرنے کے لئے نواب صاحب مناسب الفاظ ڈھونڈ رہے ہوں۔پھر نواب صاحب نے بولنا شروع کردیا جو کہانی نواب صاحب نے سنائی وہ بے حد سنسنی خیز اور عبرت ناک تھی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کوئی انسان دنیاوی نفع کے لئے اپنے ایمان کا سودا کیسے کرسکتا ہے نواب صاحب کے منہ سے کہانی سن کر مجھے زرتاج سے اور بھی زیادہ نفرت محسوس ہونے لگی تھی نواب صاحب نے جو کچھ کہا وہ کچھ یوں تھا۔

''آج سے تین سو سال پہلے سروپ نگر پر میرے جد امجد نواب صولت مرزا کی حکمرانی تھی نواب صولت بہت نفیس اور انسان دوست شخص تھے ان کے در

سے کوئی بھی شخص خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا سوالی کے سوال پورا کرنے میں کبھی انکار نہیں کرتے تھے۔نواب صاحب کے دو بیٹے اور ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام زرتاج تھا زرتاج بہت زیادہ خوبصورت تھی اتنی زیادہ خوبصورتی نے زرتاج میں خودسری پیدا کردی تھی۔یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہمارے خاندان کو ریاست سروپ نگر ملے ایک پشت گزر چکی تھی دہلی کی مغلیہ سلطنت عنان فرخ سیر کے ہاتھوں میں تھی ملک کے بیشتر حصوں میں بغاوت کے آثار نمایاں تھے خاص طور سکھ اور ہندو بہت زیادہ پریشان کررہے تھے نواب صاحب اندرونی سازشیں کچلنے میں زیادہ تر مصروف رہا کرتے تھے اس لئے زرتاج کی تعلیم وتربیت پر توجہ نہیں دے سکے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ نواب زادی راہ سے بھٹک گئی۔۔آوارگی اور نفس پرستی اس کے اندر پروان چڑھنے لگی ریاست کا کوئی نوجوان ایسا نہ تھا جس کو زرتاج کا قرب حاصل نہ رہا ہو۔اس نے پوری ریاست میں اپنے مخبر چھوڑ رکھے تھے وہ مخبر توانا اور تندرست جوانوں کی خبر لاکر دیتے جس سے نواب زادی اپنے نفس کی پیاس بجھاتی۔کوئی رات ایسی نہ گزرتی جب اس کی خواب گاہ سے نوجوان برآمد نہ ہوں جب اس بات کی خبر نواب صاحب کو ہوئی تو غصہ سے لال بھبوکا ہوگئے اگر نواب صاحب ریاست میں ہوتے تو اس بدذات کی گردن اُڑا دیتے ۔۔جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو انہوں نے بہتر سمجھا کہ اس کی شادی کروادی جائے بات ابھی حویلی سے باہر نہیں پھیلی تھی۔

چنانچہ نواب صاحب نے اس کے رشتے کی تلاش شروع کردی ۔۔اور زرتاج پر کڑی نگرانی لگادی لیکن زرتاج کو تو ہوس لگ چکی تھی نواب سکندر بخت کے نام زرتاج کی شادی کا قرعہ نکلا شادی کی خبر سنتے ہی دور دور سے بہت سے جوہری زر جواہر کا تحفہ لے کر نواب صاحب کے پاس آنے لگے تھے اور ریاستوں سے بھی تحفہ آنے لگے تھے جو بھی تحفہ آتا وہ زرتاج کے پاس بھجوا دیا جاتا۔۔لیکن زرتاج کی بے چینی ختم نہ ہوتی اس کی آوارگی اس کو روز تنگ کرتی۔

پھر ایک روز ایک نوجوان جوہری آیا جوہری اس قدر خوبصورت اور مردانہ وجاہت کا مالک تھا کہ سب اس کو دیکھتے رہ گئے اس نوجوان کا نام ہامان تھا ہامان آتش پرست تھا۔ہامان کو دیکھتے ہی نہ جانے ریاست کے سارے جانور بدک جاتے ہامان نے شادی کے تحفہ کی صورت میں دوسرے ہیرے جواہرت کے ساتھ ایک سیاہ موتیوں کا ہار بھی تحفہ کی صورت میں دیا تھا۔

جب یہ ہار نواب زادی زرتاج کے پاس پہنچا تو نواب زادی نے ہار کو پکڑنا ہی تھا کہ اس کے اندر کی بیماری بے چینی اور اضطراب ختم ہوگیا۔نواب زادی کو تجسس پیدا ہوا کہ کونسا جوہری ہے جو یہ مالا لایا ہے اس نے ہامان کو بلایا اور اس ہامان کو دیکھتے ہی اس پر مرمٹی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ ہامان کون ہے ہامان کی محبت میں زرتاج دیوانگی کی حد تک پاگل ہوچکی تھی سکندر بخت بڑا ہی خوبصورت اور تندرست نوجوان تھا لیکن ہامان میں نہ جانے کیا بات تھی کہ زرتاج اس کو دیکھ کر دیوانی سی ہوگئی روز چھپ کر ہامان اور زرتاج کی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہامان جسطرح آتا اسی طرح واپس بھی چلا جاتا تھا کوئی نہیں جانتا تھا کہ ہامان کون ہے۔

سکندر بخت سے زرتاج کی شادی بخیر وعافیت طے پائی تھی۔نواب صولت مرزا خوش ہوگئے تھے کہ ان کی بچی برائی سے بچ گئی لیکن ان کو پتہ ہی نہیں تھا کہ ایک بڑا طوفان ہے جس کی آمد آمد ہے صولت مرزا یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی بچی کیا گل کھلائے گی۔

زرتاج نے اسی رات ہامان کے ساتھ فرار ہونے کا منصوبہ بنایا جیسے ہی زرتاج کو حجلہ عروسی میں بھیجا گیا۔

اس کے کچھ دیر کے بعد شور مچ گیا۔۔زرتاج نواب سکندر کو قتل کرکے ہامان کے ساتھ فرار ہوگئی نواب سکندر کی لاش بیڈ پر پڑی ہی تھی کہ اچانک اس کی لاش غائب ہوگئی اور زرتاج فرار ہوچکی تھی بہت ڈھونڈا گیا

دونوں کو مگر کوئی ملا نہیں چند دن کے بعد لوگوں نے نواب سکندر کو ایک بازار میں گھومتے پایا۔

جب لوگ نواب سکندر کے نزدیک پہنچے تو نواب سکندر اس طرح نظروں سے اوجھل ہو گیا جیسے کہ کبھی تھا ہی نہیں اس معاملے پر بڑے بڑے بزرگان دین کو بلایا گیا جو اپنے علم سے یہ پتہ کرنے میں کامیاب ہوئے کہ ہامان دراصل شیطان تھا اور نواب سکندر کی موت واقع ہو چکی ہے اور اس کی روح کو شیطان کا غلام بنالیا گیا ہے۔

ایک رات نواب صولت کی حویلی میں آگ لگ گئی کہا جاتا ہے کہ آگ نواب صاحب نے بدنامی سے بچنے کے لئے خود لگائی تھی آگ میں نواب صاحب سمیت بہت سے ملازمین چل بسے تھے اب آگ نواب صاحب نے خود لگائی یا اس میں زرتاج اور اس شیطان کا کارنامہ تھا کوئی نہیں جانتا تھا یہ تو خوش قسمتی تھی کہ نواب صاحب کے دونوں بیٹوں کی جب آگ لگی تو دونوں حویلی میں نہیں تھے۔ زرتاج اپنی آخرت خراب ہی کی لیکن نواب صاحب کو بھی نہیں بخشا تھا۔

بزرگان دین نے ایک بات اور بھی بتائی تھی کہ زرتاج شیطان کی خلقت میں اضافہ کرنے کے لئے ایک مالا کے دانوں کو پورا کرنا ہے جس وقت وہ دانے پورے ہو جائیں گے اس دن زرتاج کو شیطان کی طرف سے ہمیشہ کی زندگی حاصل ہوگی جس انسان کی روح شیطان کی غلام بنتی ہے ایسی ایک مالا اس کو بھی ملتی ہے جو اپنے طور ان دانوں کو پورا کرتے ہیں اس مالا کو توڑ دینے پر سارے لوگ اور ساری مالائیں از خود ختم۔۔۔

میرے سسر نواب شوکت زرتاج کی اور شیطان کی کہانی سنا کر خاموش ہوئے تو میں تشویش میں پڑ گیا تو گویا زرتاج اب نیلوفر کو مار کر اس مالا کے ایک دانے کو اور مکمل کرے گی اور پھر نیلوفر کی روح شیطان کی غلام ہو جائے گی جیسے رام داس کی اور سکندر بخت کی ہوئی تھی۔۔۔۔۔۔

☆.....☆.....☆

''بیٹا نیلوفر کی جان بچا لو۔۔'' نواب شوکت میری طرف دیکھ کر لجاجت بھرے لہجے میں کہنے لگے۔

''آپ فکر نہ کریں ۔۔نیلوفر میری بیوی ہے۔۔اس کی جان بچانا میرا فرض ہے شیطانوں کا پورا ٹولہ بھی نیلوفر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔۔'' میں نے سخت لہجے میں کہا میرے عزم میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔

دوسرے دن ہم لوگ سروپ نگر کے لئے روانہ ہو گئے ہم نے اپنی پوری تیاری مکمل کر لی تھی ہم اچھی طرح جانتے تھے کہ زرتاج کیسی قوت رکھتی تھی۔ لیکن مجھے پروردگار کے کلام پر پورا یقین کہ اللہ میری مدد ضرور کرے گا ہم لوگ اس حویلی پر پہنچ گئے میرے ساتھ میرے سسر اور میرے والد صاحب بھی موجود تھے میں نے سرتاپا سیاہ لباس پہن رکھا تھا اور سروس پسٹل اپنے ساتھ رکھ لیا تھا میرا ارادہ تھا زرتاج کو دیکھتے ہی گولی ماردوں گا۔

''آپ۔۔دونوں کار میں ہی رکیں اور آدھے گھنٹے تک میں نہ آؤں تو آپ پولیس کے پاس چلے جانا۔۔۔''

''اگر۔۔میرے والد صاحب نے کہا۔

''اگر۔مگر کچھ نہیں زرتاج کی سرکوبی ضروری ہے اس کا وقت پورا ہو گیا ہے۔۔'' میں نے سختی سے کہا۔

میرے مجبور کرنے پر دونوں بزرگ گاڑی میں بیٹھ گئے میرے والد تو باقاعدہ دعا وغیرہ کرنے لگ گئے تھے۔

میں آہستہ سے چلتا ہوا حویلی کی دیوار پھلانگ کر اندر داخل ہو گیا میری توقع کے مطابق حویلی میں پوری طرح سے روشنی تھی حویلی چاروں طرف سے نور کا ہالہ بنی ہوئی تھی۔ میں آہستہ سے سیدھا اس کمرے کی طرف جانے لگا جہاں آتش دان تھا جہاں میری پہلی ملاقات شیطان سے ہوئی تھی۔۔میں نے دیکھا کہ زرتاج اس کمرے میں موجود نہ تھی۔

اچانک مجھے ایک ایسی آواز سنائی دی جیسے کہ بہت سے کتے آپس میں مل کر غرا رہے ہیں۔۔آواز اس

آتش دان کے پاس سے آرہی تھی۔۔میں فوراً ہی آتش دان کے پاس جا پہنچا۔۔۔شعلے اس قدر بلند تھے کہ ان کی تپش مجھے باہر تک محسوس ہو رہی تھی میں ابھی اسی جگہ کھڑا تھا اور مجھے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آواز کا مستقر کہاں ہے میں ادھر اُدھر دیکھ ہی رہا تھا۔

اچانک ایک حیرت انگیز منظر دیکھا کہ شعلے آہستہ آہستہ نیچے ہو رہے ہیں جیسے کہ زمین دھنستی ہے بالکل ویسے ہی میں فوراً ہی بھاگ کر دروازے کے پیچھے ہو گیا شعلے آہستہ آہستہ نیچے ہو رہے تھے کچھ دیر میں شعلے بالکل ہی غایب ہو گئے اچانک میں نے آتش دان سے رام داس کو برآمد ہوتے دیکھا۔۔رام داس نیچے سے اوپر ہو رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ جیسے کہ کوئی آتش دان کی جگہ کوئی دروازہ ہے جو کہ جس سے آنے جانے کا کام لیا جاتا ہے۔رام داس جیسے ہی باہر آیا تو میں فوراً ہی اس کے سامنے آ گیا۔

مجھے دیکھ کر رام داس کی آنکھوں سے حیرت ناچنے لگی تھی۔۔۔''تم''۔۔رام داس کے منہ سے حیرت سے نکلا تھا۔

''ہاں۔۔۔میں''۔۔۔میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔۔''میری بیوی کہاں ہے''۔۔میں نے زہر خند سے پوچھا۔

''تمہاری بیوی۔۔ رام داس ہنس پڑا۔۔۔''بہت جلد۔۔وہ بھی ہماری طرح ہو جائے گی۔۔۔سچ اس جیون میں بہت شانتی ہے۔۔''رام داس بولا۔

''بکواس بند کرو۔۔''میں نے اس کا گلا پکڑ کر غصے سے کہا۔

''میری مانو۔۔۔تم بھی آقا کی غلامی قبول کرلو۔۔۔''رام داس نے اپنا گلا چھڑاتے ہوئے کہا۔

اس کی بات کے جواب میں نے ایک بھرپور گھونسہ رام داس کے چہرے پر رسید کر دیا۔جس سے اس کا ہونٹ پھٹ گیا۔۔میں نے دیکھا سیاہ رنگ کا کچھ مواد سا اس کے پھٹے ہوئے ہونٹوں سے باہر نکلا ہے۔

اس شیطان کا خون بھی سیاہ تھا۔۔میرا گھونسہ کھا کر رام داس ہنسنے لگا تھا۔۔۔''بہت جلد نیلوفر کا خون بھی سیاہ ہو جائے گا۔۔۔''رام داس ہنستے ہوئے بولا۔

رام داس مسلسل میرا خون کھولا رہا تھا۔

اچانک میری نظر اس مالا پر پڑی جو کہ رام داس کے گلے میں تھی۔۔۔یہ رام داس کی مالا تھی جس میں صرف دو دانے موجود تھے۔۔۔گویا رام داس نے صرف دو انسانوں کو شکار کیا تھا۔۔۔۔میں نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے رام داس کے گلے میں موجود اس کی مالا کو جھپٹ لیا۔۔۔مالا کو جھپٹے ہی رام داس کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا تھا۔

''نن۔۔نہیں۔۔مم۔۔مجھے معاف کردو۔۔۔''

میری بیوی۔۔۔

''آتش دان کے اندر ایک تہہ خانہ ہے جہاں وہ عمل کیا جائے گا۔۔۔۔''رام داس خوف سے کانپتے ہوئے بولا۔

''بہت خوب۔۔اب تم نے سچ بولا۔۔''اتنا کہہ کر میں نے مالا کو ایک زوردار جھٹکا دیا۔

نن۔۔نہیں۔۔رام داس کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا تھا۔

''خدا۔۔حافظ۔۔میرے دوست تم کو ہمیشہ کا سکون دینا میری دوستی کا فرض ہے۔۔۔''اتنا کہہ کر میں نے مالا ایک جھٹکے سے توڑ دی۔

مالا کے ٹوٹتے ہی رام داس کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ کوئلے کی طرح فرش پر بکھر گیا۔فرش پر صرف سیاہ رنگ کی راکھ بکھری ہوئی تھی۔

رام داس کے انجام کے بعد میں آتش دان کی طرف لپکا آتش دان میں ایک گول زینہ نیچے اترتا دکھائی دے رہا تھا۔۔جو کہ زنگ آلود تھا حیرت کی بات یہ تھی کہ آگ کے شعلوں کے باوجود اس زینہ کو نقصان نہیں پہنچا تھا بلکہ زینہ صرف سیاہ ہو چکا تھا ہو سکتا تھا کہ کسی خاص میکنزم سے وہ آگ باہر آتی ہو اس لئے میں نے اس

زینہ پر قدم رکھ دیا میں بڑے ہی آرام آرام سے زینہ پر پیر رکھ رہا تھا کہ میرے قدموں سے آواز پیدا ہونے نہ پائے ابھی میں نے دوسرے زینہ پر پیر رکھا تو میرا پیر پھسل گیا اور میں لڑھکتا ہوا نیچے فرش پر جا گرا اٹھ کرنے سے میری کمر پر شدید چوٹ آئی کچھ دیر تک میں یوں ہی پڑا رہا پھر ہمت کر کے اُٹھا تو میں کیا دیکھتا ہوں۔

سامنے ایک طویل راہداری ہے آمنے سامنے بہت سی جیل نما کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں۔ راہ داری سے انتہائی ناگوار قسم کی سیلن زدہ بو اُٹھ رہی ہے راہداری اور جیل نما کوٹھریوں کی دیواریں سیاہ تھیں اور چھت پر نہایت ہی میلا قسم کا بلب روشن تھا جس پر لگی مٹی اور دھول نے روشنی نہایت ہی مدہم کر دی تھی۔ مجھے یہ سب دیکھ کر بے اختیار ہالی وڈ کی ہارر موویز یاد آگئیں ہالی وڈ کی موویز میں بھی ایسے ہی کچھ مناظر ہوتے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ان مناظر کو دس مرتبہ فلمایا جاتا ہے اور ان کا سچ سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

لیکن میری داستان میں تو مجھے قدم قدم پر موت کا سامنا تھا۔ میں اپنی سروس پسٹل نکال کر چوکنے انداز میں آگے بڑھنے لگا تھا۔ اچانک مجھے سسکیوں کی آواز سنائی دی جیسے کوئی رو رہا ہو۔ میں چاروں طرف دیکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اچانک میری نظر اس کوٹھری کے اندر پڑی اندر کا منظر دیکھ کر میں کانپ گیا ایک نوجوان لڑکی زنجیروں میں بندھی ہوئی کھڑی تھی اس کا سر جھکا ہوا تھا لڑکی نیم برہنہ تھی اور شدید زخمی معلوم ہوتی تھی اور بے ہوش تھی۔ اسی طرح دوسری کوٹھری میں ایک اور قیدی موجود تھا جس کے رونے کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔۔ وہ قیدی سر گھٹنوں میں دے کر بیٹھا تھا سسکیوں کی آواز اسی کی گونج رہی تھی۔

''کون ہو تم۔۔۔۔'' میں نے اس سے ہمدردی بھرے لہجے میں پوچھا۔

میری بات سن کر اس نے سر اُٹھایا تو میں نے دیکھا کہ وہ کوئی عورت تھی جو کہ شدید زخمی حالت میں تھی سر اور چہرے پر زخموں کے نشان تھے اس کی آنکھوں میں بے چارگی اور بے بسی دیکھ کر میں کانپ گیا۔

''ایک کمزور عورت جس نے شیطانی مذہب قبول کرنے سے انکار کر دیا۔۔۔'' اس کی آواز میں چٹانوں جیسی سختی تھی۔۔ قدرے توقف کے بعد بولی۔

''تم لوگ مجھے جان سے مار دو مگر میں اس آگ کی اطاعت کبھی قبول نہیں کروں گی جو کہ پانی ڈالنے سے سرد پڑ جاتی ہے۔۔۔''

''میری بہن میں ان میں سے نہیں ہوں اور اب تم بے فکر ہو جاؤ۔ اس شیطانی ٹولے کو آج میں فنا کر کے جاؤں گا۔'' میرا لہجہ سخت تھا۔

عورت چند لمحات تک مجھے حیرت سے دیکھتی رہی۔۔ اور پھر ہذیانی انداز میں قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔۔۔ ''تم کچھ نہیں کر سکتے۔۔۔ تم کچھ نہیں کر سکتے''۔

اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر میں آگے بڑھا کوٹھریوں میں اور قیدی بھی موجود تھے مجھے تو ان چیزوں پر حیرت تھی کہ ان لوگوں نے قیدی اس طرح کیوں باندھ رکھے ہیں یہ لوگ اپنی قوتوں کو یوز کر کے بھی لوگوں کو اپنا غلام بنا سکتے ہیں ان سب باتوں کا جواب صرف اور صرف زرتاج دے سکتی تھی۔ زرتاج سے زیادہ مجھے فکر نیلوفر کی تھی جو نہ جانے کہاں ہوگی۔ نیلوفر کو ڈھونڈتا ہوا میں آگے بڑھ رہا تھا کہ اچانک مجھے کچھ عجیب سی آوازیں سنائی دیں جیسے کوئی کورس کی صورت میں کچھ پڑھ رہا ہو۔۔ میں نے دیکھا کہ ایک گول سا دروازہ تھا جو کہ سیاہ تھا آواز اس دروازے کے پیچھے سے آرہی ہے میں نے آگے بڑھ کر اس دروازے کو ہاتھ لگایا تو دروازہ اندر کی جانب کھلتا چلا گیا۔ جیسے ہی میں اندر داخل ہوا تو اندر کا منظر میرے لئے نہایت حیرت انگیز اور شاکڈ تھا۔

بہت بڑا ہال تھا۔۔ جس میں چاروں دیواروں پر بڑی بڑی قد آدم مشعلیں روشن تھیں جن کی روشنی سے ماحول نہایت ہی پراسرار ہو رہا تھا ہر مشعل کے نیچے ایک

سیاہ رنگ کا دروازہ موجود تھا جن کے اوپر یہ مشعلیں روشن تھیں دیواروں پر عجیب وغریب قسم کی خوفناک شکلیں بنی ہوئی تھیں جو کہ ماحول کی ہولناکیوں میں مزید اضافہ کررہی تھیں دروازے تعداد میں چار تھے۔

ہال کے وسط میں آگ کا ایک بڑا الاؤ روشن تھا۔

اس الاؤ کے گرد چاروں طرف سیاہ لبادوں میں ملبوس لوگ دائرے کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے۔اور ہل ہل کر نہ جانے کونسی زبان میں کچھ گا رہے تھے میرے اپنے خیال سے سارے سیاہ پوش ابلیس مردود کی تعریف وتوصیف کررہے تھے۔اس آگ کے بالکل سامنے میں اپنی دشمن جان کو دیکھا زرتاج۔۔وہی زرتاج جس نے مالا کے حصول میں میری جان لینے کی کوشش کی مالا اس کے گلے میں تھی۔زرتاج کی نظر ابھی تک مجھ پر نہیں پڑی تھی میری نگاہیں نیلوفر کو ڈھونڈ رہی تھیں۔لیکن نیلوفر کہیں نہ تھی۔۔۔زرتاج نے سیاہ رنگ کا چست قسم کا لباس پہن رکھا تھا جس سے اس کے مکروہ جسم کی رعنائیاں پھوٹ رہی تھیں۔زرتاج نے اپنے چہرے پر بہت ہی گہرا قسم کا میک اپ کیا ہوا تھا پراسرار مالا جس کی وجہ سے زرتاج نیلوفر کو اپنے ساتھ اس کے گلے میں پڑی تھی۔اچانک ایک دروازہ کھلا اور میں نے نیلوفر کو اس دروازے سے باہر آتے دیکھا نیلوفر جس حالت میں تھی اس کو دیکھ کر میرا خون کھول اُٹھا تھا۔۔نیلوفر نیم برہنہ حالت میں تھی۔۔نیلوفر اس طرح قدم اُٹھا رہی تھی کہ جیسے کہ حالت نشے میں ہو۔یوں لگ رہا تھا کہ اس کو ڈرگز کا بہت اوور ڈوز دیا گیا تھا یا پھر نیلوفر زرتاج کے کالے علم کے زیر اثر تھی۔

نیلوفر تنویمی انداز میں قدم اُٹھاتی ہوئی اس آگ کی جانب بڑھ رہی تھی۔نیلوفر کو اس حالت میں دیکھ کر اس کا نام لے کر زور سے اس کو پکارا۔میرے پکارنے پر نیلوفر نے تو کوئی توجہ نہ دی مگر زرتاج بری طرح سے چونکی تھی۔۔مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔۔دوسرے ہی لمحے اس کے لبوں پر شیطانی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''میں جانتی تھی تم ضرور آؤ گے۔۔۔اپنی بیوی کو لینے جو کہ نواب صولت مرزا کے خاندان سے ہے۔۔''

''ہاں میں آگیا ہوں میری بیوی کو میرے حوالے کردو۔۔''میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

''ہرگز۔۔نہیں نواب شوکت کی بیٹی سے میں اپنا بدلہ لے کر رہوں گی۔۔''زرتاج مسکرائی۔

''نہیں زرتاج آج تمہاری شیطانیت کا آخری دن ہے۔۔''

''تم پوچھو گے نہیں۔۔میری جان کس بات کا بدلہ۔۔''زرتاج نے اسی لہجے میں کہا۔

''شوکت مرزا تمہاری کہانی سنا چکے ہیں''۔۔میں نے ہنس کر جواب دیا۔

''میری داستان ابھی پوری نہیں ہے۔۔۔جو ان کو بھی نہیں پتہ۔۔جس رات میں سکندر بخت کو قتل کر کے فرار ہوئی اس کے دو دن بعد نواب صولت مرزا کی فوج نے اسی جگہ چھاپا مارا۔۔اور مجھے گرفتار کرلیا اگر میں گرفتار نہ ہوتی تو شاید میرے آقا سے ملاپ کی میری آرزو پوری ہوجاتی کیونکہ وہ رات سال کی سب سے تاریک ترین رات تھی ہامان جس کی محبت میں گرفتار تھی اس کے بعد اس نے مالا کے دانوں کو پوری کرنے کی شرط لگا دی۔۔جب تک اس کے دانے پورے نہیں کروں گی ان کو حاصل نہیں کرپاؤں گی۔نواب صاحب نے مجھے قتل کروادیا یہ کام نہایت چوری چھپے ہوا تھا ان کو اپنی عزت بہت زیادہ پیاری تھی۔لیکن میرے آقا نے مجھے مرنے نہ دیا۔۔غصہ میں میں نے نواب صاحب کی حویلی میں آگ لگوادی۔۔لیکن میرا بدلہ پورا نہ ہوا جب تک میں اس نسل کے آخری انسان کو بھی مٹا نہ دوں چین سے نہیں بیٹھوں گی۔۔۔''

''ایسا تم نہیں کرسکو گی۔۔میری جان۔۔۔''میں مسکرایا۔

اتنا کہہ کر میں آگے بڑھنے کی کوشش کی مگر میں

ہل بھی نہ سکا میرے پاؤں جیسے فرش سے ہی چپک گئے تھے۔۔میں نے بہت کوشش کی مگر میں پیروں کو حرکت دینے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔۔میں نے جیب سے پستول نکالنے کی کوشش کی مگر مجھے ناکامی حاصل ہوئی۔

میرے چہرے پر مایوسی دیکھ کر زرتاج مسکرائی ۔۔۔''میری اجازت کے بغیر تم یہاں سے ہل بھی نہیں سکو گے۔۔۔اب تم دیکھو کہ یہ مقدس آگ تمہاری بیوی کے جسم کو کیسے چاٹ لیتی ہے۔''

''آگے بڑھو۔۔نیلوفر مقدس آگ میں کود کر اپنی روح کو آقا کے غلامی میں دے دو۔۔۔۔۔

زرتاج نے یہ جملہ تین دفعہ ریپٹ کیا تھا۔۔جیسے ہی نیلوفر آگے بڑھی۔۔زرتاج کی آنکھوں میں شیطانی قوتوں کا رقص تیز ہوگیا اور لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔۔۔سارے سیاہ لبادے والوں کی آوازیں اور مزید تیز ہوگئیں۔

نیلوفر آگ کی جانب بڑھتی ہی جارہی تھی۔۔بالکل اسی طرح جیسے کہ نیلوفر کسی قوت کے زیر اثر ہو۔۔آرام آرام سے چلتی تنویمی انداز میں آگے بڑھتی جارہی تھی۔

میں نے اپنے جسم کو نظر نہ آنے والی بندشوں سے آزاد کرنے کی کوشش کی لیکن کر نہ سکا۔۔میرے گلے میں لاکٹ بھی نہیں تھا جو کہ میری والدہ نے مجھے دیا تھا جلدی اور غصے میں اس لاکٹ کو ہی گھر بھول آیا تھا۔

نیلوفر آگے بڑھ رہی تھی اور میرے خوف اور وحشت میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔۔اچانک میری آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے میں نے دل میں اس ذات کریم کو پکارا جو ہجوم میں اور تنہا بھی انسان کے ساتھ ہوتی ہے (میری مدد کر میرے اللہ۔۔تو بہت غفور رحیم ہے۔۔اس ملعون کے سامنے مجھے رسوا مت کر۔۔میرے رب۔۔اپنے حبیب پاک ﷺ کے وسیلے سے میری دعا سن لے۔۔میرے اللہ۔۔میری بیوی کی جان بچالے) میں دل ہی دل میں اپنے رب کو پکارتا رہا۔۔اور آنسو بہاتا جاتا تھا۔

اچانک میں نے اپنے دل میں سکون اترتا محسوس کیا۔۔۔نہ جانے میرے دل میں کہاں سے خیال آیا یہ خیال میرے اللہ ہی کی طرف سے پیدا کردہ تھا کہ میں نے بلند آواز سے سورہ فلق اور سورہ الناس کی تلاوت کرنا شروع کردی۔۔۔تلاوت سنکر میں زرتاج کو چونکتے ہوئے دیکھا۔

اچانک زرتاج کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہوا۔۔نیلوفر چلتے چلتے رک گئی۔۔اس کی آنکھیں بند تھیں۔اچانک میں نے اپنے جسم کو اندیکھی بندشوں سے آزاد ہوتے محسوس کیا میں نے محسوس کیا کہ میرے ہاتھ پاؤں ہل سکتے ہین میں نے پسٹل نکالی اور دائرے کے گرد بیٹھے ہوئے سیاہ لبادے والوں پر فائرنگ شروع کردی۔۔جس جس کو گولی لگتی اس کا جسم پانی کی طرح پگھل جاتا یہ بات میرے لئے نہایت ہی حیرت انگیز تھی۔

زرتاج کتی کی طرح چلا چلا کر اپنے آقا کو آوازیں دے رہی تھی لیکن اس کی فریاد سننے والا کوئی نہ تھا۔۔جب سارے سیاہ لبادے والے پانی بن کر بہہ گئے تو نیلوفر اسی جگہ بت بن کر کھڑی تھی میں نے فوراً ہی اپنا کوٹ اتار کر نیلوفر کو پہنایا اور جیسے ہی نیلوفر نے کوٹ پہنا نیلوفر بے ہوش ہوکر میرے ہاتھوں میں جھول گئی۔۔نیلوفر کو میں اسی جگہ لٹایا اور اوپر دیکھا تو زرتاج مجھے نظر نہ آئی نیلوفر کو اسی جگہ چھوڑ کر میں زرتاج کے پیچھے بھاگا۔۔میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تو میں ان میں سے ایک دروازے کو کھول کر اندر داخل ہوگیا۔

سامنے بالکل گھپ اندھیرا تھا۔۔کمرے میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔۔اچانک پورے کمرے میں از خود روشنی ہوگئی۔۔میں نے دیکھا کمرے کے اندر موجود ساری مشعلیں روشن ہوگئی ہیں۔۔ہر مشعل کے نیچے ایک عجیب وغریب قسم کی تصویر موجود تھی اور ہر تصویر شیطان کی بڑائی اور عظمت کو بیان کررہی تھی سامنے ایک بے حد بڑا اور قد آدم پنجرا موجود تھا پنجرے کے اندر میں نے جو کچھ دیکھا وہ منظر بے حد

خوفناک اور کریہہ تھا۔۔۔

اس پنجرے میں ایک عجیب وغریب قسم کا جانور موجود تھا۔ جس کا نچلا ڈھڑ تو انسان کا معلوم ہوتا تھا لیکن چہرا کسی درندے کا معلوم ہوتا تھا نہایت ہی خوفناک پنجرے کا دروازہ کھلا تھا اور زرتاج نے اپنا دایاں پاؤں اس پنجرے کے اندر کیا ہوا تھا۔۔ وہ جانور زرتاج کا پیر چاٹ رہا تھا۔۔ بالکل کسی پالتو کتے کی طرح۔۔ اور زرتاج کے چہرے پر ناگواری کے تاثر نمایاں تھے میں حیرت سے گنگ یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

''مڈونگا۔۔۔ تیری خواہش میں نے پوری کردی ہے۔۔ اس نوجوان کو مار دے۔۔۔'' زرتاج اس درندے کو دیکھ کر چلائی۔

''پھر اپنے پیر چاٹنے دے گی ناں۔۔''

درندے کے منہ سے سیٹی سے مشابہہ آواز نکلی۔۔ اس آواز میں شوخی تھی۔

''ہاں کتے کی اولاد۔۔۔'' زرتاج بدستور ناگواری سے بولی۔

''ایک بات کہوں۔۔۔'' مڈونگا کی سیٹی سے مشابہہ آواز نکلی۔

''بول۔'' زرتاج غرائی۔

''تو جانتی ہے ناں کہ مڈونگا ستارہ شناس ہے نجوم کی باتیں جانتا ہے۔۔ میرا علم کہتا ہے کہ آج تو ختم۔۔ دوسو سال سے تجھ کو مستقبل کی خبریں سنا تا رہا ہوں جو کبھی غلط نہیں ہوئی۔۔''

''کتے کے بچے چپ ہوجا۔۔ جا اس کو مار۔۔۔''

اچھا۔۔۔

جب تک میں صدمے کی کیفیت سے باہر آتا مڈونگا پنجرے سے باہر آچکا تھا۔۔ مڈونگا نے فوراً ہی میرا گریبان پکڑ لیا۔۔ مجھے زوردار دھکا دیا، اور دھکے کا اثر تھا کہ میں اُڑتا ہوا دروازے سے باہر جا گرا۔۔ گرنے سے میرے سر پر شدید چوٹ آئی تھی۔۔ نیلوفر ابھی تک بے ہوش تھی۔

اچانک میں نے مڈونگا کو باہر آتے ہوئے دیکھا اس کے پیچھے پیچھے زرتاج بھی تھی۔۔۔ مڈونگا نے پھر مجھے اچھال دیا اب کی بار کی چوٹ زیادہ شدید تھی جو کہ کمر میں آئی تھی۔۔ میں درد سے کراہتے ہوئے پستول نکال لی اور مڈونگا پر فائرنگ کردی لیکن اس پر تو کسی گولی کا اثر ہی نہ تھا اس کا سینہ جیسے بلٹ پروف تھا۔۔ مڈونگا پھر میرے نزدیک آیا اور اس نے مجھے گریبان سے پکڑ کر ہوا میں اوپر اُٹھالیا۔۔ مڈونگا کے سخت ہاتھ میری گردن کو دباتے جارہے تھے اچانک میں نے پستول کی نال مڈونگا کی آنکھ میں ماری۔۔ نال آنکھ میں اندر گھستی چلی گئی۔۔ خون کا فوارہ تھا جو کہ آنکھ سے نکلا تھا مڈونگا کی چیخ بہت دہشتناک تھی یوں لگا کہ بہت سے درندے ایک ساتھ مل کر غرائے ہوں۔۔۔

مڈونگا نے فوراً مجھے چھوڑ دیا اور ڈکراتا ہوا پیچھے ہٹتا چلا گیا اس کے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر تھے مجھے یقین ہوگیا تھا کہ اس کی جان اس کی آنکھوں میں ہے۔۔ چنانچہ میں نے پے در پے اس کی آنکھوں پر گولیا ں چلائیں تو خاطر خواہ اثر ہوا، مڈونگا فرش پر ڈھیر ہو چکا تھا۔۔ میں نے زرتاج کو بھاگنے نہیں دیا۔۔۔ اور فوراً ہی اس کے گلے پر ہاتھ ڈالا اور مالا جھپٹ لی ۔۔۔ زرتاج کی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا تھا۔

''مم۔۔ معاف کردو۔۔۔'' زرتاج منمنائی۔

ہرگز۔۔ نہیں شیطان کی محبوبہ۔'' اور میں نے اس مالا کو جھٹکے سے توڑ دیا۔

زرتاج کی آخری چیخ بڑی ہی دردناک تھی مالا کے ٹوٹتے ہی زرتاج کوئلہ بن کر فرش پر بکھر گئی۔

اس کے بعد کی داستان بہت مختصر ہے میں نے نیلوفر کو سنبھالا اور ان تمام قیدیوں کو آزاد کیا تو وہ سب حویلی سے باہر آگئے۔

کافی سال گزر چکے ہیں اب حویلی عبرت کا منظر بنی ہوئی ہے کبھی کبھی مجھے یہ واقعات یاد آتے ہیں تو میں اپنے بدن کی لرزشوں پر قابو نہیں رکھ پاتا۔

گورکن

محمد شہزاد خان-صادق آباد

اچانک قبر شق ہوئی اور اس میں سے دودھیا روشنی نکلنی شروع ہوگئی کہ پھر پلک جھپکتے ہی ایک معصوم خوبصورت بچی قبر میں سے باہر نکلی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے.....

جسم وجاں کے رونگٹے کھڑے کرتی خوف وہراس کے لبادے میں..... لپٹی..... کہانی

میری یہ کہانی کراچی میں واقع ایک پرانے قبرستان سے تعلق رکھتی ہے۔ جو بڑی شخصیات کے یہاں دفن ہونے کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب اس قبرستان میں جمیل نامی ایک گورکن تھا۔ کسی مرنے والے کے لئے پلاٹ دینا اور پھر اس کو دفنانے کے تمام اخراجات کا تخمینہ بتانے کے متعلق کام اس کے ذمہ تھا۔ اس کام کے لئے اسے اچھا خاصا معاوضہ ملتا تھا۔ یہ کچھ ماہ پہلے کی بات ہے جب میری ملاقات اس سے ہوئی تھی۔ وہ وہاں کا سب سے پرانا گورکن تھا۔ ایک دن میں نے اس سے یونہی پوچھا کہ..... "جمیل کیا کبھی اتنے لمبے عرصے میں قبرستان میں تم نے کوئی عجیب یا پراسرار واقعہ دیکھا".....؟ یا تم نے دن یا رات کے وقت کوئی ایسی بات محسوس کی جس کی وجہ سے تم ڈر گئے ہو.....؟"

تب اس نے مجھے ایک عجیب اور پراسرار واقعہ کے متعلق بتایا۔ جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس نے بتایا کہ جب میں 2009 میں کراچی آیا تھا تو ایک دن دوپہر کے وقت ایک فیملی جو مجھے میاں بیوی ہی لگ رہے تھے میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ ان کی بچی فوت ہوگئی ہے جسے وہ لوگ ایک بوسیدہ سے تابوت میں لائے تھے۔ لباس سے وہ لوگ خوشحال لگ رہے تھے لیکن تابوت کی حالت بتا رہی تھی کہ اسے انہوں نے نیا خریدنے کی بجائے کہیں سے پرانا ہی حاصل کیا تھا۔ ایسا انہوں نے کیوں کیا تھا؟ ایسا صرف میں سوچ ہی سکا۔

انہوں نے اس بچی کو دفنانے کے لئے مجھے اچھا معاوضہ دیا۔ میں نے اپنے ایک ساتھی کے ساتھ مل کر اس بچی کے لئے ایک مناسب جگہ دیکھ کر قبر کی کھدائی شروع کردی۔ ہمیں اس دوران ایک بات بہت عجیب اور ناگوار لگی کہ وہ دونوں ہمیں ہمارا معاوضہ دیکر اپنی بچی کو دفنائے بغیر ہی واپس چلے گئے۔

ہم نے پھر زیادہ سوچنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ ہمیں ہمارا معاوضہ مل گیا تھا اس لئے قبر تیار کرنے کے بعد ہم دونوں نے مل کر اس بچی کے تابوت کو آہستہ اور احتیاط سے قبر میں اتارا..... پھر باہر نکلنے ہی لگے تھے کہ اچانک میری دائیں جانب سے تابوت کا ڈھکن ذرا سا سرک گیا۔

اچانک میری نظر اس کے اندر لیٹی بچی پر پڑی تو دیکھا کہ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ بچی رو رہی ہو.....؟ یہ منظر صرف میں نے ہی دیکھا تھا کیونکہ میں اسی طرف تھا جس طرف سے ڈھکن تھوڑا سا ہٹا تھا۔ میں نے گھبرا کر جلدی سی ڈھکن دوبارہ برابر کیا اور تابوت کو احتیاط سے قبر میں رکھ دیا۔ پھر قبر کو بند کر کے ہم باہر نکل آئے۔ اس کا ذکر میں نے اپنے دوست سے نہیں کیا کہ کہیں ڈر نہ جائے۔

☆.....☆.....☆

یہ رات کے تقریباً دس بجے کا وقت ہوگا جب میں اپنے گھر سے نکل کر روزانہ کے معمول کے مطابق قبرستان کا چکر لگانے کے لئے نکلا۔ میرا گھر قبرستان کے باہر والے گیٹ کی دائیں جانب ایک چھوٹے کوارٹر پر مشتمل تھا میں نے شادی نہیں کی تھی اس لئے میں اپنے کوارٹر میں اکیلا ہی رہتا تھا۔ میرا دوسرا ساتھی شہر میں رہتا تھا لیکن وہ کام کے لئے یہاں آتا تھا۔ اس وقت وہ اپنے گھر پر ہی تھا لیکن میں گھر سے نکل کر قبرستان کی جانب بڑھ رہا تھا۔

قبرستان کے بڑے گیٹ سے گزر کر میں جب اندر داخل ہوا تو مجھے کچھ ہی دور ایک بڑے اور پرانے پیپل کے درخت کے نیچے چند بچے بیٹھے دکھائی دیئے۔ چونکہ قبرستان میں بہت کم روشنی تھی کہیں کہیں لوگوں نے اپنی مدد آپ کے تحت اپنی حیثیت کے مطابق کچھ روشنی کا بندوبست کر رکھا تھا ورنہ محکمہ اوقاف سے تو اس بات کی بھی کوئی امید نہ تھی وہ دوسرے محکموں کی طرح تمام فنڈ کھانے میں ماہر تھے۔ ایسے لوگوں کو خوف خدا بھی یاد نہیں آتا۔

خیر مجھے تھوڑا شک ہوا کہ کہیں یہ بھوت پریت تو نہیں.....؟ یا کسی چڑیل یا جن کے بچے نہ ہوں.....؟ یہ سوچ کر میں ڈر گیا اور جلدی سے ایک گھنی جھاڑی کی اوٹ میں چھپ کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ ابھی مجھے وہاں چھپے چند ہی لمحے ہوئے ہوں گے کہ اچانک اپنے پیچھے ایک آہٹ سنائی دی۔ میں نے یکدم مڑ کر دیکھا تو میرے پیچھے وہی بچی کھڑی تھی جسے آج ہم دونوں نے خود اپنے ہاتھوں سے دفنایا تھا۔ اس بچی کا تمام لباس تازہ خون سے تر تھا.....اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو ٹپک رہے تھے اور ان کا رنگ بھی سرخ تھا۔ اس کے دونوں گال پھٹے ہوئے تھے۔ اور وہ یوں سر جھکائے کھڑی تھی جیسے مجھ سے کوئی فریاد کر رہی ہو.....؟

☆.....☆.....☆

اسے دیکھتے ہی میں گھبرا کر اٹھا اور وہاں سے بھاگا اور بھاگتے ہوئے اچانک مجھے ایک ٹھوکر لگی اور دوسرے لمحے میں ایک قبر پر جا گرا۔ میں یکدم کھڑا ہوا.....اور میری نظر جب اس قبر پر لگے کتبے پر پڑی تو مجھے بہت حیرانی ہوئی کیونکہ یہ اسی بچی کی قبر تھی۔ میری عقل جواب دے گئی.....میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھے اپنا دل پھٹتا ہوا محسوس ہوا.....

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جس بچی کو آج میں نے خود اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا تھا وہ باہر کیسے نکل آئی.....؟ ابھی میں وہاں کھڑا یہی سوچ رہا تھا کہ اچانک یوں محسوس ہوا جیسے قبر ہل رہی ہو.....؟ اور اس کے اندر سے کسی کے انتہائی تکلیف میں ہونے اور کراہنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

رات کا وقت، بھیانک قبرستان کا منظر، ایک قبر سے آنے والی پراسرار آوازیں ماحول میں دہشت پیدا کرنے کے لئے کافی تھیں۔

میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے۔ میں نے جلدی سے بھاگتے ہوئے اسی پیپل کی طرف دیکھا تو وہ بچے اب وہاں موجود نہیں تھے شاید کہیں چلے گئے تھے۔ یہ دیکھ کر مجھے کچھ حوصلہ ہوا اور میں بھاگ کر اس پیپل کے چوڑے تنے کے پیچھے چھپ گیا۔ کچھ دیر تک سانس بحال کرنے کے بعد میں نے آہستہ سے اپنا سر باہر نکال کر اس بچی کی تلاش میں نظریں دوڑائیں تو وہ مجھے کہیں دکھائی نہ دی۔ میں کچھ دیر وہاں کھڑا رہا پھر میں نے وہاں سے نکلنے کے لئے واپسی کا راستہ اختیار کیا۔ لیکن اس کے لئے مجھے دوبارہ اسی قبر کے پاس سے گزرنا تھا کیونکہ

قبرستان کا گیٹ دوسری جانب تھا۔ میں اپنی تمام ہمت جمع کرکے جیسے ہی اس قبر کے نزدیک پہنچا تو میرے منہ سے چیخ نکل گئی اور مجھے چکر سے آنے لگے.....

کیونکہ وہی پراسرار لڑکی اپنی قبر پر لگے کتبے کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اس بار اس کی آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ رات کا اندھیرا ہونے کے باوجود اس کی آنکھوں کی سفید پتلیاں نمایاں تھیں۔

اس کے پاس ہی ایک کدال رکھی ہوئی تھی۔ وہ بچی مجھے دیکھتے ہی اپنے ہاتھوں سے اس کدال کی جانب اشارہ کررہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مجھے اس کدال سے اپنی قبر کھودنے کے لئے کہہ رہی ہو.....؟

☆.....☆.....☆

میں شش و پنج میں کھڑا ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک دھماکے سے قبر پھٹی اور اس میں سے آگ کی لپٹیں نکلنے لگیں۔ وہ منظر دیکھ کر میری رہی سہی ہمت بھی جواب دے گئی اور میں نے وہاں سے بھاگنے کے لئے جیسے ہی ارادہ کیا تو مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال دی ہوں۔ پھر یکدم کسی نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا میں نے اس طرف دیکھا تو وہی بھیانک لڑکی میرا ہاتھ تھامے میرے نزدیک کھڑی تھی اور اس کے دوسرے ہاتھ میں وہی کدال موجود تھی۔ پھر نہ جانے مجھے کیا سوجھا کہ میں نے اس کے ہاتھ سے کدال لے لی۔ جیسے ہی کدال میرے ہاتھ میں آئی تو فوراً قبر سے نکلنے والی آگ یوں بجھ گئی جیسے کسی نے اس پر مٹی ڈال دی ہو۔ میں نے یکدم اس بچی کی جانب دیکھا تو وہ بھی اسی آگ کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ میں نے کچھ سوچتے ہوئے جلدی سے قبر کو کدال کی مدد سے اس جانب سے کھودنا شروع کردیا جس طرف سے آگ کی وجہ سے قبر بچ گئی تھی۔ پھر جیسے ہی میری کدال تابوت سے ٹکرائی وہ کافی جل چکا تھا میں نے احتیاط سے ایک جانب سے اس کا ڈھکن اٹھا کر دیکھنا چاہا تو وہ لمحہ میری زندگی کا ایک بھیانک لمحہ تھا.....

جب میں نے دیکھا کہ تابوت خالی تھا۔ اُف میرے خدایا! یہ کیا تھا.....؟

میں نے جلدی سے اوپر کی جانب نگاہ ڈالی تو وہ بچی قبر پر کھڑی مسلسل رو رہی تھی اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ خون کے قطرے قبر میں اور میرے لباس پر گر رہے تھے۔ پھر یکدم میرے دماغ میں بجلی کے کوندے کی مانند ایک خیال آیا اور دوسرے لمحے میں فوراً قبر سے باہر نکلا۔ اور اس بچی کو احتیاط سے پکڑ کر قبر میں پڑے تابوت میں دوبارہ لٹا دیا۔ وہ بچی خاموشی سے مجھے یہ سب کرتے دیکھ رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

بچی کو تابوت میں لٹاتے وقت اس کے چہرے پر چھا جانے والا سکون مجھے آج بھی یاد ہے۔ اور اس کے آنسو بھی تھم گئے تھے۔ تابوت کا ڈھکن اچھی طرح بند کرکے دوبارہ قبر سے نکلا اور قبر پر اچھی طرح مٹی ڈال کر اس پر کھڑے ہوکر کچھ قرآنی دعائیں جو میری ماں نے بہت اچھی طرح مجھے سکھادی تھیں وہ پڑھ پڑھ کر اس قبر پر پھونکیں اور بچی کے ایصال ثواب کے لئے بہت سی دعائیں مانگ کر میں واپس گھر پہنچا۔

میرے ذہن میں یہی بات گونج رہی تھی کہ اسے قبرستان لانے والے دفنانے سے پہلے ہی بھاگ گئے تھے۔ اور اس پر دعائیں وغیرہ بھی نہیں پڑھی گئی تھیں شاید اسی لئے اس کی بے چین روح بھٹکتی پھر رہی تھی اور تکلیف میں تھی۔

جب میں نے اسے باقاعدہ دوبارہ دفن کرکے دعائیں پڑھیں تو اسے سکون آگیا۔ پھر میں نے دل میں یہ عہد کرلیا کہ جب بھی کوئی مردہ دفناؤں گا تو خود ضرور اس کی قبر پر کھڑے ہوکر اس کی بخشش کے لئے دعائیں مانگوں گا۔

آج بھی جب اپنی زندگی کا یہ عجیب اور پراسرار واقعہ یاد آتا ہے تو خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

سانپوں کا مسکن

خلیل جبار

سپیرے نے بین بجانی شروع کی تو یکے بعد دیگرے پندرہ سانپ بل سے نکل آئے اور جب وہ پھنکارنے لگے تو گھر والے گھر چھوڑ کر باہر نکل گئے لیکن بہادر سپیرے نے.....

موذی کی زبردست پھنکار سنتے ہی گھر والے ہلکان ہوگئے.....ڈراؤنی کہانی

رات کا نہ جانے وہ کون سا پہر تھا جب میری آنکھ کھلی تھی میں دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگا مجھے پیاس بھی نہیں لگ رہی تھی جو میں سمجھتا کہ پیاس کی وجہ سے آنکھ کھلی ہے۔ وہ ایک عجیب سا احساس تھا جس کے باعث میری آنکھ کھل گئی۔ میں نیم غنودگی کی حالت میں تھا۔ اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کمرے میں بیک وقت کئی سانپ پھنکار رہے ہوں۔ سانپوں کی کمروں میں موجودگی نے مجھے خوف زدہ کر دیا۔

کمرے میں زیرو کا بلب جل رہا تھا۔ جس کے باعث کمرے میں روشنی اتنی تھی میں اچھی طرح سے دیکھ سکتا تھا۔ سب سے پہلے میں نے بیڈ کے نیچے دیکھا۔ وہاں کوئی سانپ نہ تھا۔ لیکن کمرے میں سانپوں کے پھنکارنے کی آوازیں مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔ ان کی آوازوں سے محسوس ہو رہا تھا کہ سانپ کمرے میں ہی ہیں۔ میں خوف زدہ حالت میں بستر سے نیچے اترا اور پورے کمرے کو دیکھ ڈالا۔ ایک بھی سانپ کمرے سے نہ ملا۔

''کمال ہے ایک بھی سانپ کمرے میں نہیں ہے اور سانپوں کی پھنکارنے کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔'' میں نے خود کلامی کی۔

زمین سے میں نے کان لگائے کہ یہ آوازیں مجھے کیوں سنائی دے رہی ہیں۔ زمین کے اندر سے سانپوں کے پھنکارنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دن میں مجھے یہ آوازیں سنائی نہ دیتیں لیکن اس وقت رات میں سناٹے کی وجہ سے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ بے اختیار میں نے زمین کو ہاتھ سے تھپتھپاتا۔ ایسا کرنے پر مجھے بالکل بھی محسوس نہیں ہوا کہ اندر سے کھوکھلی ہے۔ خلا ہونے کی صورت میں یہ ممکن تھا کہ کمرے کے نیچے تہہ خانہ ہو اور وہ تہہ خانہ سانپوں کی آماجگاہ بن گیا ہو۔

میں جس مکان میں تھا۔ یہ مکان گزشتہ دنوں میں نے خریدا تھا۔ میں اس علاقے میں اجنبی تھا۔ میں فوج سے ریٹائرڈ ہوا تھا۔ اپنی جمع پونجی سے میں نے یہ مکان خرید لیا تھا۔ اس علاقے کے لوگوں کو جب پتا چلا کہ میں یہ مکان خریدنا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں نے مجھے یہ مکان خریدنے سے منع کر دیا۔

''اس مکان میں ایسی کیا بات ہے جو میں اسے نہ خریدوں۔'' میں نے پوچھا۔

''اس مکان میں خطرناک قسم کا آسیب ہے جو کسی کو گھر میں رہنے نہیں دیتا۔'' ایک آدمی جس کا نام

جن تھا۔ وہ بولا۔

''آسیب کو کیا تکلیف ہے جو انسانوں کو نہیں رہنے دیتا۔'' میں نے پوچھا۔

''الیاس بھائی ہم نے سنا ہے کہ اس مکان میں مالک مکان نے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیا تھا اور خود نہ جانے کہاں غائب ہوگیا۔ پولیس نے اسے بہت تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوسکی۔'' جمن نے بتایا۔

''یہ بات تم لوگوں کو کیسے معلوم ہوئی کہ یہ مکان آسیب زدہ ہے۔''

''اس مکان میں جو رہنے بھی آتا ہے وہ ایک ہفتے سے زیادہ نہیں ٹھہرتا اور بھاگ جاتا ہے۔'' عبدالقادر نے بتایا۔

''اس مکان میں آسیب کیسے آ گیا۔'' میں نے پوچھا۔

''ہم اپنے بڑوں سے سنتے آ رہے ہیں کہ اس گھر میں ایک صاحب رہتے تھے اس نے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیا تھا اور خود پولیس کے ڈر و خوف سے گھبرا کر کہیں دور نکل گیا تھا اسے پھر گاؤں کے کسی شخص نے نہیں دیکھا تھا۔'' صابر نے تفصیل بتائی۔

''بالکل الیاس بھائی ایسا ہی ہوا تھا۔ اس دن سے اس مکان میں کوئی نہیں رہ سکتا ہے۔ اگر کوئی رہنے کی کوشش بھی کرے تو آسیب اُسے ڈرا کر بھگا دیتے ہیں۔ ہم سب کا یہی خیال ہے۔ اس شخص کے بیوی بچے قتل ہوجانے پر انسانوں کے دشمن بن گئے ہیں اور ان کو یہ برداشت نہیں ہے کہ کوئی یہاں رہے، اس لئے جو بھی یہاں آتا ہے چند دن سے زیادہ نہیں رہتا۔'' یاسین نے بتایا۔

''میں اکیلا آدمی ہوں اس لحاظ سے تم بتاؤ آسیب میرے ساتھ کیا کرے گا۔'' میں نے پوچھا۔

''کیا تمہارے بیوی بچے نہیں ہیں۔'' جمن چونک کر بولا۔

''میں نے شادی ہی نہیں کی۔''

''اچھا یہ بات ہے۔'' عبدالقادر نے کہا۔

''میرا خیال ہے آسیب مجھے کچھ نہیں کہے گا۔ میں اکیلا ہوں۔ ورنہ وہ مجھے کہہ سکتا ہے کہ اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دو۔'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

میری بات سن کر وہ سب سوچ میں پڑ گئے۔ کچھ دیر خاموش رہ کر وہ بولے۔

''یہ بھی ممکن ہے آسیب تمہارا گلا گھونٹ کر مار دے۔''

''دیکھا جائے گا۔ میں ایسی نوبت ہی نہیں

آنے دوں گا۔ ان سے دوستی کرلوں گا اور ان کو بتاؤں گا کہ میں نے اپنی زندگی میں جو کچھ کمایا ہے اس مکان کو خریدنے پر لگا دیا ہے۔ اس لئے مجھے تنگ نہ کرو۔''

''آسیب تمہاری بات سمجھ جائے گا۔'' جن نے معصومیت سے پوچھا۔

''دیکھا جائے گا۔'' میں نے کہا۔

میری ساری زندگی فوج کی نوکری کرتے گزری تھی۔ میں کبھی جنگلوں، صحرا، غرض ڈیوٹی کے دوران ہر جگہ رہا تھا۔ اس لئے میرے ذہن سے ڈر، خوف نکل گیا تھا۔ میں اکیلا جنگلوں میں رات بسر کرلینے کا سا عادی تھا۔ جیسے بھی حالات ہوں ان سے نمٹنے کی مہارت رکھتا تھا۔ آسیب پر میں بالکل بھی یقین نہیں رکھتا تھا۔ یہی وجہ تھی میں ان کی باتوں کا کوئی نوٹس نہیں لے رہا تھا۔ ویسے بھی اتنی کم قیمت میں اس سے اچھا مکان مجھے نہیں مل سکتا تھا۔

رات میں سانپوں کی پھنکار نے مجھے سوچنے پر مجبور کردیا تھا۔ یہ مکان آسیب زدہ ہے۔ جس کے پاس یہ مکان تھا اس نے مکان کے سودے کے وقت صاف، صاف کہہ دیا تھا وہ مجھ سے لی رقم کسی صورت میں واپس نہیں کرے گا۔ میں نے بھی اس بات کا اسے یقین دلایا تھا کہ میں یہ مکان واپس نہیں کروں گا۔

میں نے لائٹ جلائی اور مکان کے دیگر کمروں کو اچھی طرح سے چیک کیا۔ کسی بھی کمرے میں مجھے ایسا سراغ نہیں ملا تھا کہ جس سے پتا چلے کہ مکان کے نیچے تہہ خانہ ہے۔

میرا ارادہ یہ تھا کہ اس مکان کی بیٹھک میں خود رہوں گا اور باقی حصہ کرائے پر دے دوں گا، اس طرح کرائے کی مد میں جو رقم آئے گی وہ میرے گزارے کے لئے کافی ہوگی۔ اس مکان کے آسیب ہونے کی صورت میں کوئی بھی کرائے دار اس مکان میں رہنا پسند نہیں کرے گا۔ مجھے اپنی جلد بازی پر اب بہت غصہ آرہا تھا۔ میرا خود سے زیادہ اعتماد میرے جمع پونجی کو لے ڈوبا تھا۔ پینشن سے جو رقم ملتی اس میں گزارنا کرنا مشکل ہوجائے گا۔

رات جیسے تیسے کرکے گزر گئی۔ صبح ہونے پر میں نے دیواروں اور کمروں کی زمین کو تھپتھپایا کہ ہوسکتا ہے مکان کے کسی کمرے میں تہہ خانہ ہو اور اس کے اندر جانے کا راستہ مل جائے بہت کوشش کے باوجود میں مکان میں تہہ خانہ یا اس میں جانے کا راستہ تلاش کرنے میں ناکام رہا۔

علاقے کے لوگوں کے سامنے میں خود کو بہت بہادر ظاہر کررہا تھا۔ اب کیسے ان سے کہتا کہ میں آسیب سے خوف زدہ ہوگیا ہوں، اور یہ مکان فروخت کرکے جان چھڑانا چاہتا ہوں۔ میری جمع پونجی مالک مکان سے دلادو یا مکان فروخت کرادو۔ میں کسی اور علاقے میں چلا جاؤں گا لیکن اس آسیب زدہ مکان میں کسی صورت میں نہیں رہوں گا۔

دوپہر میں کھانا کھا کر مجھے نیند آگئی۔ رات کی نیند تھی اس لئے دن میں سوگیا تھا۔ مجھے دن میں سونے کی عادت نہیں تھی۔ البتہ کچھ دیر آرام کرنے کو لیٹ جاتا ہوں مگر سوتا کبھی نہیں ہوں۔ دن میں سونے کا یہ نقصان ہے باقی بچ جانے والا آدھا دن پورا ہوجاتا ہے۔

آنکھ کھلنے پر میں نے دیکھا رات ہوچکی ہے۔ میں بھرپور نیند لے کر بیدار ہوا تھا۔ رات کا کھانا کھایا۔ اور ٹی وی چلا دیا۔ ٹی وی پر میری پسند کے پروگرام نہیں آرہے تھے۔ اس لئے جلد بور ہوگیا۔ اور میں نے ٹی وی بند کردیا۔

میں اس علاقے میں نو وارد تھا۔ اس لئے علاقے میں ابھی کسی سے دوستی نہیں ہوئی تھی ورنہ ان کو بلا کر رات والے معاملے پر بات چیت کرلیتا ہوسکتا ہے کہ ان کے منہ سے کوئی قیمتی مشورہ نکل جاتا جو میرے لئے کارآمد ہوتا۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ میرے سامنے جن کھڑا تھا وہ مجھے دیکھ کر بولا۔

''میں نے سوچا کہ صاحب گھر میں اکیلے بور

ہورہے ہوں گے اس لئے کچھ دیر کو بوریت دور کر آؤں۔''

''اچھا کیا تم آگئے۔ میں واقعی اس وقت بور ہورہا تھا۔'' میں نے کہا۔

وہ مکان کے اندر چلا آیا۔

''رات کیسی گزری۔'' اس نے پوچھا۔

''کچھ سو کر گزری اور کچھ جاگ کر۔'' میں نے کہا۔

''نئی جگہ جلدی سے نیند نہیں آتی۔''

''یہ بات نہیں ہے جمن فوج میں رہ کر مجھے ہر جگہ سونے کی عادت پڑ گئی ہے۔''

''پھر کیا بات تھی؟''

''رات مجھے سوتے میں ایسا محسوس ہوا کہ کمرے میں سانپ گھوم رہے ہیں۔ روشنی تیز کر کے بھی کمرے میں کچھ نظر نہ آیا۔''

''کبھی کبھی انسان کو ویسے ہی وہم ہوجاتا ہے۔ ایسا ممکن نہیں کمرے میں سانپ ہوں اور وہ نظر نہ آئیں۔''

''مجھے وہم نہیں ہوا، میرے نیند سے جاگنے پر سانپوں کی پھنکار سنائی دے رہی تھی۔'' میں نے اسے یقین دلانے کی پوری کوشش کی۔

وہ میری بات کو ماننے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے میں نے رات اسے اپنے مکان پر گزارنے کو تیار کرلیا۔ میں دن بھر سوتا رہا تھا اس لئے رات کو نیند نہیں آرہی تھی۔ میں بستر پر ادھر ادھر کروٹیں بدلتا رہا۔ جمن بستر پر لیٹتے ہی سوگیا۔ اس کے کمرے میں خراٹوں کی آواز گونج رہی تھی۔

آدھی رات گزرنے پر مجھے محسوس ہوا کمرے میں سانپ پھنکار رہے ہیں۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ جمن کو جگادوں تاکہ وہ اپنے کانوں سے خود سانپوں کے پھنکارنے کی آواز سن لے۔ اچانک خود ہی جمن اٹھ کر بیٹھ گیا اور مجھ سے پوچھنے لگا۔

''یہ سانپوں کے پھنکارنے کی آوازیں کہاں سے آرہی ہیں۔''

توبہ

توبہ کیلئے گناہ گار ہونا ضروری نہیں۔ توبہ از خود ایک مستقل عبادت ہے جس سے روح میں پاکیزگی اور نکھار آتا ہے۔

توبہ ایک ایسا دروازہ ہے جو موت کی آخری ہچکی تک کھلا رہتا ہے۔

دعا ہے خدا ہمیں سچے دل سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین۔

(شرف الدین جیلانی۔ ٹنڈوالہ یار)

''مجھے خود نہیں پتا۔'' میں نے لاپرواہی سے کہا۔

''آؤ چل کر دیکھتے ہیں کہ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔'' جمن نے کہا۔

مجھے جمن کی اس بہادری پر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ مجھے آسیب سے ڈرا رہا تھا اور اب خود سانپوں کی تلاش کرنا چاہتا ہے۔

''دیکھو جمن تم ڈر مت جانا۔''

''میں ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ مجھے اپنے ساتھ ساتھ پائیں گے۔'' جمن نے کہا۔

ہم دونوں نے مکان میں سانپوں کی تلاش شروع کردی۔ کسی بھی کمرے میں ہمیں سانپوں کے بارے میں کوئی سراغ نہ مل سکا۔ صحن میں تہہ خانے کی تلاش میں اچانک میری نظر دیوار پر بڑی دیوار میں ایک بڑا سا سوراخ تھا۔ جس میں سیاہ ناگ کی دم نظر آئی۔ دم نظر آنے کا مطلب تھا۔ دیوار میں اس ناگ کا بل ہے۔ اس وقت ایک کالا ناگ نظر آرہا تھا لیکن جس طرح اس مکان میں سانپوں کی پھنکاریں سنائی دیتی تھیں۔ اس سے لگتا تھا اس مکان میں ایک سے زائد سانپ ہیں۔ رات کا وقت تھا اس ناگ سے چھیڑ چھاڑ کرنا ہمارے لئے پریشانی کا سبب بن جاتا۔

جمن کو سانپ دکھا کر میں کمرے کے اندر لے آیا۔ وہ اس کامیابی پر خوش دکھائی دے رہا تھا۔

''اس بات کی تصدیق ہوگئی ہے کہ اس مکان میں سانپ ہیں۔'' جمن نے کہا۔

''ابھی ایک سانپ نظر آیا ہے، اس مکان میں کئی اور سانپ بھی ہیں۔ ان کو بھی تلاش کرنا ہوگا۔'' میں نے کہا۔

''ہمیں ان سانپوں کو تلاش کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔'' جمن بولا۔

''وہ کیوں؟''

''سانپوں سے چھیڑ چھاڑ کرنا ہمارے لئے ٹھیک نہیں وہ ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔''

''پھر ان سے جان کیسے چھوٹے گی۔'' میں نے پوچھا۔

''جس کا کام اسی کو ساجھے۔''

''تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''یہ کام سپیروں کا ہے وہ ان کو آسانی سے قابو کر سکتے ہیں۔''

''تمہاری نظر میں کوئی سپیرا ہے؟''

''ہاشم میرا اچھا دوست ہونے کے ساتھ اچھا سپیرا بھی ہے۔ وہ خطرناک سانپوں کو بھی اس آسانی سے قابو کر لیتا ہے جیسے یہ کوئی بات ہی نہیں تھی۔''

''تم صبح ہی ہاشم سپیرے کو بلا کر لے آؤ۔''

''تم بے فکر ہو جاؤ، میں صبح ہونے پر ہاشم کو لے آؤں گا، وہ خود بین بجا کر ان سانپوں کو پکڑ لے گا۔'' جمن نے کہا۔

''ان سانپوں کو پکڑنا بہت ضروری ہو گیا ورنہ یہ سانپ مجھے کسی بھی وقت نقصان پہنچا سکتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

صبح کے وقت وعدے کے مطابق جمن اپنے دوست ہاشم سپیرے کو لے آیا۔ اس نے اپنی بین بجانی شروع کر دی۔ اس کے بین بجانے پر ایک ایک کر کے پندرہ سانپ نکل آئے تھے جن کو وہ پکڑ پکڑ کر اپنی ٹوکریوں میں بند کرتا رہا۔ جب سانپ آنا بند ہوئے تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

''لگتا ہے ان سانپوں کا پورا خاندان یہاں بسیرا کئے ہوئے ہے۔'' ہاشم سپیرے نے کہا۔

''کیا یہاں اور بھی سانپ ہو سکتے ہیں۔'' میں نے پوچھا۔

''اس وقت جو سانپ یہاں تھے وہ میں نے پکڑ لئے ہیں۔ یہاں سے کوئی سانپ اگر گیا ہوا ہے تو اسے میں بعد میں پکڑ لوں گا۔ میں ہر ہفتے آؤں گا۔ اور ایک دن بین بجایا کروں گا جو بچ گئے ہیں ان کو بھی قابو کر لوں گا۔'' ہاشم سپیرے نے کہا۔

ہاشم سپیرے کی محنت سے باقی بچ جانے والے چار سانپ بھی پکڑے گئے۔ اب گھر میں سکون ہو گیا تھا۔ میں رات میں سکون کی نیند سونے لگا تھا۔ میں نے اس مکان میں جو سانپوں کے بل تھے ان کو بند کرا دیا۔

ایک ماہ گزر جانے پر علاقہ مکین مجھے حیرت سے دیکھنے لگے تھے کہ آسیب مجھے کچھ کیوں نہیں کر رہا ہے۔ ان کو اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس مکان سے اتنی تعداد میں سانپ پکڑے گئے ہیں۔

مکان میں وہ واحد بل تھا جس کی مدد سے سانپ زمین کے اندر موجود بلوں میں جا کر بسیرا کئے ہوئے تھے۔ یہ بل کمروں کے نیچے تک گئے ہوئے تھے۔ اس رات اتفاق تھا کہ میں نے دیوار میں سانپ کا بل دیکھ لیا تھا اور سارے سانپ پکڑے گئے تھے۔ چند ماہ گزر جانے پر لوگوں کو یقین آ گیا تھا کہ واقعی اس مکان میں آسیب نہیں سانپوں کا مسکن تھا۔ ان کی پھنکاریں سن کر لوگ سمجھے تھے کہ یہاں آسیب ہے۔

میں نے لوگوں کا اعتماد بحال ہو جانے پر مکان ایک فیملی کو کرائے پر دے دیا اور خود بیٹھک میں رہنے لگا تھا۔ پینشن اور کرائے کی مد میں آمدنی سے میرا گزر بسر اچھا ہونے لگا تھا۔

پرانی حویلی

ثریا کنول-قادر پورراں

پورے کمرے میں مٹی کی تھہ جمی ہوئی تھی اور مکڑی کے جالے بھی تھے کہ اچانک دیوار پر لگی گھڑی نیچے گری اور چکنا چور ہوگئی کہ گھبرا کر نوجوان نے چیخ ماری اور پھر.....

مذاق مذاق میں خون کی ہولی کھیلتے ایک نوجوان کی دردناک..... آسیبی..... کہانی

یہ میری نیند کیسے کھل گئی اور وقت کیا ہوا ہے۔ اوہ ابھی تو بارہ بجے ہیں۔ شاید ایسے ہی آنکھ کھل گئی۔ نہیں کسی آہٹ کی وجہ سے کھل گئی ہے۔ پر ایسا نہیں ہے۔ مجھے ایسا لگا ہے کہ مجھے کسی نے جھنجھوڑ کر اٹھا دیا ہے۔

''پر کس نے..... زاہد نے کہا تھا کہ یہ گھر آسیب زدہ ہے۔ پر ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ میرا وہم ہے۔ شاید میں نے ان کم بختوں کی باتیں ذہن میں بیٹھالی ہیں۔ اب مجھے دوبارہ سونے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اور پھر صبح ان سے پیسے بھی تو لینے ہیں۔

زاہد دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگا۔ جی ہاں زاہد نے اپنے دوستوں سے شرط لگا رکھی تھی کہ وہ پرانی حویلی میں تنہا رات گزارے گا۔

یہ حویلی کافی عرصے سے بند پڑی ہوئی تھی۔ اس

لئے لوگوں کا کہنا تھا کہ ''یہ حویلی آسیب زدہ ہے۔''

مختلف قسم کی افواہیں اُڑائی گئیں۔ ہاں زاہد اور اس کے دوستوں نے باتوں ہی باتوں میں بحث چھیڑ دی اس حویلی کے بارے میں۔ زاہد کے دوست تو اس حویلی کو آسیب زدہ مانتے تھے لیکن زاہد نے نہ صرف اس بات کو مذاق میں اڑایا بلکہ ایک رات حویلی میں گزارنے کا فیصلہ بھی کرلیا۔ زاہد کے دوستوں نے شرط لگائی کہ زاہد اگر حویلی میں پوری رات نہ گزار سکا تو دس ہزار دوستوں کو دے گا اور وہ آپس میں تقسیم کرلیں گے۔

اور اگر وہ پوری رات اندر رہا تو صبح ہم دوست زاہد کو دو دو ہزار کر کے زاہد کو دیں گے۔ تو طے یہ پایا کہ ہفتے کی رات حویلی میں گزارے گا۔

تو سب دوست ساتھ مل کر زاہد کو حویلی میں لے گئے اور کھلے ہال میں کیمرہ لگا دیا تاکہ زاہد بے ایمانی نہ کر سکے چونکہ حویلی بہت بڑی تھی۔ نو دس نیچے کمرے تھے۔ یقیناً اپنے وقت میں یہ حویلی بہت خوبصورت ہوگی اور درمیان میں کھلا ہال تھا۔

زاہد نے کھلے ہال ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ وہاں ایک پرانا صوفہ سیٹ تھا جو کہ کافی پرانا تھا۔ تو زاہد نے صوفے کو تھوڑا بہت جھاڑ پونچھ دیا تھا۔ اور اس پر ہی سو گیا۔

حویلی میں لائٹ کا بندوبست تو تھا نہیں اس لئے زاہد نے موم بتی جلا دی اور سو گیا۔

لیکن رات کے اس پہر جب گھڑی تقریباً ایک بجا رہی تھی تب زاہد کی نیند کھل گئی۔ ابھی زاہد کو کچھ دیر ہی ہوئی تھی سوئے ہوئے پھر سے زاہد اُٹھ بیٹھا۔ اس بار زاہد کو کچھ آوازیں آنے لگیں۔ یہ آوازیں کسی کے چلنے کی تھیں جیسے کوئی چلتا ہوا زاہد کے قریب آرہا ہو۔ موم بتیاں تو بجھ گئی تھیں۔ اس لئے زاہد نے اپنا اسمارٹ فون نکالا اور فلیش لائٹ آن کی۔ لیکن زاہد کو کوئی آتا ہوا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ زاہد کی پیشانی پر پسینہ آنے لگا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ نظر کوئی نہیں آرہا لیکن آواز باقاعدہ آرہی ہے۔

یہ کیا معمہ ہے۔ دیکھیں جی آپ جو کوئی بھی ہیں سامنے آئیں۔'' زاہد گھبراتے ہوئے بولا۔

یہ کہتے ہی زاہد صوفے پر سے اٹھ گیا۔ اس کے صوفے سے اٹھنے کی دیر تھی کہ صوفہ ہوا میں اوپر کو اُٹھ گیا۔ اور یہ دیکھ کر وہ تو مارے حیرت سے خوفزدہ ہو گیا۔ اسے اپنی قوت بینائی پر یقین نہیں آرہا تھا۔ صوفہ پھر ہوا میں اچھلتا ہوا دیوار سے ٹکرا گیا اور فرش پر الٹا گر گیا۔ زاہد تو ہونقوں کی طرح دیکھتا رہا۔ پھر دیوار پر لگی واچ جس کے گرد مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی اور مکڑی کے جالے بھی تھے۔ وہ یکدم نیچے فرش پر گر کر چکنا چور ہو گئی۔ گھڑی کے گرنس سے پیدا ہونے والی آواز سے زاہد نے چیخ ماری اور کانوں پر ہاتھ رکھ لئے۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے بند کرو یہ سب۔ بند کرو۔'' زاہد نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا تو ایک تیز ہوا کا جھونکا آیا۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ طوفان کا گمان تھا۔ پھر تو اتنی دھول مٹی اُڑنے لگی کہ زاہد کو مجبوراً اپنی آنکھیں بند کرنی پڑیں، پھر کچھ ہی دیر لگی تھی اس طوفان کو تھمنے میں۔ پھر زاہد نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ اور اس حویلی سے باہر نکلنے کا سوچا۔

لیکن یہ کیا یہ تو منظر ہی تبدیل ہو گیا تھا۔ جہاں تک اسے یاد تھا کہ وہ حویلی میں گیا تھا جو کہ کافی پراسرار تھی۔

حویلی اس کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر ہی تھی اور ایسا منظر تو اس کے گھر سے دور دور تک نہ تھا۔ اب تو زاہد اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

یار مالک ہمیں تو گمان تھا کہ زاہد پوری رات حویلی میں نہیں گزار سکتا لیکن اس نے تو شرط پوری کردی۔ اس لئے میں تو دو ہزار لایا ہوں۔ پانچ بجے ہیں۔ باہر انے ہی لگا ہوگا۔ تھوڑی دیر میں زاہد حویلی سے باہر آنے ہی والا ہے۔ کمال نے اپنے دوست مالک سے کہا تو مالک نے بھی خوشی سے کہا۔

''کمال یہ تو اچھی بات ہے کہ پرانی حویلی کے بارے میں جو افواہیں اُڑتی تھیں وہ تو غلط ثابت ہوئی

ناں۔'' مالک کی بات پر حامد نے بھی سر کو ہاں میں ہلایا تو عمر نے بھی کہا۔

''ہاں مالک یہ تو ٹھیک ہے لیکن زاہد ابھی تک آیا کیوں نہیں۔''

''چلو زاہد کو فون ملاتا ہوں کہ باہر آ بھی جاؤ۔'' عمر نے یہ کہتے ہی زاہد کو فون ملا دیا۔

''لو نواب صاحب فون نہیں اٹھا رہے۔'' عمر بولا۔

اچھا یہ کرتے ہیں کہ ہم سب حویلی کے اندر چلتے ہیں ایسا تو نہیں کہ وہ گہری نیند میں ہو۔

جب سارے دوست اندر گئے تو اندر کوئی نہیں تھا۔ زاہد بھی نہیں۔ تو وہ سب مسکرانے لگے کہ شاید رات کو ڈر کر بھاگ نکلا ہوگا۔ اس لئے وہ کیمرہ اتار کر حویلی سے باہر نکل گئے۔

حیرت اس بات کی تھی کہ وہاں سب کچھ ٹھیک تھا۔ ہر چیز ویسی ہی تھی جیسے زاہد کو وہاں چھوڑ کر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

''ہے کوئی مجھے یہاں سے نکالو یہ کیا ہے میں تو پرانی حویلی میں تھا اور اب یہ کنویں میں کیسے آ گیا۔'' زاہد حیران بھی تھا اور پریشان بھی۔ اسے تو یقین بھی نہیں آ رہا تھا کہ وہ جاگ رہا ہے۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ کوئی خواب دیکھ رہا ہے اور پھر ابھی جاگ جائے گا۔ لیکن یہ خواب تو ٹوٹ بھی نہیں رہا۔

وہ کافی گہرہ کنواں تھا۔ زاہد کے ہاتھ میں ابھی بھی اسمارٹ فون تھا۔ اس نے فلیش لائٹ آن کی تو وہ کافی گہرا کنواں تھا۔ اس کے اندر کائی جمی ہوئی تھی۔ اور کنویں میں پانی نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بچ گیا تھا۔ اس کا گلا خشک ہو گیا تھا مدد کے لئے پکارتے پکارتے۔ اسے پیاس کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔

زاہد کا برا حال ہوا جا رہا تھا۔ وہ موبائل سے اپنے والدین کی تصویریں دیکھنے لگے۔ اور اپنی بہنیں، دادا، دادی کی تصویروں کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

زندگی کتنی اچھی گزر رہی تھی ناں لیکن اس ایک شرط نے سب کچھ بگاڑ دیا تھا اور تو اور کسی کو فون تک نہ ملا سکتا تھا کہ کسی کو مدد کے لئے بلا لے کیونکہ سگنل نہیں آ رہے تھے۔

کچھ دیر کے بعد زاہد کو کچھ آوازیں آنے لگیں۔ یہ کیسی آوازیں ہیں۔ لیکن کچھ واضح سنائی نہیں دے رہا۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

لیکن یہ نہیں پتہ لگ رہا تھا کہ یہ آوازیں آخر آ کہاں سے رہی ہیں۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پھر سے وہی آوازیں آنے لگیں۔ لیکن اب پہلے سے کچھ واضح سنائی دے رہی تھیں۔ یقیناً یہ آوازیں کسی کے کراہنے کی تھی۔

زاہد نے لائٹ کو کنویں کے اردگرد گھما کر دیکھا تو اسے وہاں ایک دروازہ نظر آیا۔ پہلی نظر میں اس نے نظر انداز کیا لیکن دوسری نظر میں ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ ایک دروازہ ہے۔ اسے یقین تو نہیں آیا پر وہاں پر ہاتھ رکھا تو لگا کہ یہ ایک لوہے کا دروازہ ہے۔ زاہد نے ہاتھ سے دھکیلا لیکن وہ نہیں کھلا۔ وہ دروازہ کافی زنگ آلود تھا۔ اس دروازے پر کوئی کنڈی یا لاک وغیرہ نہیں تھا۔ تو اس نے زور سے ٹانگ ماری تو وہ دروازہ زوردار آواز سے کھل گیا۔

پھر زاہد نے اندر لائٹ گھمائی تو وہاں ایک غار تھا۔ اور اسے دور دور تک کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر اس نے آواز لگائی۔

''کوئی ہے یہاں پر۔ میں پوچھ رہا ہوں کوئی ہے یہاں پر۔'' مگر کوئی جواب نہیں ملا وہ جھک کر اندر چلا گیا۔ غار کے اندر کافی اندھیرا تھا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ غاروں میں سانپ بچھو وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ غار میں اتنی جگہ تھی کہ ایک بندہ آرام سے چل سکے۔ لیکن اس کو ابھی بھی حیرانی تھی کہ کراہنے کی آواز کس کی تھی۔ وہ ابھی کچھ قدم چلا تھا کہ اسے کسی کے قدموں کی آواز آنے لگی۔ تو اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے جلدی سے واپس مڑ کر دیکھا تو پھر سے منظر تبدیل تھا۔

☆.....☆.....☆

زاہد حیران تھا کہ وہ تو چند لمحے پہلے ایک غار میں تھا اور اب یہ ایک خوبصورت باغ میں تھا۔ جہاں ہرے بھرے باغات تھے اور رنگ برنگے پھولوں سے سجا یہ ایک خوبصورت باغ تھا۔ اب تو وہ قدم بھی پھونک پھونک کر رکھ رہا تھا۔

زاہد..... زاہد۔ یہ واضح آواز زاہد کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ کوئی اسے نام لے کر پکار رہا تھا۔ آواز یہیں قریب سے آرہی تھی۔ جو کہ خوبصورت نسوانی آواز تھی۔ اس نے یکدم پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ اس کے سنہرے بال تھے۔ وہ حیران تھا کہ اس لڑکی کو اس کا نام کیسے پتہ تھا۔

''میں اپ سے مخاطب ہوں زاہد جی۔''

اس لڑکی نے کہا تو زاہد خیالوں کی دنیا سے باہر آیا۔

''جی فرمایئے جو کہنا ہے آپ کو۔'' اس نے کہا تو وہ لڑکی منہ بنانے لگی۔

بہت مودبانہ طریقے سے گزارش کی جارہی ہے۔

''دیکھیں جی میں نہیں جانتا کہ آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔ اس لئے مطلب کی بات کریں۔ پہلے ہی میں بہت پریشان ہوں۔ ایک تو پتہ نہیں ہو کیا رہا ہے میرے ساتھ۔ پہلے پرانی حویلی، پھر گہرہ کنواں اور اس میں دروازہ اور پھر غار اور اب یہ باغ پتہ نہیں ہو کیا رہا ہے۔ شرط لگا کر تو میں برباد ہو گیا ہوں۔ اس لئے پلیز مزید پریشان نہ کریں۔'' زاہد نے غصے سے گھور کر کہا۔

تو لڑکی حیران ہو گئی۔ چلو میرے ساتھ تمہیں بخار ہو رہا ہے۔ بھائی سے دوا لے لینا۔ چلو میرے ساتھ۔''

یہ کہتے ہی وہ لڑکی زاہد کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے لگی۔ زاہد کا سر چکرانے لگا۔ لیکن بنا چوں چراں لڑکی کے پیچھے چلنے لگا۔ باغ میں ایک بڑا سا محل تھا۔ لڑکی نے ابھی تک زاہد کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ زاہد اور وہ لڑکی جیسے ہی محل کے اندر گئے تو قطاروں میں لگے نوکر چاکر گردنیں جھکائے کھڑے تھے۔ زاہد ابھی بھی اپنے سابقہ لباس میں تھا۔ اندر بڑے ڈرائنگ روم میں ایک بہت ہی بڑی عمر کا ایک بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔ تقریباً سو سے بھی زیادہ کا لگ رہا تھا۔ ''ہائے گرینڈ پا میں زاہد کو باغ سے لائی ہوں۔ اسے بخار ہو رہا ہے۔ عجیب وغریب باتیں کر رہا ہے۔ اس لئے طارق بھائی کے کلینک لے جارہی ہوں۔''

اس لڑکی کا یہ کہنا تھا کہ اس بوڑھے نے زاہد کو عجیب نظروں سے دیکھا تو زاہد بوڑھے کی نظروں کا مفہوم سمجھ نہ پایا۔

''ہاں ہاں لے چلو کلینک۔'' یہ کہتے ہی بوڑھا ہنسنے لگ گیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

''چلو زاہد میں تمہیں کلینک لے چلوں۔''

اس لڑکی نے یہ کہا تو زاہد حیران تھا کہ یہ سب کیا ہے۔ حالانکہ وہ ان سے انجان تھا پھر کیوں یہ ہو رہا تھا۔ زاہد کو سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ اسے ہو کیا رہا ہے۔ اور پھر زاہد کے قدم لڑکی کی تقلید میں اٹھنے لگے۔ وہ خود بخود اس لڑکی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

☆.....☆.....☆

''اوہ تو کیا یہ سچ ہے کہ زاہد اسی حویلی میں تھا، ہم کئی بار حویلی کو اندر باہر سے دیکھ چکے ہیں۔ لیکن حیرت ہے زاہد حویلی میں نہیں ہے لیکن آپ کا علم یہ بتا رہا ہے کہ زاہد حویلی میں ہے۔

عمر نے اپنے سامنے بیٹے میر علی شاہ سے کہا۔

میر علی شاہ عمر کے ماموں تھے جو کہ نورانی علم سے روشناس تھے۔ کافی نورانی شکل کے تھے، جب میر علی شاہ نے کہا کہ زاہد ابھی بھی حویلی میں ہے تو سب دوست چونک گئے کیونکہ سب جانتے تھے کہ زاہد حویلی میں نہیں۔ انہوں نے کونہ کونہ چھان مارا تھا۔ عمر بیٹا آپ کا حیران ہونا ٹھیک ہے۔ لیکن آپ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ حویلی بہت پرانی ہے اور پھر عرصہ دراز سے بند ہے یہی وجہ ہے کہ وہاں پر آسیب کا بسیرا ہے۔ زاہد نے حویلی میں رات گزارنے کا فیصلہ بہت غلط کیا تھا۔ اس لئے حویلی کے آسیب غصے میں آگئے ہیں۔ لیکن ابھی بھی زاہد ٹھیک ہے۔ وہ آسیب زاہد کو ذہنی اذیت دے

رہے ہیں۔ یہ خدشہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ زاہد اس طرح پاگل بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے زاہد کو زیادہ دیر حویلی میں نہیں رہنا چاہئے اور ساتھ ہی بتاتا چلوں کہ زاہد کو صرف ایک انسان ہی حویلی سے لینے جاسکتا ہے۔ فیصلہ کرو کہ تم میں سے کون جائے گا حویلی میں، لیکن یاد رکھنا ہر ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا ہوگا۔ کوئی بھی غلط قدم زاہد اور تم میں سے جو کوئی بھی جائے گا اس کی جان خطرے میں پڑسکتی ہے۔ ہوشیاری بہت لازم ہے۔ اس لئے فیصلہ کرو کہ تم میں سے کون جائے گا۔'' میر علی شاہ جیسے ہی خاموش ہوئے تو سب دوستوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ تب حامد بولا۔

''بزرگ بے شک آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ لیکن کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم پانچوں اکٹھے جاکر اپنے دوست زاہد کو صحیح سلامت لے آئیں۔ اگر یہ نہیں ہوسکتا تو میں اکیلا جانے کے لئے تیار ہوں۔''

حامد کی اس بات پر سب دوستوں نے حامد کو دیکھا اور پھر میر علی شاہ کو دیکھا۔ چونکہ حامد بہت ڈرپوک تھا۔ اس لئے کوئی بھی دوست حامد کے اکیلے جانے کے فیصلے سے مطمئن نہیں تھا۔

''میرا بچہ اگر ایسا ہوسکتا تو میں ضرور تم پانچوں کو جانے کی اجازت دیتا۔ لیکن تمہارے جانے کی اجازت میں نہیں دے سکتا۔ کیونکہ وہاں آسیب کا سامنا تم کیسے کرو گے۔ میں ایسا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ باقی سب فیصلہ کرو کہ تم میں سے کون ایک جائے گا۔ اور ہاں باقی سب بھی فارغ نہیں بیٹھو گے۔ بلکہ یہاں بیٹھ کر دعا کرو گے۔''

''دوستوں میری دعا تو بہت لیٹ قبول ہوتی ہے۔ کیوں نہ میں چلا جاؤں۔ شاہ صاحب آپ کا کیا خیال ہے۔

یونس نے کہا تو سب دوست مسکرادیئے۔

اچھا جی اگر باتیوں کو اعتراض نہ ہو تو مجھے تو ٹھیک لگ رہا ہے۔

''شاہ صاحب نے سب کو دیکھا تو انہوں نے ہاں میں سر کو ہلادیا۔

''ہاں تو یونس تم ہو بڑے ہوشیار لیکن جلد بازی بالکل نہ کرنا، سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا، میری بات کو پلے باندھ لو۔

مالک نے یونس کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو یونس نے ہاں میں سر کو ہلادیا۔

''ہاں ویسے ہم میں سے کسی ایک کو تو جانا تھا۔ چلو یونس ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ انشاء اللہ سب اچھا ہوگا۔'' عمر نے بھی یونس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

''اللہ کا نام لے کر جاؤ یونس ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' حامد بھی مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

''جی بالکل کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ انشاء اللہ زاہد کو سلامت واپس لائیں گے۔'' حامد نے یونس کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

پھر یونس نے سب سے مصافحہ کیا اور میر علی شاہ کی ضروری باتیں ذہن میں بیٹھاتے ہوئے حویلی کی طرف جانے لگا۔ باقی سب دوست بھی دعا گو تھے۔

☆.....☆.....☆

''ویلکم ٹو ان حویلی یونس۔ ہاں تو یونس فی الحال ویلکم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ خود ہی کرنا پڑ رہا ہے اپنا ویلکم۔''

بیرونی گیٹ سے اندر آتے ہوئے یونس یونہی بڑبڑاتے ہوئے اندر داخل ہوگیا۔

''اگر کوئی حویلی میں ہے تو معاف کردینا، ایسے بلا اجازت اندر آرہا ہوں۔'' یونس ایسے ہی بونگیاں مارتے ہوئے اندر آرہا تھا۔ دراصل اسے حویلی کی خاموشی سے وحشت ہورہی تھی۔

میر علی شاہ کی سرگوشی یونس کے آس پاس سنے آنے لگی۔ یونس یونہی ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیکن میر علی شاہ اسے دکھائی نہ دیئے۔

''یونس میں تم سے روحانی طاقت کے ذریعے بات کرسکتا ہوں۔ اور میں تمہارے ساتھ ہوں اور گھبرانے کی ضرورت نہیں اور دھیان سے اپنے کام پر توجہ دو۔'' میر علی شاہ کی بات سن کر یونس خوش ہوا اور

چپ کر کے چلنے لگ گیا۔ اب وہ باقاعدہ حویلی کے اندر تھا۔ میر علی شاہ نے یونس کے اردگرد غیبی حصار کھینچ دیا تھا۔ جس کی وجہ سے یونس کو کوئی دوسری مخلوق نہ دیکھ سکتی تھی نہ سن سکتی تھی اور نہ ہی کوئی نقصان پہنچا سکتی تھی۔

یونس اب کھلے ہال میں کھڑا تھا جہاں وہ سب دوست زاہد کو چھوڑ گئے تھے۔ یونس کو بہت افسوس ہوا کہ کاش وہ یہ شرط نہیں لگاتے۔ پتہ نہیں زاہد کس ہال میں ہوگا۔

''یونس بیٹا شاباش دل چھوٹا مت کرو جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ اب تم اپنے سامنے پڑے صوفے کو دیکھ سکتے ہو۔'' یونس نے اپنے سامنے دیکھا تو وہاں ایک صوفہ پڑا ہوا تھا۔

''تم ایسا کرو کہ اس پہ اپنا دایاں ہاتھ رکھ کر یہ پڑھو جو میں پڑھ رہا ہوں، وہ تم دہراتے جاؤ۔ یہ عمل تم تین بار پڑھو گے ٹھیک ہے ناں۔''

''جی یہاں ایک صوفہ پڑا ہوا ہے۔ آپ بتائیں میں دہراتا ہوں۔'' میر علی شاہ نے جو کچھ پڑھا وہ یونس نے دہرایا۔

☆.....☆.....☆

وہ تین چار کمروں کا کلینک تھا۔ اس کلینک میں اتنی خاموشی اور سناٹا تھا کہ زاہد اندرونی طور پر گھبرا رہا تھا۔ وہ لڑکی بھی زاہد کے ساتھ ہی تھی۔ لیکن زاہد نے اس سے ایک بات بھی نہ کی تھی۔ وہ کلینک تھوڑے سے فاصلے پر ہی تھا۔ زاہد اور وہ لڑکی پیدل چل کر کلینک آئے تھے اس لڑکی نے بھی نہ بتایا تھا کہ وہ کون ہے۔

''زاہد آپ کو پتہ ہے کہ طارق بھائی نے کتنے مُردوں کو زندہ کیا ہے اور تمہیں بھی تو طارق بھائی ہی نے زندہ کیا ہے، ابھی تو طارق بھائی کے کلینک میں اتنا سناٹا ہے۔ یعنی کہ مرے ہوئے انسانوں کا یہاں علاج ہوتا ہے۔''

اس لڑکی نے یہ کہا تو زاہد کا سر چکرا کر رہ گیا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو، تم ایک جیتے جاگتے انسان کو مرا ہوا کہہ رہی ہو یعنی کہ میں مر گیا تھا اور یہاں کے ڈاکٹر نے علاج کر کے مجھے دوبارہ زندگی دی۔ یعنی کہ میرے اندر دوبارہ روح آ گئی اور پھر سے میں زندہ ہوگیا ہوں۔ تم یہ نہیں جانتی کہ زندگی موت اللہ کے بس میں ہے۔ شرم نہیں آتی ایسی باتیں کرتے ہوئے۔''

زاہد نے غصے سے اس لڑکی کو دیکھا تو وہ مطمئن کھڑی تھی۔ تبھی وہاں ایک آدمی آ کھڑا ہوا۔ جس کی عمر تقریباً تیس پینتیس سال کی تھی۔ اور اس نے وائٹ کوٹ پہنا ہوا تھا۔ ''کیا ہوگیا رانیہ، اب زاہد کو کیوں لائی ہو۔ کیا ہوگیا ہے اسے۔''

بس تھوڑا سا پریشان ہوگیا ہے کہہ رہا ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ ایسا ممکن نہیں ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ میں سرے سے مرا ہی نہیں ہوں اور اب میں کیا کہوں شاید آپ سمجھائیں کہ کیا سچ ہے۔''

وہ لڑکی یہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔ تب وہ آدمی بولا شاید وہی ڈاکٹر طارق تھا۔

''زاہد تم سے رانیہ صحیح کہہ رہی ہے کہ تم دونوں کا روڈ ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ جس میں رانیہ اور تمہیں بہت چوٹیں آئی تھیں۔ جس میں رانیہ تو بچ گئی لیکن تم مر گئے تھے۔ لیکن رانیہ میری بہن یہ ماننے کو ہی تیار نہ تھی کہ تم مر چکے ہو۔ تو میں نے تمہارا علاج کیا، تقریباً ڈیڑھ سال لگے تھے، تمہیں زندہ کرنے میں۔ اب میرے پاس ایسے کیسز بہت سے آتے ہیں اور بہت سارے کامیاب ہوتے ہیں۔ تم میرے بہنوئی ہو۔'' ڈاکٹر طارق یہ کہہ کر خاموش ہوگیا لیکن زاہد کا سر پھٹنے لگ گیا تھا رانیہ خاموش کھڑی تھی۔

''جھوٹ کہہ رہے ہو تم نہیں جانتا میں تمہیں اور نہ ہی تمہاری بہن رانیہ کو میں یہ ماننے کو تیار ہی نہیں ہوں کہ رانیہ میری بیوی ہے بلکہ میں تو دیکھ بھی پہلی بار ہی رہا ہوں۔ میں نے صرف ایک شرط لگائی تھی حویلی میں رات گزارنے کی اس کے بعد تو سب برا ہی ہو رہا ہے میرے ساتھ سب لوگ سچ کہتے تھے کہ یہ حویلی منحوس ہے۔ واقعی وہ منحوس حویلی ہے آسیب زدہ۔ اس طرح تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔

زاہد تقریباً چلانے لگ گیا تھا۔ وہ لڑکی ابھی بھی خاموش کھڑی تھی۔ تبھی ڈاکٹر طارق آگے بڑھا اور زاہد کو پکڑ لیا۔

''خاموش ہوجاؤ۔ زاہد کچھ نہیں ہوا۔ سب ٹھیک ہوجائے گا تمہیں سب یاد آجائے گا پھر سے۔ اچھے بھلے تم ٹھیک ہوگئے تھے۔ سب یاد آ گیا تھا پھر سے کتنے خوش ہوگئے تھے تم دونوں۔ ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگ گئے تھے تم۔ لیکن ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا میں دوبارہ تمہارا آپریشن کروں گا۔ آصف بیٹا، دانش اور کاوش ادھر آؤ زاہد کو آپریشن تھیٹر لے چلو۔ چلو آؤ شاباش پھر سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' ڈاکٹر نے کہا اور رانیہ خاموش کھڑی تھی۔ زاہد تو چلانے لگ گیا تھا وہ تینوں لڑکے زاہد کو آپریشن تھیٹر لے کر جانے لگے۔

''دیکھو رانیہ کچھ نہیں ہوا مجھے میں ٹھیک کہہ رہا ہوں کہ میں نہیں جانتا تم لوگوں کو میں زاہد ہوں۔ لیکن میں پرانی حویلی میں تھا جو کہ آسیب زدہ حویلی ہے۔ میں زندہ انسان ہوں۔''

یہ کہتے ہی زاہد نے ایک بار سب کو دیکھا تو سب چیخنے لگ گئے۔ رانیہ، ڈاکٹر طارق اور وہ تینوں مڑے اور باقی سب نرسز وغیرہ چیخنے چلانے لگ گئیں۔ اور ان تینوں لڑکوں نے بھی زاہد کو چھوڑ دیا۔ اور ساتھ ہی ان کی شکلیں بگڑنے لگ گئیں۔ ان کے چہروں سے جلد ہٹنے لگ گئی اور آنکھیں باہر کو ابلنے لگ گئیں۔ اور پھر اسی طرح وہ سب غائب ہوگئے۔ اور زاہد خوف سے کانپ اٹھا۔ وہ کافی خوفزدہ ہوگیا تھا اور وہ کلینک بھی بھیانک شکل اختیار کر گیا تھا۔ وہاں اب صرف اندھیرے کا راج تھا۔

زاہد کو کچھ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ پھر وہاں اچانک تیز ہوا کا جھونکا آیا اور پھر زاہد اپنا توازن برقرار نہ رکھ پایا اور سر کے بل نیچے گر گیا۔ اور اس کے بعد زاہد کو کچھ ہوش نہ رہا۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے صرف دو الفاظ کہے۔ ''منحوس حویلی۔''

☆.....☆.....☆

یونس نے میر علی شاہ کے کہنے پر عمل تین بار دہرایا اس دوران صوفہ ہلکے ہلکے جھٹکے لینے لگا۔ مگر تیسری مرتبہ تو حد ہی ہوگئی۔ صوفہ پورا ہوا میں اچھلا اور پھر عمل مکمل ہوگیا اور عمل مکمل ہوتے ہی سب نارمل ہوگیا۔ یونس کو میر علی شاہ نے پہلے سے ہی ذہنی طور پر تیار کیا تھا کہ ایسا ہوگا۔ اس لیے یونس حیران تو ہوا لیکن نارمل رہا۔

''اب اس صوفے پر سے دایاں ہاتھ ہٹا دو۔''

میر علی شاہ نے یہ کہا تو یونس نے اپنا ہاتھ ہٹا دیا۔

''تو زاہد صوفے پر ہی سویا ہوا تھا۔ یونس زاہد کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

''ہاں تو اب یقیناً تمہیں تمہارا دوست صوفے پر دکھائی دے رہا ہوگا۔'' میر علی شاہ نے کہا تو یونس نے کہا۔ ''جی شاہ صاحب زاہد صوفے پر سویا ہوا ہے۔

''تو تم ایسا کرو کہ زاہد کو جگانے کی کوشش کرو۔''

میر علی شاہ نے کہا تو یونس خوشی سے پھولے نہ سمایا۔

''اٹھو زاہد میں تمہیں لینے آیا ہوں۔ جاگ جاؤ! تم تو شرط بھی جیت چکے ہو۔ زاہد اٹھو شاباش۔'' یونس زاہد کو جھنجھوڑ کر جگانے لگا۔ لیکن زاہد تو گہری نیند سویا ہوا تھا۔

''کیا ہوا یونس زاہد جاگ نہیں رہا کیا۔ اچھا تم ایسا کرو کہ زاہد کے سر پر اپنا دایاں ہاتھ رکھو اور یہ پڑھو جو میں تمہیں بتاتا ہوں۔'' تو یونس نے ایسا ہی کیا۔ جیسے میر علی شاہ نے کہا۔ ایسا کرنے سے زاہد اٹھ بیٹھا اور پھر یونس کے گلے لگ گیا۔ اور پھر یونس کے ساتھ زاہد حویلی سے باہر نکلا تو اسے دیکھ کر سب دوستوں نے مل کر حویلی کے دروازے پر زاہد کو اوپر اٹھا لیا اور خوشی سے نعرہ لگانے لگے۔ پھر زاہد میر علی شاہ سے ملا اور ان کا شکریہ ادا کیا۔

ان کے بعد میر علی شاہ نے زاہد کو ایک تعویذ دیا جسے زاہد نے اپنے گلے میں پہن لیا۔

زاہد کے سر میں شدید درد ہوتا تھا۔ تو زاہد نے ڈاکٹر کو دکھایا تو معلوم ہوا کہ گہری چوٹ لگی تھی۔ لیکن دو سال ہوگئے تھے اس بات کو اور زخم کب کا بھر چکا تھا لیکن درد اب بھی ہوتا تھا۔

زاہد کو اب کسی جگہ بھی کوئی آسیب یا سایہ وغیرہ کا علم ہوتا تو زاہد اس جگہ سے دو قدم نہیں بلکہ سو قدم دور بھاگتا تھا۔

موت کی سرگوشی

مظہر الحق علوی

قسط نمبر 7

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دینے والے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جنم لینے والی جسم و جاں پر کپکپی طاری کرتی اور روح کو دہلا دینے والی کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو تحیر کے سمندر میں غوطہ زن کرکے رکھ دے گی صدیوں بعد ہارر کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے تحفۂ خاص

ایک ایسے..... شخص کی داستان حیرت جو مرنے کے بعد تابوت..... سے نکل آیا تھا

بہرحال اس کے خیالات کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔

اس وقت اس نے نہ تو ان کا اظہار کیا اور نہ منہ بسوا اور نہ ہی رو پڑی۔ البتہ اس نے میرے چہرے پر سے نگاہیں ہٹا کر جیدو کی رطف عجیب حقارت اور خود داری سے دیکھا۔ ایک بچی کی آنکھوں میں ان جذبات کا ہونا حیرت انگیز بات تھی۔ یہ حقیقت میں رومانی خاندان کی نظر تھی۔ میں نے اپنے والد کی آنکھوں میں ان جذبات کو دیکھا تھا اور میں جانتا تھا کہ اکثر و بیشتر میری آنکھوں سے بھی ان جذبات کا اظہار ہو جاتا تھا۔

جیدو نے بھی دیکھا اور ایک بلند قہقہہ لگایا۔

''بالکل بالکل۔'' وہ بولا۔ ''اس وقت تو بالکل اپنے باپ کی طرح ہی معلوم ہوتی ہے بڑی مزے کی بات ہے..... پوری طرح سے فابیو۔

صورت شکل میں بھی اور مزاج میں بھی۔ اپنے باپ کی تصویر ہو بہو مکمل کرنے کے لئے صرف ایک کمی تھی۔''

اور اس نے آگے بڑھ کر اسٹیلا کے بالوں کی ایک لٹ پکڑ لی اور اسے بل دے کر بچی کے بالائی ہونٹ پر اور ناک کے نیچے مونچھ کی شکل میں جما کر پکڑ رکھی۔

اسٹیلا نے غصے سے تڑپ کر اپنا چہرہ میرے کوٹ میں چھپا لیا وہ اپنے آپ کو جتنا چھڑانے اور بچانے کی کوشش کرتی اتنی ہی کمینگی اور سنگدلی سے جیدو اسے پریشان کرتا۔ اس کی ماں نے جیدو سے کچھ نہ کہا۔ نہ اسے روکنے کی کوشش کی بلکہ وہ بیٹھی ہنستی رہی۔

اس ننھی سی جان کو میں نے اپنے سینے سے لگایا اور اپنے غصے کو دبا کر اور اپنے لہجے سے نفرت و حقارت دور رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے قدرے سختی سے کہا۔

''بس بہت ہوا سگنور۔ بس کرو اب۔ طاقت کا استعمال کمزور پر کیا جائے تو وہ ظلم بن جاتی ہے۔''

جیدو پھر ہنسا۔ لیکن اس دفعہ بے چینی کی مصنوعی ہنسی تھی اور یہ اپنی بندرانہ چھیڑ خانی ترک کر کے کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

اسٹیلا کے بالوں کی لٹ واپس اس کے سر پر جماتے ہوئے میں نے بڑی تلخی اور طنز سے کہا۔

''یہ ننھی ڈاتریلا بڑی ہو کر انتقام لے گی۔ اس وقت یہ یاد کر کے کہ بچپن میں کس طرح ایک مرد نے اسے ستایا تھا۔ یہ سارے مردوں کو ستائے گی سارے مردوں سے انتقام لے گی۔ کیوں مادام میرا اندازہ غلط تو نہیں ہے؟ آپ عورت ہیں چنانچہ ایک عورت کے مزاج کو بخوبی سمجھ سکتی ہیں۔ ہے نا؟''

اور یہ سوال میں نے اپنی بیوی کی طرف گھوم کر اسی سے پوچھا تھا۔ اور اس نے قدرے شرما کر قدرے مسکرا کر خوشامدانہ انداز میں میرے سوال کا جواب یوں دیا۔

''کونتے! سچ تو یہ ہے کہ یقین ہے تو میں چکھ نہیں کہہ سکتی البتہ یہ ضرور ہے کہ ایک مرد کا پریشان کرنا اسے یاد آئے گا تو ساتھ ہی اسے دوسرے مرد کی مہربانی بھی یاد آئے گی۔ آپ کی۔ اور تب اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوگا کہ وہ کیا کرے؟ مردوں سے انتقام لے یا ان پر مہربان ہو۔''

ان الفاظ کا مطلب تھا میری تعریف۔ چنانچہ میں نے خاموشی سے ایک ہلکا سا اشارہ کر کے شکریہ ادا کیا اور میرا یہ اشارہ اس نے فوراً سمجھ لیا اور اشاروں ہی اشاروں میں میرا شکریہ قبول کر کے اپنی خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔

عجیب صورت حال تھی کیا پہلے کبھی ایسا ہوا تھا یا آئندہ کبھی ایسا ہوگا کہ ایک مرد کی تعریف اور خوشامد خود اس کی بیوی کرے؟ میرے خیال میں تو نہیں۔ شادی شدہ جوڑے عموماً گہرے اور جگری دوستوں کی طرح ہوتے ہیں اور ایک کے سامنے تلخ حقیقت بیان کر دینے کے عادی اور یہ جوڑے حتی الامکان ایک دوسرے کی خوشامد کرنے سے بچتے ہیں۔ بہرحال اس دفعہ صورت حال کے پیش نظر نینا کے ان اشاروں کنایوں سے ظاہر ہے کہ یہ تو نہ ہوا کہ میں خوشی سے پھول گیا البتہ لطف اندوز ضرور ہوا اور دل ہی دل میں ہنسا بھی کہ ایک بیوی خود اپنے شوہر پر ہی ڈورے ڈال رہی تھی۔

عین اس وقت ایک ملازم نے دروازہ کھول کر رات کا کھانا لگ جانے کا اعلان کیا۔ میں نے اپنی بچی کو گود سے اتار کر آہستہ سے فرش پر کھڑا کر دیا اور اس کے کان میں کہا کہ میں بہت جلد واپس آ کر اس سے ملاقات کروں گا۔ وہ مسکرائی اور پھر اپنی ماں کے قدرے غصیلے اور بے تابانہ اشاروں کو سمجھ کر فرمانبرداری کا ثبوت دیتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

اسٹیلا کے چلے جانے کے بعد میں نے اس کی خوبصورتی کی بہت بہت تعریف کی اور یہ جھوٹی تعریف نہ تھی بلکہ حقیقت میں وہ بے حد پیاری بچی تھی۔ لیکن میں نے دیکھا کہ میری بیوی اور اس کا عاشق میری اس تعریف سے خوش ہونے کے بجائے منہ بنا رہے تھے۔

ہم اٹھ کر کھانے کے کمرے کی طرف چلے میں چونکہ مہمان تھا اس لئے میری ''بے داغ'' بیوی کو ڈنر ٹیبل تک ہاتھ میں ہاتھ دے کر لے جانے کا فخر مجھے حاصل ہوا۔ کمرہ طعام میں پہنچے تو نینا نے کہا۔

''کونتے! آپ اس خاندان کے پرانے خیر خواہ اور دوست ہیں اس لئے آپ میز کے سرے پر بیٹھئے۔''

''تروپ اورے سگنور۔'' میں نے کہا۔

اور میز کے سرے پر رکھی ہوئی اس کرسی پر بیٹھ گیا جس پر میرا اور صرف میرا حق تھا۔ کیونکہ مرنے سے پہلے میں اسی کرسی پر بیٹھا کرتا تھا۔ اپنے ہی گھر میں اپنی ہی میز پر آج ایک مہمان بن کر بیٹھا ہوا تھا۔

جیدو میرے دائیں اور نینا بائیں ہاتھ بیٹھ گئی۔ بٹلر جو میرے والد کا اور پھر میرا بھی خدمت گار رہا تھا۔ پہلے کی ہی طرح میری کرسی کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ جب بھی وہ میرا جام بھرنے کے لئے جھکتا کچھ عجیب نظروں سے میری طرف دیکھتا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ میری عجیب اور انوکھی صورت و شکل اس کے اس تجسس کا باعث ہے۔

میرے عین سامنے دیوار پر میرے والد کی تصویر ٹنگی ہوئی تھی۔ اب میں جو کردار ادا کر رہا تھا اس کا تقاضا تھا کہ میں اس تصویر کو دیکھوں اور غم کے اظہار کے طور پر ایک آہ کھینچوں اور میں نے ایسا ہی کیا اور تو سب ٹھیک لیکن یہ آہ جھوٹی نہ تھی اور میرے دل دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوا کہ تصویر بھی میری طرف دیکھ رہی تھی آنکھوں میں اداسی تھی اور پھر مجھے یوں لگا کہ تصویر میں میرے والد کے ہونٹ کپکپائے اور

میری آہ کے جواب میں انہوں نے بھی ایک آہ بھری۔

''ہو بہو ہے نا؟'' جیدو نے ایک دم سے پوچھا۔

''سر موفرق نہیں۔ اس قدر عمدہ تصویر ہے کہ اس نے میرے دل میں تلخ و شیریں یادوں کے کارواں سے چلا دیئے ہیں۔ ہائے! کیا خود داری آدمی تھا میرا دوست۔''

''فابیو بھی خود دار تھا۔'' میری بیوی کی آواز لہرائی۔ ''بے حس اور خوددار'' جھوٹی کہیں کی! میری یاد پر یہ لیبل لگانے کی اسے جرأت کیسے ہوئی؟ اپنے شوہر کو اور وہ بھی مرحوم شوہر کو یوں بدنام کرنے کی اس کی ہمت کیسے ہوئی؟ خود دار ہوسکتا ہے کہ دوسروں کے سامنے میں نے اپنی خودداری کا ثبوت دیا ہو لیکن نینا کے سامنے کبھی نہیں اور بے حسی تو میری فطرت میں نہیں.....

کاش کہ یہ سچ ہوتا۔ کاش کہ میں بے حس ہوتا۔ برف کا ایک ایسا تودہ ہوتا جس کی اس ساحرہ کو مسکراہٹ کی گرمی پگھلا نہ سکتی تھی یہ احسان فراموش بھول گئی کہ میں زن مرید بنا رہا تھا؟ غلام تھا میں اس کا؟ اسی کے حکم کا بندہ؟ خدایا اس کی مسکراہٹوں، بوسوں اور باتوں نے مجھے کتنا پھسلایا تھا۔ میں اس کے جھوٹے پیار سے کیسا الو بنا رہا تھا۔ ''میں بڑا احمق تھا۔ گدھا تھا۔'' میں نے دل میں کہا۔

اور پھر نینا سے کہا۔

''یہ تو بڑا حیرت انگیز انکشاف کیا آپ نے کیونکہ رومانی بے حسی اور نخوت کے متعلق تو میں نے کبھی نہیں سنا البتہ اس خاندان کی نرم دلی اور مہربانیوں کے قصے ضرور سنے ہیں اور یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ میرا دوست اپنے عزیز و اقربا پر اور ان پر جن کا وہ سرپرست تھا بہت مہربان تھا اور بہت نرم تھا وہ ان کے لئے۔''

اور یہاں بٹلر معذرت خواہ انداز میں اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر کھنکھارا۔ یہ اس کی پرانی عادت تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ بھی کچھ کہنے کے لئے بے تاب ہے۔

جیدو ہنسا اور اپنا جام بھر جانے کے لئے بڑھا دیا۔

''یہ جیا کومو'' اس نے بٹلر کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ دونوں رومانیوں سے واقف ہیں۔ آپ اس کی رائے فابیو کے متعلق پوچھئے۔ یہ اپنے آقا کی سچ مچ پرستش کرتا تھا۔'' میں اپنے ملازم کی طرف گھوم گیا اور بڑی شفقت سے اسے مخاطب کیا۔

''میرے دوست! آپ کی صورت تو میرے لئے جانی پہچانی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ ''جب میں مرحوم فابیو کے والد بڑے کونٹ رومانی کا مہمان ہوا تھا تو اس وقت شاید آپ یہاں نہیں تھے۔''

''جی ہاں۔ نہیں تھا ایکسیلنزی! جیا کومو نے اپنے دونوں خشک ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔ اس کی آواز میں ایک عجیب طرح کا جوش دبا ہوا تھا۔ ''کونتیس کے انتقال کے کوئی ایک برس بعد میں اپنے صاحب کی خدمت پر آیا تھا۔ ام۔ م۔ معارف کرنا کونتیس سے میری مراد چھوٹے کونٹ کی والدہ سے ہے۔''

''تو اسی لئے ہماری آپ کی ملاقات نہ ہوئی۔'' میں نے نرمی سے جواب دیا۔ مجھے اس کی حالت پر رحم آرہا تھا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور وہ پوری طرح سے ٹوٹ گیا تھا۔ ''تو آپ چھوٹے کونٹ کو ان کے بچپن سے جانتے ہوں گے؟''

''جی ہاں ایکسیلنزی۔'' اس نے جواب دیا۔

اور پھر اس نے قدرے خوف زدہ ہو کر سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔

''بہت چاہتے تھے تم اپنے چھوٹے کونٹ کو؟'' میں نے یوں پوچھا جیسے کچھ نہ کچھ کہنے کی غرض سے پوچھ رہا ہوں۔ حالانکہ میں نے بوڑھے جیا کومو کے چہرے پر خوف و پریشانی دیکھ لی تھی۔

''ایکسیلنزی! میں تو رات دن دعا کرتا ہوں کہ خدا ایسا صاحب سب کو ملائے۔ اتنی عمر ہوئی اتنے بہت سے شرفا کی خدمت میں رہا لیکن چھوٹے کاؤنٹ سے بہتر اور کوئی نہ تھا وہ مجسم اچھائی تھے۔ خوبصورت نوجوان ایک عمدہ انسان اور ایک ہمدرد اور رحم دل آدمی۔ خدا انہیں جنت میں جگہ دے۔ حالانکہ اکثر و بیشتر مجھے یقین نہیں آتا کہ میرے چھوٹے صاحب مر چکے ہیں

صاحب جب میں نے یہ منحوس خبر سنی تو میرا بوڑھا دل ٹوٹ گیا۔ ٹکڑے اڑ گئے اس کے چھوٹے صاحب کے انتقال کے بعد میں بدل گیا۔ پہلے کا سا رہا ہی نہیں۔ یقین نہ آئے تو مالکن سے پوچھ لیجئے۔ اکثر و بیشتر یہ مجھ سے ناخوش ہوجاتی ہیں۔''

اور اس نے خوفزدہ نظروں سے میری بیوی کی طرف دیکھا۔ بوڑھے خدمت گار کا لہجہ بھی ملتجیانہ تھا اور میری بیوی کے ابرو پر بل پڑ گئے۔ پہلے میں نے اسے اس کے غرور سے منسوب کیا تھا۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ یہ اس کے غصے اور بدمزاجی کی علامت تھی۔

''یہ تم نے سچ کہا جیا کومو۔'' وہ بولی اور اس کی آواز اتنی کرخت تھی کہ اس کی مترنم آواز سے قطعی مختلف تھی۔ ''تم اتنے سٹھیا گئے ہو اور ایسے بھلکڑ بن گئے ہو کہ میں تو کیا کسی کو بھی تم پر غصہ آئے گا۔ ایک ہی کام کے لئے میں دسیوں دفعہ تمہیں کہتی ہوں تب کہیں جا کر تمہاری سمجھ میں آتا ہے اور جو کام ایک منٹ میں ہونا چاہئے وہ ایک گھنٹے میں ہوتا ہے اور اس سے تو تمہیں بھی انکار نہ ہوگا کہ کسی بھی وفادار ملازم کے لئے ایک ہی حکم کافی ہوتا ہے۔''

جیا کومو نے پریشانی سے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرا، ایک ٹھنڈی سانس لی اور خاموش رہا اور پھر یکا یک اپنا فرض یاد آ گیا۔ چنانچہ اس نے میرا جام دوبارہ بھرا اور پیچھے ہٹ کر اپنی جگہ پر یعنی میری کرسی کے پیچھے مؤدب کھڑا ہوگیا۔

اور اب ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ میں جانتا تھا کہ میری بیوی بڑی باتونی تھی اور ہر موضوع پر دیر تک بول لیتی تھی لیکن اس شام میں سمجھتا ہوں اس نے اپنی اس خصوصیت کو ظاہر نہ ہونے دیا بلکہ اپنے آپ پر قابو رکھا۔ اس شام تو اس کی صرف ایک کوشش تھی مجھے اپنی طرف متوجہ رکھتے اور مسحور کرنے کی اور میں دیکھ رہا تھا کہ اس کے لئے وہ سارے حربے استعمال کر رہی تھی۔ مزیدار چٹکلے دلچسپ لطیفے پر مذاق فقرے جن میں ہلکا سا طنز ہوتا بغیر کسی دقت کے اس کی زبان پر آ رہے اور بے اختیار اس کے منہ سے ٹپک رہے تھے۔ حالانکہ میں اپنی بیوی سے واقف تھا اس کے باوجود اس کی باتوں کی روانی اور فقرے بازی مجھے حیرت میں ڈال رہی تھی۔

نینا جب یوں بول رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ جیدو بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا اور اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ نینا جتنی زیادہ چہک رہی تھی اتنا ہی وہ خاموش ہوتا جا رہا تھا۔ وہ جتنی زیادہ ہنس رہی تھی جیدو پر اتنی ہی سنجیدگی طاری ہوتی جا رہی تھی۔ میں اس کی اس تبدیلی کو دیکھتے ہوئے بھی انجان بنا رہا اور اسے بحث میں گویا گھسیٹتا رہا۔ اور مختلف موضوعات پر خصوصاً فن لطیف اور مصوری کے متعلق اس کی رائے پوچھتا رہا مگر وہ ہوں ہاں کر کے ٹالتا رہا۔ لیکن جب اسے مجبوراً بولنا پڑتا تو اس کی آواز ایسی روکھی اور لہجہ ایسا جھنجھلایا ہوا ہوتا کہ ایک بچی بھی اس کی دلی کیفیت اور ناراضگی کو سمجھ لیتا۔ چنانچہ نینا نے بھی اس کی خفگی کو محسوس کر کے ہنستے ہوئے اس کی رکھائی کا مذاق اڑایا۔

''بڑے بد دماغ ہو بھئی جیدو۔'' وہ بولی لیکن پھر اسے یاد آیا کہ اس نے جیدو کو اس کے عیسائی نام سے اور بے تکلفی سے مخاطب کیا تھا۔ وہ ایک دم سے میری طرف گھوم گئی اور کہا۔ ''میں ہمیشہ انہیں جیدو ہی کہتی ہوں گھر کے فرد ہی ہیں جیسے اور میرے لئے تو بھنسای کی طرح ہیں۔''

ایک دم سے جیدو کی نگاہیں نینا کی طرف اٹھ گئیں اور میں نے اس کی آنکھوں میں خطرناک شعلے دیکھے لیکن اس نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ صاف ظاہر تھا کہ نینا نے اسے یوں غصے میں دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔ اس کے تکبر کو ٹھیس پہنچا کر وہ یقیناً ایک طرح کی روحانی لذت حاصل کرتی تھی۔ کیونکہ جب جیدو اسے یوں غصے اور حیرت سے اسے گھور رہا تھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ پھر وہ اٹھی اور معذرت خواہ انداز میں قدرے خم ہو کر بولی۔

''میں آپ دونوں صاحبوں سے اب رخصت ہوتی ہوں کہ آپ دونوں بے تکلفی سے اور کھل کر باتیں

کرسکیں جو آپ میری موجودگی میں نہیں کرسکتے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ کس قسم کی باتیں کرنا پسند کرتے ہیں۔ بعد میں آپ برآمدے میں آجایئے۔ میں وہیں ملوں گی اور کافی بھی تیار ہوگی۔''

میں نے لپک کر اس کے لئے دروازہ کھول دیا اور وہ میری طرف مسکراہٹ کا ایک جال پھینک کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ میں میز پر واپس آیا، اپنا اور جیدو کا جام بھرا جو بدستور تیوریاں چڑھائے بیٹھا ہوا تھا اور قریب رکھی ہوئی چاندی کی چمکدار پھلوں کی طشتری میں خود اپنا ہی عکس دیکھ رہا تھا۔ بٹلر جیجا کو مودیر ہوئی کمرے سے جاچکا تھا اور ہم دونوں بالکل اکیلے تھے۔

ایک دو منٹ تک خاموشی سے اپنے بنائے ہوئے انتقام کے نقشے پر غور کرتا رہا۔ یہ کھیل بے حد دلچسپ ہوگیا تھا۔ شطرنج کی ایک مشکل چال کی طرح ایک مشاق کھلاڑی کی طرح احتیاط لیکن ہوشیاری سے میں نے اپنی چال چلی۔

''غضب کی عورت ہے۔'' میں شراب کی چسکیاں لیتے ہوئے بڑبڑایا۔ ''نہ صرف حسین ہے بلکہ بے حد ذہین بھی ہے سگنور فیراری! میں آپ کے ذوق کی داد دیتا ہوں۔''

وہ بری طرح سے چونکا چونکا کیا باقاعدہ اچھل پڑا۔

''کیا کیا مطلب ہے؟'' اس نے پوچھا اس کی آواز میں غصہ تھا۔ میں نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا۔ شفقت سے جیدو کی طرف دیکھا اور بزرگی سے مسکرایا۔

''جوانی! ہارے رے جوانی! کس کے قابو میں رہی ہے۔'' میں نے کہا۔

''میرے نوجوان دوست! آخر آپ اپنے اس جذبے سے شرمندہ کیوں ہیں؟ مجھے آپ سے واقعی ہمدردی ہے۔ آپ جیسے پرشوق اور بانکے شیدائی کے جذبے کی قدر اگر یہ خاتون نہیں کرتیں تو مجھے کہنا پڑتا ہے کہ دنیا میں ان سے بڑی احمق کوئی دوسری عورت نہ ہوگی۔ ہر عورت کو ایسے شیدائی نہیں ملتے۔''

''آپ کا خیال ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ..... میں۔''

''ان سے پیار کرتے ہیں؟'' میں نے اطمینان سے کہا۔ ''اور کیا برائی ہے اس میں؟ قدرتی بات ہے یہ تو۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ مرحوم کونٹ کی روح بھی خوش ہورہی ہوگی اور یہی چاہتی بھی ہوگی کہ ان کی بیوہ ان کے جگری دوست کی بیوی بنے۔ آپ کی صحت اور محبت کی کامیابی کا جام پینے کی اجازت دیجئے۔''

اور میں جام ہونٹوں سے لگا کر خالی کرگیا۔

اور اس بدقسمت بیوقوف جیدو نے ہتھیار ڈال دیئے۔ وہ میرے فریب میں آگیا۔ میرے متعلق اس کے شکوک یوں پگھل کر غائب ہوگئے جیسے صبح کی روشنی کے ساتھ اڑ کر غائب ہوجاتی ہے اس کی چڑھی ہوئی تیوریاں ٹھکانے آگئیں۔ اس کا غصہ غائب ہوگیا اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر گرمجوشی سے دبایا۔

''میں معافی چاہتا ہوں کونتے۔'' اس نے لجاجت سے کہا۔

''کس بات کی؟''

''میری کوئی بات آپ کو بری.....''

''نہیں تو۔''

''دراصل میں اپنے ہوش میں نہ تھا لیکن آپ کی ہمدردی اور شفقت مجھے ہوش میں لے آئی ہے۔ آپ مجھے ایک حاسد اور پاگل انسان خیال کریں گے لیکن سچ تو یہ ہے کہ مجھے شک ہوگیا تھا کہ خود آپ ان کی طرف میرا مطلب ہے کونتس کی طرف کھنچنے لگے اور سچ کہہ رہا ہوں اور ان کے لئے معافی بھی چاہتا ہوں کہ میں آپ کو قتل کردینے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔'' میں اطمینان سے ہنسا۔

''ماوارے مانتے! بڑا خصوصی ہے یہ تو آپ کا۔ واہ بھئی واہ! بڑا ہی نیک ارادہ تھا۔ پھر اس کا اعتراف بھی کرلیا؟ حیرت ہے۔''

''بات یہ ہے کونتے کہ آپ کی ہمدردی اور صاف دل نے اس قدر آسانی سے میرا راز اگلوالیا لیکن یقین کیجئے پچھلے ایک گھنٹے سے میں سخت روحانی کرب میں مبتلا تھا۔

''دنیا میں عاشقوں کا ایسا ہی حال ہے شاید۔''
میں نے کہا۔ ''آپ بھی خواہ مخواہ اپنے آپ کو اذیت میں مبتلا کرتے رہے۔ بہرحال دلچسپ بے حد دلچسپ بہرحال جب آپ میری عمر کو پہنچ جائیں گے تو آپ صنف نازک کے بوسوں اور ہنسی پر روپیوں کی کھنکھناہٹ کو ترجیح دیں گے۔ میں کتنی دفعہ کہوں آپ سے کہ میں عورتوں اور محبت کے جذبے سے کوسوں دور ہوں؟ آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن یہ سچ ہے۔''

وہ ایک ہی گھونٹ میں اپنا جام خالی کر گیا اور پھر قدرے جوش سے بولا۔

''تو پھر میں آپ پر بھروسہ کرتے ہوئے آپ کو اپنا رازدار بناتا ہوں۔''

''اس عزت افزائی کا شکریہ۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔ لیکن میرا دل خوشی سے ناچ رہا تھا۔ جیدو بڑی آسانی سے اور اپنے آپ ہی میرے بچھائے ہوئے جال میں پھنس رہا تھا۔

''بے سک میں کونتیس رومانی سے پیار کرتا ہوں۔ میرے دل میں جو تلاطم ہے میں جو محسوس کر رہا ہوں۔ اسے بیان کرنے کے لئے پیار کا لفظ بھی ہلکا پھلکا ہے۔

''واہ۔''

''اس کے پیار کا لمس میرے جسم میں سنسنی کی لہریں دوڑا دیتا ہے اس کی آواز میری روح کو جھنجھنا دیتی ہے اس کی نظر میرے دل میں شعلے بھڑکا دیتی ہے ہائے! آپ وہ لذت وہ کرب سمجھ ہی نہیں سکتے جو۔''

''ارے بھائی! سنبھلو۔ سنبھلو۔'' میں نے اپنے شکار کو مارنے جذبے کے یوں بے خود ہوتے دیکھ کر بڑے ٹھنڈے پتے سے کہا۔ ''سب سے بڑی بات تو یہ ہے میرے دوست کہ جب خون سلگ رہا ہو تو آدمی اپنا دماغ ٹھنڈا رکھے۔''

وہ خاموش رہا۔

''آپ کے خیال میں وہ بھی آپ سے پیار کرتی ہے۔''

''میرے خیال میں! میرے خیال میں گراں دیو! اس نے تو۔'' اور وہ ایک دم سے خاموش اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ''نہیں اس معاملے میں کچھ بھی کہنے کا مجھے حق نہیں ہے۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس نے اپنے شوہر سے نہ تو کبھی پیار کیا اور نہ ہی اس کی پرواہ کی۔''

''اب یہ تو میں بھی جانتا ہوں.....''

''اچھا!!''

''ارے بھئی کوئی جغادری احمق ہی ہوگا جو پہلی اور سرسری نظر میں ہی یہ بات معلوم نہ کر لے۔''

''اور اس میں تعجب کی کوئی بات بھی نہیں۔''
جیدو نے ایک دم سے گرم ہو کر کہا۔ ''اس قدر ٹھس اور گدھا تھا اس کا شوہر فابیو۔ کیا ضرورت تھی۔ اسے ایسی۔ ایسی حور سے شادی کرنے کی؟''

شدید غصے سے میرا خون کھولنے اور دل اچھلنے لگا لیکن میں نے اپنے غصے کو اندر ہی اندر دبا کر اور اپنی آواز کو قابو میں رکھتے ہوئے سکون سے کہا۔

''فابیو تو مر گیا اور مردوں کو برا بھلا کہنا بے فائدہ ہے۔ اس بیچارے کو سکون سے سونے دو۔ اس میں کتنی ہی کمزوریاں تھیں۔ تاہم جب تک وہ زندہ رہا، اس کی بیوی اس کی وفادار رہی اس سے تو آپ کو انکار نہ ہوگا۔ ہے نا؟''

جیدو نے نظریں جھکا لیں اور تقریباً سرگوشی میں اور مردہ آواز میں کہا۔

''جی ہاں اس سے مجھے انکار نہیں۔''

''اور اس سے بھی آپ کو انکار نہ ہوگا کہ اس کی بیوی کے بے پناہ حسن اور دل میں ہلچل پیدا کر دینے والی نظروں کے باوجود آپ فابیو کے مخلص اور وفادار دوست رہے ہیں نا؟''

ایک بار پھر اس نے بیٹھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''بے شک۔''

لیکن میں نے دیکھا کہ میز پر رکھا ہوا اس کا ہاتھ جو میرے بہت قریب تھا۔ کانپ رہا تھا۔

"اچھا" میں نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ "تو اس صورت میں آپ اپنے مرحوم دوست کی خوبصورت بیوہ سے جو محبت رکھتے ہیں وہ ایسی محبت ہے جس پر آپ کے دوست کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ یعنی پاک محبت بے لوث جذبہ چنانچہ اس صورت میں میں سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ اس پیار کا آپ کو وہی بدلہ ملے جس کے آپ مستحق ہیں۔"

جب میں نے یوں کہا تو اس نے اپنی کرسی میں بے چینی سے پہلو بدلا اور اس کی نگاہیں بے اختیار میرے والد کی تصویر کی طرف اٹھ گئیں اور قدرے منتقلی سے اور اضطراب سے اس پر جم گئیں۔ میرے خیال میں اس تصویر میں وہ اپنے مرحوم دوست کی مشابہت دیکھ رہا تھا۔

ایک دو منٹ کی خاموشی کے بعد وہ میری طرف گھوما نے تو اس کے ہونٹوں پر مصنوعی مسکراہٹ تھی۔

"تو آپ اپنے دل میں کونتیس کے لئے کوئی جذبہ محسوس نہیں کر رہے؟" اس نے پوچھا۔

"جذبہ! وہ تو محسوس کر رہا ہوں اور بے حد شدید جذبہ ہے یہ لیکن وہ نہیں ہے جس کا آپ کو شک ہے اگر آپ کو اس سے اطمینان اور خوشی حاصل ہو سکتی ہے تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں کونتیس رومانی سے کبھی [illegible] دوں گا۔ ہاں۔ اگر......"

"ہاں اگر کیا؟" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"اگر انہوں نے مجھ سے پیار کیا تو اس صورت [illegible] کا جواب نہ دینا سخت بد اخلاقی ہوگی۔ ہے کہ [illegible]"

اور میں نے ایک قہقہہ لگایا جیدو والو کی طرح [illegible] میری صورت تکنے لگا۔

"وہ آپ سے پیار کریں گی!" وہ بولا۔ "آپ [illegible] ہے ہیں کونتے۔ وہ ایسا کبھی نہ کرے گی۔"

میں اٹھا اور جیدو کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"بے شک۔ کبھی نہ کرے گی۔ عورتیں عشق [illegible] بھی پہل نہیں کرتیں۔ اور نہ ہی وہ مردوں پر [illegible] ایسا نہ تو کبھی دیکھا اور نہ سنا۔ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ آپ بے فکر رہیں میرے دوست کہ آپ کو کوئی خطرہ نہیں ہے تمہیں وہ بدلا مل جائے گا جس کے تم بجا طور پر مستحق ہو آیئے۔ اب چلیں اور حسینہ کے ساتھ بیٹھ کر کافی پئیں۔ وہ منتظر ہوں گی ہماری۔"

اور ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیئے گہرے اور بے تکلف دوستوں کی طرح فراغت سے چلتے ہوئے برآمدے میں پہنچے جیدو کا موڈ ٹھکانے آ گیا تھا، وہ بشاش تھا اور میں نے دیکھا کہ جیدو کو یوں بشاش اور خوش مزاج دیکھ کر نینا نے اطمینان کا سانس لیا۔

صاف ظاہر تھا کہ وہ جیدو سے ڈرتی تھی۔

"واہ یہ تو میرے فائدے کی بات ہے جو مجھے یاد رکھنی چاہئے۔" میں نے دل میں کہا۔

اس نے۔ نینا نے۔ مسکرا کر استقبال کیا اور گرم گرم اور خوشبودار کافی پیالیوں میں انڈیلنے لگی۔

خوبصورت اور روشن رات تھی وہ۔ چاند طلوع ہو کر بلند ہو چکا تھا اور دور کے جنگلوں سے بلبلوں کے چہچہانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں اس نیچی کرسی میں جو قصداً میری حسین میزبان کی کرسی کے قریب رکھی گئی تھی۔ بیٹھا ہی تھا کہ ایک غم ناک روتی ہوئی آواز سن کر چونکا یہ آواز وقتاً فوقتاً دب جاتی تھی اور پھر بلند ہو جاتی تھی۔

"یہ۔ یہ کیسی آواز ہے؟" میں نے پوچھا۔ حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ میں اس آواز کو اچھی طرح سے پہچانتا تھا۔

"وہ منحوس واولیس ہے۔" نینا نے ابرو پر بل ڈال کر جواب دیا۔

"واولیس؟"

کتا ہے فابیو کا کتا ہے ہر رات کو روتا ہے اور ہر خوبصورت رات کو اداس بنا دیتا ہے کم بخت۔"

"کہاں ہے؟"

"میرے شوہر کے انتقال کے بعد اس نے بہت پریشان کرنا شروع کیا۔ گھر میں دیوانے کی طرح دوڑتا اور روتا رہتا۔ دن بھر اور رات کو اسٹیلا کے کمرے میں اس کے پلنگ کے قریب ہی سوتا۔ کم بخت دن رات

مجھے پریشان کرتا تا۔ چنانچہ مجبوراً میں نے اسے زنجیر سے باندھ دیا۔

بچارا اوالیس! سخت سزادی گئی تھی۔ انسے اس کی وفاداری کی۔

''کتے مجھے بہت پسند ہیں۔'' میں نے آہستہ سے کہا۔ ''اور کتے بھی عموماً مجھے بہت پسند کرتے اور میرے قدموں میں لوٹنے لگتے ہیں میں آپ کے اس کتے کو دیکھ سکتا ہوں؟''

''کیوں نہیں! جیدو! جھا کر کھول دو گے اسے؟''

جیدو اپنی جگہ س نہ ہلا بلکہ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اور بھی آرام سے بیٹھ گیا اور کافی کی چسکی لگانے کے بعد بولا۔

''جی نہیں۔ مجھے تو آپ معاف ہی رکھیں۔'' وہ ہنسا۔ ''شاید آپ بھول گئیں کہ پچھلی دفعہ جب میں اسے کھولنے گیا تھا تو اس شیطان نے مجھے بھنبھوڑ ہی ڈالا تھا تقریباً۔''

''بہتر ہوگا کہ آپ جیا کومو کو بھیج دیں۔''

''سگنور فیراری نے یہ غلط نہیں کہا۔ اور کتے کے بارے میں یہ بات ملعمو ہوجانے کے بعد کونتے شاید اسے دیکھنا نہ چاہیں گے۔'' اس نے میری طرف گھومتے ہوئے کہا۔ ''پتہ نہیں کہ کیا بات ہے کہ واویس سگنور فیراری کو بالکل بھی پسند نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ اچھا کتا ہے اور جب بھی میری بچی ان کے پاس جاتی ہے وہ اس کے ساتھ دن بھر کھیلا کرتا ہے کونتے! کیا اب بھی آپ اسے دیکھنا چاہیں گے؟''

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''آپ کی مرضی۔''

اور اس نے گھنٹی بجائی۔ میرا بٹلر فوراً حاضر ہوا۔

''جیا کومو!'' نینا نے کہا۔ ''جاؤ واویس کو کھول دو اور جھ یہاں بھیج دو۔'' جیا کومو نے ایک بار پھر میری طرف وہی جھجکتی ہوئی سوالیہ نظر ڈالی اور پھر نینا کے حکم کی تعمیل کرنے چلا گیا۔

پانچ منٹ بعد ہی وہ روتی ہوئی آواز خاموش ہوچکی تھی اور باغ کی روش پر کالا اور خوب صورت جسم والا ایک سایہ سا بھاگا چلا آرہا تھا۔

یہ واویس تھا۔ وہ نینا اور جیدو کی طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہوا۔ وہ خوشی کی ایک ہلکی سی ''ہاؤ'' کے ساتھ سیدھا میری طرف آیا۔ اور اب اس کی دم ہل رہی تھی اور وہ خوشی سے ہانپ رہا تھا اور میری کرسی کا طواف کررہا تھا اور پھر وہ میرے قدموں میں بیٹھ گیا اور میرے پاؤں اور ہاتھ چاٹنے لگا اور اپنا بڑا سر میرے گھٹنوں سے رگڑنے لگا اس کی اس والہانہ خوشی کے اظہار کو میری بیوی اور جیدو حیرت سے دیکھتے رہے میں نے ان کی حیرت کو دیکھ کر کہا۔

''میں نے کہا نہیں تھا کہ کتے مجھے پسند کرتے ہیں؟ اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ تقریباً تمام کتوں کا سلوک میرے ساتھ ایسا محبت بھرا ہی ہوتا ہے۔''

اور میں نے کتے کے سر پر ہاتھ رکھ کر تحکمانہ دباؤ ڈالا۔ وہ فوراً بیٹھ گیا اور بار بار میری طرف دیکھنے لگا جیسے حیران ہو کہ اس کے آقا کی صورت اتنی کیسے بدل گئی تھی۔ کوئی بہروپ اسے دھوکا نہ دے سکتا تھا۔ اس وفادار جانور نے اپنے آقا کو پہچان لیا تھا۔

اور میں نے کنکھیوں سے نینا کی طرف دیکھا تو مجھے لگا کہ اس کا رنگ فق تھا۔ بہر حال یہ تو ضرور تھا کہ اس کا سفید ہاتھ جو کرسی کی ہتھی پر رکھا ہوا تھا کانپ رہا تھا۔

''مادام! آپ اس شریف جانور سے ڈرتی ہیں؟'' میں نے پوچھا اور وہ ہنسی اس کی یہ ہنسی مصنوعی تھی۔

''ارے نہیں تو۔ لیکن واویس کا سلوک اجنبیوں کے ساتھ بے حد خطرناک رہا ہے۔ میں نے آج تک تو اسے کسی کا استقبال ایسی بے خودی سے کرتے نہیں دیکھا۔ سوائے میرے شوہر کے یہ واقعی بڑی عجیب بات ہے۔''

جیدو کے بشرے پر کے جذبات سے پتہ چلتا تھا کہ اسے بھی یہ بات حیرت انگیز معلوم ہوئی تھی اور وہ اس خونخوار کتے کے اس سلوک پر غور کررہا تھا۔

''یہ واقعی بڑی حیرت کی بات ہے۔'' وہ بولا۔

''واویس مجھے تو جیسے جانتا ہی نہیں۔ میں اس کے قریب بھی گزرتا ہوں تو یہ مجھ پر غراتا ہے۔''

اور اس کی آواز سنتے ہی واویس نے سر اٹھایا اور بے حد خوفناک انداز میں غرانے لگا اور میرے ہاتھ کے ہوائی لمس نے اسے خاموش کردیا۔ اس جانور کی جیدو سے اس اعلانیہ دشمنی نے مجھے حیرت میں ڈال دیا تھا۔ یہ بالکل نئی بات تھی۔ کیونکہ میرے مرنے اور دفن کئے جانے سے پہلے ہی واویس اس سے مانوس تھا۔

''ایک زمانہ تھا جب میں کتوں کے بے حد نزدیک رہا تھا۔'' میں نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ ''ان کی جبلت بڑی حیرت انگیز ہوتی ہے۔ یہ جانور اس شخص کو فوراً پہچان لیتا ہے جو اسے پسند کرتا ہے۔ چنانچہ کونٹس! آپ کے اس واویس نے فوراً سمجھ لیا ہے کہ اس کی قوم میں میرے بہت سے دوست ہیں۔ چنانچہ اگر یہ میرا یوں دوست بن گیا ہے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔''

میں نے یہ باتیں بڑی بے پروائی سے اور بے تعلقی کے لہجے میں کہی تھیں اور پھر خود واویس کی بے پناہ خوشی کو اس کی جبلی اور فطری چیز سمجھ کر میرے دونوں دھوکے بازوں کی حیرت۔ اور اگر انہیں کچھ شک تھا تو وہ بھی دور ہوگیا۔

چنانچہ تھوڑی دیر بعد ہی اس واقعہ کو بھلا دیا گیا اور ہم ایک بار پھر ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف ہوگئے۔

اور جب میں رخصت ہو رہا تھا تو اس کتے کو باندھنے کے لئے میں نے اپنی خدمت پیش کردی۔

''میں اسے اپنے ہاتھ سے باندھوں گا۔'' میں نے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''تو پھر یہ اپنے رونے سے آپ کی رات کی نیند حرام نہ کرے گا۔'' اور نینا نے بڑی خوشی سے مجھے اس کی اجازت دے دی اور جیدو میرے ساتھ یہ دکھانے آیا کہ سگ خانہ کہاں رکھا ہوا تھا۔

میں نے واویس کو باندھ دیا اور اس کے سر پر اور کانوں کے پیچھے ہاتھ پھیرا۔ وہ شاید سمجھ گیا اور اس نے اپنی اس حالت کو اور بری قسمت کو قبول کرلیا۔ کیونکہ وہ بچھی ہوئی گھاس پر بڑی رضامندی سے لیٹ گیا اور جب میں جانے کے لئے پلٹا تو اس نے ایک دفعہ۔ صرف ایک دفعہ ملتجی نظر سے میری طرف دیکھا اور بس۔

میں نے نینا کو خدا حافظ کہا تو جیدو نے ہوٹل تک میرے ساتھ چلنا چاہا لیکن میں نے سختی سے انکار کردیا۔

''دراصل چاندنی راتوں میں مجھے اکیلے ہی گھومنا پسند ہے۔'' میں نے کہا۔ ''چنانچہ اگر آپ برا نہ منائیں تو میں اکیلے ہی اپنے ہوٹل تک جانا پسند کروں گا۔''

تھوڑی سی ''دوستانہ حجت'' کے بعد وہ دونوں یعنی نینا اور جیدو۔ راضی ہوگئے۔ چنانچہ میں نے ان دونوں کو ''شب بخیر'' کہا اور اپنی بیوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اسے چوم لیا۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے سراسر اخلاق اور ٹھنڈے پن سے اس کا ہاتھ چوما تھا اس کے باوجود وہ خوشی سے سرخ ہوگئی اور اس کی آنکھوں میں چمک آگئی۔

اور میں ان سے یوں رخصت ہوا۔ جیدو مجھے پھاٹک تک پہنچانے آیا۔ خود اس نے آگے بڑھ کر میرے لئے پھاٹک کھولا اور کمر میں سے خم ہو کر مجھے رخصت کیا۔ جب تک وہ پھاٹک میں رہا۔ میں آہستہ قدموں اور کمزور ٹانگوں سے سہر کی طرف بڑھتا رہا لیکن جیسے ہی میں نے پھاٹک بند ہونے کی آواز سنی میں پلٹا اور تیز لیکن خاموش قدم اٹھاتا واپس ویلا رومانی کی طرف چلا۔

پھاٹک سے بچ کر میں بائیں طرف مڑ گیا۔ یہاں لارل کے پودوں کے جھنڈ تھے جن کا سلسلہ اس برآمدے تک چلا گیا تھا جہاں سے میں ابھی ابھی اٹھ کر آیا تھا۔ میں اس جھنڈ میں گھس پڑا اور ٹہنیاں ہٹاتا خاموشی سے آگے بڑھا اور ایسی جگہ پہنچ گیا۔ جہاں برآمدے کا پورا منظر میں دیکھ سکتا اور وہاں سے جو کچھ گفتگو ہوا اس کو سن سکتا تھا۔

جیدو اس نیچی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جس پر کچھ ہی دیر پہلے میں بیٹھا ہوا تھا اس کا سر میری بیوی کے سینے پر ٹکا ہوا تھا، اس نے اپنا ایک بازو اس کی گردن میں ڈال

کر اس کا سر اپنے اوپر جھکا رکھا تھا۔

اس نیم ہم آغوشی میں وہ دونوں کئی لمحوں تک خاموش بیٹھے رہے اور پھر یکا یک جیدو نے کہا۔

''بہت ظالم ہو تم نینا۔''

''کیوں؟''

''تم نے سچ مچ مجھے اس وہم میں مبتلا کر دیا تھا کہ تم اس بوڑھے امیر کونٹ کو پسند کرنے لگی ہو۔''

وہ ہنسی۔

''اور یہ حقیقت بھی ہے۔''

''یعنی وہ تمہیں پسند ہے؟''

''ہاں۔ اگر وہ کالی عینک نہ لگائے تو خاصا قبول صورت معلوم ہو۔ اور اس کے وہ جواہرات وہ تو بہت ہی خوبصورت ہیں کاش کہ وہ مجھے ایسا ہی دوسرا تحفہ بھی دے۔''

''فرض کرو کہ وہ تمہیں دوسرے جواہرات بھی دینا ہے تو کیا اس کے بعد تم اس سے۔ اس کا۔ کیا کہتے ہیں خیال رکو گی؟'' جیدو نے رقابت سے پوچھا۔ ''یقیناً نہیں۔ تم نہیں جانتیں نینا کہ وہ کس قدر خود پسند آدمی ہے.....''

''اچھا۔''

''ہاں وہ کہتا ہے کہ وہ کسی بھی عورت سے اس وقت تک پیار نہ کرے گا جب تک وہ خود اس سے پیار کرنے میں پہل نہیں کرتی۔ کہو اب کیا خیال ہے تمہارا اس مغرور بڈھے کے متعلق؟''

ایک بار پھر وہ ہنسی اور اس کی یہ ہنسی پہلے سے زیادہ بلند تھی۔ ''خیال.....؟ بھئی میرے خیال میں تو وہ اثر انگیز ہد تک صاف گو ہے۔ بہت عمدہ..... واہ۔ آ رہے ہو؟''

''ہاں آ رہا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔ ''اور تم نے کونتے پر جتنی مسکراہٹیں اور نگاہیں نچھاور کی ہیں ان میں کی ایک ایک مسکراہٹ اور ایک ایک نگاہ کے عوض تمہارے سو سو بوسے لوں گا۔ میری ننھی کوئل! تم تو ایسی زوردار ہو کہ اپنے دادا سے بھی فلرٹ کر ڈالو۔''

اور اس پر وہ پیار سے جیدو کے سینے سے لگ گئی اور اس کے کاج میں لگے ہوئے پھول سے کھیلنے لگی اور ایک دم خوفزدہ آواز میں بولی۔

''جیدو ایک بات بتاؤ۔''

''کہو۔''

''سچ کہنا کہ یہ کونٹ تمہیں۔ فابیو جیسا نہیں لگتا؟ اس کی صورت شکل اور چال ڈھال میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو ہمارے لئے ایک دم جانی پہچانی ہے؟''

''مجھے اعتراف ہے کہ ایک دو دفعہ مجھے بھی ایسا ہی شک ہوا تھا۔'' اس نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''ناگوار مشابہت ہے دونوں میں لیکن اس سے کیا؟ دنیا میں بہت سے لوگ ایک دوسرے کی بعینہ نقل ہوتے ہیں اور کئی ایک تو ہم شکل بھی مل جائیں گے لیکن میں بتاؤں کہ میرا خیال ہے؟''

''بتاؤ۔''

''مجھے یقین ہے کہ یہ کونٹ سیزر اور یہ رومانی خاندان کا کوئی دور کا اور گم شدہ رشتے دار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ فابیو کا کوئی چچا وغیرہ ہو جو کسی خاص وجہ سے اس سے اپنا رشتہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا۔ بہرحال آدمی اچھا ہے اور قارون کی طرح دولت مند ہے اور ہم دونوں کے لئے یہ بوڑھا کونٹ بے حد قیمتی دوست ثابت ہوگا چلو! میری جان! اب آرام کرنے کا وقت آ گیا ہے۔''

اور وہ لوگ مکان میں چلے گئے اور دروازے اور کھڑکیاں بند کر دیں۔ میں بھی اپنی کمین گاہ سے نکل کر نیپلز کی طرف چل پڑا۔ اس طرف سے مجھے اطمینان ہو چکا تھا کہ وہ دونوں حقیقت سے بے خبر تھے۔ ان دونوں میں سے کسی ایک کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کونٹ سیزر اولاویہ دراصل فابیو رومانی ہی ہے۔ اب تک میرے دل میں جو یہ خدشہ جما ہوا تھا کہ کہیں یہ لوگ مجھے پہچان نہ لیں یا انہیں مجھ پر شک نہ ہو جائے تو میرا یہ خدشہ احمقانہ تھا کیونکہ دنیا میں عقلمند اور وہمی سے وہمی آدمی بھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ وہ شخص واپس بھی آ سکتا ہے جو نہ صرف مر چکا ہو بلکہ جسے دفن

بھی کردیا گیا ہو۔

چنانچہ بازی اب پوری طرح سے میرے ہاتھ میں تھی۔ اور نیپلز کی طرف جاتے ہوئے میں نے ارادہ کرلیا کہ جلد از جلد یہ کھیل ختم کردوں گا۔

وقت تیزی سے گزر گیا۔ ایک مہینہ ختم ہوا۔ چھ ہفتے گزر گئے۔ اور اس قلیل مدت میں میں اپنے آپ کو نیپلز کی عظیم ہستی بنا چکا تھا۔ عظیم اس لئے کہ میرے پاس بے پناہ دولت تھی اور میں ایک بادشاہ کی سی شان سے رہتا تھا۔ ان سارے ممتاز خاندانوں نے جو مجھ سے تعلقات قائم کرنے کے متمنی تھے۔ کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش تک نہ کی اور نہ ہی اس کی پروا کی کہ میں عقلمند ہوں یا ٹھس اعلیٰ سوسائٹی میں بیٹھنے کے قبل ہوں۔ یا نہیں پڑھا لکھا ہوں یا جاہل ہوں مہذب ہوں یا گنوار ہوں۔ ان لوگوں نے یہ دیکھا اور یہی ان کیلئے کافی بھی تھا کہ میرے پاس ایک شاندار بگھی اور اس میں جتے ہوئے وہ بے حد عمدہ گھوڑے تھے اور بگھی بھی ایسی تھی کہ کسی کے پاس نہ تھی۔ اس کے اندر بے حد قیمتی سرخ کم خواب لگا ہوا تھا اور مخملیں نشستیں اس قدر نرم تھیں کہ آدمی اندر دھنس جاتا تھا اور اس بگھی کو وہ لمبی گھوڑیاں کھینچتی تھیں جن کا رنگ آبنوس کی طرح سیاہ اور کھال چمکتی ہوئی تھی۔

ان لوگوں نے میری دوستی ناپنے کے چند مخصوص پیمانے بنا رکھے تھے جن سے وہ میری دوستی کی قدر و قیمت معلوم کرتے تھے۔ ایک تو اوپرا کے تھیٹر میں وہ بے حد آرام دہ بوکس تھا جو میں نے اپنے لئے مخصوص کرلیا تھا اور دوسرا میرا وہ نفیس اور خوب صورت بحیرا جس میں عیش و آرام کا سارا سامان موجود تھا۔ حتیٰ کہ اس پر ساز ندے بھی تھے جو تاروں کے ساز بجاتے تھے اور اس موسیقی کی ہلکی ہلکی لہریں بجرے پر سے نکل کر سطح آب پر دور تک بہتی چلی جاتی تھیں۔

تھوڑے ہی عرصے میں میں نیپلز کی ہر اس ہستی سے واقف ہو چکا تھا جس سے واقف ہونا ضروری اور مفید تھا۔ ہر جگہ میرے نام کے چرچے تھے۔ تمام اونچے اخباروں میں میری سرگرمیوں کی خبریں چھپتی تھیں۔ میری خاتمہ سخاوت کی داستانیں ہر ایک کی زبان پر تھیں اور ہر کیفے اور ریستوران میں اور ہر شہر کے ہر نکڑ پر میری زبردست آمدنی کی باتیں سرگوشیوں میں اور پھوٹی ہوئی سانسوں کے درمیان کی جارہی تھیں۔ تاجر اور بیوپاری میرے کم سخن خدمت گار ونسانزو کو راستے میں روکنے اور اسے ''مکھن لگانے'' لگے کہ وہ مجھ سے ان کی سفارش کردے تاکہ میں چیزیں ان سے خریدتا رہوں۔ وہ لوگ اسے بطور بخشش کچھ دے دلا بھی دیتے۔ ونسانزو اپنی مخصوص خاموشی سے یہ ''بخشش'' جیب میں رکھ لیتا لیکن اس قدر مخلص اور ایماندار تھا کہ بعد میں اس کے متعلق مجھے بتادیتا کہ کس نے اسے کتنی رقم دی تھی، دینے والے کا نام کیا تھا اور پتہ کیا تھا اور ہمیشہ آخری میں کہتا۔

''اب یہ تو مقدس مریم ہی جانتی ہیں کہ وہ بدمعاش اچھی چیزیں بیچتا ہے یا سڑی ہوئی اور خراب لیکن یہ بات ضرور ہے کہ اس نے مجھے پورے تیس فرانک دیئے ہیں تاکہ میں حضور سے اس کی سفارش کردوں لیکن اگر حضور کسی دوسرے ایماندار بیوپاری کو جانتے ہیں تو پھر میں اس تیس فرانک والے کی سفارش نہ کروں گا۔''

میری دولت نے دوسرے اعزازوں کے ساتھ ایک اور اعزاز بھی بخشا اور وہ یہ کہ جوان اور شادی کے قابل لڑکیوں کی مائیں دفعتاً میری طرف متوجہ ہوگئیں۔ وہ کالی عینک جو گھوڑے کی اندھیریوں کی طرح ہمیشہ میری آنکھوں پر چڑھی رہی تھی۔ ان موقع شناس اور بندھا بٹھانے والی عورتوں کے لئے نفرت انگیز یا قابل اعتراض نہ تھی بلکہ ان میں سے اکثر نے تو مجھے یقین دلایا کہ اس کالی عینک کی وجہ سے ''میرا رعب دوچند ہوگیا تھا'' اور یہ کہ ''یہ میرے چہرے پر بہت سجتی تھی۔'' اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ عورتیں مجھے اپنا داماد بنانے کے لئے کتنی بے تاب تھیں۔

سولہ سترہ اور اٹھارہ وانیس برس کی شرماتی اور

لجاتی ہوئی لڑکیوں کو بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے مجھ سے متعارف کرایا جارہا تھا بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ میرے معائنے کے لئے انہیں میرے سامنے یوں پیش کیا جارہا تھا جس طرح کہ غلاموں کی منڈی میں لونڈیوں کو خریداروں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

ناانصافی ہوگی اگر میں یہ کہوں کہ کچی عمر کے باجود یہ لڑکیاں بڑی تیز وطرار تھیں اور اس جوڑ ملنے کی اہمیت کو سمجھتی تھیں اور یقیناً یہ دوشیزائیں اس عیش وآرام اور آزادی اور بے حد پرلطف زندگی کا تصور کرلیتی اور اپنے مستقبل کے متعلق بڑی درخشاں اسکیمیں بنالیتی تھیں۔ جس کا موقع ان میں سے کسی ایک کو ''کونتیس اولادیہ'' بن کر مل سکتا تھا اور یہ کس طرح اپنے کالے چشمے والے بوڑھے شوہر کو بیوقوف بنا سکتی اور دھوکا دے سکتی تھیں۔

غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ان حسیناؤں کے ارادے پورے ہونے والے نہ تھے لیکن میں ان کوششوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا جو مجھے لبھانے کے لئے کی جارہی تھیں اور ان نخروں سے لطف اندوز ہورہا تھا جن کی نمائش میرے سامنے کی جارہی تھی۔ میں بیان نہیں کرسکتا کہ کیسی پیار بھری نظریں مجھ پر ڈال جارہی تھیں۔ میرے ''خوبصورت سفید بالوں'' کی تعریف سرگوشیوں میں کی جارہی تھی۔ سنجیدگی سے لے کر خوش دلی تک کے کیسے کیسے جال میری طرف پھینکے جارہے تھے۔ اخلاق علم اور فیشن کے کیسے کیسے مظاہرے کئے جارہے تھے۔

میری کتنی ہی شامیں اس طرح گزریں کہ میں اپنے خوبصورت بجرے کے عرشے پر بیٹھا رہتا تھا اور دو تین حسینائیں میرے سامنے بیٹھی مجھے پھانسنے کی نئی نئی ترکیبیں سوچنے کے لئے اپنے ننھے ننھے دماغوں پر زور ڈالتیں۔ ان کی دلی کیفیت ان کے خوبصورت چہروں سے ظاہر ہوتی اور میں اسی اندر ہی اندر ہنس پڑتا۔

''بچاری یہ لڑکیاں کونٹس اولادیہ بننے کے خواب دیکھ رہی ہیں اور انہیں پورا کرنے کی غرض سے اپنے آپ کو ہلکان کررہی ہیں۔''

میں دیکھتا کہ ان کی آنکھوں میں دن کے وقت تارے روشن ہوجاتے اور رات کے وقت اکتوبر کو چاندنی راتوں میں سورج چمکنے لگتے اور پھر یہ خواب ناکل نگاہیں میری طرف اٹھ جاتیں اور مسکرانے لگتیں۔ بے حد دل ربا لیکن قابل تعریف حد تک مصنوعی ان لڑکیوں کی ان کوششوں کی داد دینا سچ مچ ناانصافی ہے۔

میں نازک، سفید اور جوان ہاتھ پر اپنا۔ ''بوڑھا'' ہاتھ رکھ دیتا اور وہ نازک اور سفید جوان ہاتھ والی برا نہ مناتی غصہ نہ کرتی بلکہ شرما کر مسکراتی میں ننھی ننھی اور نرم انگلیوں کو اپنی انگلیوں کے درمیان ہولے سے دباتا اور اس پر ہاتھ جھٹک کر واپس نہ کھینچا جاتا نہ ابرو پر بل پڑتے اور نہ ہی ناراضگی کا اظہار کیا جاتا۔

اور یہ سارا کمال دولت کا تھا۔

اور عیش وعشرت کی ان مجلسوں میں میری بیوی نینا اور جیدو کو ضروری مدعو کیا جاتا۔ بظاہر رسماً لیکن دراصل قصداً شروع شروع میں وہ اپنے دل کو پہنچے ہوئے۔ ''زبردست صدمے'' اور ''زمانہ سوگ'' کا بہانہ کرکے انکار کرتی رہی لیکن میں جانتا تھا کہ یہ بہانہ لنگڑا اور انکار اوپری دل سے ہے۔ چنانچہ میں نے ذرا سی کوشش اور آسانی سے اسے رضامند کرلیا اس کے علاوہ میں نے اپنی چند جان پہچان کی خواتین سے بھی کہا کہ وہ اس سے ملیں اور جیسا کہ میں نے کہا۔ بزرگانہ نصیحت کریں کہ ایسی حسین اور جوان عورت کے لئے یہ اچھا نہیں ہے کہ وہ اپنا وقت اور شباب یوں برباد اور صحت غارت کردے جانے والے چلے جاتے ہیں لیکن دنیا کے کاروبار بند نہیں ہوتے وغیرہ وغیرہ۔

آخر کار نینا نے ہتھیار ڈال دیئے اور ہر دعوت قبول کرلی لیکن مجھے کہنا پڑتا ہے کہ قابل تعریف سنجیدگی اور اداسی سے میں اب بھی اس کی ایکٹنگ کا معترف ہوں بہرحال اس نے ان پارٹیوں میں شریک ہونا قبول تو کرلیا لیکن یوں کہا۔

''.....صرف اس لئے کہ کونٹ اولادیہ ہمارے

خاندان کے پرانے دوست اور خیر خواہ ہیں اور میرے شوہر کو اس وقت سے جانتے ہیں۔ جب مرحوم بچہ ہی تھے چنانچہ کونٹ اولادیہ کی درخواست قبول کر کے میں بلاشبہ اپنے مرحوم شوہر کی روح کو خوش کر رہی ہوں۔''

رہا جیدو تو اس پر میں نے اپنی مہربانیاں سچ مچ نچھاور کر دیں۔ میں نے اس کے چند واجب الادا قرض چپکے سے ادا کر کے اسے اپنے احسان کے نیچے گویا دبا دیا میں نے اس کی بہت سی چھوٹی چھوٹی فضول خرچیوں میں نہ صرف س کا ساتھ دیا بلکہ اسے اکسایا بھی..... میں اس کی لغزشوں کے ساتھ یوں کھیلتا رہا جس طرح بنسی باز کانٹے میں پھنسی ہوئی مچھلی کے ساتھ کھیلتا ہے۔ اور یوں میں اس کا اعتبار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ میرے دریافت کئے بغیر وہ اپنے اس گنہگارانہ کارنامے کی رپورٹ دیتا رہا۔ جسے وہ اپنے پیار کی ترقی کہتا تھا اور پھر وہ چھوٹی چھوٹی تفصیلات بھی مزے لے کر بیان کرتا جو مارے غصے کے میرا خون کھولا دیتیں اور میرے دل و دماغ میں آگ لگا دیتیں اور میں انتقام کی راہ پر اور بھی ثابت قدمی سے گامزن ہو جاتا۔

یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ وہ کس پر اعتبار کر رہا اور کس کو اپنا ہمراز بنا رہا تھا۔ خواب میں بھی اسے یہ خیال نہ آیا کہ وہ کس کے ہاتھ میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ کبھی کبھی تو یوں ہوتا کہ جب میں اس کی بیکار کی باتیں اور لن ترانیاں سنتا اور اس کے اس درخشاں مستقبل کے متعلق۔ جو کبھی آنے والا نہ تھا۔ س کے ارادوں کی تفصیلات سنتا تو مجھ پر بے پناہ حیرت طاری ہو جاتی۔ اسے اپنی کامیابی اور خوشیوں کی تکمیل کا اس قدر یقین تھا کہ وہ اپنی راہ میں کسی رکاوٹ کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا۔ غدار اور نمک حرام ہونے کے باوجود اسے اس سزا کا خیال تک کبھی نہ آتا تھا جو ایسے آدمیوں کے لئے مقدر ہو چکی ہوتی ہے۔ ایسے سیاہ دل لوگ دہریئے ہی ہوتے ہیں جو قدرت کے انتقام کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔

اکثر اوقات ایک خطرناک ارادہ مجھے بے قرار کر دیتا اور میرا جی چاہتا کہ میں اسے صاف صاف کہہ دوں۔

''جیدو! تم ایک سزا یافتہ مجرم ہو، ایک ایسا آدمی جو قبر کے کنارے کھڑا ہے کوئی دم میں تم اس میں دفن ہونے والے ہو۔ چنانچہ یہ بیکار کی باتیں اور ہنسی مذاق چھوڑو اور مرنے کی تیاری کرو۔''

لیکن میں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور خاموش رہا۔ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ میرا جی چاہا کہ اس کی گردن دبوچ لوں، بتاؤں اسے کہ میں کون ہوں اور اسے اس کی غداری سے آگاہ کر کے اس کا گلا دبا دوں لیکن ہر دفعہ میں نے اپنے انتقام کا طریقہ یاد کیا اور اپنے آپ پر قابو رکھا۔

اس کی ایک کمزوری سے میں اچھی طرح سے اور پہلے سے واقف تھا اور وہ یہ کہ اسے اچھی شراب سے بے انتہا لگاؤ تھا اور اس کی اس کمزوری کو میں نے جلا دی اور اسے بڑھانے میں اس کی اعانت کی چنانچہ وہ جب بھی میرے یہاں آیا میں نے خصوصیت سے اس بات کا خیال رکھا کہ اسے اس کی پسند کی اور بہترین سے بہترین شراب ہی پیش کی جائے۔ اپنی حیثیت اور درجہ کے چند نوجوانوں کے ساتھ وہ اکثر شام کو میرے اپارٹمنٹ میں آ جاتا اور خوشگوار شام گزارنے کے بعد رخصت ہوتا تو لڑکھڑاتی ٹانگیں لڑکھڑاتی موٹی زبان اور موٹی آواز اس کی حالت کا پتہ دیتی اور تب تک میں ایک عجیب طرہ کی وجدانی کیفیت سے سوچتا اور تصور کی نظروں سے دیکھتا کہ نینا اس کا کیسا استقبال کرے گی۔ ہر چند کہ وہ خود جس برائی میں پھنسی ہوئی تھی۔ اس سے اسے گھن نہ آتی تھی لیکن اسے چند خرابیوں سے چڑ تھی خصوصیت سے شرابیوں سے تو اسے نفرت تھی۔

''جاؤ! اپنی معشوقہ کے پاس جاؤ۔'' اسے اپنے دوستوں کے ساتھ یوں نشے میں لڑکھڑاتے ہوئے جاتے دیکھتا تو میں دل میں کہتا۔

''اپنی نفاست پسندی اور نازک مزاجی کی وجہ

سے اسے تم سے گھن آئے گی۔ وہ حقارت سے دیکھے گی تمہیں جس طرح نازک غزال بھدے اور گھناؤنے گینڈے کی خوش فعلیوں کو دیکھتی ہے۔ وہ تم سے ڈرتی تو ہے ہی اور اب وہ دن بھی دور نہیں جب وہ تمہیں نفرت اور حقارت سے دیکھے گی اور تمہارے قرب سے اسے گھن آئے گی۔''

ویلا رومانی تو میں ''ہر دلعزیز'' بن چکا تھا اور ''بے تکلف'' مقام حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ جب چاہوں اور جس وقت چاہوں بلا روک ٹوک آ جا سکت تھا۔ میں خود اپنی ہی لائبریری میں فرصت کے وقت جتنی دیر چاہوں بیٹھ سکتا اور اپنی ہی کتابیں دیکھ سکتا اور پڑھ سکتا تھا (واہ! خود میرے ہی گھر میں مجھے کیا حقوق دیئے گئے تھے!) اور میں اپنے ہی باغ میں اپنے ہی کتے واویس کے ساتھ تفریح کر سکتا تھا۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جب تک میں ویلا رومانی میں رہتا تھا واویس میرے قریب ہی رہتا تھا۔ مختصر یہ کہ وہ ''اپنا ہی گھر تھا'' لیکن میں نے وہاں کوئی رات بسر نہ کی تھی۔

بہر حال میں بڑی سنجیدگی سے اپنا کردار ادا کرتا رہا یعنی اس شخص کا جو وقت سے پہلے ہی بوڑھا ہو گیا ہو، جو دور دراز کے ملکوں میں سخت اور جفاکشانہ زندگی گزارنے کی وجہ سے قنوطی اور سخت دل اور ایک طویل مدت تک وطن سے دور رہنے کی وجہ سے بے حس بن گیا ہو۔

جیدو کی موجودگی میں میری بیوی کے ساتھ میرا سلوک ''لئے دیئے'' قسم کا رہتا۔ میں ذرا بھی بے تکلفی کا اظہار نہ کرنا۔ کبھی کوئی ایسی حرکت نہ کرتا اور نہ ہی کوئی ایسی بات کہتا جو جیدو کو میری طرف سے مشکوک کر دے اور اس کے دل میں رسک کی چنگاری روشن کر دے۔ چنانچہ جیدو کی موجودگی میں نینا کے ساتھ میرا سلوک بزرگانہ اور ہمدردانہ ہوتا لیکن سازش اور ساز باز میں اور مکاری اور فریب میں آپ عورت ذات پر پورا بھروسہ کر سکتے ہیں۔ چنانچہ نینا نے بھی میری اس ''احتیاط'' کی وجہ فوراً سمجھ لی۔ چنانچہ جیدو کی پیٹھ پھیرتے ہی وہ معنی خیز نظروں سے میری طرف دیکھتی مسکراتی اور جیدو کی شان میں کوئی ذو معنی حقارت آمیز بات کہتی اور ساتھ ہی ڈھکے چھپے لفظوں میں میری تعریف بھی کر دیتی۔

جیدو پر اس کا نینا کا راز فاش کر دینے کی مجھے کوئی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ میں نے اسے یہ نہ بتایا کہ ہر صبح وہ اپنی ملازمہ کے ساتھ میرے لئے پھل اور پھول میرے ہوٹل کے کمرے میں بھیج دیتی اور میری خیریت دریافت کرواتی تھی اور نہ ہی میرے کم سخن ملازم ونسانزو نے جیدو سے کبھی اس کا ذکر کیا کہ وہ بھی میری طرف سے اسی طرح نینا کے لئے تحفے اور جوابی پیغام لے کر جایا کرتا تھا۔

اور نومبر کے آخر تک معاملہ نے اپنی انتہا کو پہنچ کر ایک حیرت انگیز اور غیر معمولی صورت حال پیدا کر دی یعنی میری بیوی چپکے ہی چپکے مجھ سے ''عشق لڑانے لگی'' اور اس کی اس ''عنایت'' کا جواب میں نے بھی ایسے ہی چپکے چپکے دیا۔

میں اکثر و بیشتر محفلوں میں دوسری عورتوں کے ساتھ رہتا تھا اور یہ بات نینا کو پسند نہ تھی۔ بلکہ یہ بات یعنی میرا دوسری عورتوں سے میل جول اس کی خودداری کو ٹھیس پہنچا رہی تھی۔ اس لئے میں وہ شکار تھا جس کو ہر کوئی اپنے جال میں پھنسانا چاہتا تھا۔

اور نینا نے مجھے حاصل کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

اور اس معاملے میں خود میں نے بھی اپنے آپ کو پیش کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔ سچ مچ یہ ایک بے حد عجیب اور انوکھا معاملہ تھا یعنی ایک ''مرحوم'' شخص کی عشق بازی خود اسی کی ''بیوہ'' سے۔

جیدو کے تو فرشتوں کو بھی پتہ نہ چلا کہ کیا ہو رہا تھا۔ میرے اسی بے وفا دوست نے میرے لئے کہا تھا کہ بیوقوف فابیو جس کو الو بنانا کوئی مشکل نہ تھا۔ لیکن اس وقت دنیا میں جیدو کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی ایسا نہ تھا جو اتنی آسانی سے الو بن رہا ہو گا اور ''بے چارے بیوقوف'' کا ٹھپا اب خود اس پر۔ جیدو پر بالکل صحیح طور پر لگ رہا تھا۔

جیسا کہ میں نے کہا کہ میں اکثر ویلا رومانی جایا

کرتا تھا۔ چنانچہ مجھے اپنی بیٹی اسٹیلا سے ملنے کے موقعے مل جاتے تھے۔ جب بھی جاتا اس سے ضرور ملتا وہ مجھ سے بہت زیادہ مانوس ہوگئی تھی۔ بیچاری بچی۔ کاش کہ وہ جانتی کہ مجھ سے اس کا یہ پیار قدرتی تھا۔ کیونکہ میں اس کا باپ تھا۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا کہ اسٹیلا کی دایہ ''اسونتا'' اسے گھنٹے کے لئے میرے پاس میرے ہوٹل لے آتی۔ اسٹیلا کے لئے یہ بے حد خوشی کی تفریح تھی اور اس وقت تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ ہوتی جب میں اسے اپنی گود میں بیٹھا کر پریوں کی کہانیاں سناتا۔ اس کی پسندیدہ کہانی وہ تھی جس میں ایک بچی کا باپ یکا یک کہیں چلا جاتا ہے وہ اسے تلاش کرتی ہے اور پھر ایک بے حد پیاری پری اس تلاش میں اس کی مدد کرتی ہے اور آخر میں اس کا باپ اسے مل جاتا ہے ابتدا میں سونتا سے ذرا ڈرتا رہا۔ کہیں وہ مجھے پہچان تو نہ لے گی؟

آپ جانئے خوفزدہ کردینے والا سوال تھا۔ یہ اپنے اس بہروپ میں جب میں پہلی دفعہ اس کے سامنے گیا تھا تو میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا اور میں نے اپنا سانس روک لیا تھا لیکن اس مخلص بڑھیا اسونتا کی بینائی اس قدر کمزور ہوچکی تھی کہ کسی کو بھی ٹھیک سے پہچان نہ سکتی تھی۔ اس کے اور جیا کومو کی طبیعتوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے آقا کا انتقال ہوچکا تھا۔ اور اسے دفن کیا جاچکا تھا لیکن حیرت ہے کہ جیا کومو مجھے ''گزرا ہوا'' یقین کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ دوسرے لفظوں میں اسے اب تک یقین نہ آیا تھا کہ میں مرچکا ہوں۔ اس بوڑھے بٹلر کے دماغ میں یہ مجنونا۔ خیال جم گیا تھا کہ اس کا ''نوجوان آقا'' یوں اچانک نہیں مرسکتا اور اپنے اس خیال پر وہ ایسے ضدی پن سے اڑا رہا کہ آخر کار میری بیوی نے کہہ دیا کہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔ اس کا رمیری بیوی نے کہہ دیا کہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔ اس کے برخلاف اسونتا خود میری ہی موت کے متعلق مجھے بتاتی اور بڑے احترام اور یقین سے یوں کہتی۔

''انہیں تو مرنا ہی تھا حضور..... وہ اتنے نیک اور سیدھے تھے کہ خدا کے وہاں بھی ان کی کمی محسوس کی جانے لگی۔ چنانچہ انہیں بلایا گیا لیکن یہ جیا کومو میری بات سنتا ہی نہیں کہ نیک اور اچھے آدمی ہی دنیا سے جلد رخصت ہوجاتے ہیں اور بدمعاش اور حرامی لوگ تو کوسے کھا کر آتی ہیں لیکن جیا کومو نہیں مانتا وہ بوڑھا کمزور اور بچے کی طرح ہوگیا ہے اور پھر اسے ''صاحب'' سے بے پناہ محبت تھی اور وہ انہیں اچھی طرح سے جانتا تھا۔''

اور یہاں وہ سنجیدہ ہوگئی اور اس کی آواز گھمبیر ہوگئی۔ ''اور سینٹ جوزف ایسی بے پناہ محبت کی سزا دیتے ہی ہیں۔ میں تو شروع سے جانتی تھی کہ میرا آقا جوانی میں ہی مرے گا اور اتنے رحم دل نرم طبیعت اور اتنے بھولے تھی اس گندی دنیا میں رہ ہی نہیں سکتے تھے۔

اور یون کہہ کر وہ اپنا سفید بالوں والا سر ہلاتی اپنی تسبیح نکالتی اور میری مغفرت کے لئے کتنی ہی دعائیں اور وظیفے پڑھ کر میری روح کو بخشتی۔ میں نے لاکھ چاہا کہ وہ اپنی مالکن کے بازے میں بھی باتیں کرے۔ کئی طرح سے اسے اکسایا لیکن باتونی ہونے کے باوجود وہ اس معاملے میں خاموش ہی رہی۔ ایک دفعہ میں نے کونتیس رومانی کے حسن و جوانی کی جیسے عالم بے خودی میں بہت تعریف کی اور تب اسونتا نے ایک دم سے گھور کر مجھے دیکھا ایک ٹھنڈی سانس لی لیکن منہ سے کچھ نہ کہا۔

اس بات کی مجھے خوشی تھی کہ وہ اسٹیلا کا بہت زیادہ خیال کرتی اور اس سے محبت کرتی تھی اور خود اسٹیلا بھی اپنی بوڑھی دایہ کو اس کی محبت معہ سود کے لوٹا رہی تھی۔

لیکن نومبر کے مہینہ میں میں نے دیکھا کہ میری بچی کمزور اور دبلی ہوگئی تھی، رنگ زرد پڑ گیا تھا اور وہ بہت جلد تھک جاتی تھی اور اس کی آنکھیں پھیل گئیں اور ان کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔ میں نے اسونتا کو اسٹیلا کی اس حالت کی طرف متوجہ کر کے اپنے خدشے کا اظہار کیا کہ بچی شاید بیمار تھی کچھ۔ اسونتا نے کہا کہ اس سلسلے میں اس نے ''کونتیس'' سے بات کی تھی لیکن ''مادام'' نے بچی

کو کمزوری وغیرہ کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ بعد میں خود میں نے اسٹیلا کی حالت کا ذکر نینا سے کیا جواب میں وہ متشکر سے مسکرائی اور بولی۔

''مائی ڈیئر کونتے! آپ حقیقت میں بہت اچھے آدمی ہیں۔ اسٹیلا کو کچھ نہیں ہوا۔ بہت شاندار صحت ہے اس کی شاید وہ مٹھائی کچھ زیادہ ہی کھاتی ہے اور امر بیل کی طرح بڑھ رہی ہے بس اور کوئی بات نہیں کتنے اچھے ہیں آپ کہ میری بچی کی فکر کر رہے ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اسے کچھ نہیں ہوا۔''

ظاہر ہے کہ میری تشویش دور نہ ہوئی لیکن میں مجبور تھا کیونکہ ظاہر ہے کہ بچی کے لئے اگر میں زیادہ پریشانی یا فکر کا اظہار کرتا تو یہ میرے حالیہ بہروپ کی فطرت کے منافی ہوتا کیونکہ میں تو ایک بے حس اور تقریباً سخت دل بوڑھے کا کردار ادا کر رہا تھا۔

نومبر کا مہینہ آدھے سے زیادہ گزر چکا تھا کہ ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے میرے انتقام کے منصوبے کو گویا پہیے لگا کر انجام کی طرف دھکیل دیا۔

دن سرد اور اداس ہو چلے تھے۔ بجرے کی سیر لیس موقوف ہو گئی تھیں اور موسم سرما کے لئے میں چند ڈنروں اور رقص کی دعوتوں کا انتظام کر رہا تھا جبکہ ایک سہ پہر کو جیدو اپنی آمد کی اطلاع کروائے بغیر دندناتا ہوا آ کر دھپ سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ کچھ جھنجھلایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

''کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟'' اسے اپنی طرف سے کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے دیکھ کر میں نے پوچھا۔

''مالی شکل ہے کوئی؟ اگر ہاں تو کہئے مجھ سے اچھا مہاجن آپ کو کوئی دوسرا نہ ملے گا۔''

وہ بے چینی لیکن تشکر سے مسکرایا۔

''شکریہ کونتے! لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے دراصل دراصل گران دیو۔ میں بھی عجیب بدقسمت آدمی ہوں۔

میں نے ایک دم سے متفکر ہو کر کہا۔

''کونتیس نے تو کہیں بے وفائی نہیں کی؟ آپ سے شادی کرنے سے انکار کر دیا اس نے؟''

وہ ہنسا۔ اس کی ہنسی میں یقین، حقارت اور تکبر کی جھلک تھی۔ ''اس طرف سے تو کوئی خطرہ نہیں ہے۔'' وہ بولا۔ ''کونتیس مجھ سے بیوفائی کرنے کی کبھی جرأت نہیں کر سکتی۔''

''جرأت نہیں کر سکتی بڑے متکبرانہ سخت الفاظ ہیں یہ۔''

اور میں نے اپنی داڑھی کھجاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ خود اسے بھی شاید احساس ہوا کہ وہ بڑی عجلت میں ضرورت سے زیادہ کھل گیا تھا۔ چنانچہ اس نے ہربڑا کر اور سرخ ہو کر کہا۔

''میرا مطلب یہ نہ تھا۔ بے شک وہ اپنی مرضی کی مالک ہے اور جو چاہے کر سکتی ہے۔ لیکن معاملہ اتنا آگے بڑھ گیا ہے کہ.....''

''معاملہ آگے بڑھ گیا ہے۔'' میں نے مشکوک نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ ''.....یعنی میری اتنی زیادہ حوصلہ افزائی کرنے کے بعد، میں سمجھتا ہوں، وہ اب ایسا نہ کرے گی۔''

میں نے دوستانہ اور بے تکلفی کا اشارہ کر کے اس سے اتفاق کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''بے شک نہ کریگی۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن وہ چھٹی ہوئی نخرے باز ہے تو پھر بیکار عورت ہے اور چونکہ آپ کی ذاتی اچھائیوں اور پاک دامنی سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس لئے آپ کو تو مطمئن رہنا چاہئے۔ یعنی اس طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ خیر اب یہ نہ تو محبت کا معاملہ ہے اور نہ ہی معاشی مشکل تو پھر کیا بات ہے۔ آپ کے چہرے کے جذبات سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی بے حد اہم بات ہے۔

وہ میری دی ہوئی انگوٹھی سے کھیلنے لگا۔ انگوٹھی اس نے چھنگایا کے قریب والی انگلی میں پہن کر رکھی تھی۔ چند ثانیوں تک وہ یہ انگوٹھی اپنی انگلی میں گول گول گھماتا رہا اور پھر بولا۔ ''بات یہ ہے کہ کچھ عرصے کے لئے میرا نیپلز سے باہر جانا ضروری ہے۔''

اور میرا دل اطمینان اور خوشی سے دھڑکنے لگا۔ باہر جارہا ہے۔ نیپلز سے باہر جارہا ہے۔ میدان جنگ سے رخصت ہورہا ہے اور میرے لئے فتح کی راہ کھول رہا ہے بیشک وشبہ قسمت میری یاوری کررہی ہے لیکن میں نے بظاہر گھبرا کر کہا۔

''باہر جارہے ہو مذاق تو نہیں کررہے؟ کیوں جارہے ہو؟ کہاں جارہے ہو؟''

''میرے ایک چچا روم میں ہیں۔ ان کا آخری وقت ہے انہوں نے مجھے اپنا وارث بنایا ہے چنانچہ یہ میرا خلافی فرض بن جاتا ہے کہ آخری لمحوں میں میں ان کے پاس رہوں ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ آخری وقت طویل ہوجائے لیکن وکیل نے کہا ہے کہ میں بہرحال ان کے قریب ہی رہوں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ عین وقت پر بڑے میاں کے دماغ میں کیڑا رینگ جائے اور وہ مجھے سرے سے عق ہی کردیں میں سمجھتا ہوں کہ میں زیادہ سے زیادہ پندرہ دنوں تک باہر ہوں گا اس عرصے میں.....''

اور وہ خاموش ہوگیا اور متلجی نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

''جو کہنا چاہتے ہو بلا جھجک کہو'' میں نے کہا۔

''اگر آپ کی غیر موجودگی میں میں آپ کا کوئی کام کرسکا تو مجھے خوشی ہوگی آپ حکم کیجئے بندہ حاضر ہے آخر دوست ہوتے کس لئے ہیں؟''

وہ اٹھا اور اس کھڑکی کے قریب آیا جس کی دہلیز پر میں نیم دراز انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ایک چھوٹی کرسی گھسیٹ کر میرے قریب اور میرے سامنے بیٹھ گیا۔

اور اپنا ایک ہاتھ رازدارانہ انداز میں میرے ہاتھ پر رکھ دیا۔

''آپ بہت کچھ کرسکتے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اور مجھے آپ پر پورا پورا بھروسہ ہے۔''

''فرمایئے۔''

کوشس کا دھیان رکھنا۔ کوئی دوسرا جو اس کی حفاظت کرسکے اور وہ۔ وہ جوان خوب صورت اور بھولی ہے۔ آپ حفاظت کرسکتے ہیں اس کی۔ نظر رکھ سکتے ہیں اس پر آپ کی عمر، رتبہ اور اس خاندان سے اپ کی قدم دوستی آپ کو یہ حقوق دلارہی ہے اور آپ کسی دوسرے مرد کو شس کی زندگی میں داخل ہونے سے روک سکتے ہیں۔''

''اور اگر کوئی بدنصیب ایسی جرات یا یوں کہو کہ حماقت کر بیٹھا۔''

میں بناوٹی جوش کے عالم میں ایک جھٹکے کے ساتھ کھڑکی کی دہلیز پر سے اتر آیا۔ ''تو میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک کہ اس کے جسم کو اپنی تلوار کی نیام نہیں بنالیتا۔''

اور میں نے ایک قہقہہ لگا کر جیدو کے شانے پر ہاتھ مارا۔ یہ آخری الفاظ وہی تھے جو خود جیدو نے میری بیوی سے اس رات باغ میں کہے تھے۔ جب میں قریب ہی جھاڑیوں میں چھپا انہیں دیکھ اور ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اسے یہ جملہ جانا پہچانا معلوم ہوا یا اسے یاد آگیا کہ بعینہ یہی الفاظ اس نے کہے تھے۔ کیونکہ وہ ذرا چونکا اور الجھن میں پڑ گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میں نے اسے اور زیادہ سوچنے اور غور کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔

میں نے ایک دم سے اپنی ہنسی روک لی اور بے حد سنجیدہ بن گیا۔

''توبہ۔ توبہ۔ معافی چاہتا ہوں۔'' میں نے کہا۔ ''معاملہ ایسا مقدس اور سنجیدہ ہے کہ اس کا مذاق نہ بنانا چاہئے۔ خیر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں۔ میرے اچھے فیراری کہ میں کوشس پر ایک بھائی کی سی، بلکہ بڑے بھائی کی سی کڑی نظر رکھوں گا۔ حالانکہ مجھے اعتراف ہے کہ یہ ایک ایسا کام ہے جو میرے مزاج کے خلاف ہے اور میرے لئے ناگوار ہے تاہم آپ کی خوشی کی خاطر میں یہ ذمہ داری اپنے سر لیتا ہوں تاکہ آپ بے فکر ہوکر نیپلز سے جاسکیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔'' اور یہاں میں نے بڑی گرمجوشی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ''کہ میں اپنے آپ کو

آپ کے اعتبار اور بھروسے کے قابل ثابت کردوں گا۔ میں ایسی ہی دوستی اور وفاداری کا ثبوت دوں گا۔ جیسا کہ آپ نے خود اپنے دوست فابیو کے معاملہ دیا ہے۔ دوستی اور وفاداری کی اس سے بہتر مثال میرے لئے تاریخ بھی پیش نہیں کرسکتی۔''

وہ یوں چونکا جیسے اسے بچھو نے ڈنگ مار دیا ہو اور اس کے چہرے کا رنگ اس حد تک سفید ہوگیا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے اس کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لیا ہو۔ اس نے حیرت اور شک سے میری طرف دیکھا لیکن میرے بشرے سے ایسی صاف دلی اور ایسا خلوص تھا کہ وہ ایک دم سے سنبھل گیا اور وہ الفاظ روک دیئے جو اس کے لبوں تک آ ہی گئے تھے۔

میں اس کی کوشش کی داد دل ہی دل میں دے رہا تھا کہ وہ بولا۔

''کونتے! شکریہ ادا کرنے کے لئے مجھے الفاظ نہیں مل رہے..... میں جانتا ہوں کہ میں آپ پر صرف آپ پر بھروسا کرسکتا ہوں۔''

''بالکل۔ بالکل۔'' میں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ''اتنا ہی جتنا کہ آپ نے اپنی ذات پر کیا ہے۔''

اور یہاں وہ پھر یوں چونکا جیسے کسی غیبی ہاتھ نے کوئی غیبی چابک اسے مارا ہو۔

اس کا ہاتھ چھوڑ کر میں نے دکھ بھری آواز میں پوچھا۔

''اور آپ کب جارہے ہیں گارنیو؟''

فوراً جارہا ہوں۔

''اسی وقت؟''

''اس وقت ہی سمجھئے۔ کل علی الصبح کی ریل سے روانہ ورہا ہوں۔''

''اچھا ہوا کہ یہ بات آپ نے مجھے عین وقت پر بتادی۔'' میں نے میز پر رکھے ہوئے رقص اور ڈنر کے دعوت ناموں اور مکان آراستہ کرنے والوں اور رقص کا کمرہ سجانے والوں کے کاغذات کے انبار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ کے لوٹنے تک میں پارٹیوں وغیرہ کا کوئی اہتمام نہ کروں گا۔''

اسی نے بے حد احسان مندی سے میری طرف دیکھا۔

''واقعی؟ بڑی مہربانی ہے آپ کی۔'' وہ بولا۔ ''لیکن میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے آپ کے پروگرام.....''

''بس اب آگے کچھ نہ کہوامیکو۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''کوئی چیز بھاگی نہیں جارہی۔ چنانچہ آپ کی واپسی تک ہر پروگرام ملتوی کیا جاسکتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہ پڑجائے گا۔ اس کے علاوہ آپ یہ بھی چاہیں گے کہ آپ کی غیر موجودگی میں کونتیس اپنے گھر میں ہی رہے اور محفلوں میں شرکت نہ کرے نہ کسی سے ملے اور.....''

''لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ بیزار اور افسردہ رہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''ارے نہیں۔'' میں نے کہا اور اس کی احمقانہ خوشی پر مسکرا اٹھا۔

''نینا بیزار ہونے اور افسردہ رہنے والی عورتوں میں سے نہ تھی۔ اس طرف سے آپ بے فکر رہیں۔ میں انہیں افسردہ ہونے ہی نہ دوں گا۔ بہت سے طریقے ہیں دھیان بٹانے کے مثلاً بگھی میں بیٹھ کر تفریح اور موسیقی کی کسی محفل میں جابیٹھنا وغیرہ وغیرہ۔ بھئی اتنا تو میں گدھا نہیں ہوں کہ ایسی باتیں بھی نہ سمجھ سکوں۔ سگنور فیراری! یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ لیکلن رقص اور پارٹیاں اور دعوتیں وغیرہ آپ کے آنے کے بعد ہی ہوں گی۔'' اس کی آنکھوں میں بے انتہا خوشی کی چمک آگئی۔ میری باتوں نے اسے جال میں پھنسا دیا تھا۔

''بہت زیادہ مہربان ہیں آپ۔'' اس نے کہا۔ ''آپ کے احسانوں کا بدلہ میں کبھی نہ چکا سکوں گا۔''

''اس کا تو یہ ہے کہ ایک دن میں آپ کی احسان مندیوں کا ثبوت طلب کروں گا۔'' میں نے کہا اور پھر جلدی سے اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ ''اب بہتر ہوگا کہ آپ جاکر سفر کی تیاری کریں۔ اب وقت ہی کتنا

ہے؟ کل علی الصبح تو آپ کو روانہ ہوتا ہے۔ کل صبح میں آپ کو رخصت کرتے آجاؤں گا۔''

میرے ان الفاظ نے میرے خلوص اور دوستی کی تصدیق کردی اور جیدو کے دل میں جو تھوڑی بہت بے یقینی تھی وہ بھی رخصت ہوئی اور اب وہ خود بھی مطمئن ہو کر چلا گیا۔

اس دن میری اس کی پھر ملاقات نہ ہوئی۔ اور یہ سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا کہ وہ کہاں تھا..... میری بیوی کے ساتھ۔ یقیناً وہ اسے دنیا کی ساری قسمیں دلا رہا ہوگا کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کی وفادار ہے۔ اتنی ہی زیادہ وفادار جتنی زیادہ مجھ سے بے وفا رہی تھی۔ میں تصور کی نظروں سے اس کو دیکھ رہا تھا کہ وہ نینا کو اپنی بانہوں میں سمیٹ کر اسے چوم رہا ہے اور اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ تنہائیوں میں اس کو جیدو کو یاد کرتی رہے۔ یہاں تک کہ وہ واپس آکر ایک بار پھر اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لے گا وغیرہ وغیرہ۔

یہ پیار اور چوما چاٹی کی تصویریں میں نے تصور میں دیکھی تو ایک سرد مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر آگئی۔

جیدو۔ میرے دغا باز دوست۔ جی بھر کر آج اسے اپنے سینے سے لگالو اور چوم لو۔ کیونکہ یہ آخری دفعہ ہے۔ وہ مسحور کن نظر اب کبھی تمہاری طرف نہ اٹھے گی، نہ خوف سے اور نہ مہربانی سے، وہ نرم و نازک اور خوبصورت جسم پھر کبھی تمہاری آغوش میں نہ آئے گا ان نم سرخ اور محرابی ہونٹوں پر اب کبھی تمہارے گرم بوسے ثبوت نہ ہوں گے۔

جیدو۔ تمہارا ادور اب ختم ہوا۔ تمہارے گناہ کی آخری پر لطف گھڑی آگئی۔ مزہ لے لو اور اس وقت کوئی تمہاری لذتوں میں خلل انداز نہ ہوگا بیٹھی شراب کا آخری قطرہ پی لو۔ وصل کی اس آخری رات میرا ہاتھ یہ جام تمہارے ہونٹوں سے گھسیٹ کر زمین پر نہ دے مارے گا۔ مکار، دغا باز، جھوٹے۔ تھوڑا سا وقت باقی ہے۔ چنانچہ اس مختصر وقت میں جتنا خوش ہوسکتا ہے تو ہولے دروازے اور کھڑکیاں مضبوطی سے بند کرلے تاکہ آسمان پر چمکنے والے پاک و صاف ستارے تیری گنہگار محبت کے کھیل نہ دیکھ سکیں۔

''میں تمہاری ہوں اور تمہاری رہوں گی۔ نینا تم سے کہہ رہی ہے۔'' جیدو! اس نے مجھ سے بھی یہی کہا تھا۔ چنانچہ تمہیں اس کی وفاداری پر بھروسا کرنا چاہئے جیسا کہ میں نے کیا تھا اور یوں اس پر بھروسا کرکے اپنے دل پر جبر کرکے اور پیار و محبت کے ماحول میں اس سے رخصت ہوجاؤں ہمیشہ کے لئے۔ کیونکہ حسن و شباب کے اس دربار میں اب تمہارا گزرنا ممکن ہوگا۔

دوسرے دن علی الصبح میں حسب وعدہ جیدو کو رخصت کرنے ریلوے اسٹیشن پر گیا۔ وہ بے حد تھکا ہوا، اداس اور زرد معلوم ہوتا تھا۔ لیکن مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر ذرا رونق آگئی۔ جو پورٹر اس کا مال سامان اٹھا رہے تھے، انہیں وہ بری طرح جھڑک رہا تھا۔ بات بات میں خفا ہو رہا تھا اور بوڑھی اور بہری عورت کی طرح معمولی معمولی باتوں پر ان سے حجت کر رہا تھا۔ آخر کار وہ اپنے ''کوپے'' میں جا بیٹھا تو میں بے اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جس پر پیلا کاغذ چڑھا ہوا تھا۔

''کوئی دلچسپ اور قابل مطالعہ کتاب ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا۔ ''یونہی خرید لی۔ وکٹر ہیوگو کا ناول ہے۔''

اور اس نے کتاب میرے دیکھنے کے لئے اوپر اٹھادی۔

''مصیبت زدہ۔'' میں نے کتاب کا نام پڑھا۔

''تمہارے پڑھنے کے قابل ہے یہ ناول۔ ضرور پڑھنا۔ ایک نہ ایک سبق ضرور حاصل کرلوگے۔''

ریل بس روانہ ہونے والی تھی کہ وہ کھڑکی میں سے سر نکال کر آگے کی طرف جھک گیا اور اشارے سے مجھے اپنے اور بھی قریب بلالیا۔

''کونتے!'' اس نے سرگوشی میں کہا۔ ''میں نے آپ پر بھروسا کیا ہے۔ چنانچہ اس کا خیال رکھنا۔

''آپ فکر نہ کریں۔'' میں نے بڑے وثوق سے کہا۔ ''انہیں میں آپ کی کمی محسوس نہ ہونے دوں گا۔''

وہ مسکرایا۔ یہ مسکراہٹ اس کی دلی بے کلی کو ظاہر کررہی تھی۔ یوں مسکرا کر اس نے میرا ہاتھ دبادیا۔

''یہ آخری الفاظ تھے جو کہے گئے۔ کیونکہ عین اس وقت انجن نے سیٹھی دی، ریل رینگنے لگی اور دوسرے ہی لمحے وہ اسٹیشن سے نکل چکی تھی۔

اور اب میں اکیلا تھا، اپنی من مانی کرنے کے لئے اکیلا تھا اور اب میں جو چاہتا اپنی بیوی کے ساتھ کرسکتا تھا۔ حتیف کہ اسے قتل بھی کرسکتا تھا، کوئی مجھے روکنے والا نہ تھا۔ آج ہی شام میں اس کے پاس جاکر اپنے آپ کو ظاہر کرسکتا تھا اسے اس کی بے وفائی پر لعنت ملامت کرکے اسی وقت خنجر اس کے سینے میں اتار سکتا تھا۔

کوئی بھی ایطالوی جیوری میرے جرم کی اہمیت کو کم کرنے کے واقعات اور ثبوت تلاش کرسکتی اور میری سزا میں تخفیف کرواسکتی یا مجھے سرے سے بری کرواسکتی تھی۔ لیکن کیوں؟ کیوں میں آپ کے قاتل اور مجرم بناؤں؟ بے شک قتل کی وجہ مناسب اور ٹھوس ہے لیکن کیا ضروری ہے کہ اسے قتل ہی کیا جائے؟

نہیں..... نہیں..... انتقام کا جو نقشہ میں نے بنایا ہے۔ وہ بے حد عمدہ اور مکمل ہے اور مجھے بڑے صبر و سکون سے اسی پر عمل کرنا چاہئے۔ حالانکہ صبر و سکون اب میرے لئے سخت مشکل ہوگا۔

میں انہی خیالات میں گم اسٹیشن سے نکل کر اپنی قیام گاہ کی طرف جارہا تھا کہ ایکدم سے اچھل پڑا۔ میرا خادم ونسانزو الف لیلہ کے جن کی طرح یکا یک میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ بھاگتا ہوا آیا تھا اور میرے نام ایک رقعہ لایا تھا جس پر لکھا ہوا تھا۔

''اشد ضروری۔''

چٹھی میری بیوی کی تھی۔ لکھا تھا۔

''چلے آیئے۔ اسٹیلا سخت علیل ہے اور آپ کو یاد کررہی ہے۔''

''کون لایا یہ رقعہ؟'' میں نے اپنی رفتار تیز کرکے اور ونسانزو کو اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

''حضور وہ بوڑھا نوکر۔'' ونسانزو نے جواب دیا۔

''جیا کومو؟''

''جی ہاں وہی۔ وہ رو رہا تھا اور بہت زیادہ پریشان تھا۔ اس نے کہا کہ ننھی ''ڈانزیلا'' کے حلق میں بخار ہوگیا ہے.....''

''حلق میں؟''

''ہاں حضور۔ میرا خیال ہے اس کا مطلب ڈیتھیریا سے تھا۔ آدھی رات کو وہ اچانک بیمار ہوگئیں۔ لیکن دایا نے سمجھا کہ فکر کی کوئی بات نہیں۔ لیکن آج صبح تک ننھی کی حالت خراب ہوگئی اور اب حالت خطرناک ہوگئی ہے۔

''ڈاکٹر کو تو بلایا ہوگا؟''

''جی ہاں حضور..... کم سے کم جیا کومو نے تو ایسا ہی کیا تھا.....''

''لیکن کیا؟''

''کچھ نہیں حضور..... صرف یہ کہ.....'' بوڑھے ملازم نے کہا..... ''ڈاکٹر پہنچا تو وقت گزر چکا تھا۔''

میرا دل بیٹھ گیا اور میرے حلق میں پھندا پڑ گیا کہ ایک ہچکی میرے حلق میں پھنس گئی تھی۔

میں چلتے چلتے رک گیا اور ونسانزو سے گاڑی لانے کو کہا یہ عام سی گھوڑا گاڑیاں نیپلز کے بازاروں اسورسڑکوں پر کھڑی مل جاتی تھیں جو مناسب کرائے پر مسافروں کو لاتی لے جاتی تھیں۔

میں گاڑی میں سوار ہوگیا۔ اور کچوان سے کہا کہ وہ جلد از جلد مجھے ویلا رومانی پہنچادے اور ونسانزو سے کہا کہ میں سارا دن ہوٹل نہ آسکوں گا..... اور پھر گاڑی مجھے لے کر ویلا رومانی کی طرف بھاگی جارہی تھی۔

وہاں پہنچا تو دیکھا کہ پھاٹک کھلا تھا۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ میری آمد نہ صرف متوقع بلکہ یقینی تھی۔ میں دروازے کے قریب پہنچا تو خود جیا کومو نے میرا استقبال کیا۔

''بچی کیسی ہے؟'' میں نے بے قراری سے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ اداسی سے سر ہلا کر اس ہمدرد نظر آتے ہوئے آدمی کی طرف اشارہ کیا جو اس وقت زینہ اتر رہا تھا۔ میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ وہ شہر کا سب سے زیادہ مشہور ڈاکٹر تھا جو قریب ہی رہتا تھا۔

میں لپک کر اس کے قریب پہنچا اور اسٹیلا کے متعلق پوچھا۔ اس نے مجھے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ میں اس کے ساتھ بغلی کمرے میں آ گیا۔ ڈاکٹر نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

''حقیقت یہ ہے جناب۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''کہ یہ سراسر بے توجہی کا کیس ہے۔''

''یعنی؟''

''یعنی یہ کہ اس کی طرف دھیان دیا نہیں گیا۔ پچھلے ایک عرصے سے بچی کی حالت خراب تھی۔ یعنی کمزوری، چنانچہ وہ کسی بھی مرض کا آسان ترین شکار تھی۔ اس کے خون میں بیماری کے جراثیموں سے مدافعت کی قوت کی علامتیں ظاہر ہوتے ہی اگر مجھے بلا لیا گیا ہوتا تو میں اس کا علاج کر دیتا۔ بچی کی دایا نے مجھے بتایا ہے کہ اسے رات کے وقت بچی کی ماں کے کمرے میں جانے کی ممانعت ہے۔ چنانچہ بچی کی بیماری کی اطلاع دینے کے لئے بھی وہ مادام کی خوابگاہ میں جانے کی جرات نہ کر سکی کہ ان کی نیند خراب ہوگی۔ اگر اسے مادام کی خفگی کا خوف نہ ہوتا تو اس نے بچی کی والدہ کو بچی کی حالت دیکھنے کے لئے بلایا ہوتا لیکن اب.....''

''لیکن اب کیا ڈاکٹر؟'' میں نے گھبرا کر پوچھا۔

''افسوس ہے کہ اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔''

میں جیسے خواب کے عالم میں کھڑا رہا۔

آدھی رات کے بعد گھر کی بوڑھی اور وفادار ملازمہ اور اسٹیلا کی دایا اسونتا بھی ''مالکن'' کے کمرے میں نہیں جا سکتی؟ اگر بچی سخت تکلیف میں ہو تب بھی نہیں؟

اور میں جانتا تھا، اچھی طرح سے جانتا تھا کہ یہ ممانعت کر دی گئی تھی۔

ہاں کیوں؟''

چنانچہ جب جیدو میری بیوی سے رخصت ہو رہا تھا، گزشتہ رات اس سے پیار کا کھیل کھیل رہا تھا۔ دونوں میری خواب گاہ اور میرے ہی بستر میں اپنی بے وفائیوں پر مہریں لگا رہے تھے اور اپنے گناہ کی تکمیل کی طرف لے جا رہے تھے تو اس وقت یہ ننھی سی جان، میری بچی اسٹیلا بخار میں پھنک رہی تھی اور اپنی ماں کی تھپکیوں اور تسلیوں اور مامتا کو ترس رہی تھی۔

یہ بات نہ تھی کہ مجھے اس کا یقین ہو کہ نینا کا پیار یا تسلیاں اسٹیلا کو بچا لیتیں لیکن آپ بے شک اسے میری حمایت کہہ لیں کہ میں اب بھی یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ اس عورت میں تھوڑی سی تو نسوانیت ہوگی جس پر میں نے اپنی عمر کا پہلا اور آخری پیار ضائع کر دیا تھا۔

میں خاموش رہا اور ڈاکٹر میری طرف دیکھتا رہا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد بولا۔

''بچی آپ کو یاد کر رہی تھی۔ چنانچہ میں نے کونٹس سے اصرار کیا کہ وہ آپ کو بلا لیں۔''

''اصرار کرنا پڑا آپ کو!''

''جی ہاں۔ وہ آپ کو بلانے کے لئے تیار نہ تھیں.....''

''تیار نہ تھیں!''

''اس خوف سے کہ کہیں یہ چھوت کی بیماری آپ کو نہ لگ جائے۔ بات یہ ہے جناب کہ اس کا خطرہ تو ہے لیکن.....''

''میں بزدل نہیں ہوں ڈاکٹر۔'' میں نے اس کی بات کاٹ دی۔

''حالانکہ جب طاعون کا زور تھا تو اس وقت اکثر لوگ موت کے خوف سے نیم پاگل ہوگئے تھے لیکن ایسے بھی تھے جنہیں موت کا کوئی خوف نہ تھا اور میں انہی لوگوں میں سے ہوں۔''

ڈاکٹر شفقت سے مسکرایا اور میرے سامنے ذرا سا جھک گیا۔

''اس صورت میں مجھے آپ سے کچھ نہیں کہنا ہے سوائے اس کے کہ بہتر ہوگا کہ آپ فوراً میری ننھی مریضہ کے پاس جائیں۔ آدھے گھنٹے کے لئے میں باہر جارہا ہوں..... ایک مریض کو دیکھنا ہے..... لیکن اطمینان رکھئے۔ ٹھیک آدھے گھنٹے بعد واپس آجاؤں گا۔

''ایک منٹ۔'' میں نے ڈاکٹر کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''مجھ سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں ڈاکٹر۔ چنانچہ سچ سچ بتایئے کہ کوئی امید ہے بچنے کی؟''

ڈاکٹر غور سے مجھے دیکھنے لگا۔

''نہیں۔'' آخر کار اس نے کہا۔

''کچھ کہا نہیں جاسکتا؟''

''نہیں۔ سوائے اس کے کہ جہاں تک ہوسکے اسے پرسکون اور گرم رکھا جائے۔''

میں خاموش رہا۔

''دیکھئے۔'' ڈاکٹر نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔ ''دایا کو میں دوائیں دے کر آیا ہوں۔ ان سے تکلیف کم ہوجائے گی۔ میں واپس آنے کے بعد ہی یقین سے کچھ کہہ سکوں گا۔ تب تک مرض اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہوگا۔''

دو منٹ بعد ہی ڈاکٹر رخصت ہوچکا تھا اور ایک جوان ملازمہ مجھے بچی کے کمرے کی طرف لئے جارہی تھی۔

''کونٹس کہاں ہیں؟'' زینہ چڑھتے ہوئے میں نے سرگوشی میں پوچھا۔

''کونٹس؟'' ملازمہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ ''اپنے کمرے میں۔ اور کہاں؟''

''اپنے کمرے میں؟''

''جی ہاں۔ وہاں اپنے کمرے سے باہر آتی ہی نہیں۔''

''کیوں؟''

''ڈرتی ہیں کہ..... بیماری انہیں نہ لگ جائے۔''

اور میں نے اس خوفناک گالی کو روکل دیا جو بے اختیار میری زبان پر آگئی تھی۔

''عورت کی انتہا سنگدلی کا ایک اور ثبوت۔'' میں نے سوچا۔

''کونٹس اپنی بچی کے پاس گئی ہی نہیں؟'' میں نے ملازمہ سے پوچھا۔

''آپ کے مطلب ہے جب سے منی بیمار ہوگئی تھی؟''

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

''..... جی ہاں تب سے کونٹس ان کے پاس بالکل نہیں گئیں۔ کیسی ہو۔ پوچھنے تک نہیں۔''

آہستہ سے بے حد آہستہ سے دروازہ کھول کر میں دبے پاؤں بچی کے کمرے میں داخل ہوا۔ کھڑکیوں کی جھلملیاں نصف کے قریب گری ہوئی تھیں کیونکہ تیز روشنی سے بچی کو تکلیف ہوتی تھی۔ اس کے چھوٹے سے سفید بستر کے قریب اسونتا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے بوڑھے چہرے پر تھکن اور فکر کے آثار تھے۔

میں کمرے میں داخل ہوا تو اسونتا نے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا اور بڑبڑائی۔

''بس ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ خدا باپ اچھوں کو ہی اٹھالیتا ہے۔ پہلے باپ کو لے لیا اور اب یہ بچی..... نالائقوں اور حرامزادوں کو کچھ نہیں ہوتا۔''

''پاپا!'' بے حد کمزور اور باریک آواز نے اور اسٹیلا بے ترتیب پڑے ہوئے تکیوں کے درمیان اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں اور ان میں وحشت تھی، رخسار تمتمائے ہوئے تھے اور ادھ کھلے ہونٹوں کے درمیان تیز تیز گرم سانسیں نکل رہی تھیں۔

(جاری ہے)

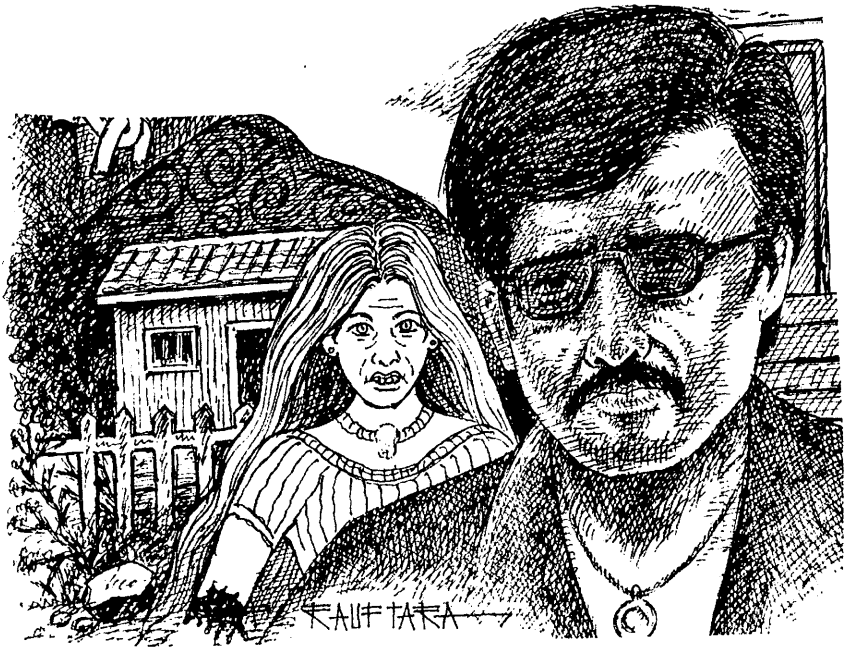

ایک رات کی بات

سارہ عمر۔ ریاض سعودی عرب

ایک نوجوان کی عجیب و غریب کہانی جب اسے اسٹور روم میں بند کیا گیا تو وہ ہشاش بشاش تھا مگر چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک روشن ہیولہ نظر آیا اور پھر.....

خوف و ہراس..... کے سمندر میں غوطہ زن اپنی نوعیت کی ڈراؤنی..... خوفناک..... کہانی

وہ آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتی جا رہی تھی۔ ہاتھ میں موم بتی پکڑے وہ ایک ایک سیڑھی پر پاؤں رکھ رہی تھی۔ فرش پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ موم بتی کی لو ہولے ہولے ٹمٹما رہی تھی۔ وہ آگے بڑھتی جا رہی تھی جیسے کوئی انجانی طاقت اسے آگے کی جانب دھکیل رہی ہو۔ اس لمحے اسے فون کی گھنٹی بھی سنائی دی تھی۔ وہ اپنا فون کمرے میں بھول آئی تھی۔ اس کے موبائل کی مخصوص ٹون مسلسل بجے جا رہی تھی جس کی آواز اس خاموشی میں بھی قدر دور تک سنائی دے رہی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کو جانا چاہا مگر اسے لگا کسی انجانی طاقت نے اسے پیچھے جانے سے روک دیا ہو۔ وہ پیچھے مڑ گئی تو پتھر کی بن جائے گی۔ اسے ایسے محسوس ہوا تھا کہ کسی نے اس کے کندھوں پر سرد ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اسے اب کچھ خوف محسوس ہوا تھا۔ وہ واپس پلٹنے کا ارادہ کر چکی تھی۔

اس نے پاؤں پیچھے کی جانب بڑھایا جب ایک یخ بستہ ہوا کا جھونکا اس کی موم بتی کی لو بجھا گیا۔ وہ اب سیڑھیوں کے بیچوں بیچ اندھیرے میں کھڑی تھی۔ فون کی گھنٹی اب بھی مسلسل جاری تھی۔ اب اسے فیصلہ کرنا تھا کہ اس آگے بڑھنا ہے یا پیچھے جانا ہے۔

☆.....☆.....☆

تو تمہیں لگتا ہے کہ نینسی جیتے گی ڈی کیو کا مقابلہ۔

اس نے پین نیچے رکھا۔ وہ اب سنجیدہ تھی۔

آف کورس وہی جیتے گی تمہیں پتہ ہے اس نے کیا سیلکٹ کیا ہے؟

اریب نے پریقین انداز میں کہا تو وہ بے مزہ ہوئی۔

واٹ ایور تمہیں تو اس کے علاوہ کوئی ڈیرنگ نہیں لگتا نا۔ اس نے اپنی ہرنی جیسی آنکھیں اس پر جما کر کہا۔

نو ڈیئر تم بھی ہو مگر.....

وہ اس کا دل رکھ رہا تھا۔

تمہیں پتہ ہے میں نے کیا سلیکٹ کیا ہے؟

اس نے پراسرار انداز میں کہا تو اریب کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا بولنے والی ہے لیکن اس کی بات نے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑا دی تھیں۔

☆.....☆.....☆

چاروں طرف اندھیرا تھا اور اس اندھیرے میں بس ایک جانب روشنی تھی جہاں درخت پہ ایک لاش لٹکی ہوئی تھی۔ اس کے جسم سے تازہ خون خشک گھاس پر گر رہا تھا۔ اس کے گرد سفید ہڈیوں والے ڈھانچے رقص کر رہے تھے۔ ہوا میں راغے راغے (انتقام انتقام) کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

☆.....☆.....☆

تو ہماری نانی نے بتایا تھا کہ اس بچے کو سچے خواب آتے تھے۔ پہلے سے بتا دیا کرتا تھا چیزیں اور کچھ غیر مرئی چیزیں بھی اس کو دکھائی دیتی تھیں۔

نانی نے سوئیٹر بنتے بڑا ہی تجسس پھیلایا تھا۔ سب کی نظریں نانی پر تھیں مگر جیسی کو تو کون سمجھاتا۔ نانی بس بھی کریں آپ کی نانی بھی نا بس کہانیاں ہی سناتی ہوں گی آپ کی طرح۔ اتنے پرانے زمانے میں لوگوں کو کام کچھ نہیں ہوتا تھا، صرف بیٹھ کر خیالی باتیں بناتے رہتے تھے۔ وہ کہاں سننے والی تھی۔

جامیں نے نہیں سناتی۔ نانی نے ناراض ہو کر منہ پرے کر لیا تو چلغوزے کھاتی جیسی کو ذرا پروانہ ہوئی، مگر اس کے دونوں چھوٹے بھائیوں نے منہ بنا لیا تھا۔

نانی یہ کیا بات ہوئی؟

حالانکہ یہ کہانی کوئی دو ہزار دفعہ سنا چکی تھی مگر کیا ہے نہ کہ نانی کی زبانی سن کر ایسا لگتا کہ اصلی کردار آگے پیچھے پھر رہے ہیں جنہیں جیسی فوراً چٹکی کاٹ لیتی اور وہ ناراض ہو کر کونوں کھدروں میں چھپ جاتے۔

کہانی سنا دیں نا اسے چھوڑ دیں۔

دونوں اب نانی کی منتیں کر رہے تھے۔ مگر وہ کب کم تھی اٹھ کر تو اس نے بھی نہیں جانا تھا۔

اب خبردار جو نانی کو ٹوکا۔ یہ چلغوزے چھین لیں گے۔ فرحان کو یہی دھمکی بہتر لگی اچھا اب نہیں بولوں گی وہ جان چھڑانے والے انداز میں بولی۔ اچھا سنو نانی مان گئی تھیں۔ وہ کہانی سنانے لگیں۔

☆.....☆.....☆

شام کا وقت تھا سارے بچے اس وقت سڑک پر سائیکل چلا رہے تھے۔ یہ جرمنی کا ایک چھوٹا سا قصبہ تھا۔ جب وہ لڑکا بھاگتا ہوا اس کی سائیکل کے پاس آیا۔ اس کے آنے کا خوف اتنا زیادہ تھا کہ سائیکل چلاتا گورا چٹا لڑکا سائیکل سے ہی گر گیا۔ ویسے تو اس کے بارے میں بہت باتیں مشہور تھیں مگر اس کی سب سے خوفناک چیز اس کی ایک واحد آنکھ تھی۔ بچپن میں کوئی نوکیلی چیز اس کی دائیں آنکھ میں کھب گئی تھی، جس کی وجہ سے اس کی بینائی ضائع ہو گئی تھی۔ وہ تیزی سے اس کی جانب آیا اور ہاتھ بڑھا کر نیچے گرنے ہوئے اس لڑکے کو اٹھایا۔

سنو یہاں سے سیدھے گھر جانا رکنا مت۔۔۔

اس نے سرگوشی کی مگر اس کی آواز میں ایک رعب اور دھمکی دی۔ وہ جرمن زبان میں بول کر گیا تھا حالانکہ وہ خود برطانیہ سے تھا اور تمام لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ اسے جرمن نہیں آتی۔ وہ گوراچٹا جرمن لڑکا سائیکل دوڑاتا گھر کی جانب نکل گیا تھا۔ وہ تیز تیز سائیکل کے پیڈل مار رہا تھا۔ اس کا جسم پسینہ سے شرابور ہو گیا تھا۔ اس کا نے لڑکے کے خوف نے اسے اتنا ڈرا دیا تھا اسے اپنے گھر کے علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس اگلی گلی میں ہی اس کا گھر تھا۔ اس نے سکھ کا سانس لیا لیکن ایک دم سے سائیکل کے نیچے پتھر آ گیا اور وہ لڑھک کر سڑک پر جا گرا۔ اس کی جانب دو ہاتھ بڑھے تھے۔ اس نے سر اٹھایا۔ انکل مائیکل نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے ساتھ لیے دوکان کی طرف آ گئے۔ ان کی چھوٹی سی ایک دکان تھی جسے وہ شام ڈھلے ہی بند کر دیتے تھے۔ مجھے گھر جانا ہے وہ جرمن لڑکا بولا تھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ مائیکل انکل جو کہ اکیلے رہتے ہیں اسے یقیناً ہمیشہ کی طرح ٹافیاں دیں گے۔ تمہارے سر سے خون بہہ رہا ہے تم اندر چلو میں تمہارے ساتھ ہی گھر جاؤں گا۔ سائیکل کی چین بھی ٹوٹ چکی ہے اس لیے زیادہ محنت کا فائدہ نہیں۔ وہ اسے ہاتھ پکڑ کر دکان کے اندر تک لائے تھے اور اس کا شٹر گرا دیا۔

☆......☆......☆

جیسی کہہ دو یہ جھوٹ ہے۔ وہ دانت نکالنے لگا اسے سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے۔

نہیں نہیں یہ سچ ہے بالکل سچ۔۔۔۔ وہ مسکرائی۔

جیسی ڈیئر ایسا مذاق جن میں جان چلی جائے اچھے نہیں ہوتے۔۔۔ وہ واقعی ڈر گیا تھا۔

کس کی جان جا رہی ہے تمہاری؟

اپنے بالوں کو جھٹکا دیتی بولی تھی۔

میں بہت بہادر ہوں ایسی بات نہیں مگر۔۔۔۔

جیسی میں نا اس ویک۔۔۔۔

مشہور و معروف رائٹروں کی

تحریر کردہ 40 سے زائد کہانیاں

خوفناک کہانیاں

حاسدہ، نادیدہ مخلوق، خونی انتقام، پراسرار مندر، موت کا سودا، روح کی بے چینی، قلبی اذیت، موت کا سامنا، پراسرار سایہ، دہقان نو، پراسرار سانپ، سپر شپ، موت کی وادی، حویلی کا راز، انوکھا ہمسفر، موت کا قلعہ، خواب پریشان، اندھیری رات، اندھا قتل، قسمت کا چکر، جنات سے دوستی، تباہی بربادی، خواہش ناتمام، غیبی محافظ، خونی حویلی، دلہن کی روح، موت کا بدلہ، ناگ منکا، ناشکرا، دوسری مخلوقات، خبیث روح، اماوس کی رات، ظالم آتما، روح کی مدد، روحوں کا ملن، بے بس روح، موت کا بدلہ، پراسرار دنیا، غلط فہمی، ڈھائی بجے، ادھورا انتقام

صفحات 400 قیمت -/300 روپے

گھر بیٹھے کتاب منگوائیں

ڈاک خرچ ادارہ ادا کرے گا

ڈر پبلی کیشنز

نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی

رابطہ نمبر: 0324-7232580

ہاں ہاں بولو اسائنمنٹ ہے۔۔۔ دوست ہیں۔۔۔ ڈنر ہے۔۔۔ کوئی بھی بہانہ بنا دو مگر میں جارہی ہوں۔۔۔۔۔

جیسی میں تمہیں مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتا پلیز ڈونٹ ڈو دس۔۔۔ وہ منت کررہا تھا مگر جیسی بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

چلو مر بھی گئی تو لاش اٹھانے تمہیں جانا پڑے گا۔ وہ ہنس دی۔

یعنی تم مجھے بھی ساتھ ہی مرواؤ گی، چلا جاؤں گا مگر اندر نہیں جاؤں گا۔ وہ راضی ہوا۔

جسٹ لائک اے گڈ بوائے۔

اور اریب کا آنے والے وقت کے بارے میں سوچ کر ہی روح کانپ گئی تھی۔

☆.....☆.....☆

وہ واپس کمرے میں آئی تھی اسے پتہ تھا کہ یہ کس کی کال ہوگی مگر موبائل اٹھاتے ہیں اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ موبائل پہ کسی کی کال نہیں تھی بلکہ سگنل ہی نہیں آرہے تھے۔

ایسے کیسے؟؟؟

اس نے تو اپنی آواز میں گانے کی ٹون لگائی ہوئی تھی۔ کسی اور فون کے بجنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میرا خیال ہے مجھے سونا چاہیے۔ اس نے اپنا تکیہ اٹھا کر بستر جھاڑا تھا۔ یہ اس کی امی کی پختہ عادت تھی وہ ہمیشہ بستر جھاڑ کے سوتی تھیں۔ بستر جھاڑتے ہی ایک چھوٹا سا سانپ اچھل کر دور جا گرا تھا اس نے اپنی چیخ حلق میں روکی۔ اسے پتہ تھا اس کے چیختے ہی کتنے لوگ جمع ہو جائیں گے۔ اس بھوت بنگلے میں کسی بھی چیز کا انتظام نہیں تھا اس کا بستر اور ضرورت کا کچھ سامان وہ اپنے ساتھ لائی تھی۔ وہ بستر پر لیٹی تھی کہ تیز ٹھک کی آواز کے ساتھ وہ بڑا سا شیشہ کرچی کرچی ہوگیا۔ اس نے گردن موڑ کر، بائیں جانب دیکھا دیوار گیر شیشے میں لاکھوں دراڑیں پڑ چکی تھیں۔ اسے لگا ایک سایہ سا لہرایا ہے مگر اب کمرہ بے تحاشا دھند سے بھرنے لگا تھا۔ اس کے سامنے تمام منظر دھندلا گیا تھا۔ اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا گیا۔

☆.....☆.....☆

اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اس نے آس پاس نظر دوڑائیں لگ رہا تھا کوئی بہت پرانا بہت قدیم اسٹور روم جو کہ کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ پاؤں مارے مگر وہ بہت مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے۔ ایک دم اس کی نظر اس کے پاؤں کے قریب پڑی ایک سفیدی چیز پہ پڑی تھی۔ گول اور سفید جس میں تین گڈے تھے۔ اس نے پاؤں مارا تو وہ پوری گھوم گئی۔ اس کا سانس بند ہوگیا تھا۔ وہ ایک کھوپڑی تھی سفید انسانی کھوپڑی۔ اسے لگا کھوپڑی کی آنکھیں اسے ہی دیکھ رہی ہیں۔

☆.....☆.....☆

نام تو اس کا یاسمین تھا اور وہ پیدا بھی جرمنی میں ہوئی تھی اس کے نانا نے پاکستان سے جرمنی آ کر ایک جرمن عورت سے شادی کرلی تھی نانی کو انگریزی تو آتی ہی تھی مگر نانا کے ساتھ رہ کر اردو بھی سیکھ لی تھی۔ ان کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ نانا کے وفات کے بعد دونوں بیٹے پاکستان چلے گئے تھے اور وہاں ہی شادی کرلی تھی لیکن بیٹی کی شادی انہوں نے ایک جرمن نژاد پاکستانی سے کی تھی۔ ثوبیہ کے تین بچے تھے یاسمین فرحان نعمان۔ یاسمین کو سارے ہی جیسمین کہتے تھے۔ جو آہستہ آہستہ جیسی کے نام سے مشہور ہوگئی۔ جیسی پکارنا زیادہ آسان تھا۔ وہ یونیورسٹی میں پڑھ رہی تھی۔ یوں تو اس کے بہت دوست تھے مگر اریب ہمیشہ سے ہی اس کا اچھا ساتھی رہا تھا۔ شاید باہر کے ملکوں میں ہم زبان ہونا ہی ایک بہت بڑی خاصیت ہے جو باقی ہر فرق مٹا دیتی ہے۔ وہ بھی پاکستانی تھا اور وہ ادھر پڑھنے کے لیے آیا تھا۔ یونیورسٹی میں اکثر مقابلے ہوتے رہتے تھے مگر ایک مقابلہ صرف خواتین کے لیے مخصوص تھا جو ہر سال منعقد کیا جاتا تھا۔

ڈی کیو یعنی ڈیرنگ کوائن۔ جس کا مقصد کوئی

ایسی لڑکی سلیکٹ کرنا تھا جو خطرات کا مقابلہ کرنا جانتی ہو اور بڑی سے بڑی مشکل حل کرسکتی ہو۔ ان کی یونیورسٹی میں یہ بات مشہور تھی کہ صنف نازک بہت بزدل اور کمزور ہوتی ہیں۔ اس خیال کو غلط ثابت کرنے کے لیے ہی یونیورسٹی نے اس مقابلے کا انعقاد کیا تھا۔ اس مقابلے کا مقصد صرف لڑکیوں سے بزدلی ختم کرنا تھا۔ ہر سال اس مقابلے میں حصہ لینے والی بتاتی تھیں کہ وہ کیا کرنے والی ہیں جو کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ کام ایسا ہونا چاہئے جو آپ خود مکمل کریں۔ کوئی دوسرا آپ کی مدد نہ کرے۔ کسی نے پہاڑ پر چڑھنا سلیکٹ کیا تھا، کسی نے برف پہ سونا، کسی نے ایک رات سمندر میں رہنے کا عہد کیا البتہ جینی نے ہزار فٹ کی اونچائی سے ہاتھ چھوڑ کر رسی پر چلنے کا ڈیئر چوز کیا تھا۔ اریب کو لگتا تھا وہ جیت جائے گی مگر جیسی کو برا لگا تھا۔ وہ ڈیرنگ تھی اور پھر اس نے اب تو اپنا ٹاسک بھی سلیکٹ کرلیا تھا۔ جسے سن کر اریب کو تارے نظر آگئے تھے۔ دو راتیں قصبے کے مشہور ہونٹڈ ہاس (بھوت بنگلے) میں گزارنا۔

☆.....☆.....☆

اس کا حلیہ ایسا تھا کہ ہر کوئی اس سے دور بھاگتا تھا۔ اس کی وجہ شہرت اس کا ایک آنکھ سے کانا ہونا تھا۔ اس کی ماں نے کئی بار اس کو اسکول میں داخل کروایا تھا مگر ہر بار وہ نکالا جاتا۔ وجہ اس کا عجیب اور پراسرار رویہ تھا۔ اس کی آنکھ ضائع ہونے کی وجہ سے اکثر وہ اسے ایک کپڑے سے ڈھکے رکھتا مگر جب کوئی بچہ اسے تنگ کرتا تو وہ کپڑا ہٹا کر اسے ڈرا دیتا۔ لمبے لمبے بالوں والے اس خوفناک شکل کے لڑکے کا نام پیٹر تھا۔ جس کے دانت نوکیلے تھے اور چہرہ سیاہ۔ اسکول میں کئی بار اسے دورے پڑنے لگتے تھے۔ اس کا جسم ہلتا اور ایک دم بے ہوش ہوجاتا۔ اسے سچے خواب نظر آتے تھے۔ پہلے ہی بچے اس سے ڈرتے تھے مگر اس حقیقت کے بعد وہ انہیں کوئی خلائی مخلوق لگنے لگا تھا۔

ایک بار اس نے جم کا ہاتھ تھام کر کہا کہ اپنے باپ کا ساتھ مت دینا۔ وہ حیران ہوا تھا۔ اسی رات اس کے باپ نے اس کی ماں کو طلاق دے دی تھی۔ وہ دونوں اس سے پوچھ رہے تھے کہ وہ کس کے ساتھ جائے گا؟ تو اسے پیٹر کی بات یاد آئی۔ وہ ماں کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ جبکہ دوسرا بھائی باپ کے ساتھ چلا گیا تھا۔ اگلے دن ریل کی پٹری سے اس کے باپ اور بھائی کی مسخ شدہ لاش ملی تھی۔ جم نے سب کو یہ بات بتا دی تھی۔ جم کو اس بات کا دکھ تھا کہ اس کے باپ نے اس کے معصوم بھائی کو بھی موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا۔ اگر پیٹر اسے خبردار کرتا تو شاید وہ اسے بھی بچالیتا۔ مگر جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

ایک بار پیٹر بھاگتا ہوا آیا تھا اور ٹیچر کا ہاتھ پکڑ کر اتنے زور سے اپنی جانب کھینچا کہ وہ کتنے فٹ دور جا گرے۔ ٹیچر نے اٹھ کر اسے تھپڑ مارنے کے لئے ہاتھ اٹھایا ہی تھا کہ چھت پر موجود پنکھا دھڑام سے نیچے گر گیا۔ یہ اس جگہ گرا تھا جہاں ٹیچر کھڑے پڑھا رہے تھے۔ اس واقعے سے پہلے کئی والدین نے پیٹر کو اسکول سے نکالنے کی شکایت کی تھی۔ مگر اس واقعے نے اچانک لوگوں کے دلوں میں اس کے لئے ہمدردی پیدا کردی تھی۔ اگر وہ بدصورت اور کانا تھا تو اس میں اس کا کیا قصور تھا؟

اس کے خواب نے استاد کی جان بچالی تھی۔ ٹیچر نے کانپتے ہوئے اس پنکھے کو دیکھا جو کہ اب بڑی سی میز کے اندر دھنس گیا تھا۔ انہوں نے شرمندگی سے پیٹر کو گلے لگالیا تھا۔

☆.....☆.....☆

تم سب بہادر ہو۔۔۔۔

تم سب بدلہ لوگے۔۔۔۔۔۔

اپنا بدلہ۔۔۔

تمہارا قاتل زندہ ہے۔۔۔۔۔۔

تم بدلہ لوگے۔۔۔۔۔۔

بولو بولو ہم ایک ہیں۔۔۔۔۔

کانی آنکھ والے بدصورت شکل کے لڑکے نے فضا میں ہاتھ پھیلا کر ان سب کو ہدایت کی تھی۔ اس کی

آواز میں حکم تھا رعب تھا لٹے سر ٹوٹے ہاتھ ٹوٹے پاؤں والے کئی ڈھانچے فضا میں حرکت کرنے لگے تھے۔

ہم ایک ہیں۔۔۔۔۔۔

ہم بدلہ لینگے۔۔۔۔

وہ جرمن زبان میں یک زبان ہو کے بول رہے تھے۔

پھر وہ سب ہنسنے لگے اور ان کے قہقہوں کی آوازیں آسمانوں سے باتیں کرنے لگیں۔

☆.....☆.....☆

جیسی تم یہ مت کرو چھوڑ دو اس کی جان۔ تمہیں پتا ہے انکل آنٹی مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔

اریب اس کے پیچھے پیچھے پھر رہا تھا۔

چلو بھی تم میرے ممی ڈیڈی کی فکر نہ کرو پہلے مجھ سے ناراض ہوں گے پھر تم سے۔

وہ باہر آئی گاڑی میں جینیفر، ٹام اور اسٹیفن اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سارے اس کے کلاس فیلو تھے اور اس کے اس ایڈونچر میں بہت پر جوش تھے۔ وہ سب مل کر اس قصبے میں جا رہے تھے جہاں وہ بھوت بنگلہ موجود تھا۔ ان کی یونیورسٹی سے اس کا فاصلہ تقریبا چھ سات گھنٹے کا تھا۔

کئی سو سال پرانا بھوت بنگلہ جس میں سے تقریبا دس لوگوں کی نعشیں نکل چکی تھیں۔ وہ اب بھی اتنا ہی خوفناک تھا کہ کوئی اس کے پاس نہ جاتا۔ مگر جیسی تو نانی کی کہانیاں سن سن کر سر پھری ہو چکی تھی۔ وہ ثابت کرنا چاہتی تھی کہ نانی کی نانی نے فضول کہانیاں سن رکھی ہیں نہ تو کوئی ادھر مرا تھا اور نہ ہی کوئی بھوت ادھر تھے۔ وہ گھر پہ بتا چکے تھے کہ وہ چار دن کے لئے پکنک کے لئے جا رہے ہیں۔ جرمنی میں ہی رہنے کی وجہ سے اس کے ماں باپ دونوں ہی بہت آزاد خیال تھے۔ لڑکوں سے دوستی اور پڑھائی عام سی بات تھی البتہ اریب سے دوستی کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہی اس کو چھوٹ دیتے تھے۔ وہ نہ صرف اسکا ہم وطن ہم زبان تھا بلکہ وہ ایک باڈی گارڈ کی طرح اس کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ اس کی ممی ڈیڈی اس سے رابطے میں رہتے تھے وہ جانتے تھے یہ شریف بچہ ان کی بیٹی کا ہر جگہ ساتھ دے گا۔ وہ اسے مستقبل میں بھی اپنے داماد کی حیثیت سے دیکھتے تھے اور دونوں خاندانوں کے بیچ رسمی بات چیت بھی ہو چکی تھی۔ مگر اب یہ شریف بچہ ان کی بیٹی کی انوکھی فرمائش میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ اگر اس کا ساتھ نہ دیتا تو اس نے منگنی توڑنے جو کہ ابھی تک ہوئی ہی نہیں تھی اس کی دھمکی دے دی تھی اور اگر ساتھ دیتا تو پوری دو راتیں اس بنگلے کے آگے گزارنی تھی جہاں اس کے تینوں دوست کیمرہ لے کر سیٹ اپ کر رہے تھے۔ ادھر کنواں ادھر کھائی۔ تو اس نے کنویں میں چھلانگ مار دی تھی جیسی کے ساتھ مرتا تو کم از کم اس کے گھر والے اسے بزدل نہ سمجھتے کیونکہ جیسی نے تو ٹھان لی تھی۔ سو اسے پورا کرنا ہی تھا۔

☆.....☆.....☆

کمرے سے دھند چھٹی تو دن کی ہلکی سی روشنی نظر آ رہی تھی۔ کیا صبح ہو گئی؟

اسے حیرت ہوئی۔ سر بوجھل تھا۔ بھاری بھاری آنکھیں۔ رات کٹ گئی اسے سمجھ ہی نہ آئی۔ اس نے سر اٹھا کر آس پاس دیکھا۔ اسے اوپر کی جانب سے کچھ آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ کل رات ہی تو ادھر آئی تھی۔ تبھی وہ اس آواز کے پیچھے سیڑھیوں سے اوپر جانے لگی تھی۔ اسے سب آہستہ آہستہ یاد آ رہا تھا اس نے اپنا بیگ گھسیٹا اور پانی کی بوتل نکال کر منہ ہاتھ دھوئے۔ اب وہ بسکٹ نکال کر کھانے لگی تھی۔ اس کی نظر شیشے پر پڑی جو کل لاکھوں کرچیوں میں تقسیم ہو چکا تھا مگر اب اس کی جگہ ایک سادہ شیشہ تھا۔ جس پر جا بجا تصویریں لگی ہوئی تھی بچوں کی تصویریں۔ وہ اٹھ کر قریب آئی۔ شیشے پر بڑا بڑا خون سے لکھا تھا ''انتقام'' ساتھ ہی بہت سے بچوں کی تصویریں بھی تھیں کوئی کھیلتا ہوا بچہ، کوئی پارک میں، کوئی اسکول میں، کوئی اپنے باپ کے ساتھ، یہ سب بلیک ان وائٹ تصویریں تھیں، اس نے قریب جا کر دیکھا۔ 1854 کسی تصویر پر اسے

سن بھی لکھا دکھائی دیا تھا۔ اس وقت کی تصویر یہاں اس وقت میں کیا نانی واقعی ٹھیک کہہ رہی تھیں؟

اس نے ایک نظر اپنی گھڑی پر ڈالی اس کی گھڑی کا وقت رکا ہوا تھا۔ شاید سیل ختم ہوگئے تھے۔ اس پر ساڑھے آٹھ بج رہے تھے یعنی جب وہ رات اس گھر میں داخل ہوئی تھی۔ رات کے ساڑھے آٹھ بجے۔ اس نے بستر پر سے اپنا موبائل اٹھایا سگنل اب بھی موجود نہ تھے۔ اس نے کھڑکی کی جانب نظریں اٹھائیں۔ ایک چھوٹا سا ڈروان کیمرہ کھڑکی پر موجود تھا۔ اس نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔

اریب کے علاوہ سب نے رات اس کے ساتھ رہنے کی آفر کی تھی مگر وہ بضد تھی کے نہیں بس میں اکیلے ہی کروں گی تبھی وہ اپنا ڈرون کیمرہ ساتھ لے آئے تھے تاکہ اندر کے حالات کا پتہ چلا سکے اور اگر اسے کوئی مسئلہ ہو تو کسی بھی مشکل میں وہ سب باہر اس کی مدد کو تیار بیٹھے تھے۔ اس دومنزلہ بھوت بنگلے کے باہر کیمرہ سیٹ کرکے وہ کیمپ لگائے موجود تھے۔ جیسی کیمرے میں ویڈیو بنوا کر اندر چلی گئی تھی تاکہ ڈی کیو کے مقابلے میں ثبوت کے طور پر یہ ویڈیو پیش کی جاسکے اور باقی وہ ڈرون کیمرے کے ذریعے ریکارڈ کررہے تھے۔ اس نے موبائل کی ٹارچ جلائی اب دوبارہ سے سیڑھیوں کی جانب بڑھنے لگی تھی آگے سب اندھیرا تھا۔ بس سیڑھیوں کے اوپر ایک بلب جل رہا تھا جو جل بجھ جل بجھ کررہا تھا۔ اسے کس نے جلایا تھا اور کب؟

اس بھوت بنگلے میں تو بجلی ہی نہیں وہ مزید الجھ گئی تھی لیکن پھر بھی وہ خاموشی سے سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

☆......☆......☆

اس نے اپنے کالے بدصورت ہاتھ سے دروازے کو کھولا تو چرچراہٹ کے ساتھ وہ کھلتا چلا گیا۔ ویران سنسان لان میں ایک جھولا لگا ہوا تھا جو اس کے اندر داخل ہوتے ہی ہلنے لگا جیسے اس کے اوپر کوئی بیٹھا ہوا ہے۔ وہ جانتا تھا وہ کہاں ہے۔ وہ جانتا تھا وہ نہیں بچے گا۔ وہ جانتا تھا وہ جان کی بازی کھیل رہا ہے۔ پھر بھی اسے اپنے بعد آنے والوں کو بچانا تھا۔ اسے قربانی دینی ہی تھی ورنہ اس کی زندگی کا کیا فائدہ؟

وہ چپ چاپ آگے بڑھتا گیا اسے لگا کئی چھوٹے چھوٹے ٹھنڈے ہاتھ اس کا راستہ روک رہے ہیں۔ مگر وہ نہیں رکا۔ کیوں رکتا۔ کب تک انکل مائیکل یہ کھیل کھیلیں گے؟ کب تک ان کا کاروبار چلے گا آخر کب تک؟ اس نے ہاتھ میں بڑا سا لوہے کا سریا اٹھایا ہوا تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھتا گیا۔ دروازہ کھولتے ہی کئی چیخیں سنائی دی تھیں۔ وہ دو بچوں کی تھیں جن پر تین تین مرد چمٹے ہوئے تھے وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ اس نے لوہے کا سریا گھما کر ان مردوں کو مارا تھا۔ مگر باقی کے تین مردوں نے آکر اسے پیچھے سے پکڑ لیا۔ وہ تو اکیلا ہی اس آگ میں کود گیا تھا۔ ایک نے سریا ہاتھ سے چھین لیا تھا۔ دوسرے نے اسے پکڑا جب کہ تیسرا اور چوتھا اسے رسیوں سے باندھنے لگے۔

بیوقوف۔۔۔۔ پانچویں شخص نے سر سہلاتے اس کے منہ پر تھوکا۔ یہ خود ہی ادھر آگیا۔ وہ سب ہنسے تھے۔ زخمی بچوں نے ایک نظر اسے دیکھا تھا وہ گورا چٹا سائیکل والا لڑکا جوزف اسے دیکھ کر دکھی ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا پیٹر اسے بچانے آیا ہے۔ بدصورت کانی آنکھ والا پیٹر واقعی بہت عظیم تھا کاش کوئی جان سکتا۔

☆......☆......☆

وہ اوپر سیڑھیاں چڑھتی گئی تھی۔ سامنے دروازہ تھا اس نے آہستہ سے دروازے کے بوسیدہ ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ دروازے کے کنارے سے خون ٹپک رہا تھا تازہ خون۔ اس نے نظر گھما کر دیکھا تھا ڈرون کیمرہ ابھی بھی سامنے والی کھڑکی پر موجود تھا۔

اس لڑکی کو چین نہیں ہے مروائے گی۔۔۔

اریب نے کیمرے میں دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیا تھا۔ رات بھی وہ تجسس کے مارے اس طرف آگئی تھی۔ مگر واپس پلٹ آئی تھی آج صبح ہوتے ہی پھر چل نکلی تھی

یہ دور ہے کیمرہ پیچھے لے کے جا دیکھو اس کمرے میں کھڑکی ہے کہ نہیں۔؟ جس طرف وہ گئی ہے۔

وہ اسٹیفن کو ہدایات دے رہا تھا جو ڈرون اڑا رہا تھا۔ دروازہ کھلتا گیا تھا ایک ناگوار بو کا بھبکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا۔ اس نے شرٹ کے اوپر پہنا مفلر اٹھا کر ناک پر رکھ لیا۔ شدید گندی بدبو اٹھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی یہ بدبو کیسی ہے۔ سڑے ہوئے خون کی بو۔

یہ کمرہ ایک اسٹور روم کی طرح تھا۔ کاٹھ کباڑ سے بھرا ہوا کمرہ۔ کمرے میں جا بجا خون کے دھبے تھے ٹوٹی پھوٹی ہڈیاں تھیں۔ ایک دم آندھی اٹھی تھی اس کی آنکھوں میں ریت چلی گئی تھی۔ اس نے ہاتھ آنکھوں پہ رکھ لیے۔ آنکھیں ملتے ملتے اس نے کھولیں تو دل کی دھڑکن رک گئی۔

اسے لگا وہ خواب دیکھ رہی ہے۔ اس کا رنگ فق ہوا تھا۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ ٹھنڈے پسینے بہہ نکلے تھے۔

اس کے سامنے سے ڈھانچے چلے آرہے تھے دس بارہ ڈھانچے جس میں سے سب سے آگے والے کے ایک آنکھ پر پٹی بندھی تھی۔ کالی پٹی یعنی وہ ایک آنکھ سے کانا تھا۔ اب اس کی بہادری دم توڑ چکی تھی وہ چیخ مارتی دوڑتی ہوئی نیچے اتری۔ اس کی فلک شگاف چیخیں سن کر وہ چاروں تیزی سے باہر کا دروازہ عبور کر گئے۔ وہ چیختی ہوئی اریب سے ٹکرائی اور اس کے ہاتھوں میں بے ہوش ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

اس کی آنکھ کھلی تو وہ اسپتال کے بیڈ پر تھی۔

کیسی ہیں مس ڈی کیو؟ اریب نے سڑ کر کہا تھا۔ جبکہ ممی ڈیڈی اس کی طرف بھاگے تھے۔ وہ اریب کی بہت کلاس لے چکے تھے کہ وہ انہیں بتایا کیوں نہیں کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہے تبھی اریب کا موڈ آف تھا سب کچھ ذہن میں آنے لگا تھا آہستہ آہستہ۔

بہت شوق تھا نا بہادری کا مبارک ہو تمہاری بہادری کے قصے سن کر یونیورسٹی کی لڑکیوں نے متفقہ طور پر تمہیں ڈی کیو بنانے کا فیصلہ سنا دیا ہے۔ تمہیں تو اسپتال میں ہی اے ڈی کیو کا ایوارڈ مل گیا۔ اریب کا لہجہ اب بھی جلا کٹا تھا۔

سچی مجھے تو یقین نہیں آرہا۔ میں نے تو ڈیئر بھی پورا نہیں کیا۔

شرم تو نہیں آتی نہ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میرا کیا ہوتا؟ کیا ہوتا؟

مجھ سے زیادہ اچھی لڑکی مل جاتی۔ وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

شادی کے بعد تمہیں ایسی حرکتیں نہیں کرنے دوں گا۔

اس نے تو دھونس جمائی۔

شادی۔ شادی کون کر رہا ہے تم سے؟ وہ مزے سے بولی اور اریب کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

☆.....☆.....☆

انکل مائیکل کی ایک چھوٹی سی دکان تھی لیکن اصل میں ان کا کاروبار کچھ اور تھا۔ بچوں کے اعضا نکال کر بیچنے کا۔ کتنے بچے ٹافیوں کے لالچ میں ان کے پاس آجاتے تھے۔ جنہیں وہ اغوا کر کے اس پرانے بھوت بنگلے میں لے آتے۔ جسے ان کے ساتھیوں نے بھیانک مشہور کر رکھا تھا وہ عرصہ دراز سے خالی پڑا ایک مکان تھا۔ وہ بچوں کو ادھر لے کر آتے کیونکہ کوئی ادھر کا رخ نہ کرتا۔ رات میں جب معصوم بچوں کی چیخیں سنائی دیتیں تو لوگوں کا یقین پختہ ہوتا گیا کہ یہ آسیبی ہے۔ وہ لوگ ان سے جانوروں اور وحشیوں والا سلوک کرتے۔ ان کے جسم کے حصے کاٹتے۔ دوسرے شہروں سے بھی بچے ادھر لا کر زیادتی کا نشانہ بنائے جاتے تھے اور پھر ان کے اعضا مہنگے داموں فروخت کیے جاتے۔ وہ دس بارہ لوگوں کا گینگ تھا۔ پیٹر کو یہ بات کئی عرصے سے خوابوں میں دکھائی دے رہی تھی۔ اس گورے چٹے بچے جس کا نام جوزف تھا کے اغوا کے بعد وہ خود ہی بچانے آ گیا تھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ واپس زندہ واپس نہیں جائے گا۔

ان لوگوں نے اسے بھی زیادتی کے بعد قتل کردیا تھا اور باقی لوگ بچوں کی طرح اس کی لاش بھی گلنے سڑنے کے لئے اسی اسٹور روم میں ڈال دی تھی۔

جوزف کو جب اسٹور روم میں ڈالا گیا تب بھی اسے ادھر کھوپڑی دکھائی دی تھی جس کی وجہ سے وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہوگیا تھا۔ لیکن تمام بچوں کو مار کر اسی کمرے میں ڈال دیا جاتا۔ پیٹر کے مرتے ہی اس کی روح نے سب روحوں کو اکھٹا کرلیا تھا۔ نا جانے اس کے پاس کیسی غیر معمولی طاقتیں تھیں کہ وہ مر کر بھی امر ہوگیا تھا۔ اس نے سب ڈھانچوں کو ہدایت دی کہ وہ اپنے قتل کا بدلہ لیں اور وہ تمام لوگ جو اس جرم میں شریک ہیں انہیں کیفر کردار تک پہنچائے۔ وہ تمام بچوں کے ڈھانچے ایک ایک کرکے اس گینگ کے لوگوں کو ختم کرنے لگے۔

تبھی ایک کے بعد ایک دس لوگوں کی لاشیں مختلف اوقات میں اس گھر کے لان کے درختوں پر لٹکتی پائی گئی تھیں۔ لوگوں نے ادھر کا رخ کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ مگر جیسی کو تو بس اپنی بہادری ثابت کرنی تھی مگر اس کا ایک فائدہ ہوا تھا پولیس اور میڈیا کی ٹیم نے کئی سو سال بعد اس بھوت بنگلے میں قدم رکھا تھا۔ جہاں جانے کی کسی میں جرأت نہیں کی۔ اس گھر سے بچوں کی ہڈیاں جمع کرکے انہیں باقاعدہ ان کی مذہبی رسومات کے بعد دفن کیا گیا تھا بلکہ اور اس کے بعد اس گھر کو سیل کردیا گیا تھا۔

☆......☆......☆

ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔ کئی کیمرے کے فلیش اس پر پڑے۔

ڈی کیو کا ایوارڈ تو اسے ملا ہی تھا لیکن اس کے بھوت بنگلے میں قیام کی خبر خبروں کی زینت بن گئی تھی۔ ایوارڈ وصول کرتے وہ سب کو دیکھ کر مسکرائی۔ جب ایک کونے سے ایک بچہ جس کی ایک آنکھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور بھیانک نوکیلے دانت نکالے اسے ہاتھ ہلانے لگا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا رنگ فق ہوا تھا۔

وہ مسکرا رہا تھا جیسی نے دوبارہ جب اس جانب دیکھا تو وہ کہیں نہیں تھا۔

مگر ہاں وہ تھا۔ وہ بھی بہادر تھا۔ نڈر تھا۔

ایک بار اس نے ہمت کی تھی اس بھوت بنگلے میں جانے کی اور ایک بار جیسی نے ہمت کی تھی اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس بھوت بنگلے میں جانے کی۔

برسوں سے پھیلی ادھوری کہانی مکمل ہوگئی تھی۔

وہ بچہ جو اس گھر میں جانے کے بعد کبھی نہیں دکھا تھا۔ اور لوگ نہیں جانتے تھے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔ آج سالوں بعد اخباروں نے اس کی شہہ سرخیاں چھاپی تھیں۔

☆......☆......☆

جیسی دیکھو تمہارا پارسل آیا ہے۔ اس کی امی نے ایک ڈبہ تھمایا تھا۔ وہ ابھی یونیورسٹی سے آئی تھی۔

کون دے کر گیا ہے؟ وہ حیران ہوئی۔

پتہ نہیں۔ دروازے پر رکھا تھا اور تمہارا نام لکھا ہے۔ سرخ رنگ کے ڈبے پر کالے رنگ کا ربن لگا ہوا تھا۔ جس پہ ایک کاغذ پہ جیسی کا نام لکھا تھا ساتھ۔ vielen dank لکھا ہوا تھا یعنی بہت بہت شکریہ۔

جیسی نے جیسے ہی وہ ڈبہ کھولا تو اندر وہی تصویریں تھیں جو اس دن اس نے شیشے پہ لگی دیکھی تھیں۔ ان بچوں کی تصویریں۔

اس گھر کی تلاشی میں یہ تصویریں مل نہ سکی تھیں اور ان تصویروں کے اوپر ایک کالا کپڑا تھا اس نے وہ اٹھا کر دیکھا اس کپڑے کے ساتھ ڈوری بندھی تھی۔ اسے یاد آیا اس نے یہ کپڑا ڈھانچے کی آنکھ پر لگا دیکھا ہے جو ان سب میں سب سے آگے تھا۔

اور وہ ڈھانچہ پیٹر کا تھا۔ کانا ڈھانچہ۔ جیسی نے وہ تصویریں پولیس کے حوالے کردیں۔ لیکن وہ کپڑا آج بھی اس کے پاس ہے۔ جیسی کو بھی کبھی کبھی خوابوں میں کچھ چیزیں دکھائی دیتی ہیں اور بعض اوقات وہ لڑکا بھی لیکن اب جیسی کو نانی کی کہانیاں جھوٹ نہیں لگتیں۔

گیارہویں کوئل

ثنا اے شیخ - لاہور

رات جیسی سیاہ رنگت انگارہ آنکھوں والی بچیاں اسے دیکھتے ہی اس کی جانب لپک آتی تھیں اور بھیانک آواز میں ماں ماں پکارتیں اس کے ارد گرد اچھلنے کودنے لگتی تھیں اور وہ خوف سے کانپ جاتی.....

دل دہلاتی رگوں میں خون منجمد کرتی اندھیری داستان مسلسل کا..... پراسرار باب

"**زندگی** شرط ہے اے طلبگارِ موت، خود بخود مر جاؤ گے جو زندہ رہو گے تم" جیل کی میدانی دیوار پہ لکھا یہ شعر پڑھ کر وہ سوچ رہی تھی کہ یہاں کس میں اتنی ہمت ہے جو جیل کی اندرونی دیواروں کو لکھنے کے لیے استعمال کرے؟ اے کیا کر رہی ہے یہاں؟ آگے چل۔۔۔ پولیس انڈینٹ نے ایک صبح اسے باقی عورتوں کے ساتھ میدان میں ہانکنے کے بعد ایک دیوار کے پاس بیکار کھڑا دیکھ کے کہا تو وہ آگے بڑھنے سے پہلے ایک ساتھی قیدی سے پوچھنے لگی، یہ یہاں کس نے لکھا ہے؟ وہی جو کل جیل سے بھاگ گئی۔۔۔ اس قیدی عورت کی بات پہ اس نے چونک کے اسے دیکھا، کون بھاگ گئی جیل سے؟ ارے وہی شیشہ۔۔۔ کنگھا۔۔۔ کیا نام تھا اس کا؟ اس نے ذہن پہ زور ڈالا۔۔۔ آیانہ؟ وہ جھٹ سے بولی۔۔۔ ہاں وہی آئینہ۔۔۔ اس عورت نے جواب دیا تو ایک تیسری پرانی قیدی عورت جو ان دونوں کی باتیں سن رہی تھی آزمین سے بولی، تیری تو بہن تھی نہ وہ؟ تو آزمین جواب میں خاموش رہی۔۔۔ گھبرا مت! میں جانتی ہوں تیری بہن تھی اور یہ بھی جانتی ہوں کہ اس کے چال چلن کی وجہ سے تو ایک ہی جیل میں رہتے ہوئے بھی اس سے لاتعلق رہتی تھی۔ ویسے بڑی خرانٹ لڑکی تھی، نہ جانے کیسے بھاگ گئی؟ میں تو یہاں پڑی پڑی بوڑھی ہوگئی لیکن مجھے تو آج تک کوئی بھاگنے کا راستہ نہ ملا اور وہ کل کی آئی لڑکی کچھ ہی سالوں میں یہاں سے بھاگ بھی نکلی۔۔۔ سنا ہے اسے عمر قید ہوئی تھی؟ پر کون اپنی جوانی اس جیل کی چار دیواری میں قید کر کے رکھنا چاہے گا۔۔۔ ہائے! کاش میرے پاس بھی اتنا ہی عیار دماغ ہوتا تو میں بھی کہاں رہنے والی تھی یہاں؟ پر وہ تو ایسی شاطر نکلی کہ جن کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی تھی انہیں بھی اپنے منصوبے کی کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔۔۔ کسی اور کو نہ سہی اپنی بہن کو تو لے جاتی۔۔۔ پر نہ جانے کیا چکر چلایا اس نے کہ راتوں رات غائب ہوگئی جیل سے۔۔۔ کوئی ثبوت تک چھوڑ کے نہیں گئی اپنے فرار کے طریقہ کار کا۔۔۔ جیسے اسے یا تو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔۔۔

وہ عورت اپنی ہی دھن میں بولے جا رہی تھی اور آزمین یہ سوچ رہی تھی کہ بالآخر آیانہ جیل سے فرار ہونے میں کامیاب ہو ہی گئی۔۔۔ شروع شروع میں اس نے آزمین کو بھی ورغلانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن آزمین جو پہلے ہی اپنی نانی کی باتوں میں آ کر اپنا

مستقبل داؤ پہ لگا چکی تھی اور نو سال قید کی سزا بھگتنے کو دل سے تیار ہوئی تھی، اب اپنی بہن کے بہکاوے میں نہیں آسکتی تھی۔ وہ تو ابھی تک اپنے گناہوں پر یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ اس نے کیسے اپنی تعلیم اور روشن مستقبل کی لالچ میں ان معصوم لڑکیوں کو اغوا کر کے اپنی جادوگرنانی کے حوالے کر کے الٹا اپنا مستقبل تاریک کر دیا تھا۔ افسوس تو یہ تھا کہ اس کے ہاتھوں اغوا شدہ لڑکیوں میں سے کچھ کو تو اپنی جان سے ہاتھ بھی دھونا پڑا تھا۔ اور اگر وہ بروقت خود کو پولیس کے حوالے کر کے اپنی نانی اور بہن کو گرفتار کروا کے ان باقی بچی لڑکیوں کو بازیاب نہ کرواتی تو ان سب کی موت کی ذمہ دار بھی وہی ہوتی۔۔۔ حالانکہ وہ اس بات سے قطعی انجان تھی کہ ان اغوا کی جانے والی نوجوان لڑکیوں کو اس کی نانی ایک جادوئی رسم میں مارنے والی ہے لیکن جو لڑکیاں ماری جا چکی تھیں، جانے انجانے میں ان کے خون سے اس کے اپنے ہاتھ بھی رنگے گئے تھے۔۔۔ وہ نل کے نیچے اپنے ہاتھ رگڑ رگڑ کے دھوتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ نا جانے یہ رنگ کبھی جائے گا بھی یا نہیں؟ اس کا ضمیر اسے سوتے جاگتے آئینہ دکھاتا تھا۔۔۔ آئینہ! یعنی اس کی بہن آیانہ سے جیل میں کسی بھی قسم کا رابطہ نہ رکھنے کا اس کا فیصلہ درست تھا۔ وہ اس کی جڑواں بہن ضرور تھی لیکن اس کی طرح نہیں سوچتی تھی۔ اسے نہ تو پڑھائی میں دلچسپی تھی نہ ہی محنت کر کے حلال رزق کمانے میں۔ وہ تو جادوگرنی نانی کی نواسی ہونے اور اپنے قدیم بنگالی کالے جادوگر اجداد کی نسل نکل آنے پر بے حد خوش تھی۔ شارٹ کٹ سے پیسے کمانے کا خیال ہی اس کے لیے بہت دلچسپ تھا۔ اسے حرام حلال کے فرق میں بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ نہ اسے اغوا کی گئی لڑکیوں کی موت سے کوئی فرق پڑتا تھا اور نہ ہی جیل کی سزا سے۔۔۔ وہ جیل سے بھاگ کر بنگال جانے کے منصوبے بناتی رہتی تھی۔ آیانہ کی انہی سوچوں کے چلتے آزمین نے اس سے مکمل طور پہ قطع تعلق کر لیا تھا۔ وہ اپنی سزا ایمانداری سے بھگتنا چاہتی تھی تاکہ باہر نکل کر وہ پھر سے ایک بہتر زندگی شروع کر سکے اور شاید خدا بھی اسے معاف کر دے۔۔۔ آیانہ کی اپنی سزا کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی جیل سے فرار ہونے کی خبر نے آزمین کو پریشان کر دیا تھا۔ وہ اپنی بہن سے کوئی خاص جذباتی لگاؤ تو محسوس نہیں کرتی تھی لیکن وہ اس کے غلط عزائم سے واقف ہونے کی وجہ سے اسے دنیا کے لیے خطرناک گردانتی تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ اب اس کے یا اس کی بہن کی وجہ سے ان کے اردگرد کے لوگوں کو کوئی نقصان پہنچے۔۔۔ اس نے انکوائری کے لیے طلب کیے جانے پر بھی یہی سب کہا تھا۔

آیانہ سے لاتعلقی ہی نہیں بلکہ آزمین باقی قید عورتوں سے بھی غیر ضروری گفتگو سے اجتناب برتتی تھی کیونکہ جیل میں زیادہ تر ان پڑھ اور مجرم عورتیں ہی تھیں۔ وہ ان کو پڑھانے والی بہت مختصر سی ٹیم کا حصہ ہونے اور اپنے رکھ رکھاؤ کی وجہ سے جیل جیسی بدنام جگہ پر قابل احترام سمجھی جانے لگی تھی۔ اس کے اچھے برتاؤ کو دیکھتے ہوئے اس کی قید کی مدت کم کر دی گئی تھی۔ وہ جس کی سزا وعدہ معاف گواہ بننے کی وجہ سے پہلے ہی آیانہ سے کم تھی، اپنے اچھے چلن کی وجہ سے عنقریب جیل سے چھوٹنے ہی والی تھی کہ عمر قید کی سزا پانے والی اس کی بہن اس سے پہلے ہی جیل سے فرار ہو چکی تھی۔ اور وہ اس بات سے کافی فکرمند تھی۔

کاغذات پہ دستخط کر کے اس نے سامنے بیٹھے تین اشخاص میں سے ایک کو تھما دیے اور اس شخص نے پیسوں سے بھرا بریف کیس آزمین کے حوالے کر دیا۔ گھر کے باہر کھڑی وہ اس پہ ایک آخری نظر ڈال رہی تھی جب انسپکٹر دلاور پراپرٹی ڈیلرز کو رخصت کر کے آزمین کے پاس چلا آیا۔ ویسے اگر تم کچھ عرصہ اور انتظار کر لیتی تو اس گھر کے اچھے دام مل جاتے، وہ بولا۔ مجھے تو خبر بھی نہیں تھی کہ یہ گھر میرے نام پہ خریدا گیا تھا نہ کہ آیانہ یا نانی کے اپنے نام پہ۔۔۔ میرے لیے تو فی الحال یہ رقم بھی بہت بڑی ہے اور یہ سب کچھ آپ ہی کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔ آزمین پُرتشکر نظر آ رہی تھی۔ آزمین! تمہاری بہن آیانہ کی طبیعت میں وہ ٹھہراؤ اور سمجھداری

نہیں تھی جو تمہاری طبیعت میں تھی اور شاید اسی بات کو دیکھتے ہوئے ہی تمہاری نانی نے یہ گھر تمارے نام خریدا تھا لیکن اس بات سے تم دونوں کو انجان رکھا تا کہ کوئی نیا فساد نہ پیدا ہو جائے کیونکہ وہ اپنے نام سے تو پاکستان میں جائیداد خرید نہیں سکتی تھی کہ اس کے پاس خود کو پاکستانی شہری ثابت کرنے کے کوئی کاغذات نہیں تھے اور نہ وہ دنیا کی نظروں میں آنا چاہتی تھی۔

ویسے بنگال جانے کی کوئی خاص وجہ؟ اس نے آزمین سے پوچھا۔ آیانہ کا جیل سے فرار ہونے کا مقصد اپنے خاندانی مکروہ پیشے کو اپنانا ہے جو کہ بدقسمتی سے میرا بھی خاندان تھا مگر میں ان کی کسی بھی غلط روش سے اتفاق نہیں رکھتی۔ لیکن آیانہ اگر کہیں مل سکتی ہے تو وہ بنگال ہے۔۔۔ میں اپنے لیے ایک بہتر اور حلال زندگی چاہتی ہوں۔ یوں تو مجھ پر اپنی اس بہن کے کسی بھی فعل کی ذمے داری نہیں لیکن ایک ماں کا خون ہونے کے ناتے میں ایک بار دنیا کو اس کے ہاتھوں نقصان سے بچانے کی کوشش تو کر ہی سکتی ہوں۔۔۔ بھلے ہی اس عمل میں میرے کچھ سال مزید لگ جائیں لیکن اپنی سزا کی مدت کم ہونے کا فائدہ اُٹھانے میں کوئی مضائقہ نہیں، اس نے اپنے ارادے سے انسپیکٹر دلاور کو آگاہ کیا۔ ہوں! ایسا ہے پھر تو تمہاری سزا کی مدت کم ہونا ہمارے لیے بھی کافی سود مند رہے گا۔ میری نیک تمنائیں تمارے ساتھ ہیں۔ وہاں کی پولیس کے بارے میں تو مین کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن اگر یہاں پاکستان میں تمہیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہوئی تو میں تم سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں۔ انسپیکٹر دلاور کا شکریہ ادا کر کے وہ وہاں سے چلی گئی اور وہ سوچنے لگا کہ سالوں پہلے ملاقات والی آزمین اور آج کی آزمین میں کوئی خاص فرق نہیں آیا کہ وہ کل بھی اپنی مرض کی مالک تھی اور آج بھی اپنی مرضی کی مالک ہے۔ بس اب اسے اچھے اور بُرے کی پہچان ہو گئی تھی اور یہ جیل کی سزا کی بدولت نہیں بلکہ اس کے ضمیر کی سزا کی بدولت ممکن ہوا تھا؟ اس کے احساسِ جرم نے اسے توبہ کرنے میں مدد کر کے اس کی شخصیت میں ایک نکھار پیدا کر دیا تھا۔

پاکستان میں رہتے ہوئے اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ اس کا بنگال سے تعلق اسے کبھی ہندوستان بھی لے آئے گا۔۔۔ وہ دہلی سے ویسٹ بنگال جانے والی ایک ٹرین میں بیٹھی اپنی پچھلی اور آنے والی زندگی کے تعلق پہ غور کر رہی تھی۔۔۔ بنگال کی حدود شروع ہو چکی تھیں۔ آیانہ کو ڈھونڈ نکالنے کا مقصد اپنی جگہ لیکن وہ اپنی خاندانی تاریخ کو کھوجنے کے تجسس میں یہاں تک چلی آئی تھی۔ اسے اس بات پہ یقین نہ تھا کہ وہ بنگالی جادوگرنی اس کی سگی نانی تھی؟ اور نہ ہی اسے آیانہ کی جیل میں سنائی گئی اپنی ماں اور نو خالاؤں کے جادوگرنی ہونے کے جرم میں زندہ جلائے جانے والی کہانی پہ یقین آتا تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ جیل سے رہا ہوتے ہی ایک بار تو بنگال اپنی سچائی کی کھوج میں ضرور جائے گی اور جب سے بنگال کی یہ ہریالیاں شروع ہوئی تھیں اس کے دل نے عجب انداز میں دھڑکنا شروع کر دیا تھا۔ اب تک گزاری زندگی کے سفر کی یادیں اس ریل کے سفر میں اس کی واحد ساتھی تھیں۔

یتیم خانے سے شروع ہوئی اس کی زندگی اسے کہیں دور ماضی میں لے گئی۔۔۔ جہاں وہ خود کو بچپن سے لے کر جوان ہوتا دیکھ رہی تھی۔ اسکالرشپس پہ اپنی پڑھائی جاری رکھتے ہوئے اس نے پہلی بار ٹیکسی چلا کر رزق کمانا شروع ہی کیا تھا کہ یتیم خانے میں اس کی زشتے کی خالہ بن کر ملنے آتی ایک عورت اس کی نانی نکل آئی اور ایک لڑکی جڑواں بہن، اور یہاں سے شروع ہوئی اس کے جیل جانے تک کی کہانی۔

وہ اور آیانہ دونوں الگ الگ یتیم خانوں میں پلی تھیں۔ کچھ ہی مہینوں کی دونوں بہنوں کو ان کی نانی انہیں بنگال سے پاکستان لے آئی تھی اور اپنے منصوبے کے مطابق اس نے ان دونوں کو الگ الگ یتیم خانوں میں دے دیا تھا۔ ایک میں اس نے خود کو ایک بچی کی ماں کی سہیلی اور ایک بچی کی مجبور غریب خالہ ظاہر کیا تھا۔ وہ سالوں گمنامی کی زندگی گزارنے کے ساتھ ساتھ ان

دونوں سے یتیم خانے ملنے آتی رہی اور اپنی نواسیوں کے جوان ہونے پر اپنے اور ان کے رشتے کی سچائی بیان کر کے انہیں وہاں سے نکال لے گئی تھی۔ ان کے الگ الگ ہاسٹلز میں رہنے کے بندوبست کیے اور پھر ایک دن ان دونوں بہنوں کو بھی ایک دوسرے سے ملوا دیا۔ آزمین جو کہ ہمیشہ سے پڑھائی میں اوّل رہی تھی اپنے مستقبل اور اعلیٰ تعلیم کو لے کر فکرمند رہتی تھی اور یہیں اس کی زندگی کی سب سے بڑی چوک ہوگئی جب اس نے اپنی نانی کی دی لالچ میں آ کر ایک معاہدے کے چلتے لڑکیوں کو اغوا کر کے اپنی نانی کے حوالے کر دیا جو اس کو بتائی گئی بات کے مطابق بس ایک معمولی سے جادوئی عمل کا حصہ بننے کے بعد آزاد کر دی جانی تھیں لیکن حقیقت اس کے برخلاف اور نہایت خوفناک تھی جو اس کی جادوگر نانی اور بہن نے اس سے چھپائی تھی۔ وہ نوجوان لڑکیاں تو کسی شیطانی عمل میں قربان کی جانے والی تھیں اور ان کے مردہ جسم اس جادوگر عورت کی مری ہوئی بیٹیوں کی بدروحوں کے مسکن بنائے جانے والے تھے۔ سچائی معلوم ہونے پر اس نے ان لڑکیوں کی جان بچانے کے لیے اپنی نانی کے ان مکروہ عزائم کا حصہ بننے سے انکار کر دیا۔۔۔ ورخود پولیس کے آگے پیش ہوگئی۔ مگر جو ماری گئیں تھیں ان کی موت کا دکھ اور اپنا احساسِ جرم اسے ایک پل چین نہیں لینے دیتا تھا۔ صرف یہی کرب کافی نہیں تھا کہ جیل میں اپنی بہن کی زبانی معلوم ہوئی اپنی بنگالی ماں کی مظلوم داستان نے اسے اور بے چین کر دیا تھا۔

اور اب اس کی زندگی کا یہ تیسرا باب نہ جانے اسے کیا دکھانے والا تھا؟ وہ چند ماہ کی تھیں جب انہیں پاکستان پہنچا دیا گیا تھا لہٰذا ہندوستان کی سرزمین سے اسے اب تک کوئی جذباتی لگاؤ تو محسوس نہیں ہوا تھا لیکن جب سے بنگال کی حدود شروع ہوئی تھی تب سے ان کی ماں کے بارے میں آیانہ کی بتائی کہانی اس کے دماغ میں کسی فلم کی طرح چل رہی تھی۔ کبھی اُتر روپ کے گاؤں کا خاکہ اس کے دماغ میں بنتا، کبھی سانجھ کے گاؤں میں لگی آگ تو کبھی جنگل میں درختوں سے باندھ کر جلائی گئی ان دس جادوگرنی بہنوں کی چیخیں اسے بے قرار کر دیتیں۔۔۔ اس کا دل گھبرانے لگتا۔۔۔ اسے اپنی نانی یا آیانہ میں سے کسی پہ اعتبار تو نہ تھا لیکن نہ جانے اسے بنگال کے قدیم جادوگر گھرانے کی وہ کہانی یہاں پہنچتے ہی سچ کیوں لگنے لگی تھی؟ اس کا دل چیخ چیخ کر اس قصے کی سچائی کی گواہی دے رہا تھا۔ آخر کیوں؟ کیا بنگال کی فضا میں ہی کوئی جادو ہے؟ کیا یہاں کا ماحول اسے پہچانتا ہے؟ آخر یہ ناممکن بھی کیونکر ہوسکتا ہے کہ اس کے آباؤ اجداد یہاں کے سب سے پرانے اور بڑے جادوگر تھے جو کئی نسلوں سے اپنے اسی خاندانی پیشے کو اسی سرزمین پر پروان چڑھاتے آ رہے تھے اور اب صرف آزمین اور آیانہ ہی اس نسل کے آخری نمائندگان تھے۔

جیسے جیسے منزل قریب آتی جا رہی تھی، اس کا تجسس پچھتاوے میں بدلنے لگا تھا۔ آخر مجھے کیا سوجھی جو میں یہاں چلی آئی؟ اسے اپنے فیصلے پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس کا دل یہاں آنے پہ مطمئن نہ تھا۔ اسے لگا جیسے اس کا یہاں آنا اس کے لیے کسی نئی مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہونے والا ہے لیکن اپنی ماں اور اپنے باپ کی کہانی سننے کے بعد سے وہ بنگال جا کر ایک بار ان کے گھر اور گاؤں کو دیکھنا چاہتی تھی، سو چلی آئی۔۔۔ لیکن اب اس کا دل بہت بے چین تھا۔ چلو جب یہاں تک آ ہی گئی ہوں تو اب اپنا مقصد پورا کر کے ہی جاؤں گی۔ اور اس نے ان گنت سوچوں میں گھرے اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لی کہ بس کچھ دنوں کی بات ہے، مجھے کون سا ہمیشہ کے لیے یہاں رہنا ہے۔۔۔ سیاحت ہی صحیح! ٹرین کے اسٹیشن پہ رکتے ہی اسے پھر سے گھبراہٹ نے آن گھیرا۔۔۔ اب بھی وقت ہے آزمین۔۔۔ اسی ٹرین سے واپس ہولو۔۔۔ نہیں! اس میں اتنا ڈرنے کی کیا بات ہے؟ میرے ماں باپ کی سرزمین ہے۔ اور اب تو آ گئی ہوں تو سب دیکھ کر اور سب جان کر ہی واپس جاؤں گی، اس نے بیک وقت اپنے دل کو تسلی اور یہاں ٹھہرنے کی وجہ دونوں دیتے ہوئے ٹرین سے پلیٹ فارم پر قدم اتار دیا۔

آپ کو کہاں جانا اے؟ میں پک اپ ڈرائیور! ایک سترہ اٹھارہ سال کے گہرے سانولے لڑکے نے اس کا سامان پکڑتے ہوئے اس سے بنگالی میں پوچھا۔ اسے پوری بات تو سمجھ میں نہ آئی پر وہ اس کا مطلب سمجھ چکی تھی۔ اوہ نو نو! ڈو یو نو انگلش؟ اور اردو؟ آئے مین۔۔۔ ہندی؟ وہ بھول گئی تھی کہ یہاں اردو سے تو سب لوگ نہیں لیکن ہندی سے تو پھر بھی واقف ہوں گے کہ یہ ان کی قومی زبان ہے۔۔۔ یس یس! میڈم! آئی نو انگلش۔۔۔ لیٹل لیٹل، ہندی بھی تھوڑا تھوڑا! وہ بنگالی لہجے میں بولا۔ چلو! یعنی ہم ایک دوسرے کی بات سمجھ سکتے ہیں نہ؟ آزمین نے یقین دہانی چاہی۔۔۔ یس یس میڈم! یو اسپیک انگلش۔۔۔ آئے انڈراسٹینڈ۔۔۔ اس کے جواب پہ آزمین نے مسکراتے ہوئے اپنا بیگ اس کے حوالے کردیا۔ نام کیا ہے تمہارا؟ آزمین نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔ امار نام۔۔۔ بھانو! اس نے بنگالی لہجے میں ہندی بولنے کی کوشش کی۔ بھانو میرا نام آزمین ہے۔ مجھے آج رہنے کے لیے کوئی اچھا سا گیسٹ ہاؤس یا ہوٹل کا کمرہ چاہیے پھر کل بتاؤں گی کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ تم کسی شخص کا بندوبست کرسکتے ہو جو بنگال کی سب جگہوں سے واقف ہو؟ آزمین نے پوچھا تو بھانو بولا، میڈم! ام سب بنگال جانتا، آپ کو کدھر کو بھی جانا، یو ٹیل می، ام ڈرائیور بھی، گائیڈ بھی سب اے، آپ کا ہوٹل کا بھی سب دیکھ لے گا، آپ فکر نہ کرو۔ اوہ بھانو! تم نے تو میری بہت بڑی مشکل آسان کردی۔ پیسے کتنے لوگے؟ آزمین نے سوچا کہ کہیں یہ پیسے کی لالچ میں ہی سب کام کرنے کو تو تیار نہیں ہوگیا؟ میڈم! ام اتے پیسے نئی لیتا، باقی لوگ آپ کو بوت پیسے بولے گا، آپ یاں کا نئی لگتا نا، بنگال پہلی بار آیا اے؟ بھانو نے اس کا سامان گاڑی میں رکھتے ہوئے اپنی صفائی دی اور سوال بھی کردیا۔ بنگال ہی نہیں میں تو انڈیا ہی پہلی بار آئی ہوں، آزمین کے جواب پہ اس نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا، کاں سے؟ پاکستان سے، آزمین نے اندر بیٹھتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔ آپ مسلمان او؟ اس نے پوچھا۔ ہاں! آزمین نے مختصر جواب دیا۔

کسی سے ملنے آیا اے؟ بھانو کا تجسس برقرار تھا۔ ہاں! یوں ہی سمجھ لو، اپنے ماں بابا کے گاؤں والوں سے ملنے، آزمین نے بھانو کو مزید اُلجھا دیا۔ آپ کا ماں بابا یاں پہ؟ پر آپ تو پاکستانی او؟ بھانو گاڑی چلاتے ہوئے بھی اس کے انٹرویو کو جاری رکھے ہوئے تھا۔ میرے ماں باپ بنگالی تھے، ان کے مرنے کے بعد مجھے پاکستان بھیج دیا گیا تھا۔ اب آزمین کو اس کے سوالوں سے کوفت ہونے لگی تھی۔ بھانو میرے سر میں درد ہے، آرام کرنا چاہتی ہوں، ہوٹل کتنی دور ہے؟ اس نے پوچھا تو بھانو بولا۔ میڈم! بس آدھے گھنٹے میں پہنچ جائے گا۔۔۔ آپ کو اچھے ہوٹل کا ای بتائے گا۔ آپ تو بنگالی او، دیکھنے میں نئی لگتا۔ یو کم فرسٹ ٹائم! ام آپ کو سب ہیلپ یاں پہ، آپ ڈونٹ وری۔ بھانو جو اس کے پاکستانی ہونے پر پہلے پریشان ہوا تھا اب اس کے بنگالی نکل آنے پر خوش ہو رہا تھا۔ تھینک یو بھانو! آئے رئیلی اپریشیٹ اٹ۔۔۔ اور وہ یہ کہہ کر کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

ہوٹل کے ریسپشنسٹ سے بات کر کے بھانو آزمین کو چابیاں دیتے ہوئے بولا میڈم آپ کو کمرہ مل گیا، بس آپ کسی کو یہ نئی بتانے کا کہ آپ مسلمان او، اور پاکستان سے آیا او۔۔۔ ایسا کیوں؟ آزمین نے حیرت سے پوچھا۔ میڈم! یاں پہ مسلم ہندو کا بوت جھگڑا۔۔۔ میرا بی سارا رشتہ دار بنگلہ دیش سے یاں ویسٹ بنگال آگیا اور یاں کا زیادہ تر مسلمان بنگلہ دیش جاتا۔۔۔ ابی یاں پہ ون تھرڈ بنگالی رہتے، باقی ٹو تھرڈ تو بنگلہ دیش میں رہتا، یاں پہ زیادہ بنگالی ہندو کر کے رہتے ناں اور یہ ہوٹل بی ایک ہندو بنگالی کا ہوتی، وہ مسلمان بنگالی کا بوت خلاف تو ایسے میں ام آپ کے سیفٹی کے واسطے بولا۔۔۔ بھانو! تمہیں بھی یہی ہوٹل ملا تھا مجھے ٹھہرانے کو؟ وہاں سینٹرل ویلی میں تو مسلمان اور ہندوؤں کی ایک جتنی ہی تعداد ہے نہ تو وہاں کیوں نہیں لے کے گئے مجھے؟ میڈم واں پہ آج کال بوت پولیٹیکل دنگے۔۔۔ الیکشن آنے

والا نا تو ہندو مسلمان کے خلاف بولتا مسلمان ہندو کے خلاف۔۔۔ دونوں کے ورکر لوگ ایک دوسرے کو دھمکاتے، آپ کا واں رہنا ٹھیک نئی۔۔۔ آپ یاں بے فکر او کر رہنا اور بس میرے کو بتانا کچھ بھی لوچا ہونے کا تب۔۔۔ یہ میرا نمبر۔۔۔ بھانو نے ایک کارڈ نکال کر آزمین کے حوالے کیا۔۔۔ آزمین نے حیرت سے کارڈ پکڑا جس کے ایک طرف بنگالی اور دوسری طرف انگلش میں بھانو کا نام، فون نمبر اور پیشہ درج تھا، گائیڈ، ڈرائیور، مکینک؟؟؟ اس نے آخری لفظ ادا کرتے ہوئے بھانو کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔۔۔ یس میڈم! وہ بچپن میں ام مکینک ای تھا تو ام کو سارا کام آتا پھر بڑا او کے ام ڈرائیور بن گیا تو سوچا گائیڈ بھی بن جاتا اے۔۔۔ اس نے وضاحت کی۔۔۔

چلو گڈ فار یو! اچھا بھانو! میرے لیے ایک موبائل فون اور ایک نمبر کا بندوبست کر سکتے ہو؟ یس میڈم! او جائے گا، کل ہم لیتا آئے گا بس آپ میرے کو یہ بتاؤ کہ ام کتنے بجے آئے؟ اس نے پوچھا۔ صبح آ جانا۔۔۔ مجھے اُتروپ اور سانجھ جانا ہے۔ میڈم! یہ میرے کو معلوم نئی کاں پہ؟ اس نے سر کھجاتے ہوئے سوچا۔۔۔ تم تو کہہ رہے تھے کہ تم پورے بنگال کو جانتے ہو؟ آزمین نے قدرے خفگی سے کہا۔ میڈم! ام جانتا پورا بنگال پر یہ جگہ کا نام کبی سنا نئی۔۔۔ کل فون لاؤ گے نا؟ تو میپ پہ دیکھ لیں گے، آزمین نے اسے مشورہ دیا۔ وہ تو ام دیکھ لے گا پر ابی آپ کچھ بتاؤ کہ وہ کیسا جگہ؟ بھانو! میں زیادہ تو نہیں جانتی، بس اتنا پتہ ہے کہ ایک بہت بڑا اور خوبصورت جنگل ہے اور اس کے چاروں طرف گاؤں ہیں یا تھے۔ اس جنگل میں ایک ندی بھی بہتی ہے یا تھی۔ آزمین غیر یقینی انداز میں بھانو کو وہ تفصیل بتا رہی تھی جو جیل میں آیانہ کی زبانی سُنی کہانی سے اس کے علم میں آئی تھی۔ بھانو ہنسنے لگا، میڈم! جنگل کے ادر ادر گاؤں تو رہتے ہی نا۔۔۔ اور زیادہ تر جنگل میں ندی بھی بہنے کو رہتی پر آپ فکر مت کرو ام سب پتہ کر کے آپ کو لے جائے گا کل، بھانو نے جیسے تیسے اپنا سوال خود ہی حل کر دیا۔ تھینک یو بھانو! آزمین نے ایک بار پھر اس کا شکریہ ادا کیا تو وہ عاجزی کے ساتھ سر ہلاتا ہوٹل سے نکل گیا۔

اگلے روز بھانو صبح سویرے ہی آن پہنچا تھا۔ آزمین جلدی سے تیار ہو کر اس کے ساتھ ہولی۔۔۔ بھانو کہیں سے اچھا سا ناشتہ کروادو۔ آپ نے ناشتہ نئی کیا میڈم؟ بھانو بولا۔ نہیں! مجھے اندازہ نہیں تھا تم اتنی صبح ہی آ جاؤ گے۔۔۔ ڈونٹ وری میڈم! ام آپ کو بوت اچھی جگہ بنگالی ناشتہ کھلاتا اور بھانو نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ میڈم! یہ آپ کا فون اور سم بھی اسی میں، یو پلیز چیک۔۔۔ اس نے ایک بازار میں ناشتے کا آرڈر دینے کے بعد فون آزمین کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ آزمین نے اس کی قیمت پوچھی تو بھانو شرماتے ہوئے بولا، میڈم! ابھی آپ پہلے رادھا بلوی کھاؤ! اور آزمین نے دیکھا کہ یہ ڈش کچھ اور نہیں بلکہ پاکستانی چھولے بھٹورے ہیں۔ ساتھ آلو بھاجی جو کہ پاکستانی حلوہ پوری کے ناشتے کے ساتھ کھائی جاتی ہے۔ ایک اور چیز تھی وہ تھی، کسوندی جو کہ ایک کسٹرڈ ساس تھا جس میں آم کی پھاڑیاں بھی تھیں۔ اس کا ذائقہ کافی تیز تھا۔ یہ غالباً ایک ڈپ تھی جو اس نے پاکستان میں تو کبھی نہیں کھائی تھی اور شاید یہ چھولے بھٹورے کے ساتھ اچار کی جگہ پیش کی جاتی تھی۔ یعنی رادھا بلوی اور کسوندی اس کے لیے نئے الفاظ تھے لیکن دال کی پوری کا ذائقہ اور شکل پاکستانی بھٹورے سے بہت ملتی تھی۔ اس نے بہت مزے لے کر ناشتہ کیا اور بل ادا کرنے کے بعد بھانو کا بھی اب تک کا حساب چکتا کیا۔ وہ دونوں اب شہری آبادی سے نکل کر جنگلات کی طرف رواں دواں تھے۔

بھانو! انٹرنیٹ کام نہیں کر رہا۔ اوہ ہو! میڈم سوری میں آپ کا موبائل ڈیٹا آن کروانا بھول گیا، وہ بولا۔ کوئی بات نہیں، مجھے بتاؤ کیا سیٹنگ ہے؟ میں ابھی کر لیتی ہوں، آزمین نے پوچھا تو بھانو جھٹ سے بولا میڈم آپ سے نئی ہوگا۔ یہ نئے نمبر پہ کسٹمر سروس والے بوت تنگ کرتے آپ کو تو ان کی بات سمجھنا بھی مشکل اور

آج شہر میں جلوس تو نیٹ ورک بھی بند ہی ہونے کو اے۔۔۔ کیا؟ یہاں بھی یہ سب ہوتا ہے؟ مطلب نیٹ ورک بند کردیتے ہیں؟ آزمین کو اس بات پہ وہ دن یاد آ گیا جب اس نے پاکستان میں ایسے ہی ایک دن بس اسٹاپ پہ کھڑی تین کالج کی لڑکیوں کو اغوا کیا تھا۔ بھانو کی آواز پہ وہ اپنے خیالوں سے باہر آ گئی۔ ہاں میڈم! بوت، یاں کا تو ڈیلی کا سیٹی پرابلم۔ تو ہم اُترروپ اور سانجھ کیسے جائیں گے؟ آزمین نے پوچھا تو وہ بولا میڈم ام نے کل سب پتہ کرلیا تھا۔ اس جنگل کا بھی، ام اے نہ؟ سب ڈھونڈ دے گا آپ کو۔۔۔ اور وہ بھانو کا جواب سن کر کچھ مطمئن ہو کے سیٹ سے ٹیک لگا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

بنگال کے شہر جتنے گنجان آباد تھے۔ یہاں کے جنگلاتی علاقے اتنے ہی سنسان تھے۔ حدنگاہ تک پھیلی ہریالی کے باوجود عجیب ویرانی تھی۔ گاڑی جنگل کے بیچ و بیچ گزر رہی تھی اور آزمین کے دماغ میں اپنی ماں اور خالاؤں کو جلا دیے جانے کا قصہ کسی فلم کی طرح چل رہا تھا۔ اسے لگا کہ اسے اس جنگل سے ان دس بہنوں کی چیخیں سنائی دے رہی ہیں۔ وہ گھبرا گئی۔۔۔ واٹ ہیپنڈ میڈم؟ بھانو نے بیک ویو میرر سے آزمین کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ کچھ نہیں! یہ علاقے کچھ زیادہ ہی ویران نہیں؟ میں نے سنا تھا کہ بنگال کے جنگلوں میں تو شیر، چیتے، ہاتھی بھی کھلے عام گھومتے ہیں، آزمین نے پوچھا۔ میڈم! ٹائیگر وائیگز تو آپ کو زیادہ کر کے ویسٹ بنگال کے جنگل میں دیکھنے کو ملتی۔۔۔ ام ابھی نارتھ بنگال کے فارسٹ میں آئی۔۔۔ یاں بھی کچھ فاریسٹ میں ہاتھی، ہرن دیکھنے کو ملتا پر وہ سب وائلڈ اینٹرنس کے بعد فاریسٹ آفیسر کی پرمیشن لے کے دیکھنے کو مل سکتی پر ابی ام جدھر کو جاتی واں پہ نو ایلیفینٹ، نو ٹائیگر، نو ڈیئر، پر آپ کو یاں پہ مورد دیکھنے کو مل سکتی۔ بھانو نے اُسے آگاہ کیا۔ اچھا؟ اس جنگل میں مور بھی ہیں؟ اس نے دلچسپی سے پوچھا۔ ہاں اور بہت بیوٹیفل برڈز رہتے یاں پہ۔۔۔ بھانو اسے یہاں کے بارے میں معلومات دیتا رہا اور وہ اس خوبصورت اور ہرے بھرے جنگل کے سحر میں کھوئی رہی۔۔۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ گاڑی رکوا کے جنگل میں بھاگتی چلی جائے کہ تبھی اسے احساس ہوا کہ وہ یہاں ایک اجنبی کے ساتھ اکیلے چلی آئی ہے بنا سوچے سمجھے؟ بے شک وہ اس سے دس بارہ سال چھوٹا سہی لیکن پھر بھی اسے اپنے تحفظ سے اتنی لاپرواہی نہیں برتنی چاہیے تھی۔ اس نے اپنے ذہن سے اس بات کو جھٹکتے ہوئے بھانو سے پوچھا۔ بھانو! ہم پہلے کہاں جا رہے ہیں؟ میڈم آپ نے وہ سانجھ کر کے ایک ولیج بتایا تھا نہ؟ تو ہم واں پہلے جاتے۔۔۔ بھانو نے جواب دیا۔ کتنی دور ہے؟ بس میڈم پہنچنے ہی والے ام لوگ۔۔۔

کچھ ہی دیر میں گاڑی ایک نہایت ویران گاؤں میں پہنچی جہاں جا بجا، اجڑے، ٹوٹے پھوٹے کالے گھر تھے۔۔۔ جیسے یہاں کوئی بہت بڑی آفت گزری ہو۔ میڈم! ہیئر از یور سانجھ! بھانو بولا تو وہ گاڑی سے نیچے اُتر کر اس وحشت زدہ اُجاڑ گاؤں کو تکنے لگی۔ یہاں کوئی رہتا نہیں کیا؟ آزمین کے سوال پہ بھانو بولا۔ نو میڈم! کل جب میں اس گاؤں کا پتہ لگایا تو معلم ہونے کو آیا کہ بوت سال پہلے اس گاؤں کو آگ لگنے سے سارا گاؤں جل گیا۔ سب لوگ اسے بھوتیا گاؤں کہتی کہ اس گاؤں کے سب لوگ بھی ایک میدان میں میلہ کی جگہ پہ جل کے ختم۔۔۔ کچھ بھی نی بچا، گھر بھی اور لوگ بھی۔۔۔ میں پھر بھی آپ کو لے کے ادھر کو آئی کہ میرے کو آپ یہ نا بولو کہ ام تم سے جھوٹ بولتی کہ ایسا کوئی گاؤں ہے ای نئی۔۔۔ آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو میڈم! بھانو اپنی صفائیاں دے رہا تھا اور خود کو آزمین کا بہترین گائیڈ ثابت کرنے کی غرض سے بلا چوں چراں اس اجاڑ گاؤں لے آیا تھا۔ لیکن آزمین ان جلے ہوئے مکانوں اور میدانوں کو دہشت زدہ سی دیکھ رہی تھی۔۔۔ یعنی کہ اس کے ماں باپ کے ساتھ ہونے والی روداد جھوٹی نہیں تھی۔۔۔ سانجھ آج سے ستائیس سال پہلے واقعی جل کے ختم ہو چکا تھا۔۔۔ دن کا وقت تھا لیکن مون سون کے موسم نے آسمان کالے گھٹاؤں سے ڈھک رکھا

تھا کہ تبھی بادل گرجنے کی زوردار آواز سے آزمین پہ ایک انجانا سا خوف طاری ہونے لگا۔۔۔ چلو بھانو! اس نے پک اپ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا تو بھانو بھی فرمانبرداری سے اس کی بات مانتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا۔ آزمین کھڑکی سے اس جلے ہوئے گاؤں کو جو واقعی ہی آسیب زدہ نظر آتا تھا تب تک دیکھتی رہی جب تک گاؤں کی حدود ختم نہیں ہوگئی۔ گاؤں کے کنارے اس کی نظر ایک چھوٹی سی لال مسجد پر پڑی جو بالکل صحیح سلامت تھی۔ تو گویا یہی وہ مسجد تھی جس میں اس کے بابا نے اس کی ماں کو مسلمان کرنے کے بعد نکاح کیا تھا۔ خدا کی شان! پورا گاؤں مکانوں اور کھیتوں سمیت جل چکا تھا، ماسوائے اس ایک مسجد کے۔۔۔ وہ سوچ رہی تھی کہ تبھی اسے لگا کہ مسجد کے دروازے میں کوئی کھڑا ہے؟ وہ روشن لباس میں کوئی نوجوان تھا جو آزمین کی جانب ہی دیکھ رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتی وہ تیز روشنی میں بدلتا ہوا نظروں سے اوجھل ہوگیا۔۔۔ آزمین اپنی آنکھیں بھینچتے، کھولتے اس غیر معمولی منظر کو دیکھ رہی تھی لیکن اب وہاں کچھ نہ تھا۔ یہ اس کا وہم نہیں تھا۔ یقیناً اس نے وہاں ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھا تھا جو روشنی کے ہیولے میں تبدیل ہوکر وہاں سے غائب ہوچکا تھا اور تب تک گاڑی اس مسجد سے اتنی دور جا چکی تھی کہ اب مسجد کے آثار بھی دھندلا گئے تھے۔

گاڑی اس خوبصورت جنگل کے بیچ سے گزرتی ہوئی اُترو پ کی طرف رواں دواں تھی کہ بارش برسنے لگی۔ جنگل کا کچا راستہ اور کالی گھٹاؤں سے چھایا اندھیرا جنگل کے گھنے درختوں کے ساتھ مل کے رات کا سا سماں پیش کرنے لگا تھا۔ بھانو سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ راستہ کس طرف کو مڑ رہا ہے۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس میں وہ احتیاط سے آگے بڑھ رہا تھا۔ راستہ کافی خراب تھا اور پھر گاڑی چلتے چلتے اچانک بند ہوگئی۔ بھانو نے لاکھ کوشش کی لیکن گاڑی اسٹارٹ ہو کے نہیں دے رہی تھی۔ وہ گاڑی سے اُتر کر وجہ دریافت کرنے لگا۔ آزمین اس خوبصورت جنگل اور جنگل کی بارش سے نکھرتی اس جنگل کی ہریالی میں سحر زدہ سی بیٹھی تھی۔ یہ جگہ اس کی سوچ سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔ وہ جنگل کے مون سون سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ بارش اچانک ہی رک گئی لیکن دور کہیں اب بھی بادل گرج رہے تھے۔ وہ بھی گاڑی سے نیچے اُتر آئی اور بھانو سے پوچھا، کیا ہوا؟ کوئی سیریس ایشو ہے؟ نو میڈم! نو سیریس ایشو، میرے کو تو ایشو ہی نئی لگ رئی لیکن گاڑی آگے جانے کو نئی دے را۔۔۔ اُترو پ یہاں سے پیدل کتنی دور ہے؟ آزمین نے پوچھا۔ میڈم! زیادہ نئی بس تھوڑا آگے ای اوگا۔۔ ام پیدل جاسکتی اے۔۔۔ تو چلو پھر چلتے ہیں، شاید وہاں سے کوئی مدد ہی مل جائے۔۔۔ ابھی آزمین یہ کہہ کر آگے بڑھی ہی تھی کہ اسے اپنے پیچھے سے ایک مانوس نسوانی آواز سنائی دی۔۔۔ مدد خود حاضر ہے میری جان! وہ پلٹی تو سامنے آیانہ بانہیں کھولے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

آزمین نے سوچا یہ کہیں اس کا وہم تو نہیں؟ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کسی اور کی مدد کی کیا ضرورت؟ اس نے آگے بڑھ کر آزمین کو گلے سے لگالیا لیکن آزمین اب بھی آیانہ کے یوں اچانک سامنے آ جانے پر حیران و پریشان کھڑی تھی۔ میڈم! آپ ان کو جانتا اے؟ بھانو نے پوچھا۔ ہوں؟ ہاں! یہ میری۔۔۔ دوست ہے۔۔۔ آزمین نے جان بوجھ کر اسے بہن کہنے سے اجتناب برتا۔۔۔ لیکن یہ میری بہن ہے! آیانہ نے بھانو کو ہنستے ہوئے جواب دیا۔ مطلب بہن جیسی دوست، آزمین نے آیانہ کو گھورتے ہوئے اصلاح کی۔ آیانہ اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے بولی، ہاں! میری جان، تم مجھے بہن نہ سہی دوست ہی مان لو۔ میڈم! پر آپ تو بنگال پہلی بار آیا اے اور یہ میڈم تو بنگالی ہی معلوم پڑتی اے۔۔۔ تو آپ لوگوں کی دوستی کیسے ہوئی؟ بھانو آیانہ کی ہلکی سانولی رنگت اور بڑی بڑی آنکھیں دیکھ کر اس کے بنگالی ہونے پہ یقین کرتے ہوئے بولا۔ ہم ایک ساتھ پڑھتے تھے، آزمین کی جگہ آیانہ نے جواب دیا تو وہ حیرت سے بولا، کاں پہ؟ تم

پاکستان گیا تھا؟ کیونکہ آزمین میڈم تو کبھی بنگال نئی آیا۔۔۔ ہم امریکہ میں ساتھ پڑھتے تھے، آیانہ نے صاف جھوٹ بولا۔۔۔ تو بھانو متاثر ہو کر آزمین سے بولا، میڈم! آپ نے بتایا ای نئی کہ آپ امریکہ بھی گیا تھا۔۔۔ آزمین اس بھانو کی اس درجہ فرینکنیس پہ اس کو گھور کے رہ گئی جبکہ آیانہ ہنستے ہوئے بولی ارے آزمین! تم نے اپنے ڈرائیور کو اپنے بارے میں پوری تفصیل کیوں نہیں بتائی کہ تم کہاں رہتی تھی؟ کیا کرتی تھی؟ کہاں پڑھی؟ کہاں پیدا ہوئی؟ اور کہاں مرنے کا ارادہ ہے؟ اسے بتانا تو سب سے زیادہ ضروری تھا۔ وہ مذاق اُڑاتے ہوئے طنزیہ ہنس رہی تھی جبکہ آزمین کے ساتھ ساتھ اب بھانو بھی اس کی طرف سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ آیانہ نے دونوں کو اسے گھورتے پایا تو ہنسی روکتے ہوئے بولی، اچھا چلو اب ہم یوں اچانک اتفاق سے مل ہی گئے ہیں تو آؤ نہ میرے ساتھ! میں یہاں پاس ہی کے ایک گاؤں جل ماچھی میں رہتی ہوں۔ آزمین جانتی تھی کہ آیانہ کا یوں جنگل کے بیچ و بیچ اسے ٹکرا جانا کوئی اتفاق نہیں، پہلے سے ترتیب دیا گیا کوئی منصوبہ ہے لیکن اسے حیرت اس بات پر تھی کہ اسے اس کی آمد کا پتہ کیسے چلا؟ تم مجھے اپنا پتہ دے دو، ابھی میں اُترو پ جا رہی ہوں، وہاں سے لوٹ کر تم سے ملنے آؤں گی، آزمین جس کا یہاں آنے کا اصل مقصد تو آیانہ کو ڈھونڈنا اور اس سے بات کرنا تھا جبکہ سانجھ اور اُترو پ کو دیکھنا تو بس اس کی ایک خواہش تھی لیکن اب آیانہ کا یوں خود اس کے سامنے اس طرح سے چلے آنا اسے کسی خطرے کا اشارہ دے رہا تھا۔ آزمین دل ہی دل میں گھبرا گئی تھی۔ اسے آیانہ پہ قطعی بھروسہ نہیں تھا۔

ارے اب میں مل گئی ہوں نا؟ تو اُترو پ کیا تمہیں پورا نارتھ ایسٹ بنگال دکھا ڈالوں گی۔۔۔ فی الحال تو میرے ساتھ چلو، یہاں کی بارش کا کوئی بھروسہ نہیں، بالکل میری طرح۔۔۔ اس نے ذومعنی انداز سے کہا۔ اور آیانہ نے قدم بڑھا دیا۔ تم نہیں آؤ گے میرے ساتھ؟ آیانہ نے پلٹ کے بھانو کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے ایک ادا سے پوچھا تو وہ جھٹ سے بولا۔ کیوں نئی کیوں نئی؟ ام بالکل آئے گی! اور وہ گاڑی سے آزمین کا سامان اتار کے آیانہ اور آزمین کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

وہ ایک بہت خوبصورت ریسورٹ تھا۔ جہاں بانسوں اور لکڑی کی چھوٹی چھوٹی پرائیویٹ ہٹس بنی ہوئی تھیں۔ یہ گھنے جنگل میں گھری ہوئی ایک خوبصورت اور آرام دہ جگہ تھی۔ تم یہاں کام کرتی ہو؟ آزمین نے پوچھا۔ کام؟ ڈارلنگ! میں اور کام؟ تم جانتی نہیں مجھے کام سے کتنی نفرت ہے؟ یہ میرا خود کا پرائیویٹ ریسورٹ ہے۔ آزمین حیران تو ہوئی پر وہ جانتی تھی کہ آیانہ سے کوئی بعید نہیں، یہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔۔۔ تمہارا نام کیا ہے؟ آیانہ نے بھانو کو ایک ادا سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ بھانو! اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو آیانہ اس کے قریب آتے ہوئے بولی بھانو! وہ سامنے والے کاٹیج میں میڈم کا سامان رکھ آؤ! اور وہ اس کا حکم ملتے ہی چلا گیا۔ آیانہ کی اس حرکت پہ آزمین نے اسے گھورا! آیانہ! سیریسلی؟ یہاں تو یہ سب چھوڑ دو، اپنی عزت کا تو تمہیں کوئی خیال ہے نہیں، کم سے کم میری عزت کا ہی کر لو۔ آزمین کی بات پہ آیانہ طنزیہ ہنسی، عزت؟ تمہاری؟ مائے ڈیئر سس! جیل جانے والوں کی کوئی عزت نہیں ہوتی! تو یہ عزت وزت کے ڈھکوسلے اب چھوڑ دو! اور اسے یہاں سے چلتا کرو! بھانو کو اپنی طرف آتا دیکھ کر آیانہ بولی۔ اس کی گاڑی خراب ہے، آزمین نے اسے یاد دلایا۔۔۔ تھی۔۔۔ اب نہیں ہے، آیانہ بولی۔ کیا مطلب؟ آزمین نے نہ سمجھ آنے والے انداز میں پوچھا۔ تب تک بھانو ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔

بھانو! تمہاری گاڑی ٹھیک ہو گئی ہے۔ آیانہ نے اس کے آتے ہی اسے بتا دیا تو بھانو حیرت سے اچھل پڑا! وہ کیسا ٹھیک ہو گیا میڈم؟ وہ بھی اتی جلدی شے؟ اور چابی تو ہمارا پاس ای تھا۔ تم نے نوٹ نہیں کیا شاید؟ وہاں کچھ دور میرے ساتھ میرا ملازم بھی تھا وہاں سے آتے ہوئے میں نے اسے اشارہ کر دیا تھا گاڑی کو چیک کرنے کا، اور چابی تم وہیں بھول آئے تھے۔ آیانہ نے

اسے سمجھایا تو بھانو پریشانی سے اپنی ساری جیبیں ٹٹولنے لگا اور چابی نہ پا کر حیران رہ گیا۔ یہ کیسے ہوا؟ ام تو چابی نکال لایا تھا اپنے ساتھ۔۔۔ پتہ نہیں۔۔۔ چلو ٹھیک انے۔۔۔ اچھا میڈم! اب میں چلتا اے۔ آپ بولو آپ کو یاں سے کب لینے کو آنے کا؟ بھانو نے آزمین سے جانے کی اجازت طلب کی۔ ہم تمہیں فون کر کے بتا دیں گے، آزمین سے پہلے آیانہ بول پڑی تو وہ سر ہلاتا پلٹ گیا۔ ٹھہرو بھانو! یہ لو، آزمین نے فرمانبرداری سے سر ہلا کے جاتے ہوئے بھانو کو روکا اور اس کی بقایا رقم اسے تھمائی تو بھانو بولا۔۔۔ میڈم! آپ نے صبح دیا تھا نہ۔ باقی اس کے بعد سے اب تک کا ہم اگلی بار لے لے گا، جب آپ کو یاں سے لینے آئے گا۔ رکھ لو بھانو! پتہ نہیں تمہاری میڈم کو یہاں کتنے دن رہنا پڑے۔۔۔ آیانہ اس بار پھر آزمین کے جواب سے پہلے ہی بھانو کے انتہائی قریب ہو کر مسکراتے ہوئے بولی۔۔۔ آزمین نے اس کے اندازِ گفتگو پہ اسے گھورا اور بھانو کو کہا، بھانو! میں تمہیں جلد ہی فون کر کے بتاؤں گی۔ تھینک یو میڈم! بھانو کے جاتے ہی آزمین آیانہ کو گھورتے ہوئے سر ہلانے لگی۔۔۔ واٹ؟ آیانہ نے لاپرواہ انداز میں پوچھا لیکن آزمین اس سے بحث کے موڈ میں نہیں تھی۔۔۔ وہ باہر آ گئی جہاں بارش سے مزید نکھر چکا سبزہ آنکھوں کو خیراں کر رہا تھا۔

آزمین نہا کر اپنے چھوٹے سے کاٹیج کے خوبصورت سے ٹیرس میں آئی ہی تھی کہ اسے کسی پرندے کی نہایت سریلی آواز سنائی دی۔۔۔ کوئل؟ وہ یہ آواز پہچانتی تھی۔ پاکستان کے ہاسٹل میں رہتے ہوئی قریبی پارک میں موجود درختوں سے اکثر کوئل کی آواز اسے سنائی دیتی تھی۔ لیکن اس وقت کی مصروف اور تیز رفتار زندگی میں اس نے کبھی اس خوبصورت آواز کے سریلے پن پر غور ہی نہیں کیا تھا لیکن یہاں شہری آبادی سے دور اور قدرت سے اس قدر قریب ہونے پر اسے اس کوئل کی آواز آج کچھ زیادہ ہی خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس نے آواز کے تعاقب میں اردگرد پھیلے سرسبز جنگل کے درختوں پہ غور کرنا شروع کر دیا لیکن کوئل اسے نظر نہیں آئی۔ وہ شاید درختوں کے پتوں میں چھپ کے کہیں بیٹھی ہوگی یا اپنے گھونسلے میں۔۔۔ وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ سامنے مین ریسورٹ کی درمیانی عمارت سے اس نے آیانہ کو ہاتھ ہلاتے دیکھا، وہ اسے وہاں بلا رہی تھی۔ آزمین اپنے لکڑی کے خوبصورت سے کاٹیج کی لکڑی سے بنی سیڑھیاں اُتر کے آیانہ کے پاس چل آئی۔

ریسورٹ کی یہ درمیانی عمارت باقی منسلک کاٹیجز کی نسبت کافی بڑی تھی۔ اس کے ڈائننگ ہال میں بھی صرف اور صرف لکڑی اور بانسوں کا کام ہو رکھا تھا۔ وہ ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھی اس جگہ اور اس عمارت کی خوبصورتی پہ غور کر ہی رہی تھی کہ ایک بنگالی لڑکی جس کے سانولے چہرے میں بے پناہ کشش تھی، کھانے کی ٹرے پکڑے اندر داخل ہوئی۔ اس نے کھانا لگانے کے بعد جانے سے پہلے ایک گہری نظر بھر کر آزمین کی طرف دیکھا اور بنگالی میں اسے کچھ کہہ کر باہر نکل گئی۔ آزمین نے آیانہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ ویلکم کہہ رہی تھی، آیانہ نے جواب دیا اور پھر کچھ ہی دیر میں آزمین نے کئی نوجوان بنگالی لڑکیوں کو کھانا رکھتے، لاتے لیجاتے دیکھا۔ یہ سب کون ہیں؟ آزمین نے پوچھا۔۔۔ ملاز۔۔۔ مائیں ہیں، آیانہ نے دانستہ یا غیر دانستہ طور پہ ملاز اور مائیں کے درمیان وقفہ دے کر یہ لفظ ادا کرتے ہوئے آزمین کی آنکھوں میں بغور دیکھا اور پھر اپنی بات مکمل کرنی لگی، اب اتنے بڑے ریسورٹ کی دیکھ بھال میں اکیلے تو نہیں کر سکتی نہ؟ تو یہ سب ہی دیکھ ریکھ کرتی ہیں۔ آیانہ نے جواب دیا۔ لیکن اتنی زیادہ لڑکیاں؟ کیاں یہاں تمہارے علاوہ اور بھی لوگ رہتے ہیں؟ آزمین نے پوچھا۔ نہیں! مجھے اپنی پرائیویسی میں مداخلت بالکل پسند نہیں! ہاں تمہاری بات اور ہے، تم تو بہن ہو نہ میری، آیانہ نے جواب دیا۔ آخر آج آیانہ اس پہ اتنی مہربان کیوں ہو رہی تھی؟ آزمین تو اسے کبھی ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی، وہ سوچنے لگی۔۔۔ لیکن اتنی ساری ملاز ماؤں کی ضرورت تو پھر بھی نہیں ہے

یہاں اور یہ سب اتنی جلدی کیسے بنایا تم نے؟ آزمین نے سوال کیا۔ تم نہیں سمجھو گی، ابھی کچھ دن یہاں رہو، پھر آرام سے بات کریں گے، آیانہ نے بات ٹال دی۔ میں یہاں اتنے دن رہنے نہیں آئی، بس کل اُتر روپ دیکھ کر واپس چلی جاؤں گی، آزمین نے دوٹوک بات کی۔ اور تم سے بھی ملنا تھا مجھے لیکن تھینکس ٹو یو! کہ مجھے تمہیں ڈھونڈنے کے لیے محنت نہیں کرنی پڑی اور تم خود ہی میرے سامنے آگئی، آزمین نے مزید کہا تو آیانہ بولی، مجھے یقین تھا کہ تم مجھ سے ملنے یہاں ضرور آؤ گی۔ میں صرف تمہیں سمجھانے اور تمہیں تمہارے ارادوں سے باز رکھنے یہاں آئی ہوں، آزمین نے کہا۔ اور میں تمہیں یہیں آکر میرے ساتھ بسنے کے بارے میں تم سے بات کرنے کے انتظار میں تھی، آیانہ نے بھی اپنی بات رکھی۔ یہ ناممکن ہے، آزمین نے کہا۔ بالکل ویسے ہی جیسا میرا اپنی اصلیت سے الگ ہو جانا ناممکن ہے، آیانہ نے جواب دیا۔ آخر اتنے سالوں سے بھی تو تم اس نسب سے دور تھی ہی نہ؟ تو کیوں دھنسا چاہتی ہو اس دلدل میں؟ آزمین نے پوچھا۔ دلدل؟ وہ غریبی، یتیمی اور مفلسی دلدل نہیں تھی کیا؟ دیکھو یہ سب! جب سے میں اپنے اصل کی طرف لوٹی ہوں کتنی کامیاب ہوں۔۔۔ دو سال! صرف دو سال میں یہ سب کچھ حاصل کیا ہے میں نے جس کے لیے تم شاید ساری زندگی بھی محنت کرتی رہو تب بھی کامیاب نہ ہو سکو گی، آیانہ نے کہا۔ یہ کامیابی نہیں، وقتی فریب ہے آیانہ! چھوڑ دو یہ سب۔۔۔ تم ہماری پچھلی نسلوں کا انجام بھول گئی ہو کیا؟ کتنی اذیت ناک موت ملی تھی انہیں۔۔۔ آزمین کا جملہ ابھی پورا نہ ہونے پایا تھا کہ چھناکے کی زوردار آواز نے ان دونوں کی توجہ بٹادی۔۔۔ ایک ملازم لڑکی آزمین کو دیکھتے ہوئے زمین پہ گرے شیشے کے چور ہو چکے گلاسوں کے ٹکڑے زمین سے اُٹھا رہی تھی۔

آزمین نے زمین سے شیشے کی کرچیاں اُٹھاتی اس لڑکی کی ہڑبڑاہٹ کا جائزہ لیا۔۔۔ مہمان کے سامنے اپنے اس پھوہڑ پنے کے مظاہرے پہ گھبرا گئی ہے بے چاری! آیانہ نے اس بنگالی لڑکی کے چہرے پہ تفکر دیکھ کر آزمین کو کہا اور پھر بنگالی میں اس لڑکی سے نہ جانے کیا کہا کہ وہ جلدی سے سب سمیٹ کے آزمین کو دیکھتے ہوئے ہال سے باہر نکل گئی۔ رات ہوتے ہی آزمین اپنے کاٹیج میں موجود بیڈ پر آکر لیٹی ہی تھی کہ بجلی چلی گئی۔۔۔ گرمی کے موسم میں بنا اے سی کے اس بند کمرے میں سونا آسان نہ تھا اور کھڑکی کھلنے کا نام نہیں لے رہی تھی وہ تنگ آکر باہر آئی تو اس کے سامنے آیانہ کھڑی نظر آئی۔۔۔ یہاں بجلی بہت کم جاتی ہے لیکن جب جاتی ہے تو کئی کئی گھنٹے نہیں آتی۔۔۔ آج بھی صبح سے پہلے نہیں آئے گی، آیانہ نے بتایا۔ اور تم نے کوئی بیک اپ نہیں رکھا؟ یہ کیسے ممکن ہے؟ آزمین نے مشکوک لہجے میں پوچھا۔ جنریٹرز، یو پی ایس سب کچھ ہے، بس کچھ مسئلہ ہوا ہے اس میں، کل تک ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ بنا بجلی ان کمروں میں رہنا ممکن نہیں، تو چلو آج کھلی فضا میں سوتے ہیں، آیانہ کی بات پر آزمین اس کے پیچھے چل دی۔۔۔ یہ ریسورٹ کا پچھلا حصہ تھا جہاں خوبصورت لان کو درختوں نے گھیر رکھا تھا اور تینوں اطراف جنگل تھا۔ وہاں لکڑی کے دو کھاٹ پر پہلے سے ہی بستر بچھا دیے گئے تھے۔ آزمین نے یہاں قدم رکھتے ہی نوٹ کر لیا تھا کہ باقی ریسورٹ کے مقابلے میں یہاں کی فضا نہایت خوشگوار ہے۔۔۔ بستر پہ لیٹتے ہی ہوا کے جھونکوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔۔۔ اور اسے خبر بھی نہ ہوئی کہ کب سامنے نظر آتے درختوں کے کالے سایوں کو دیکھتے تو کبھی آسمان پر چھائی گھٹاؤں کو تکتے ہوئے اسے نیند نے آلیا تھا۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا جب اس کی نیند کسی خوفناک احساس سے ٹوٹی اور وہ احساس تھا اس پہ موجود کسی جسم کو اسے جکڑے ہونے کا۔۔۔ وہ اتنی خوفزدہ تھی کہ اس میں آنکھیں کھولنے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ بند آنکھوں سے وہ اس مردانہ وجود کی موجودگی کی ہر ممکن دلیل پر سوچ رہی تھی۔ اسے یاد تھا کہ اس کے قریب موجود بستر پر آیانہ سو رہی ہے اور اس

پورے ریسورٹ میں کوئی مرد نہیں ہے تو یہ کون ہے؟ اس نے بالآخر آنکھیں کھول دیں لیکن اندھیرا اتنا گہرا تھا کہ اس کے اوپر موجود وجود تک اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا اور نہ ہی وہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلا پا رہی تھی۔ اس کا سارا جسم مفلوج تھا۔ وہ بمشکل سانس لے پا رہی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں اس طرح کھولے رکھنے کا فیصلہ کیا اور تب تک اندھیروں میں گھورتی رہی جب تک صبح کے ہلکے سے اُجالے نے کسی حد تک آنکھوں کو کچھ دکھائی دینے میں مدد نہیں کی اور تب یہ جان کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہاں کوئی نہیں تھا لیکن وہ وجود اب بھی اسے جکڑے ہوئے تھا اور وہ اب بھی بے بس اور مفلوج تھی۔ وہ مزید خوفزدہ ہوگئی۔ اسے اپنے پاس موجود آیانہ کے دوسرے بستر پہ موجودگی کا واضح احساس بھی ہو رہا تھا اور ارد گرد اور سامنے کچھ دور گھنے درختوں کے کالے سائے بھی اب دکھائی دینے لگے تھے لیکن اس کو جکڑنے والا وجود دکھائی نہ دیتا تھا اور آہستہ آہستہ صبح کے دھیمے اُجالے کے ساتھ اس وجود کا احساس بھی زائل ہوتا گیا یہاں تک کہ اس ان دیکھے وجود نے اسے چھوڑ دیا اور وہ ہلنے جلنے کے قابل ہوئی، اُٹھ کے بیٹھی، اپنے چاروں اور نظر دوڑائی۔۔۔ خوبصورت گھنا باغ اور ہر سو گھنے درخت اور درختوں کے پیچھے جنگل جتنا حسین تھا، صبح کے ملگجی ہلکے سے اُجالے میں اتنا ہی پراسرار بھی نظر آ رہا تھا۔ ساتھ بستر پہ موجود آیانہ بے خبر سو رہی تھی۔ دور سے اسے کوئل کی کوک سنائی دی۔۔۔ ایک دو تین اور پھر نہ جانے کتنی کوئلیں آگے پیچھے ایک ساتھ بولنے لگیں جیسے کسی دھن کی لے میں کچھ گا رہی ہوں، ایک عجیب و پراسرار دھن۔۔۔ آزمین کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور وہ ایک بار پھر بستر پر ڈھے گئی۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو کاٹیج روم کے بستر پہ لیٹے پایا۔ نقاہت اور شدید سر درد نے اسے بے حال سا کر دیا تھا اور پھر اسے رات والا واقعہ یاد آیا۔ وہ کون تھا اور وہ یہاں کیسے پہنچی؟ اس نے فوراً ہی آیانہ سے بات کرنے کی ٹھانی وہ بستر سے اُٹھ ہی رہی تھی کہ ایک بنگالی لڑکی اس کے کمرے میں پھلوں اور دودھ کی ٹرے لیے داخل ہوئی۔ آیانہ کہاں ہے؟ مجھے اس سے بات کرنی ہے؟ آزمین نے سوال کیا۔ وہ نہیں ہیں، کام سے باہر گئی ہیں۔ ہم ہیں آپ کا خیال رکھنے کے لیے۔۔۔ اس حالت میں آپ کا آرام کرنا بہت ضروری ہے ورنہ آنے والے پہ بُرا اثر پڑ سکتا ہے۔۔۔ اس لڑکی نے بنگالی میں جواب دیا جسے سن کر آزمین اُچھل پڑی۔۔۔ کیا؟ کیسی حالت؟ کون آنے والا ہے؟ کیا بکواس کر رہی ہو تم؟ آپ امید سے ہیں نا؟ اس لیے آپ کا خیال رکھنے کی ہمیں سختی سے تلقین کی گئی ہے، وہ بنا پلک جھپکائے آزمین کو سنجیدہ لہجے سے بنگالی میں بولی۔ تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ آیانہ کو بلاؤ! ابھی اسی وقت۔۔۔ آزمین کے چلانے کا اس لڑکی پہ رتی بھر بھی اثر نہ ہوا، وہ خاموشی سے بنا جواب دیے باہر چلی گئی۔ آزمین اس کے پیچھے لپکی لیکن اس کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ وہ بے تحاشہ پورے ریسورٹ میں اندر، باہر بھاگتے ہوئے آیانہ کو آوازیں دینے لگی اور پھر چکرا کر گر پڑی۔ ادھ کھلی آنکھوں سے اسے گھنے درختوں سے گھرا علاقہ، لکڑی کی بڑی سی عمارت، عمارت سے منسلک لکڑی کے کاٹیجز، باغات، باغات سے منسلک جنگل، سب آسیب زدہ نظر آ رہا تھا۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ اس پوری جگہ میں اس وقت اکیلی ہے۔ اس نے پورا ریسورٹ چھانتے ہوئے کسی ایک بھی ملازمہ کو نہیں دیکھا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بنگالی لڑکی جو اس کے کمرے سے نکلی تھی اور جس کے نکلتے ہی آزمین بھی اس کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ نہ جانے وہ اتنی جلدی کیسے اور کہاں غائب ہوگئی تھی؟ وہ ریسورٹ سے منسلک باغ میں گھاس پر پڑی آسمان پر چھائی گھٹاؤں کو دیکھ یہی سب سوچ رہی تھی کہ اسے یاد آیا کہ وہ اس لڑکی سے اردو میں سوال کرتی رہی تھی اور وہ اسے بنگالی میں جواب دیتی رہی تھی پھر بھی وہ دونوں ایک دوسرے کی بات سمجھ رہی تھیں؟ عین ممکن ہے کہ اس لڑکی کو اردو آتی ہو لیکن اسے تو بنگالی نہیں آتی تھی۔ اس نے

زندگی میں کبھی بنگالی نہ سُنی تھی، نہ سیکھی تھی اور نہ کبھی بولی تھی، تو پھر آج وہ بنگالی میں سُنی اس کی باتیں کیسے سمجھ پائی؟ زمین پہ لیٹے ہوئے بھی اس کا دماغ چکرا رہا تھا یوں لگ رہا تھا کہ اس ہری زمین سے لے کر اوپر گھنی گھٹاؤں والے آسمان تک پوری فضا آسیب زدہ ہے۔

کیا کرے وہ؟ بھانو کو فون۔۔۔ وہ یہاں ایک پل نہیں رکے گی۔۔۔ اسی پل اس کے چہرے پر بارش کی پہلی بوند پڑی اور پھر دوسری اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بوندا باندی شروع ہو گئی۔۔۔ اس نے ہمت کر کے خود کو اُٹھایا اور کاٹیج کی طرف تیز قدموں سے جانے لگی۔۔

کاٹیج پہنچتے ہی اس نے اپنا سیل فون تلاش کیا جو اسے نظر آیا تو اس کی سانس میں سانس آئی۔۔۔ لیکن اس میں ایک بھی سگنل نہیں تھا۔ اس نے فون آف کر کے دوبارہ آن کیا لیکن اب بھی کوئی سگنل نہیں تھا۔ اس نے غصے سے فون بستر پہ پھینک دیا۔ اتنا غصہ ٹھیک نہیں میری بہنا! آیانہ کی آواز پہ وہ پلٹی۔ کیا ہے یہ سب؟ میں کل یہاں آئی ہوں، رات کو باہر لان میں سوئی تو کسی نے۔۔۔ وہ کہتے کہتے رک گئی کیونکہ وہ ابھی تک خود بھی یقین نہیں کر پا رہی تھی کہ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا وہ کوئی خواب تھا یا حقیقت؟۔۔۔ اور پھر جب صبح آنکھ کھلی تو میں اس کمرے میں تھی۔ اور وہ تمہاری ملازمہ مجھے کیا بکواس کر کے گئی ہے؟ یہ سب کیا تھا آخر؟ آزمین آپے سے باہر ہو رہی تھی۔

ڈیئر سس! تمہارا قصور نہیں! ایسی حالت میں موڈ سوئنگز ہوتے ہیں، آیانہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اطمینان سے کہا۔ یہ کیا بکواس لگا رکھی ہے تم سب نے؟ میں غیر شادی شدہ ہوں اور خدانخواستہ نہ ہی کسی ایسے ویسے چکر میں بھی ملوث رہی ہوں۔۔۔ تو یہ سب کیسے ممکن ہے؟؟؟ سچ بتاؤ! کیا کیا ہے تم نے میرے ساتھ؟ ہاں؟ آزمین اُلجھ گئی۔ ارے یادداشت کھو گئی ہے کیا تمہاری آزمین؟ شادی تو ہوئی ہے تمہاری! بھانو کے ساتھ۔۔۔ سات پھیرے لیے ہیں تم دونوں نے، وہ ہندو ہے نہ تو۔۔۔ ویسے تم چاہو تو بعد میں نکاح بھی کروا دیں گے تمہارا۔۔۔ ویسے چاہتا بہت ہے تمہیں۔۔۔ آیانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کیا؟ کون سی شادی؟ کس کی شادی؟ اور کب ہوئی یہ شادی؟ وہ بھی بھانو کے ساتھ؟ ارے کل تو میں یہاں آئی ہوں، رات باہر لان میں کوئی ان دیکھا وجود۔۔۔ اور اب یہ سب کہانیاں؟ مجھے بیوقوف بنانے کی کوشش مت کرو، بہت اچھی طرح جانتی ہوں میں تمہیں بھی اور تمہاری کالی شیطانی کرتوتوں کو بھی۔۔۔ آزمین غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔ اُف! واقعی تمہاری دماغی حالت اس وقت ٹھیک نہیں۔ تم یہاں کل نہیں بلکہ چھ ماہ پہلے آئی تھی اور آتے ہی بھانو نے تم سے شادی کی درخواست کی جو تم نے جھٹ سے مان لی اور پھر میں نے تمہاری اکلوتی رشتہ دار ہونے کا بھرپور فرض ادا کیا اور تم دونوں کے پھیرے کروا دیے۔۔۔ آیانہ اطمینان سے آزمین کو بتا رہی تھی۔ میری یادداشت بھلے ہی جا چکی ہو لیکن دماغ پاگل نہیں ہوا ہے جو کسی کے بھی کہنے پہ جھٹ سے اس سے شادی رچا لوں گی۔۔۔ وہ بھی پھیرے لے کر؟ ایک ہندو سے؟ ناممکن! آزمین نے دلیل دی۔ ہاں! ویسے حیرت تو مجھے بھی ہوئی تھی کہ کہاں تم اور کہاں وہ بھانو؟ لیکن میں تمہاری اندھی محبت کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی کون ہوتی ہوں؟ آیانہ مسکرائی۔ اوہ شٹ اپ! جسٹ کٹ دِس کریپ! تمہاری اس جھوٹی کہانی پہ میں مر کر بھی یقین نہیں کر سکتی۔ ابھی تمہیں تاریخ دکھاتی ہوں اور آزمین نے بیڈ پر پھینکا ہوا فون پھر سے اُٹھایا تو اس میں وقت اور تاریخ نہیں تھی۔ اس نے سارے ویجیٹس اور ساری سیٹنگز چھان لیں لیکن تاریخ اور وقت کا اندراج کہیں نہیں ملا۔ آیانہ مسکرا کر کھڑی ہوئی اور فون کو حیرت و پریشانی سے ٹٹولتی آزمین کو دیکھ کر اس کے پاس چلی آئی۔۔۔

تم ریسورٹ کی گھڑی میں وقت تو دیکھ سکتی ہو لیکن تاریخ کا شمار نہیں رکھ سکتی۔۔۔ میری باتوں سے بھلے اختلاف کر لو لیکن اپنی بدلتی حالت کو کیسے جھٹلاؤ گی؟ آیانہ نے آخری جملہ کہتے ہوئے سامنے والی دیوار پہ لگے آئینے کی طرف آزمین کو موڑ دیا اور باہر نکل

آئی۔۔۔ اور آزمین شیشے میں اپنی بدلی ہوئی جسمانی ساخت کو دیکھ کے فرطِ حیرت میں مبتلا ہوگئی۔ اس کا موبائل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا اور نظریں آئینے میں نظر آتی اپنی جسمانی تبدیلی پر گڑ چکی تھیں۔۔۔

کہیں قریب سے بہت سی کوئلوں نے وہی پراسرار دھن چھیڑ رکھی تھی جس کی آواز سے اس کی آنکھ کھل چکی تھی۔ اسے اپنی اور آیانہ کے درمیان ہوئی سبھی باتیں یاد آنے لگیں۔۔۔ اتنا سب ہو جانے کے باوجود آخر اب تک وہ یہاں کر کیا رہی ہے؟ اسے تو یہاں سے فوراً چلے جانا چاہیے تھا۔ وہ یہ سوچ کر بیڈ سے اُٹھی، اس کی نگاہ سامنے موجود کھڑکی پر پڑی جو آج کھلی ہوئی تھی اور باہر بالکل سامنے درخت کی ایک ٹہنی پہ کچھ کوئلیں ایک ہی لائن میں بیٹھی اسے تک رہی تھیں۔ مکمل طور پر کالی سیاہ کوئلیں جن کی آنکھیں لال رنگ کی تھیں۔ اسے آخری کوئل تھوڑی الگ لگی۔ اس کا رنگ سیاہ نہیں بلکہ گہرا سرمئی تھا اور آنکھیں بھی سنہری تھیں۔ اس نے ان کا دھیان جھٹکا اور جانے کے لیے مڑی کہ اپنے سامنے آیانہ کو بیٹھے پایا۔ تم یہاں سے کہیں نہیں جا سکتی۔ خاص طور پر جب تک تم اپنی اس حالت سے فراغت نہیں پا لیتی، آیانہ نے اسے مطلع کیا۔ اچھا؟ اور تمہیں لگتا ہے کہ تمہارے کہنے سے میں رک جاؤں گی؟ آزمین بولی۔ نہیں! میرے کہنے سے نہیں، میرے چاہنے سے۔۔۔ شاید تم بھول رہی ہو کہ تم کہاں ہو؟ تم میری نگری میں ہو۔ یہاں تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں چاہوں گی اس لیے فرار کا ارادہ ترک کر دو! البتہ یہاں کچھ میل تک تم کہیں بھی چلنے پھرنے کے لیے آزاد ہو لیکن ایک مخصوص حد سے باہر تم قدم نہیں نکال سکتی۔ پھر بھی اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو کوشش کر کے دیکھ لو۔ تھکن اور ناکامی کے سوا تمہارے ہاتھ کچھ نہیں لگے گا۔ لیکن میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم جیسے ہی اس حالت سے نجات پا لو گی میں تمہیں مزید یہاں نہیں روکوں گی۔۔۔ اتنا کہہ کر آیانہ باہر نکل گئی۔۔۔ لیکن آزمین نے ہر ممکن کوشش کر دیکھنے کی ٹھان لی تھی اور پھر دوپہر کو وہ جنگل کی حدود جانچنے اور راستہ ڈھونڈنے کی غرض سے اپنے کاٹیج سے نکل آئی۔۔۔

وہ نہ جانے کب سے گھنے درختوں کے بیچ چلتی جا رہی تھی۔ اب اسے تھکن اور پیاس محسوس ہونے لگی تھی کہ تبھی اسے اپنے سامنے کچھ دور ایک خوبصورت ندی دکھائی دی۔۔۔ نہ جانے کیوں اس کے دل نے گواہی دی کہ اگر وہ اس ندی تک پہنچ گئی تو اس جگہ سے بچ نکلے گی۔ ابھی اس نے ایک قدم آگے ہی بڑھایا تھا کہ اس کا سر کسی ان دیکھی دیوار سے ٹکرایا اور وہ وہیں چکرا کر بیٹھ گئی۔ اس نے ہاتھ آگے بڑھا کر اس ان دیکھی دیوار کو چھونا چاہا لیکن اس کا ہاتھ خلا میں تھا مگر کوئی قوت تھی جو اس کے ہاتھ کو آگے بڑھنے سے روک رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ یہی وہ حد ہے جس کا ذکر آیانہ نے کیا تھا۔ وہ کچھ دیر مایوس سی وہیں بیٹھی رہی، پیاس سے اس کا حلق خشک ہو رہا تھا۔ وہ ہمت کر کے جانے کے لیے واپس پلٹی تو سامنے کاٹیج کی ملازماؤں میں سے ایک لڑکی پانی کا کٹورا لیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے اس کے ہاتھ سے کٹورا پکڑ کر منہ سے لگا لیا۔ پانی پی کر اس کی حالت کچھ سنبھلی لیکن اس بنگالی لڑکی کا یوں اچانک اس کے پیچھے نمودار ہو جانا اس کے لیے پریشان کن تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس سے خوفزدہ، من من بھاری قدموں سے واپس جانے لگی۔۔۔ وہ لڑکی اب بھی اس کے پیچھے ہی چل رہی تھی۔ باقی کا سارا دن تکلیف اور بے بسی میں گزرا۔۔۔

اگلی صبح پھر سے کوئلوں کے گانے کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی۔۔۔ سامنے کھڑکی سے باہر درخت کی شاخ پہ وہ سبھی کوئلیں ایک لائن میں بیٹھی وہی سریلی مگر پراسرار دھن گا رہی تھیں۔ وہ سب کی سب مکمل سیاہ تھیں اور ان کی آنکھیں سرخ رنگ کی تھیں ماسوائے اس ایک کوئل کے جو اسی شاخ پہ لیکن باقیوں سے قدرے فاصلے پہ بیٹھی تھی اور جس کی رنگت سیاہ نہیں، گہری سرمئی تھی اور اس کی آنکھیں سورج کی مانند روشن تھیں۔ وہ تب تک انہیں دیکھتی رہی جب تک صبح کا ہلکا اُجالا واضح روشنی میں نہیں بدل گیا۔ اس نے بیڈ پر لیٹے ہوئے ہی اپنی جسمانی تبدیلی کو آئینے میں دیکھا جو کہ تین ہی دن میں

غیر معمولی طور پر واضح ہو رہی تھی۔۔۔ جبکہ آج اسے یہاں آئے ہوئے محض چوتھا دن تھا۔ وہ گھبرا گئی۔۔۔ ایسا کیسے ممکن ہے؟ وہ بھی اتنی آسانی سے ہار نہیں ماننے گی۔۔۔ آج وہ اس ریسورٹ کے پچھلے جانب موجود باغات سے کوئی راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کرے گی۔ وہ اپنی تمام تر جسمانی کمزوری اور تکلیف کے باوجود اُٹھی اور باہر نکل آئی۔۔۔

آج وہ اسی باغ میں موجود تھی جہاں وہ پہلی رات سوئی تھی، یہ بہت خوبصورت باغ تھا جس کے آخر میں ایک لوہے کا دروازہ تھا وہ اس دروازے سے باہر آچکی تھی۔ یہاں آم کے بے تحاشہ درخت آموں سے لدے ہوئے تھے اور پورا باغ ان کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ زمین پہ بچھی نرم اور ہری گھاس کے درمیان جا بجا پیلے رنگ کے چھوٹے چھوٹے پھول اُگے ہوئے تھے۔ یہ باغ جنگل سے بھی زیادہ گھنا اور پراسرا معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن وہ چلتے جا رہی تھی اور بالآخر وہ اس مقام تک پہنچی جہاں ایک ان دیکھی دیوار اس کا راستہ روکے کھڑی تھی۔ جس کے باہر وہ ایک قدم نہ نکال پائی تھی وہ آج بھی مایوس لوٹ آئی۔۔۔

سارا دن نڈھال پڑے رہنے کے بعد بالآخر اس کی آنکھ لگ گئی اور جب آنکھ کھلی تو اس کے سامنے آیانہ ایک نہایت عمر رسیدہ خاتون کے ساتھ کھڑی تھی۔ آزمین! وقت آن پہنچا ہے۔ ہماری امانت کو ہمیں سونپ دینے کے بعد تم آزاد ہو۔ میں باہر انتظار کر رہی ہوں! اس نے آخری جملہ اس بوڑھی عورت کو دیکھتے ہوئے کہا اور باہر نکل کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور جب دروازہ کھلا تو بوڑھی عورت نے کپڑے میں لپٹے تین نومولود وجود آیانہ کے بازوؤں میں تھما دیے۔ جنہیں دیکھ کر آیانہ خوشی سے جھوم اُٹھی۔ آزمین؟ آیانہ نے سوال کیا۔۔۔ اسے سلا دیا ہے، بوڑھی عورت نے جواب دیا۔

صبح کا ملگجا اُجالا تھا کہ کھڑکی سے باہر درخت پہ بیٹھی کوئلوں نے پھر وہی پراسرار دھن چھیڑ دی جس سے آزمین کی آنکھ کھل گئی۔ آج پانچواں دن ہے، وہ چھت کو تکتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ اسے درد میں لپٹی گزشتہ رات یاد آ گئی۔ اس نے بوڑھی عورت کو نومولود اپنے ساتھ باہر لے جاتے دیکھے تھے جن کی شکلیں اسے نہیں دکھائی گئی تھیں اور نہ ہی وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اسے یاد آیا کہ بقول آیانہ کہ اب وہ آزاد ہے۔ قدم بستر سے باہر رکھتے ہی شدید درد کے احساس نے اسے پھر سے آن گھیرا، وہ حیرت سے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھنے لگی، اس کی حالت تو گزشتہ دن جیسی ہی تھی۔ کیسی ہو آزمین؟ آیانہ کی آواز پہ وہ پلٹی اور بولی، کل تم نے کہا تھا نا کہ آج میں آزاد ہوں گی تو یہ سب کیا ہے؟ ہاں! تو میری جان ایک بار ہماری امانت سونپ دو تو چلی جانا، آیانہ بولی۔ ہاں تو پچھلی رات کو۔۔۔ بولتے بولتے آزمین کی نظر آئینے پہ پڑی تو وہ خاموش ہو گئی۔ کیا پچھلی رات کو؟ ایک تو تم آج کل پتہ نہیں کیا کیا خواب دیکھنے لگی ہو؟ اچھا یہ لو جوس! تمہارے لیے۔۔۔ اس سے پہلے کہ آیانہ بات مکمل کرتی آزمین چلا اُٹھی۔۔۔ کیا شیطانی چکر چلا رکھا ہے تم نے؟ رات میں نے تین زندگیوں کو جنم دیا ہے۔ میں نے ان کی شکلیں نہیں دیکھی لیکن تکلیف سہی ہے، وہ بوڑھی عورت انہیں لے کر میرے سامنے باہر نکلی تھی اور پھر مجھے کچھ ہوش نہ رہا۔۔۔ آزمین ہذیانی ہو رہی تھی۔ میں نے کہا نا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، تم نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ تم کچھ کھاؤ پیو، میں پھر آؤں گی اور آیانہ مطمئن سی کمرے سے باہر نکل گئی۔ آزمین اس کا نام پکارتی رہ گئی اور پھر اس کے پیچھے باہر لپکی تو ہال میں گھپ اندھیرا تھا کہ تبھی تقریباً تین سال کی تین بچیاں ہنستے کھیلتے اس کے آس پاس منڈلانے لگیں لیکن ان کی ہنسی بہت خوفناک تھی۔ آزمین کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ تینوں اس سے کچھ دور جا کر کھڑی ہو گئیں۔ ان تینوں نے ہنسنا بند کر دیا تھا۔ وہ سنجیدگی سے آزمین کی طرف پلٹ کر ایک ساتھ بولیں۔۔۔ ''تو می امار ماں''۔۔۔ آزمین نے ان کی بات سمجھنے کے لیے انہیں غور سے دیکھا تو وہ تینوں ماں ماں کہتے اس کی جانب لپکیں۔۔۔ آزمین نے دیکھا کہ ان کی رنگت

انتہائی سیاہ ہو چکی تھی اور ان کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں۔ آزمین اندر تک کانپ گئی اور تیزی سے اپنے کمرے میں آ کر دروازہ بند کر لیا۔۔۔

خوف سے اس کی حالت غیر تھی۔ اس نے اپنا سانس بحال کرنے کی کوشش کی۔ تب ہی باہر کوئلوں کی آواز نے اسے متوجہ کیا تو وہ کھڑکی کے پاس چلی آئی، اس نے نوٹ کیا کہ آج ان سرخ آنکھوں والی کالی کوئلوں کی تعداد کچھ کم ہے جبکہ وہ گہری سرمئی سنہری آنکھوں والی کوئل اب بھی ان سے کچھ فاصلے پر اسی ڈال پر بیٹھی تھی۔ وہ خوف سے سارا دن کمرے سے باہر نہیں نکلی۔۔۔

رات ہونے تک اس کے درد میں پھر اضافہ ہو چلا تھا۔ آج پھر سے آیانہ اسی بوڑھی عورت کے ساتھ اس کے کمرے میں موجود تھی۔ آزمین! وقت آن پہنچا ہے ہماری امانت کو ہمیں سونپ دینے کے بعد تم آزاد ہو۔ میں باہر انتظار کر رہی ہوں! اس نے آخری جملہ اس بوڑھی عورت کو دیکھتے ہوئے کہا اور آزمین درد سے تڑپتے ہوئے حیرت سے آیانہ کو آج پھر سے وہی سب کہتے ہوئے دروازہ بند کرتے جاتا دیکھنے لگی اور پھر جب دروازہ کھلا تو بوڑھی عورت نے کپڑے میں لپٹے تین نومولود وجود پھر سے آیانہ کے بازوؤں میں تھما دیے۔ جنہیں دیکھ کر آیانہ ایک بار پھر خوشی سے جھوم اُٹھی۔۔۔ صبح کے ملگجی اُجالے کے ساتھ ہی کوئلوں کی سریلی مگر پراسرار دھن کی آواز سے آزمین کی آنکھ کھلی تو اس نے باہر شاخ پر موجود کوئلوں کی تعداد میں واضح کمی محسوس کی ایک، دو، تین۔۔۔ پہلے کبھی اس نے انہیں گننے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن پچھلے دو دنوں سے ان کی کم ہوتی تعداد کے پیش نظر آج تو واضح طور پر ان تین سرخ آنکھوں والی کالی کوئلوں کو با آسانی گنا جا سکتا تھا۔ اور اسی شاخ پہ موجود وہ گہرے سرمئی رنگ اور سنہری آنکھوں والی کوئل ان سے کچھ فاصلے پر ہمیشہ کی طرح خاموش بیٹھی تھی۔ عجیب بات تھی کہ وہ گزشتہ دو راتوں سے تین بچوں کو جنم دیتی اور اگلی صبح شاخ پر موجود تین کوئلیں غائب ہوتیں۔۔۔ آخر یہ کیا راز ہے؟ آزمین نے ایک بار پھر خود کو آئینے میں دیکھا۔۔۔ اور حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔۔۔ اس کی حالت بدستور پہلے جیسی ہی تھی۔ یہ ناممکن ہے۔۔۔ یہ سب کیا ہے؟ کون ہیں یہ وجود میرے اندر؟ جو بھی ہے یہ نارمل نہیں، نہ ہی یہ کوئی انسانی وجود ہیں۔ ناممکن ہے یہ سب۔۔۔ لیکن مجھے کچھ یاد کیوں نہیں آتا؟ میرے حساب سے تو مجھے یہاں آئے آج چھ روز ہی ہوئے ہیں۔ لیکن میری یہ حالت تو کچھ اور ہی کہتی ہے۔۔۔ بھلا یہ سب کیسے ممکن ہے؟ نہ تو میں پاگل ہوں، نہ ہی میری یادداشت کھوئی ہے، میں اس آسیب نگری سے نکلنے کی ایک بار پھر سے کوشش کروں گی۔۔۔ اس نے دل میں تہیہ کیا اور کھڑکی سے باہر نظر ڈالی جہاں بیٹھی کوئلیں اب بھی اسی کی جانب دیکھ رہی تھیں۔

اس نے پورا ریسورٹ چھان مارا تھا لیکن نہ تو آیانہ کا کہیں پتہ تھا نہ ان ملازماؤں کا۔۔۔ وہ بمشکل قدم اُٹھاتی ڈائننگ ہال سے گزر رہی تھی کہ اسے چھ سال کی تین عدد بچیاں ایک جانب سے نکل کر دوسری طرف بھاگتی دکھائی دیں۔ اس نے انہیں مخاطب کیا۔ سنو! تم نے یہاں کام کرنے والی لڑکیوں کو دیکھا ہے؟ یا آیانہ کو؟ وہ پلٹیں اور انہوں نے انکار میں سر ہلایا۔۔۔ تم لوگ کون ہو؟ آزمین نے ایک اور سوال کیا، تو وہ سب ہنسنے لگیں لیکن ان کی ہنسی میں بچوں کی سی معصومیت نہیں بلکہ شیطانیت تھی۔ ہنستے ہنستے وہ ایک دم خاموش ہو گئیں۔ انہوں نے آزمین کی طرف سر اٹھا کے دیکھا تو ان سب کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں اور رنگت سیاہ ہو چکی تھی۔ آزمین خوف سے وہیں منجمد ہو گئی۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کس طرف کو جائے کہ دوسری جانب سے تین اور بچیاں جن کی عمریں تین سال کے آس پاس تھیں، ہنستی ہوئی پہلے سے موجود بڑی بچیوں کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔ ان کی ہنسی بھی بہت خوفناک تھی۔ وہ ہنستے ہنستے اچانک خاموش ہو گئیں اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگیں اور پھر ان سب نے ایک ساتھ آزمین کی طرف دیکھا تو سب کی رنگت سیاہ

تھی اور آنکھیں سرخ انگارے۔۔۔ وہ پلک جھپکتے آزمین کے پاس پہنچ کر اچھلتی کودتی اس کے گرد ناچنے لگیں۔۔۔ تومی امار ماں! تومی امار ماں۔۔۔ وہ یہی ایک جملہ دہراتے ہوئے اس کے اور قریب آنے لگیں تو آزمین چلاتے ہوئے اپنے کمرے میں بھاگ آئی اور دروازہ بند کر کے اپنی سانسیں بحال کرنے لگی۔

خوف، تکلیف اور پریشانی سے اس کا برا حال تھا۔ وہ رو رو کر خدا کو یاد کرنے لگی۔۔۔ یا اللہ! مجھے ان آسیبوں سے نجات دے، میری مدد کر۔ وہ شام تک بستر پہ پڑی دعائیں مانگتی رہی۔ اس نے کھڑکی سے ڈھلتے سورج کو دیکھا اور اس کے سامنے درخت کی شاخ پہ بیٹھی ان تین کالی کوئلوں کو جن کی آنکھیں سرخ تھیں اور اس سرمئی رنگ کی کوئل کو بھی جس کی آنکھوں اور سورج کی روشنی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ لیکن یہ کوئلیں آج سے پہلے تو کبھی دن ڈھلے اسے نظر نہیں آئیں تھیں۔ یہ تو صرف صبح کے وقت اپنی آوازوں سے اسے بیدار کرتی تھیں لیکن اس وقت وہ سب خاموش تھیں اور اس سے زیادہ اس آسیب زدہ علاقے کی فضا خاموش تھی۔ اس نے نڈھال ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔۔۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا اور اسی اندھیرے میں اس بوڑھی عورت کا چہرہ ابھرا جو گزشتہ دو راتوں سے اس کے پاس آتی اور اس کی جنمی تین لڑکیوں کو کمرے سے باہر لے جا کر آیانہ کے حوالے کر دیتی تھی لیکن جانے سے پہلے وہ اسے کوئی جڑی بوٹی سونگھا کے جاتی تھی جس کے اثر سے آزمین کچھ ہی پل میں دنیا و مافیہا سے بے خبر نیند کی آغوش میں چلی جاتی تھی۔ آزمین نے اندھیرے کمرے میں اس عورت کے نورانی چہرے کو غور سے دیکھا لیکن آج اسے آیانہ دکھائی نہیں دے رہی تھی اور اس سے پہلے کہ وہ اس بوڑھی عورت سے کوئی سوال کرتی، اس عورت نے منہ پہ انگلی رکھ کے آزمین کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ابھی وقت نہیں آیا، اس لیے آیانہ بھی نہیں آئی۔۔۔ میں تمہیں یہ بتانے آئی ہوں کہ آج رات تین بجے جب ہم تمہارے پاس آئیں گے تو میں آج بھی تین نومولود لڑکیوں کو باہر لے جا کر آیانہ کے حوالے کر دوں گی لیکن آج میں تمہیں کوئی جڑی بوٹی نہیں سنگھاؤں گی۔ تم میرے جاتے ہی غسل خانے میں چلی جانا، وہاں تمہارے لیے ایک لباس رکھا ہوگا، جسے تمہیں نہا کے پہننا ہے۔ اس کے پہننے سے تم ہر طرح کی شیطانی نظروں اور ہر قسم کے آئینوں تک سے اوجھل ہو جاؤ گی کیونکہ آئینوں میں بھی شیطانی قوتیں ہوتی ہیں۔ اس کے بعد تمہیں صبح ہونے کا انتظار کرنا ہے اور جیسے ہی رات کی سیاہی چھٹنے لگے تم اس کھڑکی کے راستے باہر آ جانا، میں تمہیں باہر کھڑی ملوں گی۔

تمہیں بس تین باتوں کا خیال رکھنا ہے، پہلی بات یہ کہ تم دروازے کے راستے کبھی بھی باہر مت نکلنا، بھلے ہی وہ لباس پہننے کے بعد تم سب شیطانی نظروں سے اوجھل ہو جاؤ گی لیکن دروازے کے ہلنے جلنے یا کھلنے اور بند ہونے سے یہ سب ہوشیار ہو جائیں گی۔ دوسری بات! کھڑکی سے باہر نکلنے سے پہلے اس بات کا یقین کر لینا کہ سامنے درخت پہ وہ کوئلیں موجود نہ ہوں جنہیں تم روز دیکھتی اور سنتی ہو، جس کی مجھے امید ہے کہ کل صبح وہ تمہیں دیکھنے کو نہیں ملیں گی کیونکہ تب تک وہ سب ایک اور روپ میں جنم لے چکی ہوں گی لیکن پھر بھی اگر تمہیں وہ نظر آئیں تو تمہیں ان کے چلے جانے تک کا انتظار کرنا ہوگا کیونکہ اگر اس عمارت کے اندر کا کوئی دروازہ کھلتے یا بند ہوتے دیکھا جا سکتا ہے تو اس تنگ کھڑکی سے اترتے چڑھتے اس کے کواڑ بھی تمہارے ٹکرانے سے ہل سکتے ہیں اور شاخ پہ بیٹھی وہ کوئلیں متوجہ ہو سکتی ہیں۔ بھلے وہ تمہیں نہیں دیکھ سکیں گی لیکن تمہارے فرار کی خبر پھیلنے کی صورت میں تمہارا یہاں سے نکلنا مشکل میں پڑ سکتا ہے۔

آزمین اس عورت کی باتوں پہ حیران تھی۔ اس سے سوال کرنا چاہتی تھی کہ آخر وہ کوئلیں کون ہیں اور میرے ذریعے انسانی شکل میں کیسے جنم لے رہی ہیں؟ اور یہ بھلا کیسے ممکن ہے کہ میں لگاتار تین راتوں سے متواتر ان آسیبوں کو جنم دے رہی ہوں؟ اس سے پہلے

کہ آزمین اس عورت کے دوسرے نکتے کو سنتے ہوئے ذہن میں آتے ان سبھی سوالوں کو زبان پہ لاتی، اس عورت نے پھر سے منہ پہ انگلی رکھ کے ایک بار پھر آزمین کو بات کرنے سے روک دیا اور بولی۔۔۔تیسری اور سب سے اہم بات! تم مجھ سے کوئی بات نہیں کرو گی نہ کوئی سوال پوچھو گی۔ اس وقت تمہارے اندر جو شیطانی طاقتیں دنیا میں آنے کو بے چین ہیں، وہ تمہارے ہر جسمانی فعل سے آگاہ ہیں۔ اگر تم نے کچھ بولا تو وہ سن لیں گی۔ اسی لیے مجھے تمہارے خواب میں آکر تم سے بات کرنی پڑی کہ خواب کا تعلق روحانی ہے اور تمہاری روح پہ اب تک ان آسیبوں کا قبضہ نہیں ہے تو میں صرف اسی ایک طریقے سے تم سے مخاطب ہو سکتی تھی۔ لہٰذا جب تک میں تمہیں اجازت نہ دوں، تم بات نہیں کرو گی۔ تمہیں بھلے کوئی نہ دیکھ سکے لیکن اس علاقے میں پھیلے آسیب تمہاری آواز سن سکتے ہیں۔ تھوڑا صبر رکھو، تمہیں تمہارے سب سوالوں کے جواب جلد مل جائیں گے لیکن اس سب کے لیے تمہیں بہت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ اگر یہاں سے نکلنا چاہتی ہو تو میری بتائی سبھی باتوں کو یاد رکھنا، انہیں کوئی عام سا خواب سمجھ کے بھول نہ جانا۔۔۔ اور یہ کہتے ہی وہ بوڑھی عورت اندھیرے میں غائب ہوگئی اور کمرے میں روشنی چھا گئی۔ اسی لمحے دروازہ کھلنے کی آواز کے ساتھ اس نے بھی آنکھیں کھول دیں اور دروازے سے آیانہ کے ساتھ اسی بوڑھی عورت کو کمرے میں آتے دیکھا جس سے وہ ابھی ابھی خواب میں ملاقات کر چکی تھی۔ آج آزمین نے اس عمر رسیدہ عورت کے نورانی چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ کو واضح طور پہ محسوس کیا تھا اور وہ سمجھ چکی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔۔۔

آزمین! آج وہ رات آن پہنچی ہے جس کے بعد تم اس تکلیف سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نجات پا لو گی۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتی کہ میں آج کتنی خوش ہوں؟ تم نے میرا بہت بڑا کام کیا ہے اور اس کے انعام کے طور پہ میں تمہیں اپنے ہر اثاثے میں برابر کی شراکت داری کی پیشکش کرتی ہوں۔ اور یہ سب تو کچھ نہیں بس شروعات ہے، تم جو چاہو گی میں تمہیں دوں گی۔ بے شک تم میرے کسی کام میں میرا ساتھ نہ دو یا اپنے خاندانی پیشے کو نہ اپناؤ، بس تمہیں خود کو میرے کاموں میں مداخلت اور ان پہ اعتراض کرنے سے خود کو باز رکھنا ہوگا تو یہ سب تمہارا ہے اور جو چاہو وہ بھی۔۔۔ آیانہ کی اس آفر پہ آزمین نے اسے کہا، اگر تم وعدہ کرتی ہو کہ مجھے اس سب شیطانی چکروں سے دوبارہ نہیں گزرنا پڑے گا اور تم مجھے اپنے کسی بھی عمل میں مدد پہ مجبور نہیں کرو گی تو مجھے یہاں رہنا منظور ہے لیکن مجھے سوچنے کے لیے ایک دن کی مہلت چاہیے۔۔۔ ایک دن؟ میری جان! میری بہن! ایک کیا؟ تم دو دن کی مہلت لے لو۔۔۔ تمہیں یہاں رکھنے میں اب میرا کوئی فائدہ نہیں لیکن تم نے میرے لیے جو کر دیا ہے اس کے بعد یہ آفر میری طرف سے تمہارے لیے بس ایک انعام ہے کیونکہ تم نہیں جانتی کہ تم نے کتنا بڑا کام کیا ہے میرا۔۔۔ تم کل سارا دن آرام سے سوچو کہ اس میں تمہارا کتنا فائدہ ہے؟ میں پرسوں تمہارا جواب سننے تمہارے پاس آؤں گی، آیانہ خوشی سے بولی تو آزمین نے سر ہلا کر حامی بھری اور پھر درد سے بند ہوتی آنکھوں سے عمر رسیدہ خاتون کو دیکھا تو آیانہ نے مسکراتے ہوئے اس بوڑھی عورت کو سر ہلا کر آزمین کے پاس جانے کی اجازت دی اور خود کمرے سے باہر نکلتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔

دروازہ کھلا تو آج پھر سے تین نومولود بچیاں آیانہ کی گود میں دے دی گئیں جن کی رنگت سیاہ اور آنکھیں سرخ انگارہ تھیں۔ وہ تینوں آیانہ کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں اور آیانہ ان خوفناک بچیوں کو دیکھ کر خوشی سے جھوم رہی تھی۔ آزمین؟ اسے سلا دیا ہے، عمر رسیدہ عورت نے جواب دیا۔ ٹھیک ہے! میں نے آپ کی درخواست پہ آپ کی مدد قبول کی تھی۔ آپ کا کام اب ختم ہو چکا ہے اس لیے اب آپ جا سکتی ہیں۔ لیکن یاد رہے، آج کے بعد آپ دوبارہ یہاں یا میرے علاقے کی حدود میں کبھی قدم نہیں رکھیں گی، آیانہ نے تنبیہہ کی۔ تم دونوں کو دیکھ لیا، بس میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ مجھے

اب کسی شے کی طلب نہیں۔۔۔اس کے اتنا کہنے کی دیر تھی کہ الگ الگ کمروں سے تین نو سال کی اور تین چھ سال کی بچیاں خوشی سے ناچتے ہوئے اندر آئیں اور آیا نہ سے لپٹ کر نومولود بچیوں کو دیکھنے لگیں اور پھر یک دم خاموش ہو کر غصے میں بوڑھی عورت کو اپنی سرخ انگارہ آنکھوں سے گھورنے لگیں، ان سب کی رنگت بھی سیاہ ہو چکی تھی۔ یہ سب دیکھ کر وہ بوڑھی عورت خاموشی سے باہر چل گئی۔

آنکھیں بند کیے بستر پہ پڑی آزمین کے کان باہر شور مچاتی ان پراسرار بچیوں کی آوازوں پر ہی تھے اور پھر اس نے آیا نہ کو انہیں اپنے ساتھ ریسورٹ کی مرکزی عمارت کے طرف چلنے کو کہتے سنا۔۔۔اور جب اسے مکمل یقین ہو گیا کہ اب وہ سب اس کاٹیج سے نکل چکی ہیں تو وہ جھٹ سے بستر سے اُٹھ کر غسل خانے کی طرف لپکی۔۔۔ جہاں اس نے نہا کے پہلے سے موجود ایک سفید رنگ کا لباس زیب تن کیا جو کسی لمبے سے چوغے کی مانند تھا جس کے گلے سے منسلک سر ڈھانپنے کے لیے ایک ہوڈ سا بنا ہوا تھا۔ اس نے خود کو آئینے میں دیکھا، جس میں اسے صرف اپنی گردن کا اوپری حصہ نظر آ رہا تھا۔ اس نے سر کو ہوڈ سے ڈھانپا تو اب وہ مکمل طور پر اپنی ہی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ باہر نکلنے سے پہلے اس کی نظر لباس والی جگہ پہ اسی کپڑے سے بنے ہوئے موزوں پر پڑی جو جرابیں کم اور لونگ بوٹ زیادہ لگ رہے تھے۔ اس نے اپنے پیروں کی طرف دیکھا تو اسے یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہ لگی کہ اسے اپنے پیروں کو بھی اس لباس سے ڈھانپنا ہے اور اس نے جھٹ سے وہ جوتے نما موزے پہن لیے۔۔۔

ساتویں دن کے صبح کا اُجالا ہونے میں بس کچھ ہی دیر تھی۔ بستر پہ لیٹے ہوئے اس کی نظریں سامنے کھڑکی کے باہر درخت پر ہی جمی تھیں اور پھر درخت کی شاخ ملگجے اُجالے میں نمایاں ہونے لگی۔۔۔ جسے وہ سانس روکے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اور پھر وہ یہ دیکھ کر خوشی سے اُٹھ بیٹھی کہ آج نہ تو شاخ پر وہ خوفناک کوئلیں تھیں اور نہ ہی ان کی خوبصورت آوازوں سے بنی وہ پراسرار دھن جو روز اس کا استقبال کرتی تھی۔ اس نے اللہ کا نام لے کر بستر سے قدم اتارا اور احتیاط کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کھڑکی سے باہر نکلنے لگی۔۔۔ کھڑکی بہت تنگ تھی لیکن پھر بھی اس کی پوری کوشش تھی کہ وہ کھڑکی کے کواڑ سے ٹکرا نہ جائے کہ اس وقت ہوا بالکل بند تھی اور خالی ہلتے ہوئے کواڑ کسی کو بھی اس طرف متوجہ کر سکتے تھے۔ اتنی احتیاط کے باوجود کھڑکی کا ایک کواڑ اس کے باہر قدم رکھتے ہی پیچھے کی جانب ہوا تو وہ دم سادھے وہیں گھاس پہ بیٹھ گئی اور یہاں وہاں تکنے لگی، اس کی نظریں بے ساختہ سامنے والے درخت کی جانب اُٹھ گئیں۔۔۔شکر ہے! اس نے دل ہی دل میں کہا، وہ شاخ خالی تھی۔۔۔ پھر اُس نے ایک طرف اس عمر رسیدہ عورت کو کھڑے دیکھا جو اسے خاموشی سے اپنے پیچھے چلنے کا اشارہ کر کے مڑ چکی تھی۔ اس لباس میں جبکہ آزمین بھی خود کو آئینے میں نہ دیکھ پائی تھی تو وہ بوڑھی عورت اسے کیسے دیکھ پا رہی تھی؟ وہ آخر ہے کون؟ انہی سوالوں کو دل میں لیے جب وہ اس بوڑھی عورت کے پیچھے جانے کے لیے کھڑی ہوئی تو اس نے ایک آخری نظر اس درخت کی خالی شاخ پر ڈالی جو اب خالی نہیں تھی۔۔۔شاخ کے ایک سرے پر اسے وہ گہرے سرمئی رنگ کی کوئل اپنی مخصوص جگہ بیٹھی نظر آئی۔۔۔ایک پل کے لیے تو اس کی سانسیں وہیں تھم سی گئیں۔۔۔ وہ گہرے سرمئی رنگ کی کوئل اپنی سنہری آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اب کیا ہو گا؟ آزمین نے دل میں سوچا۔۔۔کیا یہ مجھے دیکھ سکتی ہے؟ آزمین انہی خیالوں کے تانے بانے بنتی عمر رسیدہ عورت کے پیچھے جانے لگی۔ وہ کوئل یقیناً آزمین کو دیکھ سکتی ہے، اس بات کا آزمین کو مکمل یقین ہو چلا تھا۔ اس نے عمر رسیدہ عورت کو اس بارے میں آگاہ کرنا چاہا مگر اسے بات کرنے کی ممانعت تھی سو وہ خاموش رہی۔ لیکن اس کی نگاہیں اسی کوئل پر ٹکی تھیں جو اس کی نظروں سے اوجھل ہونے تک اسے ہی گردن موڑے دیکھتی رہی۔۔۔

جیسے جیسے صبح کا اُجالا بڑھ رہا تھا جنگل کا گھنا پن بھی بڑھتا جا رہا تھا۔ انہیں اس گھنے اور پراسرار جنگل میں چلتے ہوئے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ آزمین نے جنگل کی خوبصورتی کو خوفناکی میں بدلتے ہوئے دیکھا۔ اسے اپنے آس پاس سرسراہٹیں محسوس ہونے لگیں، کبھی اسے سرگوشیاں سنائی دیتیں تو کبھی بہت تو ناگوار بو محسوس ہوتی۔ وقتی طور پہ وہ خوف سے اپنے بڑھتے قدم روک لیتی۔۔۔ اسے رکتا دیکھ وہ بوڑھی عورت اس کے پاس پہنچ کر اس کا ہاتھ تھامتی اور اسے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتی۔۔۔ وہ جیسے جیسے جنگل کے اندر جاتے جا رہے تھے، ان آوازوں نے مناظر کی صورت اختیار کرنا شروع کر دی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے نہ جانے کہاں سے بہت سی نوجوان لڑکیاں اسے اپنے سامنے نظر آنے لگیں۔۔۔ کوئی درختوں کے اردگرد بھاگ رہی تھی تو کوئی کسی شاخ پر بیٹھی تھی تو کوئی کسی درخت پہ چڑھنے میں مصروف تھی۔ اس کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے نمودار ہونے لگے۔۔۔ اسے لگا کہ اسے کوئی نہ کوئی دیکھ لے گا کہ تبھی اس بوڑھی عورت نے ایک بار پھر آگے بڑھ کر اسے حوصلہ دیا۔ اس کی بوڑھی اور ذہین آنکھوں میں نہ جانے کیا خاصیت تھی کہ وہ ہر بار پھر سے چلنے لگتی۔۔۔ کچھ آگے چل کر اس کے بڑھتے قدم کے آگے اس عورت نے اپنا ہاتھ رکھ کے اسے روک دیا۔۔۔ آزمین نے حیرت سے پہلے اس بوڑھی عورت کو دیکھا اور پھر اس کی بوڑھی نظروں کے تعاقب میں زمین پہ پھیلے اس بڑے سے دائرے نما کالے نشان کو دیکھا جس کے اندر مزید کئی نوکیں تکونیں ایک خاص ڈیزائن میں بنائی گئی تھیں۔ آزمین نے زمین پہ بیٹھ کے کئی گز پہ پھیلے اس بڑے سے نشان کو غور سے دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ یہ نشان گھاس پہ جلنے سے بنا ہے اور تبھی اس کے ذہن میں آیانہ کی زبانی سنی اپنی ماں اور خالاؤں کے زندہ جلائے جانے والی کہانی ابھرنے لگی اور اسے معلوم ہوا کہ یہ تو سانجھ اور اُتروپ کے درمیانی جنگل کی وہی جگہ ہے جہاں اس کی ماں اور اس کی نو خالاؤں کو جادوگرنی ہونے کے جرم میں گاؤں والوں نے زندہ جلا دیا تھا۔ اپنی بے قصور ماں کو یاد کرتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور تب ایک بار پھر اس بوڑھی عورت نے آگے بڑھ کر آزمین کو یہ راستے بدلنے میں مدد کی۔

وہ لوگ وہاں سے کافی آگے آ چکے تھے مگر ان پراسرار لڑکیوں کی سرگرمیاں اسی طرح جاری تھیں جو نہ جانے اچانک کہیں سے بھی نمودار ہو جاتیں۔ کبھی ہوا میں اچھل کر پیڑوں پہ جا بیٹھتیں تو کبھی ہوا میں تیرتی گزر جاتیں۔ انہیں دیکھ کے آزمین کو اس بات کا تو یقین ہو چلا تھا کہ خوشی سے ناچتی، چیختی اور اچھلتی کودتی یہ لڑکیاں انسان ہرگز نہیں ہیں لیکن پھر بھی وہ سب اسے نہیں دیکھ پا رہی تھیں اور یہی بات اس کے لیے تسلی بخش اور حوصلہ افزا تھی۔ پھر بھی وہ سارا راستہ ان سے بچ بچ کر گزرتی رہی اور پھر کافی چلنے کے بعد آزمین کو کچھ دور جنگل کی وہی ندی نظر آئی جو ایک بار فرار کا راستہ ڈھونڈتے ہوئے اس نے پہلے بھی دیکھی تھی لیکن اس تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کے پار جانے کی آیانہ کی مقررہ حد ختم ہو چکی تھی۔ مگر آج اسے دیکھ کر اسے اپنی نجات یقینی نظر آ رہی تھی۔ وہ تول تول کے قدم بڑھا رہی تھی اور اس ندی تک پہنچنے ہی والی کہ اچانک ایک لڑکی بھیانک آواز میں چیختی ہوئی اسے اپنے سامنے تیزی سے اُڑتے ہوئے آتی دکھائی دی۔۔۔ وہ جیسے ہوا میں معلق تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ خود بھی خوف سے چیخ پڑتی یا اس لڑکی کے پیروں سے ٹکرا جاتی، بوڑھی عورت نے پلک جھپکتے آزمین کے منہ پہ ہاتھ رکھ کے اسے نیچے لٹا دیا۔۔۔ اور وہ لڑکی ان کے سر کے اوپر سے چیختے ہوئے گزر گئی۔ آزمین نے پلٹ کے دیکھا تو وہ کسی بہت بڑے جھولے پہ سوار تھی جس کی ڈوریاں دور کسی بہت اونچے درخت سے بندھی تھیں یا شاید آسمان سے کسی ان دیکھی شے سے جڑی تھیں۔ آزمین کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا لیکن اسے ایک تسلی تھی کہ وہ جو کوئی بھی تھی آزمین کو نہیں دیکھ سکی تھی۔

اور پھر اس بوڑھی عورت نے آزمین کا ہاتھ تھاما

تو بس چلتی رہی یہاں تک کہ ندی کنارے پہنچنے پر ہی اس کا ہاتھ چھوڑا اور مسکرا کر آزمین کو دیکھا اور تب آزمین کو اندازہ ہوا کہ آج وہ آیانہ کی بنائی حد کو با آسانی پار کر آئی ہے۔ اس نے سکھ کا سانس لیا اور جواباً وہ بھی مسکرائی، وہ ابھی کچھ بولنے ہی والی تھی کہ اس بوڑھی عورت نے ایک بار پھر منہ پہ ہاتھ رکھ کے اسے بات کرنے سے باز رکھا۔ پہلے تو وہ حیران ہوئی لیکن پھر سمجھ گئی کہ یعنی ابھی خطرہ ٹلا نہیں۔ بھلے آیانہ کی جادوئی حدود پار ہو چکی ہوں لیکن ابھی اسے مزید محتاط رہنا ہے۔ اور پھر ندی کی طرف بوڑھی عورت کے اشارے سے وہ سمجھ گئی کہ وہ اس ندی پہ کچھ پل ستا سکتی ہے۔ اس نے جلدی سے ندی کا ٹھنڈا اور شفاف پانی پیا تو جیسے اس کی جان میں جان آئی اور پھر وہ بوڑھی عورت کی رہنمائی میں ندی کے کنارے کنارے آگے بڑھنے لگی۔

اب جنگل ختم ہو چکا تھا اور سامنے ایک ہرا بھرا گاؤں تھا۔ وہ اس بوڑھی عورت کے سنگ گاؤں کے ایک گھر پہنچی۔ دستک دی گئی تو ایک پینتیس چالیس سال کے مرد نے دروازہ کھولا۔ شاہ صاحب کی امانت لائی ہوں۔۔۔ اور وہ آدمی جیسے آزمین کی آمد کے انتظار میں ہی تھا، فوراً دروازے سے ہٹ کر آزمین کو اندر آنے کا راستہ دینے لگا۔۔۔ آزمین نے پلٹ کے اس بوڑھی عورت کو دیکھا تو وہ بولی۔۔۔ بے فکر ہو جاؤ۔ اب تم آزاد بھی ہو اور محفوظ بھی۔۔۔ دوبارہ یہاں کبھی مت آنا۔ اللہ حافظ! اتنا کہہ کر وہ بوڑھی عورت پلٹی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی نظروں کے سامنے غائب ہو گئی۔۔۔ آزمین نے حیرت سے خالی فضا کو اور پھر دروازے سے ہٹ کے کھڑے اس آدمی کو سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ مسکرا کر بولا، شاہ بابا آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس آدمی کو تو جیسے اس بوڑھی عورت کے غائب ہو جانے سے کوئی فرق ہی نہ پڑا تھا۔ جیسے یہ اس کے لیے کوئی معمولی بات تھی۔ وہ حیرت اور پریشانی میں گھری گھر کے اندر چل آئی۔

وہ حیران و پریشان صحن کے بیچوں بیچ کھڑی تھی اور اس کے سامنے لمبی، سفید داڑھی والے ایک بہت بوڑھے اور باریش بزرگ بیٹھے تھے جن کی بھنویں تک سفید تھیں سر پر پگڑی اور عمر نوے، پچانوے سال کے آس پاس تھی۔ انہوں نے آزمین کو اپنے سامنے پڑی کرسی پہ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے پاس بے شمار سوال تھے لیکن زبان جیسے ساتھ نہ دیتی تھی اور پھر اس کی آنکھوں سے اشک بہنے لگے اسے جب احساس ہوا کہ وہ رو رہی ہے تو اس نے حیرت سے اپنے آنسو صاف کیے اور تب ان باریش بزرگ کی شفقت بھری آواز اس کے کانوں میں پڑی۔۔۔ تم بالکل اپنی ماں جیسی ہو۔ وہ بھی جب پہلی بار مجھ سے ملی تھی، کلمہ پڑھنے سے لے کر نکاح پڑھنے تک اس کی آنکھیں بھی بہتی ہی رہی تھیں۔ جانتی ہو ایسا کیوں ہوتا ہے؟ جب انسان خدا کی بے لوث محبت اور رحمت کا نظارہ کرتا ہے تو اس کی زندگی کے سبھی گلے شکوے، شکایتیں اور پچھتاوے آنسو بن کر بہہ نکلتے ہیں اور انسان کے سبھی گناہ دھل جاتے ہیں عاجزی کے پانی سے۔۔۔

اتنی خوبصورت بات شاید اس نے کبھی کسی کو کہتے نہیں سنی تھی۔ آپ میری ماں، میرے بابا کو جانتے ہیں؟ آزمین نے پوچھا۔ میں تو تمہاری ماں کی ماں کو بھی جانتا ہوں اور تمہاری ماں کی بہنوں اور تمہاری بہن کو بھی۔۔۔ ستائیس سال پہلے تمہاری ماں مجھے تم دونوں لڑکیوں کی ذمہ داری سونپ کے گئی تھی لیکن مجھ سے پہلے تمہاری نانی تم دونوں تک پہنچ گئی۔ نہ میں تمہاری ماں کو بچا سکا اور نہ تم بہنوں کو لیکن مجھے خوشی ہے کہ اللہ کے حکم سے میں آج تمہیں اس شیطانی جنگل سے نکالنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ لیکن تمہاری بہن کو نہیں بچا سکا کہ وہ خود اس سب سے نکلنا نہیں چاہتی، انہوں نے افسوس سے کہا۔ تو کیا آپ نے ان بوڑھی خاتون کو میرے پاس بھیجا تھا؟ آزمین نے پوچھا۔ میں نے تو بس تمہارے لیے یہ لباس بھیجا تھا، تمہاری پردادی تو خود تمہاری مدد کو وہاں پہنچیں تھیں۔۔۔ ان کے اتنا کہتے ہی ایک کمرے سے تیس پینتیس سال کی ایک عورت ہاتھ

میں شربت کا گلاس لیے اس کی طرف بڑھی۔۔۔ یہ میری بہو ہے، میرے پوتے کی بیوی، کپڑا بنتی ہے، اسی نے یہ کپڑا بُنا اور سلائی کی اور میں نے اس پہ دم کر دیا اور اللہ کے حکم سے تم ان آسیبوں کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

وہ گنگ تھی۔ وہ اسے حیران دیکھ کے پھر سے بولے، تم کچھ دن پہلے جب یہاں آئی تھی تو سانجھ رُکی تھی نہ کچھ پل کو؟ بس تمہارے کسی اپنے نے تمہیں وہاں دیکھا اور پھر انہوں نے مجھے تمہارے اُترروپ میں تمہاری بہن کے ہاتھوں وہاں قید ہو جانے کی روداد سنائی اور تب ہم سب نے تمہارے وہاں سے نکلنے کی ترکیب کی اور اللہ کے حکم سے آج تم یہاں ہو۔ وہ نہ جانے کیا کہہ رہے تھے اسے؟؟؟ کیا؟ اُترروپ؟ نہیں میں اُترروپ نہیں جا سکی، مجھے تو آیانہ نے جل ماچھی نامی ایک گاؤں کے ریسورٹ میں قید کیا تھا۔ اس نے بتایا تو وہ بولے، بیٹی! جل ماچھی نام کا کوئی گاؤں یہاں ہے ہی نہیں، وہ اُترروپ ہی تھا اور وہ کوئی ریسورٹ نہیں تمہاری نانی کا وہی گھر تھا جہاں وہ سب کالا جادو کرتی تھیں۔ وہ ریسورٹ تو بس تمہاری نظروں کا دھوکہ تھا۔ ایک جال، تمہاری آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے۔۔۔ ستائیس سال پہلے سانجھ والوں نے اُترروپ کا وہ گھر بھی جلا دیا تھا اور پھر سانجھ بھی جل گیا اور آہستہ آہستہ اُترروپ کے لوگ بھی وہاں سے جانے لگے اور وہ بھی سانجھ کی طرح ویران رہ گیا۔۔۔ وہاں تو بس ویرانے ہیں یا تمہاری نانی کے اجڑے باغات۔۔۔ انہوں نے خلاصہ کر کے آزمین کو مزید حیران کر دیا تھا۔

لیکن میری پردادی تو مر چکی ہیں؟ تو میری مدد کو کیسے آسکتی ہیں؟ کیا وہ ان کی روح تھی؟ وہ حیران تھی۔ بیٹی! جسم مرتا ہے روح نہیں! اور نیک روح تو ایک توانائی کی طرح ہوتی ہے۔ روشن اور آزاد۔۔۔ جسے اللہ جہاں چاہے تا قیامت کوئی ٹھکانہ دے دے، آسمانوں پہ، زمین میں یا جہاں اللہ چاہے۔۔۔ اور اللہ جس کی مدد کرنا چاہے اس کے لیے کوئی بھی وسیلہ بنا سکتا ہے، اس کی مدد کے لیے کسی کو بھی چن سکتا ہے، زندہ جسم یا روح، نیک یا بد، انسان یا جن۔۔۔ اور تم جس تکلیف سے دوچار تھی، اس میں تمہاری پردادی سے بہتر کون ہو سکتا تھا تمہاری مدد کو پہنچنے والا؟ دائی ماں! آس پاس کے سبھی گاؤں کی سب سے تجربہ کار خاتون تھیں۔ تو بس وہ پہنچ گئیں تمہاری بہن کے پاس اور اس کے کام میں اس کی مدد کرنے کے لیے کسی طرح اسے منا ہی لیا۔

شاہ بابا کی اس بات سے آزمین کو اپنی حالت یاد آگئی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں بہت گناہ گار ہوں لیکن یقین جانیئے! یہ گناہ میں نے نہیں کیا تھا جس کی سزا اور تکلیف میں نے جھیلی ہے۔ میں نے اپنی روح کو پاک رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن میرا جسم کیسے ناپاک ہوگیا؟ میں اس سے قطعی انجان ہوں۔ وہ سسکیاں لینے لگی۔۔۔ بیٹی! تمہارا جسم بھی پاک ہے تمہاری روح کی طرح۔۔۔ وہ سب تو ایک شیطانی چکر تھا۔ محض ایک کھیل کھیلا گیا ہے تمہارے دل و دماغ کے ساتھ۔۔۔ ایک شیطانی کھیل! ایک بہت بڑے جادوئی عمل کے لیے تمہیں صرف استعمال کیا گیا ہے۔ تمہاری خالاؤں کی بدروحوں کو شیطان کی قید سے چھڑوانے اور اس دنیا میں دوبارہ لانے کے لیے۔۔۔ لیکن تمہاری بیوقوف بہن کیا نہیں جانتی کہ خدا کے علاوہ کون ہے جو انسان کو موت اور زندگی دے سکے؟ تمہارے ذریعے انسانوں کو نہیں انہیں نوڈائنوں کو واپس لانے کی کوشش کی گئی ہے جنہیں جلا کے مار دیا گیا تھا اور اس سے پہلے کہ ان دس جادوگرنیوں کا گروہ پورا کیا جاتا تم پہ اللہ نے کرم کیا اور تم اس آسیب نگری سے نکل آئی۔۔۔ اب تم ہی بتاؤ کہ تین ہی دن کے حمل سے کون سی عورت کسی انسان کو فوراً جنم دے سکتی ہے؟ اور پھر سات دنوں میں نو انسانوں کی لگاتار پیدائش؟

کیا؟ تین دن؟ لیکن آیانہ تو مجھے چھ مہینوں کا یقین دلا کر مجھے میری یادداشت کھونے کا الزام دیتی رہی۔۔۔ جبکہ میں ہر روز ایک ایک دن گنتی تھی اور مجھے بھی یقین تھا کہ میں نے وہاں سات ہی دن گزارے ہیں، آزمین شاہ بابا کی یقین دہانی پہ پرسکون ہو چلی تھی۔

بیٹی! جھوٹ شیطان کا سب سے پہلا ہتھیار ہے، جس سے وہ انسان کو دھوکہ دیتا ہے۔ ان بدروحوں نے بھی یہی کیا جو کوئل کے روپ میں تمہاری چوکیداری کرتی تھیں۔ اور بیٹی! کوئل کی ایک قسم ایسی بھی ہوتی ہے جو کہ دوسروں کے گھونسلوں میں جا کر اپنے انڈے دیتی ہے تا کہ انہیں کوئی اور سینچے اور پالے۔۔۔ وہ نو کوئلیں وہی نو ڈائنیں تھیں۔ جنہیں ڈائنوں کے روپ میں جنم تو تم نے دیا ہے لیکن یہاں ان کی ماں آیانہ ہی کہلائے گی۔۔۔ بالکل اس کوئل کی طرح جو اپنے انڈوں کے لیے دوسرے پرندوں کا گھونسلہ استعمال کرتی ہے۔ دس ڈائنوں کے اس ادھورے جھنڈ کو پورا کرنے والی دسویں کوئل وہ خود ہے۔ آزمین کے لیے یہ سب باتیں بالکل نئی تھیں۔ اسے کوئلوں کی خصلت اور طرز زندگی کے بارے میں کچھ خبر نہیں تھی۔ لیکن یہ بات تو سچ ہے کہ وہ بہت پراسرار تھیں اور ہر روز ایک پراسرار دھن بھی گنگناتی تھیں۔

ان بدروحوں کو انسانی شکل میں ڈھالنے کے لیے انہیں کے خاندانی خون اور جسم کی ضرورت تھی اور آیانہ نے بڑی چالاکی سے اس کام کے لیے تمہیں استعمال کیا تا کہ خود وہ کسی بھی قسم کی تکلیف سے محفوظ رہ سکے اور اس سے جڑے اپنے جادوئی عملیات بھی جاری رکھ کے شیطان کی خوشنودی حاصل کر سکے۔ یوں تو اسے تمہاری مزید ضرورت نہیں لیکن تمہارا اس کی آسیبی نگری سے یوں فرار ہو جانا اسے تمہارا کھلا دشمن بنا سکتا ہے۔ شاہ بابا نے اتنا کہہ کر اپنی بہو سے پانی کا ایک کٹورا منگوایا اور کچھ دیر تک اس پر قرآنی آیات اور دعائیں پڑھ کر پھونکتے رہے اور پھر اس عورت کو وہ کٹورا واپس کرتے ہوئے بولے۔۔۔ بیٹی! اس بچی کو اندر لے جاؤ اور اسے غسلِ صحت دو، اور اس کے اسی لباس کو دھو کر اسے پھر سے پہنا دو، اس کے بعد اسے اچھے سے کھانا کھلا کر سلا دو۔ وہ عورت تابعداری سے آزمین کو لے جانے کے لیے آگے بڑھی تو شاہ صاحب آزمین سے بولے، بیٹی! صبح فجر کے بعد تمہیں یہاں سے نکلنا ہے، میرا پوتا تمہیں اسٹیشن تک چھوڑ آئے گا۔۔۔ لیکن دھیان رکھنا یہ لباس تبدیل مت کرنا جب تک تم بنگال کی حدود سے نکل نہیں جاتی۔ وہ مشکور سی وہاں سے اُٹھ کر اس عورت کے ساتھ اندر چلی گئی۔

شاہ صاحب کی بہو نے ان کا دم کیا ہوا کٹورے کا پانی حمام کے پانی میں ڈال دیا اور آزمین سے اس کے کپڑے لیکر دھونے کے لیے چلی گئی اور جتنی دیر میں آزمین نہا کر فارغ ہوئی وہ عورت وہ لباس لے کر واپس بھی آ گئی جو کہ پہلے سے زیادہ اجلا لگ رہا تھا۔ یہ اتنی جلدی سوکھ کیسے گیا؟ آپ کے پاس کوئی ڈرائیر ہے؟ آزمین کو اس گاؤں میں کسی بھی جدید ٹیکنالوجی کے وجود پہ شبہ تھا۔ ہاں! ڈرائیر تو ہے لیکن اس کپڑے پہ پانی ٹھہرتا نہیں، فوراً ہی سوکھ جاتا ہے۔ کیونکہ اگر یہ لباس کسی عام کپڑے سے بنایا جاتا تو گیلا ہونے پر یہ اس کو ظاہر کر سکتا تھا۔ جبکہ اس کا مقصد تو انسان کو اوجھل کرنا ہے، اس لیے اسے عام دھاگے سے بننے سے پرہیز کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہہ کر چلی گئی اور آزمین ان لوگوں کی تخلیقی ذہانت پہ حیران رہ گئی۔

وہ شاہ صاحب کے دم کیے ہوئے پانی سے نہا کر خود کو ایک دم تروتازہ محسوس کر رہی تھی، جسمانی کمزوری کے ساتھ ساتھ اس کی ذہنی تھکن بھی حیران کن طور پر غائب ہو چکی تھی اور اس وقت وہ خود کو ہر جسمانی اور روحانی تکلیف سے آزاد محسوس کر رہی تھی۔ جیسے اس کے ساتھ کبھی کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ جیسے اسے کچھ ہی پلوں میں بنگال کے سحر سے شفایابی مل چکی تھی۔ جب وہ باہر آئی تو اسی خاتون نے اسے بہت خلوص سے کھانا کھلایا اور سونے کے لیے ایک کمرے میں لے گئی۔ میں آپ کو صبح فجر کے وقت اُٹھانے آؤں گی، اتنا کہہ کر وہ چلی گئی اور آزمین اپنے ساتھ گزرے لمحات کو یاد کرنے لگی۔۔۔ نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے جلا ہوا سانجھ گاؤں، مسجد، مسجد میں کھڑے ہوئے کسی نوجوان کا روشن عکس، اپنی پردادی کا پرنور چہرہ اور شاخ پہ بیٹھی وہ پراسرار کوئلیں سب آنے لگے۔ اس نے سب کو دیکھ چکی تھی، یہاں تک کے اسے

شاہ بابا جیسے نیک اور پہنچے ہوئے بزرگ کی زیارت بھی نصیب ہوگئی تھی۔ اگر وہ کسی کو نہیں دیکھ پائی تھی تو وہ تھی ان کی ماں!۔۔۔ ایک ہلکی سی کسک اس کے دل میں اُٹھی اور اس سے پہلے کہ وہ اس بات پر مزید سوچتی، اسے کمرے کے دروازے کے باہر ایک سایہ سا محسوس ہوا، وہ شاہ بابا تھے۔ جنہوں نے کمرے کے باہر کھڑے کھڑے ہی جاگتی آزمین پر دم کیا اور انگلی کے اشارے سے جیسے گھر کے اوپر ایک حصار کھینچ دیا اور وہاں سے چلے گئے۔۔۔ ان کے اتنا کرنے کی دیر تھی کہ آزمین دیکھتے ہی دیکھتے نیند کی وادیوں میں اُتر گئی۔

صبح منہ اندھیرے شاہ صاحب نے آزمین کو کچھ ضروری ہدایات اور ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ اور وہ ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے اسٹیشن چلی آئی۔ گاڑی سے اترنے سے پہلے شاہ صاحب کے پوتے نے اسے ایک لفافہ تھماتے ہوئے کہا کہ کیا آپ جانتی ہیں کہ آپ کو کوئی اس لباس میں نہیں دیکھ سکتا؟ لیکن صرف وہ جو آپ کا خیر خواہ ہو، آپ اسی کو نظر آسکتی ہیں، اس لیے آپ اپنے دل سے ہر طرح کا خوف نکال دیں۔ ابھی وہ دونوں گاڑی سے اتر کے پلیٹ فارم پر چلنا شروع ہی ہوئے تھے کہ کوئی آزمین کے سامنے اچانک آن کھڑا ہوا۔۔۔ میڈم! آپ کدر گم گیا تھا؟ ام سات دن سے آپ کا فون ٹرائے کرتا پر آپ کا فون لگنے کو ای نئی دیا، ام روز دن رات اسٹیشن پہ آپ کا انتظار کرتا۔۔۔ ایک منٹ میڈم! یہ آپ کے ساتھ کون اے؟ بھانو نان اسٹاپ بولتے بولتے اچانک شاہ بابا کے پوتے کو دیکھ کہ رک گیا۔۔۔ اور آزمین نے مسکرا کر ان کے پوتے کو دیکھا تو وہ بولے، ہوں! تو یعنی اب میں بے فکر ہو کر واپس جا سکتا ہوں؟ یہ تو آپ کا سچ میں کوئی خیر خواہ ہے۔۔۔ جی! یہ بھانو ہے۔ اب آپ بے فکر ہو کر واپس جا سکتے ہیں۔ آپ اور آپ کی بیگم کی مہمان نوازی اور مدد کا بہت شکریہ اور شاہ بابا کی تو میں زندگی بھر احسان مند رہوں گی، آزمین عاجزی سے بولی۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو، اللہ حافظ! اتنا کہہ کر وہ واپس پلٹ گئے تو وہ بھانو کے ساتھ چلنے لگی۔۔۔ میڈم! یہ کون تھے؟ ایک نیک شخص کی نیک اولاد! آزمین نے جواب دیا۔

اچھا بھانو! مجھے جلد از جلد بنگال سے نکلنا ہے لیکن میرے سارے ڈاکیومنٹس اور پیسے یہاں تک کہ موبائل فون بھی۔۔۔ سب کچھ گم ہو چکا ہے۔ ابھی کے لیے کچھ رقم تو ہے لیکن میں پاکستان کی فلائٹ نہیں لے سکتی، تو تم مجھے امرتسر کی پہلی ٹرین کی ٹکٹ لا دو۔۔۔ اس نے بھانو کو کہا تو وہ بولا، میڈم! آپ ٹرین سے امرتسر نہیں جا سکتیں، آپ کی جان کو خطرہ ہے۔ بھانو کے ان الفاظ پہ آزمین پریشان ہو کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ تو کیا خطرہ ابھی ٹلا نہیں؟ اور بھانو اس بارے میں کیا اور کیسے جانتا ہے؟ وہ سوچنے لگی۔

میڈم! یاں بنگال میں ہندو مسلم بہت دنگے ہونے کو، اور امرتسر اور دہلی جانے والی ٹرین پر بھی حملے کی خبر اے! اور خبر بوت پکی اے۔۔۔ اور آپ تو نہ صرف مسلمان بلکہ پاکستانی مسلمان اد تو آپ کے لیے تو ڈبل ٹربل ہوتا۔ بھانو نے خطرے کی وضاحت کی تو آزمین فکر سے بولی، تو پھر اب میں امرتسر کیسے پہنچوں گی؟ میڈم ام کس لیے اے؟ اسی واسطے تو روز دن رات آپ کا یاں انتظار کرتی کہ کوئی آپ کو چیٹ کر کے ہندو مسلم دنگوں کے نام پہ کچھ کر نہ دے آخر کو آپ پہلی بار بنگال آیا اے، امار مہمان اے، ام آپ کو ایسے کیسے اکیلا ہیلپ لیس چھوڑ کے چلی جاتا؟ ام گاڑی کا ٹینک فل کر کے رکھا۔۔۔ ام آپ کو امرتسر خود چھوڑ کے آتا۔۔۔ وہ جسے آج بھانو کی مخلصی کا اندازہ ہو رہا تھا فکر سے بولی۔۔۔ لیکن بائے روڈ تو بہت ٹائم لگ جائے گا۔۔۔ کتنے گھنٹے کا سفر ہوگا؟ گھنٹے؟ میڈم کتنا دن لگے گا؟ یہ پوچھو!۔۔۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ کیا؟ کتنے دن؟ آزمین مزید پریشان ہوگئی۔۔۔ تھرٹی فور آورز۔۔۔ بولے تو لگ بھگ ون اینڈ ہاف ڈے! اور راستے میں رک رک کے جانے کا تو ٹو ڈیج فل! بھانو اور آزمین گاڑی تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن میڈم! یہ روڈ کا سفر ٹرین

کے سفر سے زیادہ سیف! بھانو نے آزمین کو تسلی دیتے ہوئے دروازہ کھولا تو وہ چپ چاپ اندر بیٹھ گئی۔

میڈم! آپ بھی سوچتا ہوگا کہ ام کائے کو اتنا فکر کرتا آپ کا؟ وہ میڈم دراصل بات یہ کہ جب ام آپ کے ریسورٹ سے باہر نکلا اور پیچھے مڑ کے دیکھا تو وہاں ایک بوت پرانے مکان کا کھنڈر اور سب درخت بی سوکھا، ہر طرف ویرانی ای ویرانی، ام تو بوت ڈر گیا۔ پھر ام جب اپنی گاڑی تک پہنچا تو اس میں کئی چابی نئی۔۔۔ نہ ای آپ کی فرینڈ کا کوئی آدمی، ام نے ڈھونڈا تو چابی امار جیب میں تھا۔۔۔ ام تبھی سمجھ گیا کہ کوئی گڑبڑ اور پھر واپس آ کر جب ام نے جل ماچھی کے بارے میں انفارمیشن کو لیکٹ کیا تو ام کو پتہ چلا کہ واں تو اس نام کا کوئی بھی ویلیج نئی۔۔۔ اور اس جنگل میں بھی ڈائنوں کا واس ہوتا بلکہ وہ سارا کا سارا جنگل ای ہانٹڈ ہوتی۔ ام آپ کو بوت فون کیا پر آپ کا فون بھی بند تو دو دن بعد ام واں پہ واپس گیا تو نہ تو وہ ریسورٹ ملا، نہ اتر روپ اور جل ماچھی تو کبھی تھا ای نئی۔۔۔ وہ حیرت سے اپنی آپ بیتی آزمین کو سنا رہا تھا لیکن آزمین پہ جو کچھ گزر رہی تھی، وہ اس بارے میں بات کرنے کے لیے بالکل بھی تیار نہ تھی سو خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔۔۔

ہماری دسویں ساتھی ابھی بھی کم ہے! ایک آواز آئی، میں ہوں نہ تمہاری دسویں ساتھی! آیانہ نے جواب دیا۔ تم نے کیا سمجھا تھا کہ تم ہماری ماں کو واپس لائے بنا ہی ہمارے گھ کا حصہ بن جاؤ گی اور ہم ایسا ہونے دیں گے؟ وہ لال آنکھوں اور سیاہ رنگت والی ڈائن آیانہ پہ چلا رہی تھی۔۔۔ ہاں! تو تم نو اور دسویں میں خود ہوں نہ؟ وہ بولی۔ نہیں! تم ہماری ماں کی جگہ کبھی نہیں لے سکتی، تم تو آخر اسی آرونا کی بیٹی ہو نہ جس نے دھوکے سے ہم سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا؟ دوسری ڈائن بولی۔ لیکن! میں نے تم لوگوں کو واپس لانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا؟ خود کو تم میں سے ایک ثابت کرنے کے لیے ہی تو یہ سب کیا ہے میں نے؟ آیانہ نے جواب دیا۔ تو اپنی پردادی کو کیوں آنے دیا یہاں؟ یہ سب اسی کا کیا دھرا ہے، تیسری ڈائن بولی۔ وہ میرے پاس بس ہم دونوں کو ایک نظر دیکھنے آئی تھیں اور آزمین کی حالت کے بارے میں بھی جانتی تھیں اس لیے پوتی ہونے کے ناطے انہوں نے میری مدد کرنے کی پیشکش کی تو ان کے تجربہ کار ہونے کی وجہ سے میں نے حامی بھر لی تا کہ تم سب صحیح سلامت اس دنیا میں واپس آ سکو۔۔۔ آیانہ نے اپنی صفائی دی۔ ہمیں یا تو وہ لڑکی لا کے دو جو یا تو ہماری ماں کو بھی جنم دے سکے یا پھر تمہیں اپنی جان دے کر یہ کام کرنا ہوگا۔۔۔ چوتھی ڈائن بولی۔ نہیں! مجھے کچھ وقت دو میں اسے ڈھونڈ کر واپس لاتی ہوں۔۔۔ اور آیانہ تیزی سے اس ویرانے سے باہر جانے لگی۔۔۔ اس نے ہر جگہ آزمین کو ڈھونڈ لیا تھا۔ ٹرین اسٹیشن، ایئرپورٹ، بس اسٹینڈ۔۔۔ یہاں تک کہ بنگال کا ایک ایک گاؤں مگر آزمین اس کی پہنچ میں ہوتے ہوئے بھی اس کی نظروں سے اوجھل تھی۔

ادھر بھانو! گاڑی اُڑاتا آزمین کو وہاں سے نکال لیے جا رہا تھا۔ وہ بہت تھوڑی دیر کے لیے کسی جگہ ٹھہرتے، کچھ کھاتے پیتے اور پھر سے محوِ سفر ہو جاتے۔ تقریباً دو دن میں وہ امرتسر پہنچ گئے۔ میڈم! یاں آپ کدر کو جانا چاہتا؟ بھانو نے پوچھا۔ بارڈر! آزمین نے بس اتنا ہی کہا اور بھانو اسے حیرت سے تکنے لگا۔۔۔ منزل پہ پہنچ کے آزمین نے بھانو سے کہا، بھانو! میں تمہارا احسان ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ ابھی اتنے ہی پیسے ہیں میرے پاس! پر پاکستان پہنچ کے۔۔۔ میڈم! آپ ام کو شرمندہ مت کرو ابی۔۔۔ بس آپ ام کو کبھی بھولنا مت۔۔۔ اس کی عاجزی میں اداسی کی واضح جھلک تھی۔ میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکتی بھانو! اپنا خیال رکھنا۔۔۔ اتنا کہہ کر آزمین نے ہوڈ سر پہ لیا اور گاڑی سے اُتر کر گیٹ کی طرف قدم بڑھا دیے۔ اور بھانو پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہندوستان اور پاکستان کے کھلے درمیانی گیٹ سے آزمین کو فوجیوں کے بیچ سے بنا کسی

روک ٹوک کے گزرتے دیکھتا رہا اور وہ با آسانی امرتسر سے لاہور داخل ہوگئی۔۔۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ واہگہ بارڈر کی فلیگ سیریمنی بے شک شام کے سوا چار بجے سردیوں میں اور گرمیوں میں سوا پانچ بجے ہوتی ہے جو پینتالیس منٹ جاری رہتی ہے لیکن واہگہ عطاری بارڈر کا داخلی راستہ صبح دس سے شام چار بجے تک کھلا رہتا ہے۔ وہ ٹھیک دس بجے وہاں پہنچی تھی اور گیٹ کے کھلتے ہی وہ بڑے اعتماد سے چلتی امرتسر سے لاہور داخل ہو گئی۔۔۔ بھانو! دور سے اسے نظروں سے اوجھل ہو جانے تک دیکھتا رہا۔ مگر اس بات پر حیران تھا کہ آزمین سے نہ تو کسی نے کوئی پوچھ گچھ کی، نہ ہی روکا۔۔۔ کیا اسے بھانو کے سوا کوئی اور نہیں دیکھ سکتا تھا؟ وہ مسکراتی ہوئی اپنے وطن میں قدم رکھ چکی تھی۔ مون سون ہندوستان اور پاکستان میں ایک ساتھ ہی آتا تھا اور بارڈر کے اس پار اپنے دیس میں بھی موسم بہت سہانا تھا۔ وہ نہر کے کنارے چلتے چلتے ایک جگہ ستانے کے لیے بیٹھ گئی۔

آیانہ پلیٹ فارم کے ایک بینچ پر بیٹھی اپنی ناکامی سے مجبور ہو کر سامنے کھڑی ٹرین میں بیٹھ کر بھاگ جانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ کسی نے اس کے کندھے پہ زور سے ہاتھ رکھا۔۔۔ اور پھر دوسرے کندھے پہ بھی، وہ دونوں ڈائنیں اس کے دائیں بائیں بیٹھی اسے گھور رہی تھیں۔۔۔ جنگل کے بیچوں بیچ بنے آگ کے جلے کالے نشان کے درمیان آیانہ کو باندھ کر لٹایا گیا تھا اور پھر وہ سب ڈائنیں اس کے گرد خوفناک شکلوں میں گھومتے ہوئے اس پہ ٹوٹ پڑیں۔۔۔

ادھر نہر کے کنارے بیٹھی آزمین نے بے دھیانی میں ہاتھ زمین پہ رکھا تو وہاں پڑا کانچ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہتھیلی پہ عین اس کے انگوٹھے کے نیچے ایک لمبا سا کٹ لگا گیا۔۔۔ اس نے فوراً اپنا ہاتھ بہتے پانی میں ڈال دیا اسے خبر نہیں تھی کہ ہتھیلی پہ موجود اس کی جڑواں بہن کی لکیر کٹ چکی ہے۔۔۔ وہ بس اپنے بہتے ہوئے خون کو دیکھ رہی تھی جسے دیکھ دیکھ کے اسے ایک دم نہ جانے آیانہ کیوں یاد آنے لگی تھی؟ شاید اسی خون کا رشتہ جو تھا اس سے جواب بہہ رہا تھا۔۔۔ پر کیسا رشتہ؟ وہ بھی تو آخر ان پراسرار کوئلوں کے جھنڈ کی دسویں کوئل تھی جو کہ سب کی سب بدروحیں تھیں۔ اور پھر آزمین کو اس گہرے سرمئی رنگ کی آخری کوئل کا خیال آیا کہ اگر آیانہ دسویں کوئل تھی تو وہ سنہری آنکھوں والی کوئل کون تھی؟ جو بھی تھی۔۔۔ اسے کیا؟ اسے تو بس ایک کسک تھی کہ وہ اپنی ماں کو نہیں کھوج پائی۔۔۔ کوئی نشانی، کوئی کہانی، کچھ بھی نہیں۔۔۔ اور تبھی اسے نہر کنارے لگے درختوں میں سے کسی کوئل کی کوک سنائی دی۔ اس نے آواز کے تعین میں دیکھا تو ساتھ درخت پر ویسی ہی گہرے سرمئی رنگ کی سنہری آنکھوں والی کوئل اسے دیکھ رہی تھی جیسی وہ بنگال میں دیکھا کرتی تھی۔۔۔ نہیں یہ ویسی نہیں! یہ تو وہی تھی۔۔۔ وہی گیارہویں کوئل! کیا یہ بنگال سے اس کے ساتھ یہاں تک چلی آئی تھی؟ پر ایسا کیسے ممکن ہے؟ وہ کوئل اُڑ کر آزمین کے پاس آ بیٹھی اور پھر اُڑ گئی۔۔۔ جیسے اسے بھی اُٹھنے کا اشارہ دے رہی ہو۔۔۔ آزمین بھی جیسے اس کی بات سمجھ رہی تھی سو وہ بھی اُٹھ کے اس کے پیچھے چلنے لگی۔۔۔ وہ کوئل ٹھہر ٹھہر کر اُڑتی، کسی جھاڑ یا درخت پہ رکتی، پلٹ کے آزمین کو دیکھتی اور پھر آگے بڑھ جاتی اور آزمین بھی اس کے پیچھے پیچھے چلتی جاتی۔۔۔ جیسے آزمین کو یقین تھا کہ اسے اس کوئل سے کوئی خطرہ نہیں۔ اسے جیسے یقین تھا کہ یہ کوئی بدروح نہیں بلکہ کوئی نیک روح ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق دس کوئلوں کے جھنڈ سے نہیں تھا۔ دسویں کوئل یا تو آیانہ تھی یا اس کی نانی۔۔۔ جبکہ یہ تو گیارہویں کوئل تھی۔۔۔ اپنی ماں کو نہ دیکھنے یا نہ ملنے کی کسک اچانک سے ختم ہوگئی تھی کہ اب اس کے پاس نشانی بھی تھی اور کہانی بھی۔۔۔ گیارہویں کوئل کی کہانی!

تپاشی

گھوسٹ رائٹر-لاہور

لڑکی بولی جی مہارانی یہی ہے، لڑکی نے انتہائی نفرت سے نوجوان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو نوجونا کے دماغ کو کرنٹ کی طرح جھٹکا لگا اوز نوجوان اچنبھے میں پڑگیا کہ پھر.....

ایک رائٹر کی داستان.....حیرت جو کہ اپنی مثال آپ ہے.....پڑھ کر.....دیکھیں

"شارٹ اسٹوری، شارٹ اسٹوری! کہاں سے لاؤں میں شارٹ اسٹوری؟" ابرار نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب کو دیوار پر دے مارا۔

کتاب دیوار سے ٹکرا کر نیچے گر گئی۔ یہ میرون رنگ کی جلد والی کتاب تھی۔ جس پر لکھاوٹ وسجاوٹ سنہرے رنگ سے کی گئی تھی۔ جہاں کتاب گری تھی وہاں کچھ ہی فاصلے پر ساتھ ہی رائٹنگ ٹیبل اور چیئر تھی۔ ابرار کے دائیں طرف والی دیوار پر رائٹنگ ٹیبل کے قریب ہی ایک کھڑکی جو کہ فی الحال بند تھی جو بوقت ضرورت کھول دی جاتی تھی۔ ابرار اس وقت شدید پریشانی کی حالت میں تھا۔ بیڈ پر بیٹھا دونوں ہاتھوں کی سختی سے مٹھیاں بھینچ کر بیڈ پر ٹکائے ہوئے تھا۔ کمرے کی حالت ویسی ہی بکھری ہوئی تھی جیسی کسی عورت کے بنا ہو سکتی ہے۔ بیڈ کی چادر ایک طرف لٹک رہی تھی۔ دروازے کے پاس

رکھی چھوٹی قالین اس وقت اٹیچ باتھ روم کی دیوار کے ساتھ ایک طرف پڑی ہوئی تھی۔

دوپہر کے بارہ بجنے والے تھے لیکن اس کی اور اس کے کمرے کی حالت اس وقت ابھی ابھی سو کر اٹھے ہوئے انسان کا تاثر دے رہی تھی۔

''تھک گیا ہوں میں کتابیں پڑھ پڑھ کے۔''

اس نے انگوٹھے اور ہاتھ کی انگلیوں کی مدد سے دونوں طرف سے کنپٹیوں کو دبایا۔ سر میں شدید درد تھا۔

اس نے پھٹے ہوئے سلیپرز ادھر ادھر اچھال دیئے اور ٹانگیں اوپر کر کے بیڈ پر لیٹ گیا۔ دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلائے، آنکھیں بند کیے وہ آج ایڈیٹر سے ہونے والی بحث نما بے عزتی کو یاد کرنے لگا۔

''سوری ابرار صاحب، اس بار آپ کی اسٹوری نہیں لگ سکتی۔''

''مگر کیوں؟'' اس نے حیران ہوتے ہوئے اپنے سامنے بیٹھے آدمی سے پوچھا۔

''آپ کی اسٹوریز بہت ضخیم ہوتی ہیں اور ریڈرز آپ کی شارٹ اسٹوری پڑھنا چاہتے ہیں۔'' سگار سلگاتے ہوئے آرام سے جواب دیا گیا۔

''لیکن میری شارٹ اسٹوریز، مجھے نہیں لگتا بہترین ہوں گی۔ آپ کو پتا ہے میں نے ہمیشہ لانگ اسٹوریز لکھی ہیں۔'' ابرار کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہوئے۔

''ریئلی سوری اس اسٹوری کے لئے، ہم اسے بعد میں لگالیں گے لیکن فی الحال آپ کوئی شارٹ اسٹوری لکھیں۔'' بہت سکون سے مشورہ دیا گیا۔

''میں شارٹ اسٹوریز نہیں لکھ سکتا۔'' اس نے پریشانی سے دونوں ہاتھوں کو مکے کی شکل دے کر ٹیبل پر مارا۔ ٹیبل پہ لگنے کی وجہ سے تھوڑا سا شور ماحول میں پیدا ہوا۔

''اب آپ کو لکھنی ہوگی کیونکہ میں نے اس ماہ کے رسالے میں اعلان کر دیا ہے کہ آپ بہت جلد کسی شارٹ اسٹوری کے ساتھ حاضر ہوں گے۔'' سامنے والا ابرار کی طرف دیکھتے ہوئے تیزی سے بولا۔

''یہ غلط ہے، میں شارٹ اسٹوریز نہیں لکھ سکتا مجھے پتا ہے، میرا فیلڈ ورک ہی لانگ اسٹوریز میں ہے، آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔'' اس نے ایک بار پھر کوشش کی۔

''میں نہیں جانتا آپ کس طرح لکھیں گے لیکن ہمارے رسالے میں تو آپ کی کوئی شارٹ اسٹوری ہی لگے گی۔'' اس نے بے نیازی سے سگار کا لمبا کش لیتے ہوئے ابرار کو بغور دیکھا۔

''یہ ناممکن ہے سر، پلیز آپ سمجھیں، میں جتنی بھی کوشش کرلوں، اسٹوری خود بخود لانگ ہوجاتی ہے۔'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''آپ یہ اپنی لانگ اسٹوری لے جائیں فی الحال، ہمارے رسالے کو شارٹ اسٹوریز کی ضرورت ہے۔ پہلے ہی اس میں چار لانگ اسٹوریز شائع ہو رہی ہیں۔'' اس آدمی نے ابرار کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے سامنے پڑا پھولا ہوا خاکی لفافہ ابرار کی طرف بڑھایا اور اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ کر کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

''اگر آپ کے پاس کوئی شارٹ اسٹوری ہو تو موسٹ ویلکم ورنہ معذرت فی الحال۔'' اور ایک طرف چلا گیا۔

یعنی واضح اشارہ تھا کہ وہ اب کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔ ابرار نے ایڈیٹر کی طرف دیکھا جو کمپیوٹر کے سامنے موجود کمپوزر کو کوئی ہدایت دے رہا تھا۔ ابرار کو دو ٹوک جواب دے کر وہ خود تو کام میں مگن ہو چکا تھا اور ابرار بے دلی سے اپنا خاکی لفافہ اٹھائے باہر آ گیا آفس سے۔

پیسوں کی اسے سخت ضرورت تھی۔ ڈائجسٹ میں اسٹوری لگنے سے جو تھوڑی بہت رقم آنے کی امید تھی وہ بھی ختم ہوگئی۔ مکان کا کرایہ دینے کا وقت سر پر آ چکا تھا۔ مالک مکان بہت بدلحاظ تھا۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا اور جیب میں بھی اس وقت پیسے نہ تھے کہ وہ

پیٹ بھر سکے۔

جب سے وہ گھر آیا تھا کسی شارٹ اسٹوری کا پلاٹ سوچنے کی سعی کررہا تھا۔ وہ صبح نو بجے سے مسلسل شارٹ اسٹوریز اور کتابیں پڑھ رہا تھا۔ اسے اس ماہ ہر حال میں اسٹوری لکھنی تھی چاہے وہ شارٹ کیوں نہ ہو۔ یہ آخری امید تھی پیسے آنے کی مگر فی الحال ذہن کوئی کام نہیں کررہا تھا، نہ ہی کوئی خیال بُن رہا تھا۔ ایڈیٹر کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے کب اس کا ذہن نیند کی وادی میں لے گیا اسے خبر ہی نہ ہوئی۔

سانس گھٹنے کے شدید احساس سے اس نے آنکھیں کھولیں تو خود کو چاروں طرف سے کالی سیاہ دیواروں والے ایک وسیع کمرے میں پایا۔ وہ اس وقت اس وسیع کمرے کے بالکل درمیان میں الٹا لٹکا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ اس کی کمر پر کس کے باندھے ہوئے تھے۔ اس کے پاؤں باندھ کر اسے سر کے بل الٹا لٹکایا گیا تھا اور جسم پر موجود کپڑے بھی اتار لئے گئے تھے۔ اس نے دونوں ہاتھوں کو زور لگا کر آگے پیچھے ہلا کر کھولنے کی کوشش کی مگر رسی کس کر بندھی ہونے کی وجہ سے اس کے ہاتھ آزاد نہ ہوسکے، تھک کر اس نے پاؤں آزاد کروانے کی کوشش کی تو بے سود ثابت ہوئی۔

''گڑر..... گڑر..... گڑر.....'' اسے اپنے آس پاس ایک عجیب سی آواز آئی تو اس نے دائیں بائیں حیرانی سے آنکھیں پوری کھول کے دیکھنے کی کوشش کی کہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟ موم بتی کی روشنی تھی جو کہ دیوار کے پاس تھی۔ اس چھوٹی سی موم بتی کی روشنی اتنے وسیع کمرے کو روشن کرنے کے بجائے ماحول کو ملجا سا کررہی تھی۔ اندھیرے کو ختم تو نہیں لیکن کم ضرور کررہی تھی۔ اچانک اسے اپنے چہرے پر بھاپ محسوس ہوئی۔

اس نے سر اٹھا کر نیچے دیکھا تو ٹھیک اس کے نیچے بیس فٹ لمبے اور چوڑے سرکل نما تالاب میں کالے پانی جیسی کوئی چیز ابال کھا رہی تھی۔ اور یہ گڑر کی آواز وہیں سے آرہی تھی۔

خوف سے ایک لمحے کے لئے تو وہ ساکت ہوگیا۔ وہ اس وقت ابلتے ہوئے کسی پانی جیسی چیز کے تالاب کے اوپر الٹا بندھا ہوا تھا۔ یعنی اگر خود کو ان رسیوں سے چھڑانے کی کوشش بھی کرتا تب بھی دردناک موت اس کا مقدر بنتی۔ اس کا جسم خود بخود تن گیا، رونگٹے کھڑے ہوگئے، موت کے خیال سے ہی وہ پورا پسینے میں بھیگنے لگا، ڈر کے مارے جنونی ہونے لگا۔ اس نے خود کو دائیں طرف دھکیلنے کی کوشش کی، وہ ہلکا سا دائیں بائیں ہلا اور پھر ساکت ہوگیا۔ اس نے اس ایک، دو اور تین بار خود کو دائیں طرف دھکیلنے کے لئے زور لگایا، اور بنا رُکے کی کوشش کرنے کی وجہ سے دو فٹ آگے آگیا اور پھر واپس آگیا۔ اس نے جیسے ہی بائیں طرف آکر فاصلہ ختم کیا پھر سے زور لگایا تو اس کا جسم دائیں طرف جا کر واپس آیا اور حوصلہ افزا حد تک بائیں جانب ہوا۔ اس بار اس نے اپنی پوری طاقت لگا کر خود کو دائیں طرف دھکیلا تو پنڈولم کی طرح ہوا میں اچھلتا ہوا تالاب کی آدھی لمبائی تک گیا اور رسی کی لچک نے جواب دے کر اسے واپس کھینچ لیا۔ وہ ہوا میں پنڈولم کی مانند ادھر ادھر تیزی سے چند پل ڈولتا رہا اور پھر رُک گیا۔

اس نے دل ہی دل میں حساب لگایا کہ وہ جتنی بھی کوشش کرلے، بیکار ہے، رسی اتنی لمبی نہیں تھی کہ وہ تالاب کی حد سے باہر نکل سکتا۔ موت کو سامنے دیکھ کر اس نے آنکھوں میں ہلکا سا پانی لئے چیخ ماری۔ چیخ در و دیوار سے ٹکرا کر واپس خاموشی میں گم ہوگئی۔

''کوئی ہے؟'' اس نے اپنی پوری جان سے چیختے ہوئے کہا۔

''کوئی ہے یہاں؟''

''کون لایا ہے مجھے یہاں؟''

''کون سن رہا ہے؟'' وہ چیخا۔

''کیا دشمنی ہے تمہاری مجھ سے؟'' اس نے پوری جان لگا کر اونچی آواز میں کہا۔

''سنا تھا موت بڑے بڑے شیروں کو بھیگی بلی بنا دیتی ہے۔'' ایک نہیں دو عورتوں کی آواز ماحول میں ایک ساتھ گونجی۔

ابرار نے ادھر ادھر، جہاں تک نظر جاسکتی تھی، سب جگہ دیکھ کر آواز کا مرکز تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کمرے میں وہ تنہا تھا۔

''لیکن بھیگی بلیوں کو شیر بھی بنا دیتی ہے، یہ آج دیکھ لیا۔'' بات کے ختم ہوتے ہی ابرار کے بالکل سامنے موجود دیوار کے درمیان میں ہلکی سی روشنی ظاہر ہوئی۔ آواز وہیں سے آئی تھی۔

''مہارانی، یہ لڑکا بہت شور کر رہا ہے؟'' ایک مردانہ آواز اس کے کانوں میں پڑی، ابرار نے اپنے تمام حواس جمع کر کے آواز کی سمت دیکھنا شروع کیا۔

اس کے سامنے موجود کالی سیاہ دیوار میں ایک سوراخ تھا بڑا سا جو دیکھنے میں کسی غار کے منہ جیسا تھا۔ اس سوراخ میں موجود ہلکی زرد روشنی لمحہ بہ لمحہ تیز ہوتی جارہی تھی۔ مکڑی کی ٹانگوں جیسے سانچے میں بنی کسی Ink Pen سے مشابہ چار ٹانگیں زرد روشنی میں مکڑی کی چال چلتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔

مشعل کو آٹھ بال پوائنٹ جیسی انگلیوں نے پکڑ رکھا تھا۔ سب انگلیاں ایک انسانی ہتھیلی سے جڑی ہوئی تھیں اور پھر زرد روشنی میں وہ پورا وجود آگے بڑھ کر دیوار میں موجود اس سوراخ نما دہانے پر کھڑا ہوگیا۔ جسے دیکھ کر ابرار کی آنکھیں بند ہوگئی۔

اوپر والا دھڑ اور بازو انسانی تھے اور کسی طاقتور انسان سے مشابہ تھے جبکہ کمر کے نیچے سے چار ٹانگیں مکڑی کی طرح نکلی ہوئی تھیں اور چاروں کی چاروں انک پین جیسی تھیں۔ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں بال پوائنٹس کی طرح تھیں اور آٹھ آٹھ تھیں۔ گردن اور چہرہ کسی جڑ پڑے انک پین کی نب جیسا لیکن کالا سیاہ تھا۔ جس کے آس پاس آگ کی لمبی لمبی لپٹیں نکل کر سارے ماحول کو روشن کر رہی تھیں۔

اس کے منہ پر جگہ جگہ درزیں بنی ہوئی تھیں جن سے لاوا جھانک رہا تھا۔ اس کی بھنوؤں کی جگہ دو موٹی موٹی درزیں تھیں جن سے آگ نکل رہی تھی اور آنکھوں کے گڑھوں میں لاوا دہک رہا تھا۔ اس کے سر پر بھی لمبی لمبی آگ کی لپٹیں تھیں۔ اس کی ناک کی جگہ مسلسل ایک موٹی اور تکونی شکل کی آگ جل رہی تھی۔ چہرے پر انتہائی درجے کی ہوسناکی اور مکاری تھی۔ اس کی آنکھوں کا پل پل زیادہ دہکتا لاوا غصے کی نشاندہی کر رہا تھا۔ چند سیکنڈز بعد ایک بہت لمبوترے چہرے والی گنجی عورت مشعل کی اور اس عجیب بلا سے نکلنے والی آگ کی روشنی میں نظر آئی۔ وہ دو قدم چل کر آگے آئی تو اس کا پورا وجود واضح ہوگیا۔

وہ عورت گنجی ہوتے ہوئے بھی کافی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔ اس کا چہرہ کسی مکار خوب صورت عورت جیسا تھا۔

ابرار کے رونگٹے اصل میں تب کھڑے ہوئے جب بالکل اسی کی مشابہت والا اوپری آدھا دھڑ بمعہ سر روشنی میں آیا۔ وہ عورت چل کر تھوڑا سا اور آگے آئی اور تالاب کے پاس آ کر رک گئی۔ اس عورت کا نچلا دھڑ تو دیکھنے میں نارمل لگتا تھا لیکن کمر سے اوپر اس کا جسم دو دھڑوں میں تقسیم ہوگیا تھا۔ تالاب میں سے پانی کے ابلتے چھینٹے باہر نکل کر گر رہے تھے۔ لیکن وہ پرسکون تھی۔ اس عورت کے ہونٹ کالے تھے اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ دونوں دھڑ ایک جیسے ہی تھے۔ اس عورت کی کمر سے سر تک چاروں جانب آگ جل رہی تھی۔ جس کا رخ آسمان کی طرف تھا۔ اس عورت نے ابرار کو دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔

''تو تم ہو وہ نوجوان جس نے میری ریاست کی ایک لڑکی کو بے عزت کر کے اسے زخمی کیا؟'' اس کے دونوں دھڑوں کے ہونٹ ایک ساتھ ہلے تھے اور کئی لوگوں کے بولنے کی بارعب آواز کمرے میں گونجی۔ آواز میں غصہ نمایاں تھا۔

اس کو دیکھ کر ہی ابرار کو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا اور اپنا دل حلق میں آتا محسوس ہوا لیکن پھر بھی اپنی ہمت کو جمع کر کے اس نے تھوک نگلا اور بولا۔

''تم لوگ کون ہو؟'' آنکھوں میں خوف نمایاں تھا۔

''اور مجھے یہاں کیوں باندھا ہے؟'' اس کی آواز تھوڑی اونچی ہوئی لیکن اس عورت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ مکڑی نما عجیب بلا بھی اس عورت سے چند قدم پیچھے آ کر کھڑی ہوگئی۔

''میں نے کسی لڑکی کو تکلیف نہیں دی۔ تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔'' ابرار نے لفظ چبا چبا کر کہا۔ لیکن اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے، آنکھیں خوف کی وجہ سے پھیلی ہوئی تھیں۔ الٹا لٹکے ہونے کی وجہ سے اس کا چہرہ شدید سرخ ہو چکا تھا۔

''سموہا، اس لڑکی کو لے آؤ۔'' اس عورت کے ایک دھڑ نے ذرا سی گردن موڑ کر سموہا نامی اس عجیب بلا کو حکم دیا جبکہ اس کا جو دھڑ اتھورا سا ٹیڑھا تھا وہ اپنے ساتھ موجود دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھے ابرار پر نظریں جما کر اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

''جو حکم مہارانی۔'' سموہا نے مشعل والے اپنے بازو کو اپنے الٹے ہاتھ سے دو تین بار الٹا سیدھا گھمایا اور باہر کی طرف ایک جھٹکا دیا۔ اس کا مشعل والا بازو کندھے کے جوڑ سے باہر نکل آیا تھا۔

اس نے اپنے مشعل والے بازو کو مہارانی کے پاس اسی حالت میں ہوا میں لٹکتا ہوا چھوڑا جیسے اس کا بازو اس کے جسم کے ساتھ جڑ کر مشعل اٹھائے ہوئے تھا۔

بازو ہوا میں معلق تھا لیکن مشعل پہلے کی طرح ویسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھا۔ اس سموہا نامی بلا نے آرام سے بازو مہارانی کے پاس چھوڑا اور واپس مڑ کر اسی سوراخ میں غائب ہوگیا۔ اس کے آس پاس سے نکلتی ہوئی آگ کی وجہ سے وہ غار نما سوراخ پل بھر کو روشن ہوا اور پھر تیز زرد روشنی، ہلکی زرد اور پھر اندھیرے میں تبدیل ہوگیا۔

سموہا کے بازو کو مہارانی کے پاس بنا کسی سہارے کے ہوا میں معلق دیکھ کر ابرار میں بولنے کی جو تھوڑی بہت ہمت پیدا ہوئی تھی وہ بھی ہوا ہوگئی۔

وہ انتہائی خوف زدہ نظروں سے کبھی مہارانی کے دو دھڑوں کو تو کبھی ہوا میں معلق بازو کو دیکھتا۔ چند پل کے بعد گہرے میرون رنگ کے لباس میں گندمی رنگت کے اچھے نقش و نگار والی لڑکی کے ساتھ سموہا اسی سوراخ سے باہر آیا۔

سموہا کے ساتھ آنے والی لڑکی کا بایاں بازو شدید زخمی تھا۔ جس میں سے خون ٹپک رہا تھا۔ اس لڑکی کے بائیں گال پر ہونٹوں سے کنپٹی تک گہرا زخم تھا جیسے کسی نے تیز دھار خنجر سے گال چیر دیا ہو۔ اس کے ہونٹوں اور آنکھوں کے اردگرد کی جگہ انتہائی سیاہ تھی۔

ابرار نے بہت یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ اس لڑکی سے کہاں ملا تھا لیکن اس لڑکی کا چہرہ بالکل اجنبی تھا۔

''مجھے یاد نہیں آ رہا کہ میں اس لڑکی سے زندگی میں کبھی بھی ملا ہوں۔'' کہنے کی جرأت اس نے فی الحال نہیں کی۔ خود تک ہی اپنی سوچ کو رکھا۔

''مہارانی۔'' سموہا اس دو دھڑ والی عورت سے چند قدم پیچھے کھڑا ہوتے ہوئے تھوڑا سا جھک کر بولا۔

''ہوں ں۔'' مہارانی نے ہنکارا بھرا۔

''اس لڑکی کو پہچانو۔'' مہارانی بولتے ہوئے اس لڑکی کے دائیں طرف گئی۔

''یہی ہے ہماری ریاست کی وہ مظلوم لڑکی، جو تمہاری وجہ سے اس حالت کو آ گئی ہے۔'' مہارانی کی آواز سے یوں لگ رہا تھا جیسے ہزاروں لوگ ایک ساتھ بول رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی الفاظ صاف سمجھ آ رہے تھے۔

''مہارانی صاحبہ، آپ لوگوں کو کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' مہارانی نے ابرار کی بات سنتے ہوئے اچنبھے سے اپنا ابرو اٹھایا۔

''میں نے اس لڑکی کو کبھی زندگی میں نہیں دیکھا پھر نقصان کیسے پہنچا سکتا ہوں؟'' اس نے اپنی پوری قوت جمع کرتے ہوئے بمشکل بولا۔ جو اس کی حالت ہو چکی تھی اگر وہ آدھا گھنٹہ اور اسی حال میں رہتا تو یقیناً مر جاتا۔

چہرے کے ساتھ ساتھ اس کی آنکھیں بھی اب

خون جیسی ہو چکی تھیں۔ مہارانی ایک دھڑ نے اس لڑکی کی طرف دیکھ کر پوچھتے ہوئے جبکہ دوسرے دھڑ نے الٹے لٹکے ابرار کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرکے کہا۔

''سنوریا، کیا یہی وہ لڑکا تھا جس نے تمہیں نقصان پہنچایا تھا؟''

سوال پوچھتے ہی مہارانی نے اس سنوریا نامی لڑکی کا ہاتھ پکڑا۔ مہارانی اور سنوریا ہوا کے دوش پہ بنا کسی چیز کا سہارا لئے اُڑتے ہوئے ابرار کے چہرے کے بالکل سامنے پہنچ گئیں۔ ان کا چہرہ ابرار کے خوف زدہ چہرے کے بالکل سامنے تھا۔ مہارانی نے ابرار کی آنکھوں کے قریب آنکھیں کرکے گھور کے دیکھا۔

ابرار کا حلق تو سوکھا لیکن وہ کسی حد تک مطمئن تھا کہ وہ اس لڑکی کو جانتا تک نہیں۔ خوف سے اس کے دل کی دھڑکن بہت تیز ہوگئی تھی اور اس کے دل کی دھڑکن کی دھک دھک پورے کمرے میں سنائی دے رہی تھی۔ ابرار نے مہارانی کے گھورنے سے ڈر کے آنکھیں ہی بند کرلیں۔ اس کے تھوڑے سے کھلے ہوئے ہونٹ تیزی سے کانپ رہے تھے۔ دونوں گال بھی ڈر کی وجہ سے وائبریٹ ہو رہے تھے۔ مہارانی کا اس لڑکی کو لے کر اڑنا اور ابرار کے چہرے تک پہنچنا سب چند سیکنڈ کا کھیل تھا۔

''غور سے دیکھو اس لڑکے کو اور بتاؤ یہی لڑکا ہے؟'' مہارانی نے اپنا سوال دہرایا۔

''جی مہارانی یہی ہے۔'' سنوریا نے انتہائی نفرت سے ابرار کی بند آنکھوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ابرار کے دماغ کو کرنٹ کی طرح جھٹکا لگا اور اس نے فوراً آنکھیں کھولیں اس کی بات سن کر سامنے ابھی تک مہارانی کی آنکھیں تھیں۔

''یہ جھوٹ ہے مہارانی، یہ لڑکی جھوٹ بول رہی ہے۔ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔'' اس نے بہت مشکل سے آواز نکالی اور اپنی صفائی دی، اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

''تم نے مجھے پہچانا نہیں ابرار ہاشم؟'' سنوریا نے نفرت سے دیکھتے ہوئے چبا کر کہا۔ اس کے منہ سے اپنا مکمل نام سن کر ابرار چند سیکنڈز کے لئے ساکت ہو کر سنوریا کو دیکھنے لگا۔

''سنوریا، اسے اپنا اصل روپ دکھاؤ۔'' مہارانی کے ایک دھڑ نے سنوریا سے کہا اور دوسرے دھڑ کے ہاتھ نے ابرار کے چہرے پر اپنی انگوٹھے کے ساتھ والی انگلی سے آیا پسینے کا قطرہ چھوا جو اس کے لمبے اور کالے سیاہ ناخن پر آ گیا۔

''جی مہارانی صاحبہ۔'' کہتے ہوئے سنوریا نے اپنے دونوں ہاتھ دائیں بائیں فضا میں بلند کئے۔ ہلکے جامنی اور شوخ نیلے رنگ کی چمکدار خوبصورت روشنی سنوریا کے پاس آس پاس آگے پیچھے بکھرنے لگی۔ وہ مکمل طور پر نیلی اور جامنی روشنی میں نہا گئی۔ سنوریا کے آس پاس جو روشنی تھی اس کا ریفلیکشن ابرار اور مہارانی کے چہرے اور جسموں پر واضح نظر آ رہا تھا۔ روشنی کو دیکھ کر پہلے ابرار کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور پھر روشنی کے انتہائی تیز ہونے کی وجہ سے اس نے آنکھیں چندھیا کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

چند سیکنڈز کے بعد جب روشنی یکدم کم ہوئی تو ابرار نے منہ سیدھا کرکے سنوریا کی طرف دیکھا۔ اس کے ماتھے پر حیرت سے سلوٹیں پڑیں، چہرے پر خوف اور حیرت کے آثار ایک ساتھ آئے، آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''یہ..... یہ..... سنوریا ہے؟'' بہت مشکل سے اس کے حلق سے آواز نکلی، اسے اپنی موت یقینی محسوس ہوئی۔

سنوریا کے اصل روپ نے اس کے چودہ طبق روشن کردیئے، اس نے حیرت کے عالم میں ایک بار تیزی سے دائیں بائیں، اوپر نیچے سر گھما کر دیکھا، سموہا کو بھی دیکھا جو ابھی تک تالاب کے پاس مشعل لئے کھڑا ہوا تھا۔ حالانکہ مہارانی کی اور اس کی اپنی روشنی جسم سے آگ نکلنے کی وجہ سے مشعل سے کہیں زیادہ تھی، پھر بھی وہ مشعل پکڑے ہوئے تھا۔

ابرار کی نظریں سب سے ہو کر مہارانی پر آئیں اور پھر سنوریا پر۔ مہارانی کا ایک دھڑ ابرار کے چہرے پر پھیلے حیرت و تجسس اور خوف کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی حرکات کا جائزہ لے رہا تھا۔ جبکہ دوسرا سنوریا کو دیکھ رہا تھا۔

سنوریا کی جگہ اب ہلکے جامنی اور شوخ نیلے رنگ کی چمکدار روشنی میں ایک میرون جلد والی کتاب ہوا میں معلق تھی۔ یہ وہی کتاب تھی جو اس نے دوپہر کو غصے میں اکر دیوار پر دے ماری تھی۔ روشنی میں کتاب پر موجود سنہری الفاظ جگمگا رہے تھے لیکن ابرار نے پڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ اسے یہ الفاظ معلوم تھے۔

''یہ تو میری کتاب ہے، یہ سنوریا کیسے ہو سکتی ہے؟'' اس نے مہارانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہاری دنیا میں یہ صرف تمہاری کتاب ہوگی تمہارے لیے۔'' مہارانی نے گرجدار آواز میں کہا۔

''لیکن ہماری دنیا میں یہ ہماری ریاست کی لڑکی سنوریا ہے۔'' مہارانی نے ابرار کو سر کے بالوں سے زور سے پکڑا اور اپنے چہرے کے نزدیک کر کے بولی۔

''اور تم نے ہماری ریاست کی لڑکی کو زخمی کیا ہے تو اب ہمارے قانون کے مطابق سزا بھی بھگتو۔'' مہارانی نے ایک زوردار جھٹکا دے کر اس کے سر کو چھوڑا اور دوسرے دھڑ نے سنوریا کو حکم دیا۔

''اپنی پہلے والی حالت میں واپس آجاؤ۔''

ایک بار پھر ساری فضا میں پہلے کی سی روشنی چمکی۔ ابرار نے روشنی کے تیز ہونے کی وجہ سے آنکھیں بند کیں اور روشنی ختم ہوئی تو فوراً کھول لیں۔

سنوریا کے اصل روپ میں آتے ہی مہارانی ایک بار پھر ابرار سے مخاطب ہوئی۔

''ہماری ریاست کے کسی بھی فرد کے ساتھ برا سلوک کرنے والوں کو ہم اب خود سزا دیا کریں گے۔''

''تم ہو کون؟'' ابرار نے سوال کرنے شروع کیے۔

''کوئی پری ہو؟ یا کسی جن کی اولاد ہو؟''

''میں اس وقت کہاں ہوں؟'' مرنا تو طے تھا سو مرنے کے ڈر کے بجائے اب وہ ان کے بارے میں جاننے لگا۔

''کیا یہ جنات کی وادی ہے؟ کیا تم لوگ جن زادیاں ہو؟''

''نہیں۔'' کہتے ہوئے مہارانی نے اپنا ایک ہاتھ کھول کر لمبے لمبے ناخن ابرار کے پیٹ پر پھیرنے شروع کیے۔

''تو پھر کون ہو تم؟''

''کہاں ہوں میں؟''

''کون سی دنیا ہے یہ؟''

''تپاشی!'' مہارانی نے کہتے ہوئے اپنا ایک ناخن جو دیکھنے میں کسی عام سے ناخن جیسا لگتا تھا، آہستہ آہستہ ابرار کے پیٹ کے ایک سائیڈ میں گھسیڑنا شروع کیا۔

''آہہہ.....ہہ۔'' تکلیف سے ابرار کی درد ناک چیخ گونجی۔ مہارانی کا پورا چھ انچ لمبا ناخن کسی خنجر کی طرح ابرار کی پسلی سے چار انچ نیچے اس کے بدن میں جا چکا تھا۔۔

''آہہ.....ہہہہہ.....'' مہارانی نے ابرار کی چیخ سے لطف لیتے ہوئے اپنی انگلی کو گھمایا اور گھما کر باہر نکالا۔ خون کی موٹی دھار اس کے بدن پر بہنے لگی۔

''تمہیں سنوریا کو دیکھ کر جب سب کچھ یاد آ ہی گیا ہے تو اب سوالوں کے بجائے سزا کے لئے تیار ہو جاؤ۔'' مہارانی نے ابرار کو بالوں سے کھینچ کر پکڑا، اس کا منہ تھوڑا اوپر اٹھا کر اپنے بائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو ابرار کی ٹھوڑی سے پھیرتی ہوئی اس کے گال اور پھر ماتھے کی طرف آئی۔

مہارانی کی انگلی میں سے دو سیکنڈ کے لئے سفید اور سلور رنگ کے امتزاج کی تیز روشنی نکلی اور روشنی کے ختم ہوتے ہی مہارانی کی انگلی کی ایک تیز دھار باریک خنجر میں تبدیل ہو چکی تھی۔ ابرار نے اپنے ماتھے کی طرف دیکھنے کی کوشش کی تو خنجر دیکھ کر اس کے حواس گم ہو گئے۔

''دیکھیے مہارانی...... مجھے نہیں پتا تھا کہ...... کتابیں اصل میں وجود رکھتی ہیں...... میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں...... آئندہ...... ایسی غلطی نہیں کروں گا......پلیز ایک بار مجھے معاف کردیں۔''

اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار تھے۔ پورے بدن میں درد ہونا شروع ہوگیا تھا، ہاتھ بندھے ہونے کی وجہ سے وہ اپنے زخم پر ہاتھ رکھ کر اپنا خون روک بھی نہیں سکتا تھا۔

''کتابوں کی بھی روحیں ہوتی ہیں، ان کی بھی اپنی دنیا ہوتی ہے، یہ اب مجھے پتہ چل گیا ہے، سو آئندہ ایسا نہیں ہوتا۔'' اس نے ایک ہی سانس میں اپنی بات مکمل کی ہی تھی کہ فضا میں اس کی ایک خوفناک کراہ نما چیخ ابھری۔

''آہ......آہہہہ......آہہ......آ......ہہہہ......''

تکلیف کی کوئی حد نہیں تھی، وہ پورا منہ کھول کے اور آنکھیں بند کرکے چیخا تھا، اس کا چہرہ خون میں تر تھا۔ مہارانی کا انگلی نما خنجر اس کے ماتھے کی جلد میں پیوست ہوا، اس کے ماتھے کو چیرتا ہوا کنپٹی کی طرف آیا اور پھر گال سے ہوتا ہوا اس کے دونوں ہونٹوں کی ایک طرف کی باچھ کو چیر کر باہر نکلا۔ سیکنڈ میں سب ہوا اور جب تک ابرار کو سمجھ آتا، اس کا چہرہ چیرا جاچکا تھا۔

''اب محسوس ہوا کہ جب درد ہوتا ہے تو کیا حال ہوتا ہے؟'' مہارانی نے اس کی چیخ کی پرواہ کیے بغیر اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

ابرار شدید درد کے مارے آنکھیں بند کرکے چیخنے میں مصروف تھا، نسیں کٹنے کی وجہ سے خون تیزی سے اس کے ناک کے اوپر ماتھے سے اور مکمل چہرے سے (جہاں سے کٹا تھا) اس کے بالوں میں جا رہا تھا اور وہاں سے نیچے ابلتے ہوئے پانی میں گر رہا تھا۔ درد اور چیخنے کی وجہ سے اس کا چہرہ مکمل سُرخ ہوچکا تھا۔

جیسے جیسے اس کے خون کے قطرے قطار بنا کر پانی میں گرتے، ان خون کی باریک دھاروں سے پانی کے ابلنے میں تیزی آجاتی۔

''ہمارے راج میں معافی نہیں ہے!'' نفرت سے چبا کر کہتے ہوئے مہارانی نے ابرار کے بائیں کندھے کے جوڑ میں اپنی خنجر نما انگلی زور سے پیوست کی۔

ابرار کی ہلکی ہوتی چیخ نے پھر سے ایک بلند شگاف چیخ کا روپ لیا۔

''آہہہہ......ہہہ......ہہ'' ابرار کا مکمل جسم پسینے میں بھیگ چکا تھا۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے نمایاں تھے۔ ابرار کو چیختا دیکھ کر مہارانی بے رحمی سے مسکرائی اور زور لگا کر ایک ہی جھٹکے میں اس کا بازو کندھے سے ہتھیلی تک چیر کے رکھ دیا۔

اب کہ درد ابرار کی برداشت سے باہر ہوگیا۔ اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ اس نے نیم وا آنکھوں سے دیکھا کہ مہارانی اور سنور یا واپس مڑ کر نیچے جارہی تھیں۔ اُڑتی ہوئی اس کی آنکھیں بند ہوگئیں لیکن حواس ابھی تک مکمل گم نہیں ہوئے تھے۔

''سموہا، اسے جلترا میں ڈال دو۔ اس کی موت ہی ہمارا بدلہ ہے۔'' مہارانی کی وہی ہزاروں لوگوں والی بارعب آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

اس نے کسی گرمائش والی چیز کو اپنے قریب سے قریب تر ہوتے محسوس کیا۔ اس نے اپنی آنکھیں کھولنے کی ناممکن کوشش کی۔

اسے اپنے بالکل قریب بہت زیادہ حدت محسوس ہوئی، ناقابل برداشت حدت! پھر اس نے خود کو ہوا میں اُڑ کر نیچے کی طرف جاتے محسوس کیا اور ایک زوردار چھپاکے کی آواز کمرے میں گونجی اور ابرار کا وجود ابلتے ہوئے اس سیاہ پانی میں آگرا۔ اسے اپنے پورے جسم میں شدید جلن محسوس ہوئی۔

بندھے ہاتھ پاؤں سے ہی وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح دو پل تڑپا اور پھر اس کے حواس مکمل طور پر ختم ہوگئے۔

کچھ گرنے کی زوردار آواز سے وہ ہوش میں آنا شروع ہوا۔ اس کی پلکیں ہلیں، اک لمبا سا سانس

چھوڑا۔ سوکھے لبوں پر زبان پھیری۔

☆.....☆.....☆

آہستہ آہستہ اس نے اپنی پلکیں اٹھائیں، اس کے ٹھیک سامنے چھت پر پنکھا لگا ہوا تھا جو زور و شور سے چل رہا تھا۔ حیرت سے اٹھ کر اس نے چاروں طرف پاگلوں کی طرح دیکھا اس کے قریب ہی سائیڈ ٹیبل کے پاس ٹوٹا ہوا جگ کانچ کے ٹکڑوں میں پڑا ہوا تھا۔

وہ اس وقت اپنے کمرے میں تھا۔ پورا جسم پسینے میں بھیگ چکا تھا اور پہنے ہوئے کپڑے جسم کے ساتھ چپک چکے تھے۔ اس کی نظر دروازے سے باہر جاتی بلی پر پڑی۔ بے اختیار اس کا ہاتھ اس کے بالوں میں گیا، جہاں سے اس نے خون کی دھاریں گرتی دیکھی تھیں۔

''شاید خواب تھا۔'' اس نے خود کو یقین دلایا۔

''بال سوکھے ہوئے تھے، خون کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ لیکن چیرے جانے کا درد اور ابلتے پانی کی جلن وہ اپنے جسم پر اب بھی محسوس کر رہا تھا۔

''لیکن حقیقت جیسا تھا۔'' خود سے ہمکلامی کرتے ہوئے اس نے بیڈ کی چادر سے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا اور بلا ارادہ دیوار کی طرف دیکھا۔

کتاب اب بھی وہاں ہی گری پڑی تھی۔ وہ بیڈ سے اٹھا، جلدی سے کتاب کو اٹھایا، کتاب کی جلد ایک طرف سے پھٹ چکی تھی۔ اس نے کتاب کا پہلا جلد نما کور پلٹایا تو پہلا صفحہ ہی نیچے سے اوپر کی طرف پھٹا ہوا تھا اور بس اوپر سے تھوڑا سا حصہ جڑا ہوا تھا۔ جس کی مدد سے لٹکا ہوا تھا صفحے سے۔

ابرار کتاب لے کر اپنی رائٹنگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھا۔ میز پر کتاب رکھ کر جلدی سے میز کی دراز کھولی، اسکاچ ٹیپ نکال کر صفحہ جوڑا، جلد بند کی اور باہر سے جلد کو دیکھا۔ جہاں سے جلد پھٹی تھی وہاں اسکاچ ٹیپ لگانے کا بھی کوئی فائدہ نہ تھا۔

اس نے کسی حد تک مطمئن ہو کر کتاب میز پر ایک طرف رکھ دی۔ لاشعوری طور پر وہ اب بھی ڈرا ہوا تھا۔ لیکن خود کو اپنے کمرے میں دیکھ کر اسے کافی سکون اور حوصلہ ملا تھا۔ ڈر کم ہوا تھا مگر ختم نہیں!

اس نے ٹیبل پر کہنیاں ٹکا کر دونوں ہاتھوں پر اپنا سر گرا دیا۔

''کافی خوفناک خواب تھا۔''

اس نے آنکھیں بند کیں تو سارا منظر پھر سے دماغ میں گھوم گیا۔ ابرار کا الٹا لٹکایا جانا، ہمو ہا اور رانی کا آنا، سنوریا کا کتاب بننا، رانی کا اپنی انگلی کا خنجر بنانا اس کو تین جگہ سے چیرنا اور پھر ابلتے پانی میں گرنا!

''اُف خدایا، ابھی تک وہ خواب دماغ میں کسی شارٹ اسٹوری کی طرف گھوم رہا ہے۔'' وہ اپنے ہی الفاظ پر چونک کر سیدھا ہوا۔

''شارٹ اسٹوری کی طرح؟'' اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ خود سے ہمکلامی کی۔

اک خیال ذہن میں کوندا اور وہ دراز میں سے پین پیپر نکال کر ٹیبل پر جھک گیا۔ کافی دیر بعد اس نے اٹھ کر کمرے کی ونڈو اوپن کی۔ باہر رات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ وہ واپس آیا اور پین پکڑ کر پیپر پر الفاظ اتارنے لگا۔

''وہ دنیا عجیب دنیا تھی۔ مجھے اس دنیا کے بارے میں کچھ نہیں پتا تھا لیکن میں ایک بات سمجھ چکا تھا کہ ''کتابیں بولتی ہیں۔'' ''اس نے سر اٹھا کر سامنے لگی گھڑی دیکھی جو دو بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ اس نے سارے صفحات جوڑے اور کہانی مکمل کر کے ایک طرف رکھی۔

لکھنے کے بعد اب وہ ریلیکس ہو چکا تھا۔ اس نے کھڑے ہو کر ایک بھرپور انگڑائی لی اور بیڈ پر لیٹ کر کمر سیدھی کرنے لگا۔ اس کے پاؤں تیزی سے ہل رہے تھے اور وہ مسکراتے ہوئے اپنے دونوں بازو سر کے نیچے تکیہ بنا کر رکھے ہوئے سوچ رہا تھا کہ

''کبھی کبھی ہمارے خواب بھی ہمیں بہترین کہانیاں دے دیتے ہیں.....!''

قوسِ قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

کسی کی عنایتوں نے یہ دن دکھائے ہیں
میرے اپنے بھی یوں پھر سے پرائے ہیں
کھل کے برستا نہیں آج یوں ابر بھی
ہم زمانے کے ہاتھوں سے ستائے ہیں
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

کبھی دل کی آنکھ سے دیکھ تو سہی
تیرے آس پاس کوئی تجھے کتنا چاہتا ہے
تیری آنکھوں کے خوبصورت نگر میں
کوئی ساری عمر رہنا چاہتا ہے
(رابعہ آفرین.....لاہور)

داغ الفت ہی مجھ کو کافی تھا
تم یہ آنکھوں میں اشک کیوں بھر لائے
(ایم ریاض قیصر.....کنگن پور)

وہ خود تو کھیلتے ہیں مرے دل سے رات دن
اور مجھ کو یہ قسم کہ شرارت نہ کیجیے
(مس فوزیہ کنول.....کنگن پور)

آجا کہ ابھی ضبط کا موسم نہیں گزرا
آجا کہ پہاڑوں پہ ابھی برف جمی ہے
خوشبو کے جزیروں سے ستاروں کی حدوں تک
اس شہر میں سب کچھ ہے بس ایک تیری کمی ہے
(افتخار احمد.....پھلریاں تلونڈی قصور)

ایک شخص پاس رہ کر بھی سمجھا نہیں مجھے
اس بات کا افسوس ہے شکوہ نہیں مجھے
(محمد اسحاق انجم.....کنگن پور)

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے
وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھودیئے
پیدا کئے فلک نے جنہیں خاک چھان کر
(اسحار بن ناصر.....کراچی)

یہ اڑی اڑی سی رنگت یہ کھلے کھلے سے گیسو
تیری صبح کہہ رہی ہے تیری رات کا فسانہ
(جمیلہ قیصر.....فیصل آباد)

طے کیا ہے تو کر ہی جانا ہے
دل نے حد سے گزر ہی جانا ہے
ایسا کرتے ہیں تم پہ مرتے ہیں
ہم نے یوں بھی تو مر ہی جانا ہے
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

جدا ہوئے بہت لوگ ایک تم بھی سہی
اب اتنی سی بات پہ کیا زندگی حرام کریں
(ڈاکٹر ندیم ساگر.....کھڈرو ضلع سانگھڑ)

سارے کھلونے چھوڑ کر لوگ
اب جذبات سے کھیلتے ہیں
(سنبل ماہین طٰہٰ.....سرگودھا)

جو گزاری نہ جاسکی کسی سے
ہم نے وہ زندگی گزاری
(انتخاب: ارمان ملک.....ٹنڈو آدم)

اک شخص کر رہا ہے ابھی تک وفا کا ذکر
کاش اس زبان دراز کی زبان نوچ لے کوئی
(عثمان نصیر.....کراچی)

کیسا دل، اور اس کے کیا غم جی
یونہی باتیں بناتے ہیں ہم جی
(افتخار احمد.....پھلریاں تلونڈی)

ہم سے زندگی کی حقیقت نہ پوچھ وصی
بہت پرخلوص لوگ تھے جو تنہا کر گئے
(انتخاب: ایس حبیب خان.....کراچی)

مخلص ہوں دشمن پر بھی کرتا ہوں بھروسہ
تا عمر مجھے جینے کا سلیقہ نہیں آیا
(سنبل وسیم سیالوی.....پنڈ دادن خان)

محبت بھری ملاقاتیں آج بھی مجھے یاد ہیں
تیری قسمیں اور وعدے آج بھی مجھے یاد ہیں
ملنا تیرا مجھے نہر کے کنارے اور آم کے باغ میں
اور پھر تیری بے وفائی اور دھوکے آج بھی مجھے یاد ہیں
(عامر شہزاد.....ننکانہ صاحب)

تو قادر ہے قاہر ہے تو ہی کریم
تو غافر ہے، ساتر ہے تو ہی حلیم
تو بھگوان ہے، گاڈ ہے اور رب
ترے در کے منگتے ہیں انسان سب
ترا نور ہر جا تیرا ہی کمال
تو واحد ہے واجد ہے تو رب ذوالجلال
جسے چاہے پل بھر میں دے عزتیں
جسے چاہے دم بھر میں دے ذلتیں
ترا حکم کن ہے تجھی سے فکاں
ترے اور سے ہیں زمیں، آسماں
(چوہدری قمر جہاں علی پوری.....ملتان)

دریچے بند ہوچکے ہیں، دستکیں نہ دو
چپ کے کمرے میں آہٹیں نہ دو
بادلوں تم ہی ترس کھاؤ تپتی زمیں پر
مٹی کے گھروندوں پر بارشیں نہ دو
جس نے دی ہے تمہیں امان یہاں
اس ملک کو اس طرح سازشیں نہ دو
مہمان تو ہوتے ہی ہیں رحمت خدا کی
پھر بھی کسی غریب کو زحمتیں نہ دو
اجلی سفید چادر پر داغ نہ لگے کہیں
یہ سوچ لو، عورت کو تہمتیں نہ دو
نہیں دے سکتے محبت تو کوئی بات نہیں
ترسے ہوئے دل کو نفرتیں نہ دو
خانم کے دل میں تمہارا ڈر نہ رہے کبھی
یا رب مجھے ایسی راحتیں نہ دو
(فریدہ خانم.....لاہور)

یہ جو لوگ مجھ سے جلتے ہیں
یہ کیوں مجھ سے جلتے ہیں؟
کیا ان کو مجھ سے کوئی تکلیف ہے؟
کیا یہ تقدیر کے لکھے پر راضی نہیں ہیں؟
میں سوچتا ہوں کہ کہیں یہ
میرے لئے جل جل کر راکھ ہی نہ ہو جائیں
پھر کون اٹھائے گا ان کی خاک کو؟
یہاں حسد میں جلنے والے تو
دوزخ میں بھی جلیں گے
کون ان کو بچائے گا؟
کون ان کو ہنسائے گا؟
خوابوں میں تجھے دیکھا تو نیند اُڑ گئی
خیالوں میں تجھے دیکھا تو کچھ اور سوچا نہیں
اب سوچتا ہوں کہ حقیقت میں دیکھا تو
جان ہی نہ چلی جائے
یہ اَن دیکھی صورت کہیں مجھے مروا ہی نہ دے!
(علی تقلین جٹ.....لاہور)

وہ مجھے اندھیرے میں
روشنی کی کرن سا لگتا ہے
وہ مجھ بگڑی شہزادی کے لئے
اک صحیح راہ دکھانے والا
فرشتہ سا لگتا ہے!
وہ میرے دامن میں چھپے ہوئے کانٹوں کو
پھولوں میں بدلنے والا
جادوگر سا لگتا ہے!
وہ میری زندگی کے تمام برے رنگوں کو
خوش رنگوں میں بدلنے والا
رنگ سا لگتا ہے.....!
وہ مجھے میری زندگی میں
زندگی سا لگتا ہے
وہ مجھے اس شام سا لگتا ہے
جو ڈھل کے سویرے میں بدلتی ہے
وہ مجھے میری دعا کی قبولیت سا لگتا ہے
(کائنات رشک تنویر.....لاہور)

کوئی ہنستا ہوا جب آج چہرہ دیکھتا ہوں میں
تو مہر کسی کا گہرا ٹھپا دیکھتا ہوں میں

کسی کو شدت احساس غم میں ظلم دنیا پر
مجھے تسکین ہوتی ہے جو روتا دیکھتا ہوں میں
بلا قصد و ارادہ جادہ شام و سحر پر آب
یہ لگتا ہے کہ ایک خونیں تماشا دیکھتا ہوں میں
نہ تھی پہلے کبھی اتنی گھٹن جو آج طاری ہے
نہ تھا پہلے کبھی جو رنگ گھر کا دیکھتا ہوں میں
تباہی جیسے قسمت بن چکی ہو امن عالم کی
بہر منظر فساد و خوں خرابا دیکھتا ہوں میں
کہ جیسے میں نہیں ہوں اپنے مکان خستہ و ویراں
ہے عبرتناک جب اپنا سراپا دیکھتا ہوں میں
ہوئی ہیں منجمد امواج خوں واجد بہر عنوان
عجب بیچارگی سے سوئے دریا دیکھتا ہوں میں
(پروفیسر ڈاکٹر واجد نگینوی.....کراچی)

وہ تصور تھا کوئی حقیقت میں نہ تھا
سوچا تو بہت پر عقیدت میں نہ تھا
بہت مسکرا کر وہ دیکھا کرتا تھا
لیکن وہ مہربان عنایت میں نہ تھا
چاہتا تھا بس وہ سرسری سا مجھ کو
چاہا اس نے شدت میں نہ تھا
چاہنے والوں کے اس کے نام ہزار
ایک میں اس کی چاہت میں نہ تھا
دل اس کی یاد سے غافل نہ رہا
میری دعا سے جو مصیبت میں نہ تھا
کوئی لمحے ساتھ اس کے جو میسر ہوں
پر ایسا کوئی پل راحت میں نہ تھا
دوست نہ سہی دشمن ہی سمجھے نینا
مگر میں اس کی عداوت میں نہ تھا!!!
(نینا خان.....کراچی)

چلو یہ بھی تجربہ کرکے دیکھتے ہیں
ہم بھی کسی پہ مر کے دیکھتے ہیں
ہم نے دیکھے ہیں لوگ پچھتاتے کئی
چلو ہم بھی حد سے گزر کر دیکھتے ہیں
سنا ہے لوگوں سے محبت آگ کا دریا ہے
چلو اس آگ کے دریا کو سر کرکے دیکھتے ہیں
جب دل ٹوٹے تو بہت درد ہوتا ہے
چلو ہم بھی دل کے خانے کو پر کرکے دیکھتے ہیں
سنا ہے محبت رسوا کردیتی ہے
چلو ہم بھی محبت میں کچھ کرکے دیکھتے ہیں
سنا ہے دل کا کوئی دروازہ نہیں ہوتا آفرین
چلو ہم بھی کسی کے دل میں اتر کر دیکھتے ہیں
(رابعہ آفرین.....لاہور)

صحرائے درد سے آگے نکل جانا ضروری تھا
محبت میں تیری چپکے سے جل جانا ضروری تھا
سہارا تیری بانہوں کا بچاتا کس طرح مجھ کو
تیرے نازک بدن پہ ہی پھسل جانا ضروری تھا
حسین منظر کو نظروں میں اوجھل کس طرح کرتا
سمندر کی حسین موجوں میں ڈھل جانا ضروری تھا
مسیحا کس طرح کرتا علاج دل تجسس سے
تیرے ہاتھوں ہی جب دل کا بہل جانا ضروری تھا
آنکھیں موند کے ملنے تجھے میں کس طرح آتا
تیرے پتھریلے رستوں پہ سنبھل جانا ضروری تھا
وصل کے درد نے مجھ کو کیا بے تاب تھا اتنا
کسی کا آکے چپکے سے ہی مل جانا ضروری تھا
مجھے دل سے بھلانے والے ذرہ اتنا تو بتلادے
محبت کرکے تیرا کیا بدل جانا ضروری تھا
تقاضے پارسائی کے ہم آس کس طرح کرتے
کسی کی آہٹ پہ جب دل کا مچل جانا ضروری تھا
(شرف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہ یار)

ذرا سی بات کا بتنگڑ بنانا اس کی عادت ہے
ذرا سی بات پہ منہ کو سجھانا اس کی عادت ہے
میرے منانے کی عادت سے وہ واقف ہے اس لئے
ذرا سی بات پہ بھی روٹھ جانا اس کی عادت ہے
اسے معلوم ہے مین اس کی ہر بات سچ مانتا ہوں
جانے کیوں ہر بات پہ قسم اٹھانا اس کی عادت ہے
میرے دل کی سلطنت کی وہ ملکہ ہے پھر بھی

مجھ پر حکم چلانا اس کی عادت ہے
ہر وقت وہ قاتل حسینہ بنی رہتی ہے
ہر کسی پر رعب حسن جمانا اس کی عادت ہے
ہم عاشق ہیں شاید اس کی مسکراہٹ کے اس لئے
ہمیں دیکھ کر مسکرانا اس کی عادت ہے
(امانت علی شاہد.....لاہور)

ابھی پھولوں میں مہک باقی ہے
ابھی رنگوں میں دھنک باقی ہے
آنکھوں میں ہیں خواب ابھی
شمع الفت کی چمک باقی ہے
کائنات کا رنگ حسین ہے ابھی
حسن تیرے کی جھلک باقی ہے
انتظار تیرا ہے دل میں ابھی
ابھی یہ ارض و فلک باقی ہے
راستہ دیکھیں گے تیرا شہزاد ابھی
ابھی ان آنکھوں میں چمک باقی ہے
(عامر شہزاد.....ننکانہ صاحب)

بجھتا ہوا چراغ جلتا نہیں کبھی
بچھڑے جو اک بار ملتا نہیں کبھی
گلشن میں کوئی پھول کھل نہ سکا
دل کسی کی یاد میں دھڑکتا نہیں کبھی
داغ ملے تھے جو تیرے پیار میں
صلہ وفاؤں کا یہاں میں ملتا نہیں کبھی
راکھ ہوگئی زندگی تیرے انتظار میں
آنسو غم کا خوشی میں ڈھلتا نہیں کبھی
شوخ نظاروں کی قسم ہم نہیں بدلے ہمسفر
پریشاں دل پھر سے سنبھلتا نہیں کبھی
کسی کے عشق میں ٹھوکریں کھائی ہیں جاوید
ہر کسی کا لمحہ میں مقدر سنورتا نہیں کبھی
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

پاکستان، ہماری جان! جان! جان!
پاکستان ہماری جان!
دیکھو دوستو، کیسا ہے یہ گلشن
پھول کھلے ہیں اور کلیوں پہ شبنم
ہر پھول پہ ہے نیا رنگ و خوشبو
ہر اک کی ہے اپنی پہچان!
پاکستان ہماری جان! جان! جان!
اس کی حفاظت ہم سب کا ہے فرض
ہم سب ہے نوجوانو! اس کا آنے والا کل
اگر ہم سب مل کر اپنا فرض دیں انجام
تو ساری دنیا میں ہوگا روشن پاکستان کا نام
پاکستان ہماری جان!.....
بڑوں کی کریں ہم عزت اور احترام
چھوٹوں سے پیش آئیں محبت کے ساتھ
سکھاتا ہے ہم کو یہی ہمارا دین اسلام
اسلام کے نام پہ ہی بنا ہے پاکستان!
پاکستان ہماری جان!.....
سرسبز اور شاداب ہے اس کا ہر کونہ
اس وطن کی زمین ہے میری دھرتی ماں
یہ میری دعا ہے میرے خدا
یہ سلامت رہے یونہی سدا
یہ ہے اپنی شان! شان! شان!
پاکستان ہماری جان!
(شازیہ پروین امانت.....لاہور)

زندگی صرف چاہا ہے تجھے
بس اسی بات نے بہت رلایا ہے مجھے
زندہ رہوں تو کیوں اور کس طرح
جب زندگی نے ہی بہت ستایا ہے مجھے
یہ دنیا والے یہ لوگ صرف قریب ہیں نزدیک نہیں
بس ہی اک جملہ میرے وجود نے سمجھایا ہے مجھے
مانگتے ہیں وضاحت مجھ سے میری بے گناہی کی
میرے ہی سچ نے آج جھٹلایا ہے مجھے
جو لوگ ساتھ دیتے ہیں وہ ساتھ ہوتے نہیں
بس اسی فرق نے پاگل کر دیا ہے مجھے
میں اکیلا ہوں تو اپنی ہی سچائی کے جرم میں
کوئی ایک کو تو سمجھنا چاہئے تھا مجھے
(سنبیل ماہین.....سرگودھا)

☆

جلتے گلاب

عثمان غنی خان-پشاور

آخری قسط

دو دلوں کا ملاپ اچانک چھناکے سے بکھر گیا، دونوں کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس قدر عجلت میں وہ ایک دوسرے سے الگ ہوجائیں گے اور جب ایسا ہوا تو ایک انوکھا شاخسانہ سامنے آیا تو انجان سفر کے باسی گھٹ کر رہ گئے لیکن جب وقت پلٹا تو.....

ایک اچھوتی انوکھی دلنواز، فرحت بخشتی دل دماغ کو گدگداتی .....شاہکار کہانی

ایک بہت بڑی گاڑی اسی تنگ اس محلے میں آکر رک گئی۔ گلی بالکل سنسان تھی۔ کوئی ذی روح نہیں تھی۔ بڑے سرکار کے لیے سانول نے گاڑی کا دروازہ کھولا، اس نے بڑے کروفر سے قدم باہر نکالا۔ اب وہ اسی کرائے کے گھر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس کا ڈرائیور گاڑی واپس لے جارہا تھا۔ بڑے سرکار کمرے میں آگئے۔ انہوں نے باہر سے ہی شاہ زر کا گھر دیکھ لیا تھا۔ وہ اس گھر سے چند گھر ہی دور تھا۔ بڑے سرکار نے گلاب کا پودا اپنے سامنے رکھا۔ اب وہ کمرے میں اکیلے تھے سانول اور نوری کمرے سے باہر نکل گئے۔ وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعے سوہا کی روح نکال کر اسی گلاب کے پودے میں قید کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے عمل شروع کرنا تھا۔ بڑے سرکار کے سامنے اسی گملے میں گلاب کا پودا موجود تھا۔

اس نے آنکھیں بند کردیں اور گلاب کے پودے کی خوشبو کو محسوس کرکے عمل پڑھنا شروع کر دیا۔ گلاب کی ساری خوشبو دھویں کی مانند نکلتی ہوئی رقص کرنے لگی۔ بڑے سرکار نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ انتہائی سرخ ہوگئی تھیں۔ انہوں نے اپنے ذہن سے گلاب کی خوشبو کو اپنے تابع کرلیا۔ اب گلاب کی خوشبو بہت ہلکے انداز میں بالکل دھواں نظر آرہی تھی۔ وہ خوشبو ہلتی جلتی رقص کرنے لگی، پھر وہ کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ اب وہ گلی میں کسی کی تلاش میں پھر رہی تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ گہرا سکوت پھیلا ہوا تھا۔ وہ دھواں جیسے کسی کو تلاش کررہا تھا۔

اچانک دھواں سوہا کے گھر کے سامنے رک گیا اور پھر اونچا ہوکر دیوار کے پار چلا گیا۔ اب وہ سوہا کے گھر کے اندر تھا۔ اس نے پورے گھر میں جیسے چکرانا شروع کردیا۔ اب وہ سوہا کے کمرے میں پھر رہا تھا۔ سوہا روہا کے قریب ہی سو رہی تھی۔ دونوں کے سنگل بیڈ قریب تھے۔ دھویں نے دونوں کے ارد گرد کئی چکر لگائے۔ پھر وہ سوہا کے ناک میں گھس گیا۔ اب کمرے میں دھواں بالکل بھی نظر نہیں آرہا تھا۔

اچانک سوہا کے وجود سے کچھ اٹھنا شروع ہوگیا، وہ سفید سا دھواں تھا۔ جو دھیرے دھیرے سوہا کے جسم سے نکل رہا تھا۔ جب وہ پوری طرح سے سوہا کے جسم سے نکل گیا، تو اس نے سوہا کا روپ دھارلیا۔ وہ سوہا کی روح تھا۔ اب وہ بے چینی سے پورے کمرے میں چکرانے لگ گیا۔ کچھ دیر چکرانے کے بعد وہ دھیرے دھیرے باہر آنے لگا۔ جیسے کوئی کشش زبردستی روح کو

اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔

کچھ دیر بعد سوہا کی روح اب گھر سے باہر تھی۔ جیسے وہ کسی کے قابو میں ہو، روح اب اسی گھر کی طرف آرہی تھی۔ جس میں بڑے سرکار عمل کر رہے تھے۔ روح اس گھر میں داخل ہوئی اور بڑے سرکار کے سامنے وہ رک گئی۔ بڑے سرکار نے گلاب کو دیکھا، وہ گلاب کا پودا بالکل بے جان لگ رہا تھا۔ جیسے مرجھا رہا ہو، بڑے سرکار نے اپنی آنکھوں کو روح پر مرکوز کردیا۔ بڑے سرکار کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔ بڑے سرکار نے مرجھائے ہوئے پودے کی طرف دیکھا اور پھر روح کو دیکھا۔ سوہا کی روح کو تکلیف ہونے لگی۔ بڑے سرکار نے اس کو قابو کرلیا تھا۔ اب انہوں نے روح کو گلاب میں جذب ہونے پر زور دیا۔ روح نے تکلیف سے ادھر ادھر دیکھا، پھر وہ گلاب کے اندر داخل ہوگئی۔ بڑے سرکار کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں ہوگئی۔ وہ ہنس رہے تھے۔ انہوں نے گلاب کو دیکھا اور گلاب تازہ پودے کی طرح کھل اٹھا اور پھر انہوں نے بہت گہری سانسیں لیں۔ مگر کمرے میں گلاب کی خوشبو کہیں بھی نہیں تھی۔

بڑے سرکار نے گلاب کے پودے پر نظریں مرکوز کردیں۔

اچانک کچھ دیر بعد گلاب کے پودے نے آگ پکڑلی۔ اب وہ آگ کے شعلوں میں تھا۔ بڑے سرکار ہنس رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں گلاب کے شعلے نظر آرہے تھے۔ بڑے سرکار نے خوشی سے دونوں آنکھیں بند کرلیں۔

''جس طرح انسان کے اندر روح ہوتی ہے۔ اسی طرح گلاب کے اندر خوشبو ہوتی ہے۔ میں نے اپنے عمل سے دونوں کو ایک دوسرے سے تبدیل کروادیا ہے۔ اب اس گلاب میں روح رہے گی۔ اور سوہا کے جسم میں گلاب کی خوشبو۔''

بڑے سرکار نے آخر میں قہقہے لگانے شروع کردیے۔ انہوں نے کچھ دیر بعد سانول اور نوری کو بلایا۔ وہ دونوں اب حیرت سے جلتے گلاب کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کی حیرانگی صاف طور پر دیکھی جاسکتی تھی۔

''تم دونوں اس گلاب کے پودے کو کسی میدان میں لگادو۔ یہ کسی کو نظر نہیں آئے گا۔ ہاں یہ پودا تم دونوں کو نظر آسکتا ہے۔ مجھے نظر آسکتا ہے۔ جس نے یہ کام کروایا ہے، اس کو بھی نظر آسکتا ہے اور اس لڑکی کے عاشق کو بھی نظر آسکتا ہے۔ اگر اس کا عاشق اس پودے کو دیکھ بھی لے، تو وہ اسے نکال نہیں پائے گا کیونکہ میرا کیا گیا عمل اس کو کرنٹ مارے گا۔ وہ اس کی تصویر اتار سکتا ہے۔ یہ گلاب جس میں لڑکی کی روح قید ہے۔ اس پودے کو زمین میں عام پودوں جیسا ہی داب دو۔ اگر اس کو پورا زمین میں دفن کروگے۔ تو یہ پودا مرجھا جائے گا۔ اس کی خوشبو (روح) نکل کر واپس اس لڑکی کے جسم میں چلی جائے گی اور وہ لڑکی اسی لمحے دوبارہ ٹھیک ہوجائے گی۔ جب تک یہ پودا زمین میں رہے گا۔ اس لڑکی کو کچھ نہیں ہوگا، وہ بھی زندہ رہے گی۔ کیونکہ اس پودے کے پھولوں کی خوشبو اس لڑکی کے جسم میں ہے۔ وہ زندہ رہے گی۔ مگر مردوں جیسی ہوگی۔ لیکن اگر کسی نے اس لڑکی کے جسم سے کھیلنے کی کوشش کی، تو گلاب کی خوشبو اس لڑکی کے جسم سے نکل جائے گی اور وہ مرجائے گی۔ کسی طور پر اس لڑکی کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہیے، جب بھی کبھی ایسا ہوگا۔ اس پودے کی آگ میں ان لمحوں کا منظر نظر آنے لگے گا۔ تب تم اگر قریب ہو تو فوراً گڑھا کھود کر اس پودے کو دفن کردینا۔ وہ لڑکی واپس ٹھیک ہوجائے گی اور اپنا بچاؤ کرسکے گی۔'' بڑے سرکار نے دونوں کو سب کچھ سمجھادیا۔

''بڑے سرکار.....!! اگر ہم اس لڑکی کو مارنا چاہیں۔ تب ہمیں کیا کرنا ہوگا؟'' یہ سوال نوری نے پوچھا۔ وہ اس پودے کو دیکھ کر ڈر رہا تھا۔ جیسے وہ اسے بھی آگ لگادے گا، اس نے جب جلتے گلاب کے تینوں پھولوں کو دیکھا، تو اس میں اسے سوہا کا عکس دکھائی دینے لگا۔

''اگر تم دونوں نے اس لڑکی کو مارنا ہی ہے، تو مجھ سے اتنا بڑا عمل کیوں کروایا؟ سیدھا گولی سے مار دیتے۔ ایسے فضول میں میرا اتنا ٹائم برباد کروڈالا۔'' بڑے سرکار نے غصے سے ان پر آنکھیں نکالیں۔

''بڑے سرکار.....! ہم اس لڑکی کو مارنا نہیں چاہ رہے ہیں۔ اگر کل ابرار سائیں اس چھوکری کو مارنا چاہیں۔ تو ہم کیا کرینگے؟ ہم صرف طریقہ جاننا چاہتے ہیں کیونکہ ابرار سائیں کے مزاج کا کچھ پتہ نہیں چلتا ہے۔'' سانول نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔ وہ جیسے بڑے سرکار کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

''پھر اس پودے کو زمین سے نکال کر سمندر برد کر دینا اور جیسے ہی یہ سمندر کی تہہ میں جائے گا۔ اس سے روح نہیں نکل سکے گی۔ کیونکہ پانی کے اندر پودا کافی دنوں تک تازہ رہتا ہے۔ اس طرح وہ لڑکی تڑپ تڑپ کر مر جائے گی۔ یہی اس لڑکی کے مرنے کا واحد حل ہے۔'' بڑے سرکار نے ساری بات بتادی۔

''ٹھیک ہے بڑے سرکار.....! ہم اسے لے کر جا رہے ہیں۔'' سانول نے کہا۔

''میں بھی یہاں سے نکل رہا ہوں، تم لوگ صبح مالک مکان سے کہہ دینا کہ ہمیں یہ مکان پسند نہیں آیا۔'' بڑے سرکار نے کہا اور اٹھ کر چلے گئے۔ گاڑی باہر آ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ بڑے سرکار نے باہر نکلنے کے فوراً بعد ڈرائیور کو کال کر دی تھی۔ اب وہ گھر سے نکل رہے تھے۔ ان کے جانے کے بعد سانول اور نوزی نے گلاب کا گملا اٹھایا اور اسے لے جا کر بڑے میدان میں لگا دیا۔ ان دونوں نے اس پودے پر کافی دنوں تک نظر رکھی۔ وہ واقعی ان کے سوا کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ کیونکہ کافی سارے لوگ وہاں آئے تھے، جو جلتے گلاب کے پھول کی جگہ پر گھوم پھر کر چلے جاتے، مگر کچھ نوٹس ہی نہ کر پاتے۔

☆.....☆.....☆

مالک مکان کو ان دونوں نے مطمئن کر دیا۔ پوری پے منٹ کر دی گئی۔ وہ بے چارہ بھی کیا کر سکتا تھا۔ اس نے بس صرف ایک مہینے کا کرایہ شرائط کے طور پر لے لیا اور ایڈوانس واپس کر دیا۔ ابرار احمد نے باقی تمام رقم نوری اور سانول کو دے دی۔ مگر ساتھ میں ہر رات جلتے گلاب کے پودے پر خاص نظر رکھنے کو کہہ دیا۔ وہ دونوں تب سے ہر رات میدان میں جاتے اور جلتے گلاب کے پودے کو دیکھتے۔ ان کو یقین ہو گیا تھا کہ اب کبھی زین سوہا تک نہیں پہنچ پائے گا۔ وہ دونوں ابھی تک پولیس کے کسی دوسرے معاملے میں نہیں پڑے تھے۔ دونوں نے جتنے بھی جرائم کیے تھے۔ وہ ابھی تک عدم ثبوت کی بنا پر پولیس کے دسترس سے دور تھے۔

انہوں نے سوہا پر نظر رکھی، وہ ان کو کومے کی حالت اسپتال میں ملی۔ وہ دونوں اپنا کام مسلسل کیے جا رہے تھے۔ زندگی کافی تیزی سے گزر رہی تھی اور سوہا کے اسپتال میں ایڈمٹ ہونے کی وجہ سے شاہ زر کے گھر پر تالا ابھی تک جوں کا توں پڑا ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

اگلے دن گھر والوں کو سوہا کومے کی حالت میں ملی۔ یہ گھر والوں کے لیے کسی قیامت سے کم نہیں تھا، کچھ جاہل لوگ تو اسے مردہ سمجھ رہے تھے۔ سارے گھر والوں کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ وہ لوگ اسے اسپتال لے کر چلے گئے۔ شاہ زر اس نئی افتاد پر سخت پریشان ہو گئے تھے۔ مگر جوان بیٹی تھی اور انہیں پیاری بھی بہت تھی۔ انہوں نے سوہا کے علاج کے لیے اپنی ساری جمع پونجی لگانی شروع کر دی۔ وہ کئی دنوں تک اسپتال میں رہے۔ اسپتال میں کچھ ڈاکٹرز اور چند لوگوں کو لگنے لگا کہ سوہا کے وجود سے گلاب کی خوشبو آتی ہے۔ ڈاکٹرز نے یہ معمہ سلجھانے کی بے حد کوشش کی۔ مگر وہ تہہ تک نہیں پہنچ سکے۔ مگر ڈاکٹرز نے یہ کیس کسی سے ڈسکس نہیں کیا۔ اگر میڈیا کو بھنک بھی لگ جاتی تو وہ اپنی بے ہودگی مچانا شروع کر دیتے۔ کچھ عرصے تک ڈاکٹرز سوہا کو ڈرپس کے ذریعے خوراک فراہم کرتے رہے۔ شاہ زر کو دوبارہ نوکری مل چکی تھی۔ انہوں نے دفتر والوں کو اپنی چھٹیوں کی توجیح بیٹی کی بیماری بیان کر دی۔ وہ لوگ اس کی بیٹی کو دیکھنے اسپتال آئے بھی تھے۔

وہ بالکل کسی بے جان لاش کی طرح تھی۔

ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ ''یہ زندہ ہے اور سانس لے رہی ہے۔ شاید کسی صدمے کی وجہ سے اس کی ایسی حالت ہوگئی ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس کے وجود سے گلاب کی خوشبو آتی ہے۔'' بہت سارے لوگوں کو سوہا کے کومے میں جانے کا افسوس تھا۔ مگر کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پہلے پہل تو ڈاکٹرز سوہا کو گھر شفٹ کرنا چاہتے تھے۔ مگر شاہ زر ایسا نہیں چاہتے تھے۔ وہ اسپتال میں سوہا کو تب تک رکھنا چاہتے تھے۔ جب تک وہ واپس ٹھیک نہیں ہوجاتی۔ انہوں نے گاؤں کا مکان بھی بیچ دیا۔ کیونکہ سوہا کے علاج کے لیے پیسوں کی اشد ضرورت تھی۔ سوہا کے گھر پر پھر سے تالا لگ چکا تھا۔ اس کے گھر والے اب پھر سے اسپتال میں گھن چکر بن کر رہ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

ایک دن زین پھر سوہا کے محلے میں آیا تھا۔ اس نے سوہا کے گھر پر پڑا تالا دیکھا تو ناامید ہو کر چلا گیا۔ اس دن اس نے سر پر کیپ پہن رکھی تھی اور منہ سندھی اجرک سے چھپا لیا تھا، وہ یہاں لوگوں کا ہجوم نہیں چاہتا تھا، ان دنوں زین اسٹار بن چکا تھا۔ وہ بہت زیادہ اپنے کام میں مصروف ہوگیا تھا۔ اس نے بڑی مشکلوں سے اپنے بزی شیڈول میں سے وقت نکال کر سوہا کے گھر کا چکر لگایا تھا۔ مگر وہ اسے نہیں مل سکی تھی۔ وہ وہاں سے واپس چلا گیا۔ اس کی زندگی میں اب سکون نہیں تھا۔

شاہ زر جیسے گھر کی راہ تک بھول گئے تھے۔ ان کی زندگی بس اسپتال اور دفتر تک محدود ہوگئی تھی۔ روہا نے دوبارہ اپنا کالج جوائن کرلیا تھا۔ وہ کالج جانے لگی۔ کالج سے سیدھا وہ اسپتال جاتی۔ ڈاکٹرز سوہا کو گھر ڈسچارج نہیں کر رہے تھے۔ کیونکہ اس کے پاس کسی تیماردار کا ہونا بھی بہت ضروری تھا۔

کومے میں پڑی ہوئی سوہا کیسے اکیلے گھر میں رہ سکتی تھی اور پھر ڈاکٹرز کو بھی شاہ زر کی بات درست لگی۔ انہوں نے ان کی بات مان لی۔ گھر میں وہ اکیلی پڑ جاتی یہاں تو کبھی شاہ زر ہوتے اور وہ جب نہیں ہوتے تو روہا ہوتی اور روہا اور چھوٹے بہن بھائی آشان اور کاشان بھی کبھی کبھار آجاتے۔ سوہا کو پرائیویٹ روم میں شفٹ کردیا تھا۔ شاہ زر نے ساری زندگی جو جمع پونجی کی تھی۔ اب وہی ان کے کام آرہی تھی۔ شاہ زر کو کچھ یہاں اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ مگر انہوں نے صبر اور شکر سے جیسے حالات کا مقابلہ کرنا شروع کر دیا۔ ڈاکٹرز کو دس فیصد امید ہو چکی تھی۔ ان کو لگتا تھا کہ کسی بھی لمحے سوہا دوبارہ ہوش میں آسکتی ہے۔ مگر ان کو وقت کا پتہ نہیں تھا۔

شاہ زر کو اب معجزے کا انتظار تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ناامید ہو رہے تھے۔ مگر ہر دعا اس کی سوہا کے نام سے شروع ہو کے اسی پر ختم ہوجاتی تھی۔ شاہ زر کا وقت اب عبادت میں لگنے لگا تھا۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر عاشر بالکل ینگ ڈاکٹر تھا۔ اس نے جب سوہا کو دیکھا۔ تو وہ اسے بہت اچھی لگی۔ اس نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ ڈاکٹر عاشر نے سوہا کے کیس پر خصوصی توجہ دینی شروع کردی۔ وہ سوہا کو خاص پیشنٹ سمجھ کر اس کے پاس وقت بھی گزارنے لگا۔ اسے سوہا کے کمرے میں آکر گلاب کی خوشبو کی مہک محسوس ہوتی۔ اسے لگتا کہ سوہا کسی جادو کے قید میں ہے۔ اور وہ جادوگر یہاں کہیں قریب ہے۔ مگر اس نے اپنے خیالات کا اظہار اس لیے کسی سے نہ کیا۔ اسے لگتا تھا کہ کوئی اس کی بات کا یقین نہیں کرے گا اور الٹا اسے خبطی اور پاگل قرار دیا جائے گا۔ جب بھی کبھی اسے وقت ملتا۔ وہ وہاں چلا آتا۔ وہ سوہا کے وجود کی خوشبو کو اپنے لیے انعام جیسا محسوس کرنے لگا۔ اسے پہلے پہل لگتا تھا، یہ گلاب کی پھولوں کی خوشبو صرف وہی محسوس کرتا ہے اور پھر وہ رفتہ رفتہ دل ہی دل میں اسے چاہنے لگا۔ شاہ زر کے اسپتال کے بلز میں بھی اسی نے خصوصی کمی کرادی۔ جس پر شاہ زر اس کا دل سے ممنون تھے۔ کافی وقت گزرتا گیا۔ ڈاکٹر عاشر کے دل میں سوہا کی محبت کا جذبہ پروان چڑھ

رہا تھا۔ وہ جب اس سے دور ہوتا تو اس کا دل بے چینی کا شکار ہوتا۔ وہ خود بھی بہت خوبصورت شخصیت کا مالک تھا۔ زندگی اسے اچھی لگنے لگی۔ اس کو بھی جینے کا مقصد سمجھ آنے لگا۔ اس کو لگتا کہ یہ جو سوہا کے وجود سے گلاب کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ یہ صرف اس کے لیے ہے۔ وہ اکثر ہنستا مسکراتا۔ جی کرتا وہ سوہا کو اسی طرح دیکھتا رہے اور اس کے وجود سے اٹھتی خوشبو کو محسوس کرتا رہے۔ وہ کبھی کبھار جان بوجھ کر بار بار اسے دیکھنے آجاتا اور اس کے وجود سے گلاب کی پھوٹتی خوشبو کو لمبے سانس لے لے کر اپنے وجود میں داخل کرتا۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر عاشر کو سوہا کے دونوں بھائی بھی بہت پسند تھے۔ وہ ان دونوں کو دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ ان کا باپ شاہ زر بھی اسے اچھا لگتا تھا۔ اس کی ایک بہن تھی۔ جو ہر وقت کالج یونیفارم میں کسی نرس کی طرح موجود ہوتی۔ روہا کالج سے سیدھی اسپتال آجاتی تھی۔ اس لیے ڈاکٹر عاشر کو لگتا تھا کہ یہ سوہا کی پرائیویٹ نرس ہے۔ جو اس کے روم میں ڈیوٹی دے رہی ہے۔ بعد میں اسے پتہ چلا۔ تو وہ کئی دنوں تک اس بات پر مسکراتا رہا۔ وہ کالج جا کر سیدھا اسپتال آجاتی تھی۔ آج بھی وہ کمرے میں راؤنڈ کے لیے آیا تھا۔ تو روہا قریب ہی کھڑی تھی۔ اس نے سمجھا کہ کوئی نرس ہے۔ مگر جب اس نے اسے نرس کہہ کر پکارا اور وہ جب مڑی تو اس نے ڈاکٹر عاشر کو دیکھا۔

''ہیلو۔۔۔!! کیسی ہو؟ آپ کالج یونیفارم میں ہوتی ہیں۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ آپ نرس ہیں؟'' ڈاکٹر عاشر نے اس سے پوچھا تو اس نے کندھے اچکائے۔

'' ڈاکٹر صاحب ۔۔۔!! میں ٹھیک ہوں۔۔۔!! پلیز۔۔۔!! میری بہن کو کیا ہوا ہے؟ یہ کیسے ٹھیک ہو سکتی ہے؟ آپ کچھ کریں ناں۔۔۔!! ورنہ کیا ہم ساری زندگی اسی طرح اسپتال میں گھن چکر بن کر گھومتے رہیں گے۔''

''تمہاری بہن کو کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔۔۔!! یہ کومہ میں ہے۔۔۔!! بس سانس لے رہی ہے۔۔۔!! اور زندہ ہے؟ ویسے امید ہے بہت جلد اس کا کومہ ختم ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر عاشر سوہا کی فائل دیکھتے ہوئے بولا۔

''ویسے آپ کا نام کیا ہے؟'' ڈاکٹر عاشر نے پوچھا۔

''روہا۔۔۔!!'' روہا نے جھٹ سے بتایا۔

''روہا....!! آپ کو نہیں لگتا ہے کہ اس کمرے میں جیسے گلاب کی خوشبو قید ہے۔ میں جب بھی آتا ہوں۔ یہاں گلاب کی خوشبو محسوس کرتا ہوں۔ کیا آپ کو بھی گلاب کی مہک محسوس ہوتی ہے۔'' ڈاکٹر عاشر نے سوہا کی فائل بیڈ کے سرہانے رکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں، یہ خوشبو کمرے کی نہیں ہے۔ یہ خوشبو پتہ نہیں کیسے سوہا کے وجود سے پھوٹتی ہے۔ جب سے یہ خوشبو اس کے وجود کا حصہ بنی ہے۔ تب سے مجھے کچھ بھی ٹھیک نہیں لگ رہا ہے۔'' روہا نے اٹھتے ہوئے ڈاکٹر کو دیکھا۔ روہا کی بات سن کر ڈاکٹر سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''ہاں۔ مجھے بھی ایسے ہی لگتا ہے۔ جب یہ ٹھیک تھیں۔ تو کیا تب بھی اس کے وجود سے گلاب کی خوشبو محسوس ہوتی تھی؟'' ڈاکٹر عاشر مزید جاننا چاہ رہا تھا۔

''نہیں۔ تب تو ایسا کچھ بھی ہم نے محسوس نہیں کیا تھا۔ یہ تو جس دن سے کومے میں گئی ہے۔ تبھی سے یہ خوشبو اس کے وجود سے محسوس ہوتی ہے اور بہت اچھی خوشبو ہے۔ بندے کا دل اس خوشبو کی وجہ سے بالکل پرسکون ہو جاتا ہے۔'' روہا نے اسے بتایا تو ڈاکٹر عاشر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اچھا۔ ویسے مجھے لگتا ہے۔ یہ کہیں کوئی جادو ٹونے کا چکر نہ ہو؟ آپ کیا کہتی ہیں؟'' ڈاکٹر عاشر نے پوچھا۔

''نن، نہیں۔ میرے خیال میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ ہم پر جادو کون کرے گا؟ ہماری کسی سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟ اور ویسے بھی ہم جادو کو نہیں مانتے ہیں۔ میرے خیال میں جادو کرنا صرف افسانوی کہانیوں میں ہوتا ہے۔'' روہا نے بولا تو ڈاکٹر کچھ دیر سوچتا رہا۔

''اب آپ کیا سوچ رہے ہیں؟'' روہا نے پوچھا۔

''کچھ نہیں ویسے میرا اپنا ذاتی خیال تھا۔ کیا

آپ نے وہ کہانی سنی ہے۔جس میں ایک شہزادی پر جادو کیا جاتا ہے۔اور وہ جادو کے زیر اثر سو جاتی ہے۔اور پھر ایک شہزادہ آکر اس کو دیکھ کر غمگین ہو جاتا ہے اور جیسے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر اس شہزادی کے چہرے پر گرتے ہیں۔تو شہزادی اٹھ جاتی ہے۔جادو کا سارا اثر ختم ہو جاتا ہے۔'' ڈاکٹر عاشر بولا تو روہا دلچسپی سے سن رہی تھی۔

''ویسے سنی تو ہے۔مگر وہ کہانی تھی۔یہ حقیقت ہے۔اس طرح سے سچائی میں نہیں ہوتا ہے۔پتہ نہیں پاگل رائٹر ہوتے ہیں، جو کچھ بھی لکھ دیتے ہیں۔'' روہا نے مسکرا کر بتایا۔

''میرے خیال میں ہمیں ٹرائی کر لینی چاہیے۔ہوسکتا ہے۔ایسا ہو جائے۔یہ کہانی سچ ہو جائے۔'' ڈاکٹر عاشر نے اسے دیکھا۔اس کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

''ویسے آپ ڈاکٹر ہو کر ایسے غیر حقیقی باتیں کر رہے ہیں۔اٹس ویری انٹرسٹنگ مگر مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔ان باتوں کو میں وقت کا ضیاع سمجھتی ہوں۔آپ ان باتوں سے زیادہ میری بہن کے علاج پر توجہ دیں، تو بہت مہربانی ہوگی۔'' روہا نے کہا اور پھر ہنس دی۔

''ڈاکٹر بھی عام انسان ہی ہوتا ہے۔اور وہ بھی دوسرے عام لوگوں کی طرح الگ سوچ سکتا ہے۔خیر آپ کو یقین کیوں نہیں آرہا ہے؟ کوئی تو وجہ ہوگی؟'' ڈاکٹر عاشر نے پوچھا۔روہا اسے دیکھتی رہی۔

''کیونکہ ہم آج کے دور میں رہتے ہیں۔آج کل کے زمانے میں کوئی شہزادے شہزادیاں نہیں ہوتی ہیں۔بھلا میں تو یہ سوچ کر ہنس لیتی ہوں، شہزادیوں کا دور بھی کوئی ہوتا تھا؟''

''ہوں، یہ باتیں بھی بالکل صحیح ہیں۔خیر میں جا رہا ہوں۔آپ ان کا خیال رکھیے گا۔اور آپ ان کے لیے دعا کیا کریں، سنا ہے۔دعا میں بہت طاقت ہوتی ہے۔'' ڈاکٹر عاشر کمرے سے باہر نکل گیا۔اور روہا ہنسنے لگی۔

''لگتا ہے۔ڈاکٹر عاشر بھی بہت رومینٹک کہانیاں پڑھتے ہیں۔تبھی ایسا سوچ رہے ہیں۔مگر یہ کہانیاں تو بچوں کے لیے لکھی جاتی ہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

☆.....☆.....☆

زین گھر کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔جیسے ہی وہ اٹھا، اس نے سوچنا شروع کر دیا۔وہ منہ پر ہاتھ کر کھڑکی میں کھڑا ہو گیا تھا۔جیسے ہی اس نے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔وہاں اس کی امی زرتاشہ بیٹھی ہوئی تھیں۔اور وہ اکیلی تھی۔وہ بہت پریشان لگ رہا تھا۔جوں جوں اس کو کامیابی مل رہی تھی۔وہ مزید بے چین ہو رہا تھا۔اس کی پریشانیاں سوہا کی طرف سے مزید بڑھ رہی تھیں، مگر وہ سوئی کی طرح ایسے گم ہو گئی، جیسے سوئی بھوسے کی ڈھیر میں گم ہو جاتی ہے۔

''سوہا۔۔۔!! تم کہاں گم ہو گئی ہو؟ میں نے تمہیں ہر جگہ ڈھونڈ لیا ہے۔مگر تم نہیں ملی۔اگر تم مجھے نہیں ملی، تو میں مر جاؤں گا۔اب یہ ٹینشن مجھ سے مزید برداشت نہیں ہوتی ہے۔میں نے تمہارے لیے ایکٹنگ شروع کی تھی تاکہ تم مجھے کہیں نہ کہیں دیکھ کر رابطہ کر لو۔ویسے تم کیوں ایسے گم ہو گئی؟ میں سینکڑوں مرتبہ تمہارے گھر گیا۔مگر تمہارے گھر کا وہ تالا کبھی کھلتا ہی نہیں ہے۔سینکڑوں مرتبہ وہاں کے چکر لگائے ہیں۔مگر ہر بار ناامیدی میرے صبر کا امتحان لیتی ہے۔مگر میں بھی تمہیں ڈھونڈ کر رہوں گا۔میں تمہارا انتظار کروں گا۔چاہے اس کے لیے میں زندگی کے آخری سانس تک کیوں نہ پہنچ جاؤں۔میں کبھی کسی سے شادی نہیں کروں گا۔میں تم سے اپنی وفا مرتے دم تک نبھاؤں گا۔'' وہ مڑا، اور باہر جانے لگا۔باہر آکر اب وہ اپنی مام کے پاس تھا۔ان کے ہاتھ میں کافی تھی، جو وہ گھونٹ گھونٹ پی رہی تھیں۔زرتاشہ نے اسے دیکھا، تو مسکرا اٹھیں۔

''مام۔۔۔!! ڈیڈ کہاں گئے ہیں؟'' وہ لان میں مام کے سامنے بیٹھ گیا۔

''تمہارے ڈیڈ۔۔۔!!! اپنے دوست سے ملنے گئے ہیں۔زین تمہارے ڈیڈ تمہاری شادی ماہ نور سے

کرنا چاہتے ہیں۔ زین اگر تمہاری زندگی میں کوئی نہیں ہے، تو پلیز! ضد چھوڑ دو۔ اپنی ڈیڈ کی بات مان جاؤ، وہ تم کو بہت چاہتے ہیں۔''

''مام میں کتنی بار منع کر چکا ہوں۔ اگر آپ لوگوں نے زبردستی کرنے کی کوشش کی، تو میں اپنی جان لے لوں گا۔ میں اس سے کبھی شادی نہیں کروں گا۔ کبھی میں اس پلاسٹک کی ڈول کو نہیں اپناؤں گا۔ وہ تو بالکل کسی پلاسٹک کی ڈی لگتی ہے۔'' زین اچھا خاصا غصے میں آ گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ زرتاشہ بھی کافی میز پر رکھ کر اٹھ کھڑی ہو گئیں۔ ان کی نگاہوں میں بہت کچھ تھا۔ حیرانی، تعجب، شک، اور کیا کیا نہ تھا، جو دکھائی دے رہا تھا۔

''زین یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ کیا کرنا چاہ رہے ہو؟ تم ہمارا واحد سہارا ہو۔ کبھی سوچا ہے ہمارا کیا ہوگا؟ ہم تو جیتے جی مر جائیں گے۔ میں تو رہ نہیں سکوں گی تمہارے بغیر۔'' زرتاشہ نے اسے دیکھا۔

''مام۔ تو آپ لوگ کیوں میری مرضی کے خلاف جانا چاہتے ہیں۔ آپ لوگ کسی ایسے انسان کو کیوں کسی ایسے انسان کی زندگی میں زبردستی لانا چاہتے ہیں۔ جو اسے پسند نہیں کرتا ہے۔ جو اس کا نام سننا پسند نہیں کرتا ہے۔ آپ لوگ کیوں میری زندگی جیتے جی جہنم بنانا چاہتے ہیں۔ اور اگر میری ماہ نور سے شادی ہو بھی جاتی ہے، تو وہ اگلے دن مجھے آپ لوگوں سے جدا کر دے گی، وہ تو اپنے باپ کی نہیں مانتی ہے، تو میری کیا مانے گی۔'' زرتاشہ بالکل سیدھی ہو گئیں، وہ اسے دیکھتی رہیں۔

''زین۔ قسم سے میں ایسا کچھ بھی نہیں چاہتی۔ میں تمہاری خوشی چاہتی ہوں۔ مگر تمہارے ڈیڈ کی خواہش تھی، وہی بتا رہی تھی۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔ تم پر اب کبھی بھی زبردستی نہیں کی جائے گی۔ ہم ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مگر تمہارے ڈیڈ بس اپنا فائدہ دیکھ رہے ہیں۔'' زرتاشہ ڈھیلی پڑ گئیں۔

''مام ڈیڈ کو سمجھا دیجیے گا۔ میں کسی سے فی الحال شادی کرنا نہیں چاہتا ہے۔ میں اپنی مرضی سے جب چاہوں گا شادی کرلوں گا۔ یہ میری زندگی ہے۔ مجھے گزارنی ہے۔ ڈیڈ کو نہیں۔'' زین نے مام کو سنایا اور لمبے قدم لیتا ہوا باہر نکل گیا۔ وہاں لاؤنج میں ابرار احمد کھڑے تھے۔ وہ سب سن چکے تھے، ان کے منہ کے زاویے بگڑ گئے تھے۔ وہ سوچ رہے تھے۔

''اس منحوس لڑکی سوہا کا نام ابھی تک اس کے ذہن سے نہیں نکل سکا ہے۔ حالانکہ اسے اس کی زندگی سے نکال باہر کر کے سال ہونے کو آ رہا ہے۔ مگر یہ لڑکا تو کچھ سننے کو تیار ہی نہیں ہے۔ اب پھر مجھے کچھ سوچنا پڑے گا۔ کچھ ایسا کرنا ہوگا کہ سانپ بھی مر جائے، اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ مجھے ماہ نور کا سہارا لینا ہی ہوگا۔'' وہ زہر خند ہو کر مسکرائے۔ اور زرتاشہ کی طرف قدم بڑھانے لگے۔

☆.....☆.....☆

رات کا اندھیرا ہر سو پھیل چکا تھا، آج رات ڈاکٹر عاشر نے اپنی شفٹ جان بوجھ کر نائٹ کروالی تھی، وہ جب سے سوہا سے ملا تھا، اس پر عجیب سی بے چینی چھائی ہوئی تھی۔ وہ پل پل جیسے سلگ سا رہا تھا۔ اس کا دل سوہا کو دیکھنے کے لیے ہمکتا جاتا تھا۔ جیسے ہی رات کے دو بجے کا وقت ہوا، وہ بے چینی سے اپنے آفس سے باہر نکل آیا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ وہاں عموماً اس ٹائم کچھ نرسیں ہوتی تھیں۔ مگر رات کے دو بجے کچھ خاص نہیں تھا۔ سارے پرائیویٹس روم خالی تھے اور اس وقت کوئی اور ڈاکٹر بھی نہیں تھا۔ بس ایک چوکیدار تھا، وہ باہر تھا۔ شاہ زر اپنے بچوں، زوہا، آشان، کاشان کو لے کر گھر چلے گئے تھے۔ اور روہا سوہا کے ساتھ روم میں اکیلی رہ گئی تھی، شاید وہ سو چکی تھی، ڈاکٹر عاشر چلتا ہوا، اسی روم کی طرف چلا جا رہا تھا۔ اب وہ دروازے پر کھڑا تھا۔ اس نے ہینڈل گھمایا، تو وہ بند تھا۔ وہ اب واپس ہوا اور اپنے روم کی طرف جانے لگا۔ اس کی جیب میں اپنا موبائل تھا۔ کوئی ایمرجنسی نہیں تھی۔ ابھی وہ رک کر سوچ رہا تھا۔ اب وہ ماسٹر کی ڈھونڈ رہا تھا۔ وہاں ماسٹر کی پرائیویٹس روم کے لیے الگ رکھی ہوئی تھی، یہ

ایمرجنسی کے لیے تھی۔اس نے ہاتھ بڑھا کر ماسٹر کی اٹھائی، اور آہستہ قدموں سے روم کی طرف جانا شروع کردیا۔اب اس نے آہستہ سے ماسٹر کی لاک میں گھمایا۔دروازے کا ہینڈل اس نے جونہی گھمایا، وہ کھل گیا۔اب وہ آرام سے انٹر ہوگیا۔اب وہ آہستہ سے چلتا ہوا بیڈ کے سرہانے کھڑا تھا۔سوہا کا خوبرو چہرہ اب بہت آرام سے دیکھ رہا تھا۔کتنی دیر وہ گلاب کی مہک سے خود کو مہکاتا رہا۔اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔اس نے اپنا چہرہ سوہا پر جھکایا اور اپنے آنسو اس کے چہرے پر گرادیے۔اسے لگا تھا، وہ ابھی جاگ جائے گی۔مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔وہ کتنی دیر بے یقینی سے سوہا کو دیکھتا رہا۔

''سوہا اٹھ جاؤ۔۔۔!!''اس نے سوہا کو ہلکا سا ہلایا، مگر وہ ٹس سے مس تک نہ ہوئی۔اچانک اس کی نگاہیں سوہا کے ساتھ جڑی روہا پر رک گئی۔ وہ باہر آیا، دروازہ بند کردیا، وہ اب واپس جارہا تھا۔اس کے آنسو شاید ضائع ہوگئے تھے۔کچھ بھی نہیں ہوسکا تھا۔وہ سمجھتا تھا، شاید میرے آنسو سوہا کو اس جادوئی نیند سے جگادیں گے۔مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔وہ حیران سا واپس باہر آیا۔اب اس کا رخ اپنے آفس کی طرف تھا۔وہ وہاں بیٹھا ہوا بہت کچھ سوچ رہا تھا۔مگر اس بار اس کی سوچ کے زاویے منفی تھے۔اس نے ایک اور کہانی بھی سنی تھی، جس میں ایک شہزادی بالکل ایسی ہی نیند میں گم ہوتی ہے۔اب ڈاکٹر عاشر ہنس رہا تھا۔

''اس لڑکی کے پیچھے ایک شیطان آجاتا ہے۔ اور حسین شہزادے کا روپ دھار کر اسے نیند سے جگادیتا ہے۔''ڈاکٹر عاشر سوچ رہا تھا۔

''ہر انسان کے اندر ایک شیطان چھپا ہوتا ہے۔''ڈاکٹر عاشر کے ہونٹوں پر بڑی جان لیوا سی مسکراہٹ تھی۔

''سوہا کو جگانے کا وقت آگیا ہے۔''ڈاکٹر عاشر کی آنکھیں بھی مسکرا اٹھی تھیں۔

☆.....☆.....☆

ابرار احمد اپنے موبائل میں ماہ نور کا نمبر ڈھونڈ رہے تھے۔اور پھر نمبر انہیں مل گیا۔ان کی ساری بے چینیاں جیسے ختم ہوگئیں۔انہوں نے نمبر ملایا۔کچھ دیر رنگ جاتی رہی، پھر دوسری طرف سے شاید ماہ نور نے کال پک کرلی تھی۔

''ہیلو انکل ابرار۔۔۔!! آپ نے اتنے دنوں بعد کیسے یاد کرلیا۔خیریت تو ہے ناں!!''ماہ نور کی ہشاش بشاش آواز ان کے کانوں میں سنائی دی۔

''ماہ نور۔۔۔!! آپ سے مجھے ضروری کام ہے؟ کب تک مل سکتی ہو؟''ابرار احمد نے پوچھا۔

''انکل۔۔۔!! جب آپ کہیں۔!! میں آجاتی ہوں۔''ماہ نور نے کہا۔

''او کے بیٹا میں تمہیں میسج پر ٹائم بتادوں گا۔''

''جی انکل۔آپ بے فکر رہیں۔میں فوراً مل لوں گی۔ویسے انکل، کیا کام تھا؟''ماہ نور کے لہجے میں صاف تجسس محسوس کیا جاسکتا تھا۔

''کام بہت ضروری ہے اور میرے خیال میں تمہارے تعاون کے بنا ممکن ہو ہی نہیں سکتا ہے۔''ابرار احمد نے نے پراسرار لہجے میں اسے بتایا۔

''ہاں۔ٹھیک ہے۔آپ وقت بتانا تو میں ملنے آجاؤں گی۔''

پھر ابرار احمد نے رابطہ منقطع کردیا۔اب وہ مسکرا رہے تھے۔

''کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا تو پڑتا ہی ہے۔اب اس جنگ میں میرے ساتھ ماہ نور بھی ہوگی۔وہ میرا سب سے خاص مہرا ہوگی۔وہی میری جیت کا سبب بن سکتی ہے۔صرف وہی۔ہاں۔صرف اور صرف اب وہی سارا کھیل پلٹ سکتی ہے۔''ابرار نے موبائل جیب میں رکھ لیا۔اب وہ بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

☆.....☆.....☆

صبح ماہ نور بڑی بے صبری سے گاڑی میں بیٹھ کر ابرار احمد سے ملنے جارہی تھی، انہوں نے ابرار احمد کا میسج

اسماء الحسنیٰ کامیابی کا راستہ

پریشانیوں سے چھٹکارہ
ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

آرزوئیں اس طرح بھی پوری ہو جایا کرتی ہیں

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہو گئی ہو اور ہر عامل ناکام ہو گیا ہو ہم سے مشورہ ایک مرتبہ ضرور لیں عامل وہ جس کا علم سات سمندر پار چلے کالے و سفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہو گا اولاد فرمان بردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید عالم شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

شادی کرنی ہو یا رکوانی ہو | جادو چلانا ہو یا ختم کرنا ہو
شوہر یا بیوی کی اصلاح | اولاد کا نہ ہونا یا ہو کر مر جانا
گھریلو ناچاقی | کاروباری بندش
جنات کا سایہ | دیگر مسائل

سید عالم شاہ

کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں
وہ ہمیشہ دکھی رہتے ہیں پلک جھپکنے سے پہلے کام علم جو بگڑے کام بنائے

سسرال میں بہو سب کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام رازداری کے ساتھ کلام الٰہی سے ہر پریشانی کا حل پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی میں بہار ایک فون کال پر آپ کے مسائل کا حل ایک فون کال پر

خواہش زندگی کی کوئی خواہش ہے یا کسی کو پانے کی تمنا اپنوں کی بے رخی سے دکھی ہیں یا میاں بیوی کی رنجش کو ختم کرنا ہے

غرض کوئی بھی جائز خواہش ہے تو پوری ہو گی انشاء اللہ

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملایئے اور آزمایئے
ایک بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے
نوٹ: جو خواتین و حضرات خود نہیں آ سکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاء اللہ کامیابی ہو گی

وہ علم ہی کیا جس میں اثر نہ ہو وہ آنکھیں ہی کیا جن میں شرم نہ ہو وہ علم ہی کیا جس میں عمل نہ ہو، وہ زبان ہی کیا جس میں اثر نہ ہو

سید عالم شاہ

رام تلائی چوک جی ٹی روڈ گجرات
0300-6282386

دیکھ لیا تھا۔وہ رات بھر بے چین سی رہی۔اس کی آنکھوں میں، عجیب سنی بے چینی تھی۔جو بڑی صاف نظر آرہی تھی۔اس کی گاڑی بہت تیزی سے جا رہی تھی۔اس نے ابرار احمد کے آفس کے سامنے کار پارک کردی اور تیزی سے عمارت میں داخل ہوگئی، اب وہ لفٹ میں اوپر جارہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ابرار احمد کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی، وہ بے چینی سے ٹیبل پر پڑا ہوا ویٹ پیپر گھما رہے تھے۔ ان کی آنکھوں کی مکاری چہرے پر واضح ہو رہی تھی۔مگر دونوں میں ابھی تک صرف سلام کلام ہی ہوا تھا۔

''انکل کیا سوچ رہے ہیں؟'' ماہ نور نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

''بیٹا مجھے لگتا ہے۔ میں جو سوچ رہا ہوں۔ وہ تمہارے بھلے کے لیے ہے۔کیا تم میرا ساتھ دے سکتی ہو؟''

''انکل کیا کام ہے؟ جو میرے بغیر ممکن ہی نہیں ہے؟'' ماہ نور نے ابرار احمد کو بغور دیکھا۔

''مجھے ایسا لگتا ہے کہ تم زین کو پسند کرتی ہو؟ اور میں چاہتا ہوں۔تم میری بہو بن جاؤ۔'' ابرار احمد نے کہا تو وہ انکل ابرار کو دیکھتی رہی، پھر وہ ہنسی۔

''انکل، آپ کے یا میرے چاہنے سے کیا ہوگا؟ اختیار تو زین کو ہے۔اور وہ مجھے بالکل بھی پسند نہیں کرتا ہے۔تو آپ یہ سبز باغ مجھے کیوں دکھا رہے ہیں۔اور جو انسان کسی کا نام سننا پسند نہیں کرتا ہے، آپ مجھے اسی انسان کی بیوی بنانا چاہتے ہیں۔''

''تم نے سنا تو ہوگا۔اگر کوشش مسلسل کی جائے، تو منزل مل ہی جاتی ہے۔ہم بھی لاسٹ ٹرائی کر ہی لیتے ہیں۔'' ابرار احمد نے اپنی آنکھیں اچھی خاصی بڑی کردیں۔

''ہاں۔سنا ہے۔مگر مجھے اپنے آپ پر یہ مقولہ درست نہیں لگ رہا ہے۔زین کسی لڑکی میں انوالڈ ہے۔اور وہ اسے کبھی نہیں چھوڑے گا۔چاہے اس کے لیے آپ کتنے ہی پاپڑ کیوں نہ بیلیں۔'' ماہ نور نے طنزیہ مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولی۔

''وہ تھرڈ کلاس پھٹیچر سی لڑکی میں ایک سال پہلے ہی اس کی زندگی سے باہر نکال چکا ہوں۔وہ بس اسے ڈھونڈ رہا ہے۔مگر وہ اس تک کبھی نہیں پہنچ پائے گا۔میں تمہاری جگہ کسی اور کو کبھی نہیں دے سکتا۔کبھی ایسا نہیں ہوسکتا ہے۔'' ابرار احمد اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

''انکل تو جب آپ اس لڑکی کو سال پہلے اس کی زندگی سے نکال کر پھینک چکے ہیں۔تو اتنے عرصے تک میرا خیال پہلے کیوں نہیں آیا۔اب تو بہت کچھ میری زندگی میں تبدیل ہو چکا ہے۔بہت سارے لوگ آکر جا چکے ہیں، پہلے تو میں بھی ایسا ہی سوچا کرتی تھی۔'' ماہ نور کو انکل ابرار کی بات پر کوئی یقین ہی نہیں آیا۔

''کیونکہ میں اور زرتاشہ اسے تمہارے لیے اپنے طور پر منا رہے تھے۔مگر اس نے ہماری ایک نہ مانی، اور شوبزنس میں انٹری دے دی۔پھر مجھے یہ دھڑکا بھی لگا رہنے لگا کہ تمہارا باپ ایک شوبز سے جڑا داماد قبول نہیں کرے گا۔کیونکہ زین کو جتنی کامیابیاں ملیں، اتنے وقت کے ساتھ ساتھ اس کے جھوٹے افیئر زمشہور ہوگئے۔وہ سب جھوٹ تھا۔زین صرف سوہا کو ڈھونڈتا رہا ہے۔مگر وہ اسے کبھی نہیں ملی۔اور نہ وہ زین کو کبھی مل سکتی ہے۔''

''انکل!! تو اب آپ کیا چاہتے ہیں۔میں اس سلسلے میں کیا مدد کرسکتی ہوں۔زین تو میرے ہاتھ آنے سے رہا۔اس کے ان جھوٹے افیئرز کی خبروں نے مجھے بالکل توڑ کر رکھ دیا ہے۔میں بھی افیئرز چلاتی رہی ہوں۔مگر وہ سب سچ تھے۔'' ماہ نور اب بات کا اختتام جاننا چاہ رہی تھی۔

''بیٹا۔میں چاہتا ہوں کہ تم بھی زین کے ساتھ کچھ ایسا کرو کہ وہ تمہارے آگے بے بس ہو جائے۔کچھ اس کی کمزوری پکڑو۔میں جانتا ہوں۔یہ میرے لیے بہت مشکل ہے۔مگر اس مشکل کو ختم کرنے کے لیے ہم نے کڑوا گھونٹ تو پینا ہی پڑے گا۔'' ابرار احمد نے کہا تو ماہ نور جو کھڑی ہوگئی تھی، وہ واپس بیٹھ گئی۔

''ہاں اگر آپ نے کچھ سوچا ہے، تو کھل کر بتائیں۔ ویسے بھی ہم ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہائے فائے، سوسائٹی میں موو کرتے ہیں۔ میں برا نہیں مانوں گی۔ آپ مجھ سے کیا کروانا چاہتے ہیں؟'' ماہ نور نے کہا تو ابرار احمد نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسالیں۔ جیسے وہ کشمکش و پیچ کا شکار ہوں۔

''کچھ خاص نہیں۔ تم زین کا شوبز کیئرڈسٹرائے کردو۔ اور اس کو مجبور کردو۔ کچھ ایسی بدنامی، رسوائی اس کے دامن سے جوڑ دو کہ وہ بس تمہارا ہو کر رہ جائے۔ اسے اغوا کروادو۔ اس کو بے ہوش کرا کر اس کی کچھ ایسی پرائیویٹ تصویریں لیک کردو کہ لوگ اس پر تھو تھو کریں، کسی دو ٹکے کی کال گرل کے ساتھ اس کی ایسی ویڈیو بناؤ۔ جو لوگ دیکھیں، تو اس پر تھوکنا پسند نہ کریں اور وہ منہ چھپاتا پھرتا رہے۔ پھر میں تمہاری شادی اس سے کروا دوں گا۔ اس کو تم جذباتی سہارا دو گی۔ وہ بدکردار نہیں ہے۔ ہیرا ہے، مگر کچھ کرنے کے لیے تو اسے بدنام کرنا ہی پڑے گا، وہ صرف محبت میں اندھا ہوگیا ہے، تم جانتی تو ہو۔ تمہارا جذباتی سہارا اسے سب کچھ بھلادے گا۔ میں شادی کے بعد تم دونوں کو ابراڈ بھیج دوں گا۔ اور سب ٹھیک ہونے کے بعد ہم اسے کبھی نہیں بتائیں گے کہ یہ سب ہم نے پلان سے کیا تھا۔'' ابرار احمد نے ماہ نور سے جو جو کہا، ماہ نور کی آنکھیں حیرانگی سے پھیلتی چلی گئیں۔

''انکل، ویٹ!! آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔ میں یہ سب کچھ کروں گی، اور اس کی کیا گارنٹی ہوگی کہ زین میرا ہوجائے گا اور زین میرے بارے میں کیوں سوچے گا، آپ انتقام میں اتنے گر سکتے ہیں کہ اپنے ہی بیٹے کو بدنام کرنا چاہ رہے ہیں، میرے ڈیڈ کبھی نہیں مانیں گے۔ وہ کیونکر مان سکیں گے، ایک ایسے شخص کو اپنا داماد کیوں بنانا چاہیں گے۔ جس کا دامن کیچڑ سے بھر دیا گیا ہو۔ بھلے ہی زین بے گناہ ہو۔ بھلے ہی وہ میری وجہ سے ایسا بدنام ہوا ہو۔ مگر میں ایک بدنام زمانہ انسان کے ساتھ کیوں رہنا چاہوں گی، اس سوسائٹی جس میں ہم رہتے ہیں۔ وہاں اللہ کی پرواہ تو ہم نہیں کرتے ہیں، مگر انسانوں کی پرواہ ضرور کرتے ہیں۔ بھلے ہم اندر سے کتنے مکار، دھوکے باز، دوغلے، جھوٹے، غدار، کیوں نہ ہوں۔ مگر ہم اپنا ظاہر صاف، شفاف دکھاتے ہیں۔ ہم اندر سے کتنے کمزور، ٹوٹے ہوئے کیوں نہ ہو، مگر ہمیشہ اپنے ہونٹوں پر مسکان سجاتے ہیں، ابرار انکل سوری، مجھے زین کی ایسی ناپاک محبت نہیں چاہیے، ہاں اگر وہ بدکردار ہو، مگر ظاہر نہ ہو۔ چھپا ہوا ہو، تو میں پھر بھی اس کا ساتھ قبول کرلوں گی۔ کیونکہ ہم سب ایسے ہیں۔ میں کوئی وہ لڑکی نہیں ہوں، جو پاک دامن، باحیا، باکردار، پردے والی، شرمساری ہوں۔ مگر میں چھپی ہوں۔ میرا ظاہر باکردار، باحیا اور عزت سے بھرپور ہے۔ مگر باطن آپ اور اپنے خاندان کی طرح گندا ہے۔ جب زین نے مجھے ٹھکرایا، تو کیا میں ساری زندگی زین کا انتظار کرتی؟ نہیں اس کے اگلے دن ہی میرا نیا چکر شروع ہوگیا تھا۔ بہت بڑے سیاست دان کے بیٹے شان غوری کے ساتھ، وہ ڈرگ ایڈکٹ تھا، میں بھی ہوگئی، میں ڈرگ ایڈکٹ ہوگئی ہوں۔ شیشے کیفے جاتی ہوں، ڈانس کرتی ہوں اور سوئمنگ میں تو کمال کردیتی ہوں۔ ہم بنا شادی کے ہیوج برنچز (ہنی مون) پر گئے ہیں۔

برطانیہ مین اس کے ساتھ ہالی ڈیز منانے جاتی رہی ہوں یہ سب صرف اس لیے بتا رہی ہوں کہ آپ سمجھ جائیں کہ عزت کتنا بڑا مرتبہ ہوتا ہے۔ میں پریگننٹ ہوگئی تھی۔ میرے ڈیڈ نے عزت کو چھپانے کے لیے میرا مس کیرج کرادیا۔ مگر عزت پر دھبا نہیں لگوایا۔ انکل آپ کرسی کے لیے، ایک سیاست دان خاندان کا نام و مرتبہ حاصل کرنے کے لیے، اپنے بیٹے کو زندہ درگور کرنا چاہتے ہیں۔ آئی ایم ویری ڈس آپائنٹ۔۔۔!!'' ماہ نور اٹھی، اس نے ابرار کو دیکھا، اور وہاں سے جانے لگی۔ ابرار دھواں دھواں چہرے سے اسے دیکھتے رہے۔

''ماہ نور۔۔۔!!'' ابرار احمد نے اسے آواز دی۔ وہ مڑی، اور دروازے پر سے واپس آئی۔

''میں پھر بھی تمہیں اپنی بہو بنانا چاہتا ہوں۔۔۔!! مجھے پتہ ہے، تم ایسی ہو۔ کیونکہ تمہارے باپ کے کردار کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' ابرار احمد نے اسے دیکھا۔

''پر اب میں آپ کی بہو بننا نہیں چاہتی۔ آپ کا بیٹا عاشق نہیں، اس لڑکی کا مریض بن چکا ہے۔ انکل !!! اسے جدا مت کریں۔ مرجائے گا۔ میں لاسٹ ٹائم زین سے ملی تھی۔ وہ تب رمشال کے ساتھ شوٹ کر رہا تھا۔ اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر اس لڑکی کے لیے جو آپ نے اس سے چھینی ہے۔ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔ رمشال شاہ، اس دن خود بھی روئی تھی، میں بھی اس ڈرامے کی شوٹ سے روتی ہوئی واپس آگئی تھی، مگر انکل آپ اتنے پتھر دل ہونگے۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ میں آپ کا راز زین کو نہیں بتاؤں گی، مگر یاد رکھیے گا۔ آپ نے اگر میرے بارے میں کسی سے زبان کھول دی۔ تو کوئی یقین نہیں کرے گا۔ مگر زین میرا یقین کرلے گا۔'' ماہ نور نے ان کو دیکھا اور طنزیہ انداز میں ان پر نگاہیں مرکوز کر کے چلی گئی۔ وہ دھواں دھواں سے ہو رہے تھے۔

''نو، نیور۔۔۔!! میں کبھی بھی شکست نہیں مانوں گا۔۔۔!!'' ابرار احمد نے ہوا میں مکا لہرایا۔

☆.....☆.....☆

ایک سال گزرنے کے بعد۔

زین کا دل جب کبھی تنگ ہوتا، تو وہ رات کے وقت آوارہ گردی کرنے اکثر باہر جاتا رہتا۔ اب تو وہ نائٹ کنسرنٹ بھی کرنے لگا تھا، اور ابرار احمد کو مزید غصہ آتا رہتا۔ بظاہر تو اس کے مام ڈیڈ نے ماہ نور سے اس کا رشتہ کرنے کا ذکر ترک کر دیا تھا۔ مگر اسے لگتا تھا، ڈیڈ اس سے کبھی بھی خوش نہیں ہونے والے ہیں۔ اب اس نے سوہا کے محلے میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ کیسے جاتا، اتنا مشہور ہونے کے بعد تو جیسے وہاں بھیڑ لگ جاتی تھی اور اسے بھیڑ سے کوفت ہوتی تھی۔ وہ سوہا کو ابھی تک تلاش کر رہا تھا۔ مگر اسے ہر جگہ ناکامی مل رہی تھی۔ رات کو وہ میوزک کنسرنٹ سے واپس آرہا تھا۔ جب اس کی نظر خالی میدان میں ایک جلتے پودے پر پڑی۔ وہ بائیک روک کر اسی طرف چلا گیا۔ وہاں اس پودے کو دیکھ کر وہ عجیب انداز میں گھبرایا۔

اس پودے پر تین گلاب کے بڑے پھول تھے، جس میں آگ دہک اٹھی تھی اور تینوں گلاب کے پھولوں میں سوہا کا عکس نظر آرہا تھا۔ اس نے ایک پھول توڑنا چاہا۔ مگر اسے کرنٹ لگا۔ وہ نہیں توڑ سکا۔ وہ وہاں بیٹھ گیا، وہاں سڑک کنارے ایک گاڑی میں نوری اور سانول بیٹھے ہوئے زین کو دیکھ رہے تھے۔ وہ مہینوں سے یہاں آتے رہے تھے۔ ان کا روز کا تجسس ان کو یہاں کھینچ کر لے آتا تھا، وہ جلتے گلاب کو دیکھ کر خوش ہوجاتے تھے۔ ان کا کام ہی یہی تھا۔ ابرار احمد اسے اسی بات کی تنخواہ دیتے تھے۔ جو جلتے گلاب کا پھول ان لوگوں نے اس میدان میں بویا تھا۔ وہ کسی کو نظر نہیں آسکتا تھا۔ سوائے ان کے جنہوں نے یہ کام کروایا تھا، یا پھر زین کو، کیونکہ زین سوہا سے محبت کرتا تھا۔ اور یہ بات شروع سے بڑے سرکار نے ان کو سمجھائی تھی، اس لڑکی کا محبوب اگر یہ پودا دیکھے گا، تو اسے نظر آئے گا۔ اور وہی ہوا تھا۔

نوری اور سانول نے زین کو جلتے گلاب کا پودا دیکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ اب زین کا جانے کا انتظار کر رہے تھے، زین کتنی دیر تک اس جلتے گلاب کے پودے کے پاس رکا رہا۔ شاید اس سے باتیں کر رہا تھا۔ پھر اس نے ویڈیو بنائی، اور اب وہ واپس سڑک کی طرف جا رہا تھا۔ اس کے موبائل پر ابرار احمد کا فون آیا تھا۔ جیسے ہی وہ میدان سے نکل کر باہر گیا۔ ان دونوں کی جان میں جان آئی۔

☆.....☆.....☆

نوری اور سانول نے ایک دوسرے کو معنی خیزی سے دیکھنا شروع کر دیا۔ نوری نے موبائل نکال کر ابرار احمد کا نمبر ڈائل کر دیا۔ کچھ دیر بیل جاتی رہی، پھر ابرار احمد نے نمبر پک کرلیا۔

”ہلنوری لیسے یاد کرلیا۔ میں نے تم لوگوں سے ڈسٹرب نہ کرنے کو کہا تھا۔“ ابرار احمد ابھی تک ماہ نور کی باتوں پر شدید غصے میں تھے۔

”سائیں۔۔۔!! ابھی ابھی زین بابا نے جلتے گلاب کا پودا دیکھ لیا ہے۔ ابھی ابھی وہ میدان سے نکل کر گھر کی طرف جا رہے ہیں۔“ نوری نے ابرار احمد کو آنے والے خطرے سے پہلے ہی خبردار کرلیا۔

”کیا؟ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ وہ کیسے اس ویران اجاڑ میدان میں چلا گیا۔۔۔!! یہ سب کیسے ہوا؟ تم دونوں نے اسے روکا کیوں نہیں، کیا کہیں مر گئے تھے؟“ ابرار احمد کی آواز میں غراہٹ تھی۔

”سائیں۔ ہم کو کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے، ہم نے جو کچھ دیکھا آپ کو ہی بتا دیا ہے۔ اب آپ بتائیں۔ ہم آگے کیا کریں؟ ہمارے لیے حکم کیا ہے؟“

”تم دونوں جلتے گلاب کو وہاں سے باہر نکال دو اور اپنے ساتھ گھر لے جاؤ۔ ہم کل اس کے لیے کچھ سوچتے ہیں۔۔۔!!“ ابرار احمد اچھے خاصے غصے میں تھے۔ نوری نے اچھا کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

”سانول۔۔۔!! ہمیں یہ جلتے گلاب کا پودا اب یہاں سے نکالنا ہوگا۔۔۔!! سائیں نے حکم دے دیا ہے۔۔۔!!“ نوری نے سانول سے کہا۔

”تو اس میں کیا ہے! ابھی نکال لیتے ہیں۔“ وہ دونوں میدان کی طرف جانے لگے۔ انہوں نے گاڑی سے بیلچہ، اور پھاوڑے نکال لیے تھے، اب وہ میدان میں کھدائی کر رہے تھے۔ دونوں جنگلی کانٹے دار پتوں سے کچھ نہ کچھ زخمی بھی ہو گئے تھے۔ جس سے ان کے ہاتھ زخمی بھی ہو گئے تھے۔ اور خون کے کچھ قطرے گر گئے تھے۔

”تم جاؤ۔۔۔!! گاڑی سے وہ بڑا گملا نکال کر لے آؤ۔۔۔!!“ سانول نے نوری سے کہا، نوری چلا گیا، اب اس نے کندھے پر اچھا خاصا بڑا گملا اٹھا رکھا تھا۔ اب وہ دونوں جلتے گلاب کا پودا، گملے میں رکھ کر مٹی ڈال رہے تھے۔ جس جگہ سے گلاب کا پودا نکالا تھا۔ اب وہاں وہ لوگ جنگلی جھاڑیاں ڈال کر چلے گئے تھے۔ اب ان کا رخ گاڑی کی طرف تھا۔ دونوں نے گملے کے کنڈوں کو دائیں سے بائیں پکڑ رکھا تھا۔ اگر کوئی دیکھ لیتا، تو وہ ایسا محسوس کرتا، جیسے ان دونوں نے صرف خالی گملا پکڑ رکھا ہے۔ کیونکہ اب پھول نظر نہیں آسکتا تھا۔ گاڑی میں جلتے گلاب کا پودا ڈال کر وہ دونوں سیٹ پر آکر بیٹھ گئے۔ اب ان کی گاڑی ہائی وے سے اچھی خاصی دور جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

اگلے دن زین جیسے ہی اٹھا تو اس نے سب سے پہلے اسی میدان میں جانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ وہاں پہنچا، تو اسے حیرانی ہوئی، وہ عجیب سے وہم میں پڑ گیا۔ رات کو جلتے گلاب کا پودا دکھائی دیا تھا، مگر اب وہ وہاں نہیں تھا، وہ کچھ دیر وہاں اس جگہ کو ڈھونڈتا رہا۔ پھر اسے وہ جگہ مل گئی، جہاں جلتے گلاب کا پودا اسے نظر آیا تھا۔ اب وہاں ایک اچھا خاصا گڈا تھا، جس پر کسی نے جنگلی میدان کی کانٹے دار جھاڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ وہ وہاں زمین پر غم سے بیٹھ گیا، کتنی دیر تک وہ بے یقینی سے خود سے باتیں کرتا رہا۔ پھر جانے کتنی دیر بعد اسے ڈائریکٹر اکرام اللہ خان کی کال آئی، آج زین کی شوٹنگ تھی، اور وہ اس ویرانے میں بیٹھا سسک رہا تھا۔ وہ اٹھا اور جانے لگا۔ اب وہ اسٹوڈیو جا رہا تھا۔ وہ جیسے ہی شوٹ پر پہنچا، تو رمشال شاہ منہ بنا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اس سے کچھ دیر بات کی۔ پھر ان کی ڈرامے کی آخری قسط کی شوٹنگ شروع ہوگئی۔ شوٹنگ کے بعد وہ ڈائریکٹر اور پوری ٹیم ایک چھوٹی سی گیٹ ٹوگیدر کرنا چاہ رہے تھے، اس نے دل کا غم کسی پر ظاہر تک نہ ہونے دیا، اور گیٹ ٹوگیدر سے معذرت کرتا ہوا گھر آگیا، کمرے میں بند ہو کر وہ کتنی دیر تک سوہا کا بنایا ویڈیو کلپ دیکھتا رہا۔ اس نے سینکڑوں بار، اس ویڈیو کو دیکھا تھا۔ اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ جانے کب سو گیا۔ موبائل اس کے سینے پر رکھا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

روہا کالج جا چکی تھی، اب سوہا کے پاس اسپتال میں صرف شاہ زر ہی رہ گئے تھے، انہوں نے صبح گھر میں بچوں کو ناشتہ کرا کر اسکول چھوڑ دیا تھا اور اب اسپتال میں سوہا کے سرہانے بیٹھے اس کے خوبرو چہرے کو دیکھ رہے تھے۔ انہیں کچھ بھی سمجھ نہیں آرہی تھی۔ بس وہ اللہ سے سوہا کے جلد صحت یابی کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔ مگر ابھی تک وہ اس امتحان سے باہر نہیں نکل سکے تھے۔

صبح کے وقت ڈاکٹر کم ہی راؤنڈ لگاتے تھے۔ اس وقت جنرل چیک اپ ہوتا تھا۔ شاہ زر نے منزل اٹھائی اور پڑھنے لگے۔ وہ کچھ دیر تک تلاوت کرنا چاہ رہے تھے۔ تلاوت کرنے کے بعد انہوں نے سوہا پر پھونک دیا۔

''سوہا۔۔۔!! میری جان کے ٹکڑے، اب بہت سولیا ہے۔۔۔!! اب جاگ جاؤ۔ ہم سب تمہاری خاطر بہت پریشان ہوگئے ہیں۔ دیکھو، تم کہتی تھی۔ ہم شہر چلے آتے ہیں۔ ہم واپس آگئے ہیں اور جیسے ہی آگئے، تم سوگئی۔ اب مزید مت سونا۔ جاگ جاؤ۔ ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا'' شاہ زر سوہا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہہ رہا تھا۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا، اور نرس اندر داخل ہوگئی۔ وہ جیسے ساکت ہو کر رک سی گئی۔ شاہ زر نے نرس کو نم آنکھوں سے دیکھا، نرس مسکرا کر ان کے پاس آگئی۔

''انکل۔۔۔!! زیادہ پریشانی کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ انشاء اللہ بہت جلد بالکل ٹھیک ہوجائیں گی۔'' نرس نے کہا، اور اپنا کام شروع کردیا، اب وہ سوہا کا چیک اپ کر رہی تھی۔

''انشاء اللہ۔۔۔!!'' شاہ زر نے دل ہی دل میں کہا۔ اور نرس کو دیکھنے لگے۔

''انکل۔۔۔!! کیا آپ گلاب کی اسپرے کمرے میں کرتے ہیں؟ میں جب بھی آتی ہوں؟ سوہا کے وجود سے گلاب کے پھولوں کی مہک محسوس ہوتی ہے۔۔۔!!'' نرس نے شاہ زر کو دیکھا، اب وہ سوہا کا ٹمپریچر چیک کر رہی تھی۔

''نہیں، بیٹا۔ دراصل یہ عجیب سی بات ہے۔ جب سے میری بیٹی کومے میں گئی ہے۔ اس کے وجود سے گلاب کے پھولوں کی مہک محسوس ہوتی ہے۔ مجھے نہیں پتہ ہے۔ یہ کیوں ہو رہا ہے۔ مگر شاید یہ بھی کوئی راز ہی ہو'' نرس نے اثبات میں سر ہلایا، اور اب وہ سوہا کی فائل میں کچھ لکھنے لگی۔ نرس اب واپس جا رہی تھی۔ شاہ زر دوبارہ صوفے پر اداس سے بیٹھ گئے۔ اور سوہا کو دیکھنے لگے۔

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر عاشر اپنے گھر کے شاندار کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے موبائل کی اسکرین آنکھوں کے سامنے کر رکھی تھی اور سوہا کی تصویریں دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بالکل سرخ ہوچکی تھیں۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''سوہا۔۔۔!! میں تمہیں بہت جلد پالوں گا۔!! آج رات تم میری ہوجاؤ گی۔!! میں نے تمہیں اپنے آنسوؤں سے جگانا چاہا۔ مگر تمہاری نیند کچھ زیادہ ہی گہری تھی۔ جب تک تمہارے وجود میں نئی زندگی شامل نہیں ہوگی۔ تم نہیں جاگ سکو گی۔!!'' ڈاکٹر عاشر نے سوہا کی تصویر پر اپنے دونوں ہونٹ رکھ دیئے۔ وہ کتنی دیر بے خودی کی کیفیت میں سوہا کی تصویر کو چومتا رہا۔ وہ تصور کے عالم میں جیسے سوہا کو چوم رہا تھا، پھر وہ مسکرایا۔ اور سوچنے لگا۔

''سینکڑوں سال پہلے کی بات ہے، ایک شہزادی تھی، جو بہت پیاری تھی، وہ جادوئی نیند کے حصار میں تھی، ملک کے بہت سارے لوگوں نے اس کی جادوئی نیند کو توڑ کرنے کی کوششیں کیں، مگر وہ سب ناکامیاب رہے۔ پھر ایک دن ایک شیطان آیا۔ اس نے شہزادے کا روپ دھار رکھا تھا۔ وہ شہزادی کے پاس اکیلے میں گیا۔ اور اس کو دیکھ کر اس کا عاشق بن بیٹھا۔ اس نے شہزادی کو جگانے کی کوشش شروع کردی۔ مگر ناکامیاب رہا۔ تب اس نے شہزادی کے جاگنے کا انتظار تک نہیں کیا۔ اور اس سے ہم بستری قائم کردی۔ شہزادی کے وجود میں کچھ ہفتے بعد نئی زندگی

دوڑنے لگی، اور [illegible] وہ [illegible] اسی جانب آئی، اس کی جادوئی نیند کا حصار [illegible] آ لیا''

ڈاکٹر عاشر نے دل ہی دل میں وہ کہانی مختصر الفاظ میں دہرادی۔ جو اس نے کافی پہلے سن رکھی تھی، اور ایک کتاب میں پڑھ رکھی تھی۔

''سوہا۔۔۔!! وہ ہماری کہانی تھی، جو سالوں پہلے کسی عقل مند نے لکھی تھی۔ میں سوہا اب تم سے مزید دور نہیں رہوں گا۔ آج کی رات تم میری بانہوں کے حصار میں ہوگی اور جب تمہارے وجود میں نئی زندگی کی لہر دوڑے گی۔ تو تم جاگ جاؤ گی۔'' وہ مسکرایا۔ ہنسا۔ اور ہنستا رہا۔ مگر وہ کہانی کا کلائمکس بھول چکا تھا، جب شہزادی کو پتہ چلا کہ وہ بنا شادی کے امید سے ہو چکی ہے، تو اس نے شیطان کا ساتھ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور جب شیطان اس کو مجبور کرنے لگا، تو اس نے شیطان کے شر سے بچنے کے لیے خودکشی کر لی۔ شہزادی شیطان کو کبھی نہیں ملی۔ اور وہ بھول بیٹھا تھا، شہزادیاں شیطانوں کو کبھی نہیں ملتی ہیں۔

''ہر انسان جو بظاہر اچھا ہوتا ہے، بااخلاق ہوتا ہے، مگر شیطان اسے بہکانے کے لئے اس کے پیچھے لگا رہتا ہے، اور وہ شیطان، موقع کی انتظار میں رہتا ہے۔ جب وہ موقع اسے میسر آجاتا ہے، تو وہ شیطان انسان پر قابو پالیتا ہے۔'' ڈاکٹر عاشر خمار آلود آنکھوں سے ابھی تک سوہا کی کومے میں لی گئی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔'' اس کا ذہن ابھی بھی بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ وہ منصوبہ بنا رہا تھا۔

☆......☆......☆

رات تک روہا اسپتال آچکی تھی، وہ شام تک گھر میں بہن بھائیوں کے ساتھ رکی رہی تھی، گھر کے سارے کام کاج سے فارغ ہو کر اب وہ شاہ زر کے لیے کھانا لا چکی تھی، بہن بھائیوں کو وہ کھلا چکی تھی، اور کسی کو بھی گھر میں گھسنے نہ دینے کی واضح ہدایات آدھے گھنٹے تک دیتی رہی تھی، شاہ زر اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے آج روہا کو منع بھی کر دیا تھا۔ مگر وہ پھر بھی چلی آئی۔ ویسے بھی پرائیویٹ رومز میں اتنا رش نہیں ہوتا تھا۔

''بابا۔۔۔!! آپ کھانا کھا لیجیے۔!! میں آج رات سوہا کے ساتھ رک جاؤں گی۔!! آپ کھانے کے بعد گھر چلے جائیں۔۔۔!! کاشان، آپ کو بہت مس کر رہے تھے۔'' شاہ زر نے روہا کے سر پہ ہاتھ رکھا، اور کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ کچھ نوالے روہا نے ان کا ساتھ دینے کے لیے کھائے۔ انہوں نے روہا کو پیسے دیے اور اسے ہدایت کر دی۔

''بیٹا۔۔۔!! کچھ بھی چاہیے ہو، تو آدھی رات کو فون کر دینا۔ میری نیند اب کچی ہو گئی ہے۔ فوراً جاگ جاؤں گا۔۔۔!!'' روہا ہنس دی۔

شاہ زر کے کہتے ہی روہا خاموش ہو گئی۔ اب وہ ہنس رہی تھی۔ شاہ زر اب کھانے کے برتن اٹھا کر اسپتال سے نکل رہے تھے۔ اور اسی وقت پارکنگ میں ڈاکٹر عاشر کی گاڑی رک رہی تھی۔ اس کی ڈیوٹی شروع ہو رہی تھی۔ وہ دن بھر ایک لمحے کو چین سے نہ سو سکا تھا۔

☆......☆......☆

وہ بہت بھیانک خواب دیکھ کر اٹھ گیا تھا، اس نے جاگتے وقت سوہا کو پکارا تھا۔ خواب میں سوہا قبرستان کنارے کھڑی تھی، اور زندگی بچانے کے لیے تگ و دو کر رہی تھی۔ ایک قبر سے جانے کیسے ایک ہاتھ باہر نکل کر آیا تھا، اور اس نے سوہا کو پکڑ لیا تھا۔ سوہا نے چیخ ماری، اور اس ہاتھ کی گرفت سے آزاد ہو گئی، اب وہ قبرستان سے باہر نکلنے کے لیے بھاگ رہی تھی، جیسے ہی وہ زنگ آلود گیٹ کے پاس پہنچ گئی، اس نے دیکھا، ایک کریہہ صورت بھیڑیا اس کا راستہ روک کے کھڑا تھا۔ سوہا بھاگنے لگی، اور بھیڑیا اس کے پیچھے اسے پکڑنے کے لیے دوڑ پڑا، جیسے ہی بھیڑیے نے اس پر جست لگائی، وہ اندھے کنویں میں گرتی چلی گئی، اس کے منہ سے ایک ہی آواز نکل رہی تھی۔

''زین۔۔۔!! زین۔۔۔!! زین۔۔۔!!'' وہ چیخ رہی تھی، اور زین جب اٹھا، تو اس نے بھی سوہا کا نام

پکارا تھا، وہ بے چین ہوا اٹھا تھا، اب وہ گھر سے باہر جا رہا تھا۔ اس کے پسینے بہہ رہے تھے۔ اچانک اس نے باہر ابرار احمد کو دیکھا، وہ پریشانی سے ادھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔

''ڈیڈ۔۔۔!! رات کے اس پہر کیا کر رہے ہیں؟'' وہ ٹھٹک کر اپنی جگہ رک گیا۔ ابرار احمد کچھ دیر فون پر بات کرتے رہے۔ پھر وہ گیراج کی طرف چلے گئے۔ اب وہ گاڑی باہر نکال رہے تھے۔ زین کو لگا، ڈیڈ پریشان ہیں۔ اس لیے اپنی پریشانی اس کے ساتھ شیئر نہیں کرنا چاہتے ہیں۔

''مجھے ڈیڈ کی ہیلپ کرنی چاہیے۔ ضرور کوئی ایمرجنسی ہوگی۔ ورنہ رات کے اس پہر ڈیڈ کبھی یوں گھر سے باہر نہ جاتے۔'' زین گیراج کی طرف بڑھے، اور اپنی گاڑی نکال کر ابرار احمد کا پیچھا شروع کر دیا۔ ابرار احمد کی گاڑی کا رخ اسی میدان کی طرف تھا۔ جہاں اس نے جلتے گلاب کا پودا دیکھ لیا تھا، اور وہ صبح غائب تھا۔ زین بہت زیادہ پریشان تھا۔ ابرار احمد نے گاڑی روک دی۔ اور اسی میدان کی طرف جانا شروع کر دیا۔ وہاں دو بندے کھڑے ابرار احمد کے منتظر تھے، ان کے ہاتھوں میں بڑے گملے میں وہی جلتے گلاب کا پودا تھا، جس میں سوہا کا عکس دکھائی دیتا تھا۔ اب نوری اور سانول ابرار احمد سے بات کر رہے تھے۔ اور زین اچھے خاصے فاصلے پر کھڑے ان کی باتیں سن رہا تھے۔ مگر اس پر یہ باتیں، یہ انکشافات، ایٹم بم بن کر گرے تھے۔ اس سارے منصوبے کا ماسٹر مائنڈ ابرار احمد تھے۔ جواب اس قصے سے تنگ آ گئے تھے۔ اور جلتے گلاب کا پودا سمندر برد کر کے سوہا کی زندگی ایک جھٹکے میں ختم کر دینا چاہتا تھا۔ اس کے دونوں گرگوں نے، جلتے گلاب کا پودا پکڑ کر اٹھایا، اور ابرار احمد کے کہنے پر کار کی ڈگی میں ڈال دیا۔ اب ان کی گاڑی کا رخ ساحل سمندر کی طرف تھا، اور زین جو میدان میں بیٹھ گیا تھا، سب کچھ سن چکا تھا۔ وہ اٹھا، اس نے اپنی گاڑی اسٹارٹ کی، اور ان کے پیچھے جانا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے کار سے پستول نکل کر بلٹ میں اڑس لیا۔ اب وہ کسی بھی حال میں سوہا کو بچانا چاہتا تھا۔ ان سے جلتے گلاب کا پودا چھین لینا چاہتا تھا۔ اور اسے زمین میں دبا کر سوہا کو اس حال سے نجات دلانا چاہتا تھا۔

☆.....☆.....☆

ماہ نور، شیشے کے کیفے میں بیٹھی ہوئی تھی اور شیشہ پی رہی تھی۔ اس کا ذہن ابرار احمد کی باتوں میں اٹکا ہوا تھا۔ مگر وہ ان کی آفر رد کر چکی تھی۔ اس نے شیشہ اٹھا کر منہ سے لگایا۔ اور اس کا دھواں اندر اتار لیا۔ اب وہ دھواں منہ کے ذریعے باہر نکال رہی تھی۔ اور دھویں سے گول گول رنگز بن رہے تھے۔ جو ماحول کو دلفریب بنا رہے تھے۔

''ایڈیٹ۔۔۔!! چیف، راسکل، بلڈی ابرار احمد، جو اپنے سگے بیٹے کا نہ ہو سکا۔ وہ میرا کیا ہو جاتا۔ اس کریڈی کو میرے باپ کی طرح شہرت چاہیے۔ سیاست میں اس کا کوئی نام نہیں ہے۔ وہ شہرت کا بھوکا، اپنے نام کے لیے مجھے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ ساری زندگی مجھے لوگ استعمال کرتے رہے۔ دھوکے دیتے رہے۔ ہر کوئی اپنے مطلب کے غرض سے ملا۔ واقعی کسی نے سچ ہی کہا ہے۔ پرواہ کرنی ہے، تو قدر کرنے والوں کی کرو۔ استعمال کرنے والے تو خود بخود آپ کو ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ شاید رو رہی تھی۔ اچانک کوئی ایک دم سے اس کے سامنے والے سیٹ پر آ بیٹھا تھا۔ اس کے منہ سے شیشے کے دھویں نکل رہے تھے۔ جو دل کے شکل میں تھے۔ اور فضا میں تحلیل ہو رہے تھے۔ ماہ نور نے اسے زخمی نظروں سے دیکھا۔ وہ اسے دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

''ہائے۔۔۔!! میں روز۔۔۔!! پورا نام شمروز۔۔۔!!'' اس ماڈرن لڑکے نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ کوئی فٹنس ماڈل لگ رہا تھا۔ اس کے ابرو میں بھی کٹ لگا تھا، کان میں ٹاپس تھا۔ ہاتھ پر ٹیٹو کا نشان، بہت واضح تھا۔

''سوری۔۔۔!! میں نے آپ کو پہچانا نہیں،

آپ یہاں سے اٹھ کر اس سامنے خالی ٹیبل پر بیٹھ جائیں۔ مجھے اجنبی لوگوں سے ملنا پسند نہیں رہا ہے۔'' ماہ نور نے اسے دیکھ کر چبھتے لہجے میں کہا۔

''مس ماہ نور آئی نو۔۔۔!! مگر مجھے آپ سے کام تھا۔۔۔!! پلیز میری بات تو سنیں۔۔۔!!'' شمروز عرف روز کہہ رہا تھا۔ ماہ نور اس کی بات سن کر مسکرائی۔ اور پھر اسے دیکھ کر کہہ دیا۔

''مسٹر شمروز۔۔۔!! میں نے لوگوں کے کام آنا چھوڑ دیا ہے۔۔۔!! یو آر کم ٹو دا رونگ پرسن۔۔۔!!'' اس نے ہونٹوں پر زہر خندی مسکان بکھیری اور اس کے چہرے پر دھویں کے مرغولے چھوڑ کر اٹھ گئی۔ اب وہ اسے حیران نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور وہ جا رہی تھی۔ اس نے ماہ نور کے بارے میں جو کچھ سنا تھا۔ وہ دوسروں کی پرواہ کرتی ہے۔ انجان ماڈرن لڑکوں سے دوستی کی شوقین ہے۔ وہ نئے لڑکوں کو اپنے ساتھ رکھتی ہے، اور ان سے پیار بھی کرتی ہے، اسے لگا، وہ سب کچھ غلط تھا۔ وہ بھی تو اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے آیا تھا۔ ایک بہت بڑا پراجیکٹ تھا۔ جو اس پراجیکٹ کا ڈائریکٹر ہیڈ تھا۔ وہ ماہ نور کے باپ ندیم اعوان کا دوست تھا اور اگر وہ ماہ نور کو پٹا لیتا، تو ماہ نور کے کہنے پر ندیم اعوان اپنا سیاسی اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے شمروز کو وہ پراجیکٹ دلا سکتا تھا۔

''اوشٹ۔۔۔!!'' شمروز نے مکا بنا کر ہوا میں لہرایا۔ اور بے دلی سے اٹھ کر جانے لگا۔

''یہ تتلی بھی بڑی سیانی ہو چکی ہے۔ اپنی باری آنے پر انکار کر کے چلی گئی۔ اپنی خوبصورتی سے بالکل بھی امپریس نہیں ہو سکی۔'' شمروز پارکنگ میں کھڑا سوچ رہا تھا۔ ہر طرف رات اتر آئی تھی، مگر کیفے کے اندر جیسے دن کا سماں تھا۔

☆.....☆.....☆

ابرار احمد کی گاڑی ساحل سمندر کنارے رک گئی، اور ابرار جلدی سے گاڑی سے باہر نکل آئے۔ نوری، اور سانول بھی گاڑی سے اب باہر آ چکے تھے۔ وہ دونوں مستعدی سے کار کی ڈگی کھول کر اب جلتے گلاب کا پودا گملے سمیت نکال رہے تھے۔ زین بھی اچھے خاصے فاصلے پر گاڑی روک چکا تھا۔ زین گاڑی سے باہر نکل آیا، اور آرام آرام سے ان کی طرف بڑھنے لگا، ابرار اپنی کامیابی کے نشے میں مست سا ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ لوگ زین کی موجودگی سے بے خبر تھے۔ زین اپنی گاڑی اچھے خاصے فاصلے پر روک چکا تھا۔

''اس منحوس جلتے گلاب کو جلدی سے سمندر برد کر کے یہ قصہ ہی تمام کر ڈالو۔ اب میں مزید اس لڑکی کا نام نہیں سننا چاہتا ہوں۔ میری کامیابی کی راہ میں جو بھی آئے گا۔ میں اسے مٹا ڈالوں گا۔'' دائیں بائیں سے گھوم کر نوری اور سانول نے جلتے گلاب کا پودا پکڑ لیا۔ اب ان کا رخ سمندر کی طرف تھا۔ وہ قدم اٹھانے لگے تھے۔

''ڈیڈ۔۔۔!! تو پھر آپ مجھے بھی اس راہ سے ہٹا دیں۔۔۔!! میں بھی تو آپ کی راہوں میں ایک کانٹا ہی ہوں ناں۔۔۔!!'' زین ایک دم سے ان کے سامنے آ کر بول پڑا۔ ابرار احمد اسے یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر چونک پڑے، ان کا رنگ زرد پڑ گیا۔ جیسے ان کا سارا خون چہرے سے کسی نے نچوڑ لیا ہو۔

''ویلڈن ڈیڈ۔۔۔!! ویل ڈن۔۔۔!! بہت اچھا کھیل رچایا۔۔۔!! بہت اچھا کھیل کھیلا۔۔۔!! ڈیڈ یو آر گڈ پلیز۔۔۔!! میں بتا رہا ہوں۔۔۔!! جلتے گلاب کا پودا میرے حوالے کر دیں۔ ورنہ میں وہ کروں گا کہ آپ کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوگا۔'' زین تالیاں پیٹتے ہوئے ابرار احمد سے کہنے لگا۔ نوری اور سانول اپنی جگہ پر بالکل ساکت ہو کر رک چکے تھے۔ ابرار احمد کی آنکھیں غصے کی حدت سے سرخ پڑ چکی تھیں۔ وہ نفی میں گردن ہلا رہے تھے۔

''زین۔۔۔!! ایسا مت کرو۔۔۔!! تم جاؤ۔۔۔!! جاؤ یہاں سے۔ یہ سب میں نے کیا ہے۔۔۔!! اپنے باپ کو مت روکو۔۔۔!! میں بہت برا بن گیا ہوں۔۔۔!! میں رکنے والا نہیں ہوں۔ برائی کے

راستے پر جانے والا اپنے انجام سے بے فکر ہوجاتا ہے۔وہ کچھ نہیں مانتا ہے۔'' ابرار احمد دہاڑ پڑے۔

''ڈیڈ۔۔۔!! آپ کا خون ہوں ناں۔۔۔!! ضد تو مجھ میں بھی جیسے آپ ہی سے ملی ہے۔۔۔!! میں کٹ تو سکتا ہوں۔مگر جھک نہیں سکتا۔ میں یہاں سے خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا۔۔۔!! جلتے گلاب کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا۔۔۔!!'' زین نے باپ کو جیسے چیلنج والے انداز میں لفظ لفظ جتادیا۔

''نوری، سانول۔۔۔!! اس منحوس جلتے گلاب کے پودے کو سمندر برد کردو۔۔۔!! یہ تم دونوں کا مشن ہے۔۔۔!! اپنا کام ختم کردو اور یہاں سے چلے جاؤ۔'' ابرار احمد نے نور البشر عرف نوری اور سانول سے چیخ کر کہا۔وہ دونوں تیز قدموں سے سمندر کی طرف جانے لگے اور زین کا چہرہ بالکل زرد پڑ گیا۔وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔اس نے پستول اپنے بلٹ سے نکال کر ابرار احمد کی طرف کردی، ابرار بیٹے کو مقابل دیکھ کر زہر خند سا ہنس رہے تھے۔

''ڈیڈ۔۔۔!! آپ ان کو روک دیں۔ورنہ میں گولی چلادوں گا۔۔۔!!'' زین مضبوط لہجے میں بولا تو ابرار قہقہہ لگا کر ہنس پڑے، انہوں نے ابرار کو دیکھا۔

تو کس نے روکا ہے۔چلاؤ گولی اور آج دیکھ لیتے ہیں۔تم میں کتنا دم ہے۔ایک جلتے پودے کے لیے تم میری جان لے سکتے ہو یا نہیں۔مگر یاد رکھو اگر تم میری جان لینا ہی چاہتے ہو، تو لے لو اگر تم اس گلاب کو پانا چاہتے ہو۔تو تمہیں میری لاش پر سے گزرنا ہوگا۔۔۔!!'' ابرار احمد دل جلانے کے انداز میں کہہ رہے تھے اور زین کی انگلیوں کی گرفت ٹریگر پر سخت ہورہی تھی۔وہ جیسے فیصلے کی گھڑی پر کھڑا تھا۔

☆.....☆.....☆

رات کے اندھیرے پھیل چکے تھے، پرائیویٹ رومز میں صرف سوہا اور روہا تھی اور کوئی مزید پیشنٹ نہیں تھا جو پرائیویٹ روم میں ٹھہرا ہوا تھا۔عموماً تو ڈاکٹر بھی رات کو چلے جاتے تھے، صرف کمپاؤنڈر وغیرہ رہ جاتے تھے۔مگر اسپتال میں کوئی ایک ہاؤس جاب کا ڈاکٹر ہر ڈیپارٹمنٹ میں ضرور ڈیوٹی کرتا تھا۔اور ایمرجنسی میں تو بے شمار ہوتے تھے۔جونرسز کی ڈیوٹیز تھیں۔مگر یہاں ڈاکٹر عاشر کے ڈیپارٹمنٹ میں چندا رش نہیں تھا، یہاں دن کے وقت بھی سکون ہوتا تھا، کومے کے پیشنٹ بہت کم ہوتے تھے، نہ ہونے کے برابر تھے۔نرسز اپنے سارے کام ختم کرکے اپنے رومز میں جا چکی تھی۔اب وہ یا تو صبح نکلتی تھی۔یا اگر کوئی ایمرجنسی ہوتی، تب باہر آتی تھی۔روہا بھی کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرکے بے فکری سے صوفے پر سو چکی تھی اور ڈاکٹر عاشر بار بار گھڑی کی سوئیوں کو دیکھ رہا تھا۔اس کے اندر جیسے بے چین سی روح بھر چکی تھی۔ اسپتال کے اس طرف بالکل گہری خاموشی تھی۔کچھ بھی نہیں تھا۔وہ اپنے روم سے باہر نکلا۔اب اس کا رخ میڈیسن روم کی طرف تھا، وہاں پہنچ کر اس نے نشے کی دوا اٹھائی، اور رومال پر مل دی۔یہ روہا کے لیے تھا، جو شیطانی کام وہ کرنا چاہ رہا تھا۔وہ روہا کی موجودگی میں نہیں کرسکتا تھا۔وہ کسی بھی وقت جاگ سکتی تھی۔اب وہ کوریڈور میں بہت سلو قدم اٹھا رہا تھا۔اس کے ایک ہاتھ میں رومال تھا۔جو نشے کی دوا سے بھرا تھا۔اور دوسرے ہاتھ میں کمرے کی چابی تھی۔کچھ دیر بعد وہ دروازے پر رک گیا۔اس نے بہت آہستہ بنا آواز پیدا کیے، دروازے میں چابی ڈال دی اور ہینڈل گھمایا۔بنا آواز کے بہت آرام سے اس نے دروازہ کھول دیا۔اب وہ کمرے کے اندر تھا۔اس نے اسی طرح آہستہ سے دروازہ بند کردیا۔

☆.....☆.....☆

''ڈیڈ۔۔۔!! آپ سمجھ نہیں رہے ہیں۔۔۔!! اگر آپ نے جلتے گلاب کو سمندر برد کردیا۔۔۔!! تو میں بھی ختم ہوجاؤں گا۔۔۔!! جس امید پر میں زندہ تھا۔۔۔!! وہ یہ جلتے گلاب کا پودا تھا۔۔۔!! اللہ جب کسی کو کسی کے سامنے سچائی بیان کرتا ہے۔تو ایسے کھلی آنکھوں سے سب کچھ دکھا دیتا

ہے۔۔۔!! آپ نے کیا سمجھا تھا۔ میں کبھی کچھ نہیں جان پاؤں گا۔۔۔!!'' زین کہہ رہا تھا۔

''تم، اس جلتے گلاب کے لیے مجھ پر گولی چلانا چاہتے ہو۔۔۔!! تو چلاؤ۔۔۔!! میں بھی پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔۔۔!! تم ایک نئی تاریخ رقم کرنا چاہتے ہو، تو کردو۔ کل زمانہ کہے گا۔ ایک بیٹے نے باپ کو مار ڈالا، تو تمہارا کیا جواز ہوگا؟ یہ جلتے گلاب کا پودا۔ سب تم پر لعنت ملامت کریں گے، اور تمہاری مام کا کیا ہوگا؟'' ابرار احمد سینہ تان کر کہہ رہے تھے۔

''ڈیڈ۔۔۔!! ان سے کہیں کہ رک جائیں۔۔۔!! آئی سوئیر۔۔۔!! میں گولی مار دوں گا۔۔۔!!'' زین چیخ رہا تھا۔ زین کی آنکھیں کانپ سی رہی تھیں۔

''تو چلا دو۔۔۔!! میں بتا چکا ہوں۔۔۔!! اس گلاب کے پودے کو حاصل کرنے کے لیے تمہیں میری لاش پر سے گزرنا ہوگا۔۔۔!! میں ان کو روکنے والا نہیں ہوں۔'' ابرار احمد اب قدم قدم اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ زین نے پستول کا رخ اپنی کنپٹی پر لگا دیا۔

''ڈیڈ۔۔۔!! اگر آپ میری طرف مزید ایک قدم بڑھے۔۔۔!! یا ان دونوں کو نہیں روکا۔۔۔!! تو میں اپنی جان لے لوں گا۔۔۔!!'' زین نے باپ کو دھمکایا۔ ابرار احمد جو اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ اس نے دیکھا۔ زین کی تمسخر اڑاتی آنکھوں میں اب صرف حیرانی تھی۔ زین بالکل ساکت ہو چکا تھا اور ابرار احمد نوری اور سانول کو دیکھ رہے تھے۔ جو ساحل سمندر کے قریب پہنچ چکے تھے۔ زین نے ٹریگر پر انگلی کا دباؤ مزید بڑھا دیا۔

''زین۔۔۔!! تم مجھے ایسے بلیک میل نہیں کر سکتے۔۔۔!! تم ایسا نہیں کر سکتے؟ اگر تم نے ایسا کیا تو میں مر جاؤں گا۔'' ابرار احمد کا لہجہ سراسر بدل چکا تھا۔ وہ زین سے اب میٹھے لہجے میں بات کر رہے تھے۔

''ڈیڈ۔۔۔!! جب آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔۔۔!! تو میں بھی کر سکتا ہوں۔۔۔!! میں بتا رہا ہوں۔۔۔!! میں خود کو ختم کر دوں گا۔۔۔!! میں اپنی جان لے لوں گا۔۔۔!! پھر ساری زندگی، اس دولت کو پوجتے رہنا۔۔۔!! جس کے لیے آپ نے میری زندگی تباہی کے دہانے پر لا کر کھڑی کر دی ہے۔۔۔!!'' زین نے نتھنے پھلائے۔ وہ جیسے رو رہا تھا۔ ابرار احمد نفی میں گردن ہلا رہے تھے۔ اچانک فائر کی آواز گونج اٹھی۔ ابرار احمد کے ہاتھوں کے طوطے جیسے اڑ گئے۔ زین لہرا کر گر گیا۔ اور ابرار کا منہ کھلا، اور حواس باختہ ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے، ڈاکٹر عاشر آہستہ سے اندر جانے لگا۔ اب وہ روہا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ روہا صوفے پر سوئی ہوئی تھی، وہ آہستہ آہستہ روہا کی طرف بڑھا، اور نشہ آور دوا سے بھرا ہوا رومال اس کے منہ پر رکھ دیا۔ وہ ہلکی سی ایک لمحے کے لیے کسمسائی، اور پھر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ ہوتی چلی گئی۔ اب ہلکے نیم اندھیرے میں ڈاکٹر عاشر کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ اس کی خباثت بھری مسکراہٹ بہت ہی عجیب سی لگ رہی تھی۔ اب وہ قدم قدم سوہا کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سوہا بہت معصوم سی سوئی ہوئی تھی، وہ ہر چیز سے بے خبر لگ رہی تھی۔ ڈاکٹر عاشر اب اس کے سرہانے کھڑا تھا پھر وہ مسکرایا اور اس نے ناک سوہا کے وجود سے قریب کر دی، اور لمبی لمبی سانسیں لیں۔ اس کے اندر گلاب کے پھولوں کی خوشبو رچ بس گئی، اب وہ بار بار ایسا ہی کر رہا تھا۔ وہ ایسا کرتے ہوئے عجیب سی مدہوشی کا شکار ہو رہا تھا۔

''آج ملن کی رات آ ہی گئی ہے۔'' ڈاکٹر عاشر نے سوہا کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

☆.....☆.....☆

زین نے گولی چلا دی تھی، اگلے لمحے میں زین جیسے لہرا کر گر گیا تھا، ابرار احمد اس کی طرف دوڑ پڑے۔ ان کی آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں۔ سانس جیسے پھول رہی تھی اور ہاتھ پاؤں کام کرنا چھوڑ چکے تھے۔ زین

ساکت پڑا تھا۔پستول ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔وہ بالکل ساکت پڑا ہوا تھا۔اور ابرار احمد اس کے پاس پہنچ چکے تھے۔وہ گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئے۔انہوں نے زین کو اپنی گود میں بھرلیا اور دھاڑیں مار، مار کر چیخنا شروع کردیا۔اندھیرا تھا۔صاف نظر نہیں آرہا تھا۔

''زین، میرے جگر کے ٹکڑے، یہ تو نے کیا کردیا۔۔۔!!تو نے اپنے باپ کو برباد کر ڈالا۔اسے ہرانے کے لیے اپنی ہی جان لے لی۔ہائے میں تو برباد ہوگیا۔۔۔!!میں جیتے جی مرگیا۔۔۔!!'' وہ رو رہے تھے۔اندھیرے میں انہیں صاف نظر بھی نہیں آرہا تھا۔ زین کی گردن ڈھلک گئی تھی، ابرار احمد اس کا ماتھا چوم رہے تھے۔

''زین۔۔۔!!یہ تم نے کیا کردیا۔۔۔!!کیا کردیا۔۔۔!!خدا کے لیے اٹھ جاؤ۔۔۔!!جو تم چاہو گے۔۔۔!!وہی کروں گا۔۔۔!!مجھے اس دنیا سے کچھ بھی نہیں چاہیے۔۔۔!!کچھ بھی نہیں۔۔۔!!میں تمہیں تمہاری ساری خوشیاں لوٹادوں گا۔۔۔!!میں تم سے کہہ رہا ہوں تم اٹھ جاؤ۔تم اپنی ساری خوشیاں پالو گے۔۔۔!!'' زین کے چہرے پر ان کا بھل بھل آنسو گر رہا تھا۔زین کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو رہا تھا۔نوری سانول بھی فائر کی آواز سن کر رک چکے تھے۔ان کے قدموں سے سمندر کا پانی ٹکرا رہا تھا۔وہ مڑ کر دیکھنے لگے تھے، جلتے گلاب کا پودا وہ ساحل سمندر پر رکھ چکے تھے، جو ابھی تک جل رہا تھا۔سانول نے نوری کو دیکھا، اس نے گملے کا کنڈا چھوڑ دیا۔گملہ زمین پر ایک طرف سے جھک گیا، نوری نے بھی دوسری طرف والا کنڈا چھوڑ دیا۔اب جلتے گلاب کا پودا زمین پر پڑا ہوا تھا اور سانول اور نوری ابرار احمد کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان دونوں کے قدموں تک سمندری لہریں آگئی تھیں۔

''یہ میں نے کیا کردیا؟ یہ مجھ سے کیا ہوگیا ہے؟ کتنی بڑی ہار میرے مقدر میں ٹھہری ہے۔زین اگر تم نہیں رہے۔تو میں مرجاؤں گا۔بیٹا۔۔۔!!اٹھ جاؤ۔۔۔!!میں تو کچھ کرنے کے قابل تک نہ ٹھہرا۔میں تو سوچ رہا تھا۔تم مجھے مار ڈالو گے۔۔۔!!یہ تم نے کیا ستم کردیا۔جسے میں سہ نہیں سکتا ہوں۔تمہاری ماں تو جیتے جی مرجائے گی۔تمہارا سب کچھ جاننے کے بعد تو میں مرجانا چاہتا تھا۔میں نے تمہارا بھروسہ توڑا تھا۔میں خود تمہارے ہاتھوں گولی کھانا چاہتا تھا۔زین یہ تم نے کیا کردیا۔کیا کردیا؟'' ابرار احمد خود کو غصے سے پیٹنے لگا۔نوری اور سانول تک اس کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔

''زین کاش۔۔۔!!تم مجھے ایک موقع دے تو دیتے۔۔۔!!کاش۔۔۔!!میں سب کچھ ٹھیک کردیتا۔۔۔!!اب مجھے بھی جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔میں بھی اسی پستول سے مرجانا چاہتا ہوں۔میں تمہارے بعد تمہاری ماں کا سامنا کیسے کروں گا؟'' انہوں نے زین کے ہاتھ سے پستول لینی چاہی، مگر اس پر زین کی گرفت مزید مضبوط ہوگئی، زین جو ابرار احمد کی گود میں تھا۔اچانک اس کے لب ہلے، وہ مسکرا اٹھا، اب ایک دم جھٹکے سے اس نے آنکھیں کھول دیں۔اور بالکل سیدھا ہوگیا۔

ابرار احمد حیرانگی سے اسے دیکھنے لگے۔زین اب کھڑا ہو رہا تھا۔اپنے کپڑے جھاڑ دیے۔اور ابرار احمد سے جدا ہوگیا۔ابرار احمد پر جیسے سکتہ طاری ہوچکا تھا۔وہ جیسے رونا بھول چکے تھے۔

''ڈیڈ۔۔۔!!آپ کو آئینہ دکھانا بہت ضروری ہوگیا تھا۔۔۔!!گولی میں نے خود کو نہیں ماری تھی۔صرف۔۔۔!!مارنے کی اداکاری کی تھی۔۔۔!!آخر میں ایک اداکار بھی تو ہوں نا۔۔۔!!گولی چھو کے میرے کان کے پیچھے چلی گئی تھی۔۔۔!!میں جسٹ ایکٹ کر رہا تھا۔۔۔!!صرف ایکٹ۔۔۔!!میری کامیاب اداکاری کے پیچھے تو لوگ دیوانے ہیں۔۔۔!!'' ابرار احمد کا سکتہ ٹوٹ گیا اور وہ اٹھ کر روتے ہوئے زین کے گلے سے لگ گئے۔وہ اسے بے تحاشا چوم رہے تھے۔

☆.....☆.....☆

[illegible] وہ بھانپ گیا،اس نے سوہا کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے شروع کردیئے۔سوہا کی آنکھوں میں اچانک آنسو بھر گئے۔اور اس کے رخساروں پرموتی کی لڑیوں کی مانند بہتے چلے گئے۔

''اوہ۔۔۔!!تم محسوس کرسکتی ہو۔۔۔!!مگر کچھ کر نہیں سکتی ہو۔۔۔!!شاید تم مجھے سن سکتی ہو۔۔۔!!نہیں یقیناً۔۔۔!!تم مجھے دیکھ بھی سکتی ہو۔۔۔!!مگرتم مجھ سے خود کو بچا نہیں سکوں گی۔۔۔!! ویسے تم نے وہ کہانی سنی ہے۔۔۔!!جس میں ایک شہزادی جادوئی نیند سوجاتی ہے،اور ایک راکشش،شہزادے کا روپ دھار کر اس کو دیکھنے آجاتا ہے،اور اس پر عاشق ہوجاتا ہے۔مگر اس درندہ نما شیطان سے صبر نہیں ہوتا ہے۔وہ شہزادی کے ساتھ زیادتی کرتا ہے۔اوراس کے وجود میں نئی زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔اس کے وجود میں دو زندگیاں شامل ہوجاتی ہیں۔اور پھراس کام کی وجہ سے جادوئی نیند سے وہ بیدار ہوجاتی ہے۔میں بھی تمہیں بیدار کرنے کے لیے آگیا ہوں۔وہ ہماری کہانی تھی۔ڈیول اینڈ پرنسز۔۔۔!!''ڈاکٹر عاشر کا خوبصورت چہرہ اس وقت بہت بھیانک لگ رہا تھا۔جیسے وہ کوئی قبیح شیطان کا چہرہ ہو۔اچانک وہ سوہا پر جھک گیا۔اوراس کے گردن پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔اس نے سوہا کو چومنا شروع کردیا۔سوہا کے آنسودھڑا دھڑ بہتے چلے گئے۔

☆......☆......☆

زین کو گلے سے لگا کر ابرار احمد روئے جارہے تھے،باپ بیٹے نے جیسے اپنی اپنی ضد چھوڑ دی تھی،ابرار احمد کی آنکھیں سرخ ہوچکی تھیں۔نوری اور سانول اس منظر کو دیکھ کر مسکرانے لگے تھے۔اچانک سانول کی نظریں جلتے گلاب کے پودے پر ٹک گئیں۔اس کو حیرانگی ہوئی،اس نے نوری کا ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑا اور اس کی توجہ جلتے گلاب کے پودے کی طرف کرائی۔نوری نے اسے اشارے سے''کیا ہے۔'' پوچھا۔ہاتھ کے اشارے سے سانول نے جلتے گلاب کا اشارہ کردیا۔جلتے گلاب کے اندر آگ میں تینوں پھولوں میں سوہا کا چہرہ نظر آرہا تھا۔اس کے قریب کوئی کھڑا تھا،جو بیک سائیڈ سے نظر آرہا تھا۔جواس کے قریب کھڑا تھا۔اوراس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔وہ اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔وہ شرٹ لیس نظر آرہا تھا۔جلتے گلاب کے پودے میں آگ مزید تیزی سے دہکنے لگی۔جیسے وہ پودا شدت سے جل رہا ہو۔

''یہ لڑکی تو مصیبت میں ہے؟کوئی اس کے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کررہا ہے۔۔۔!!''سانول نے نوری سے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔۔۔!!جلدی سے جلتے گلاب کا پودا زمین کے اندر دابنا چاہیے۔۔۔!!ورنہ یہ لڑکی مرجائے گی۔۔۔!!تمہیں تو یاد ہوگا۔بڑے سرکار نے ایسا ہی کہا تھا۔''

''مگر ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔۔۔!!''سانول بہت گھبرا گیا تھا۔اسے نئی فکر لگ گئی تھی۔

اسی ساحل سمندر کے ساحل پر گڑھا کھود کر اس کو ریت میں دفن کردیتے ہیں۔جونہی یہ دفن ہوجائے گا۔۔۔!!جلتے گلاب کا پودا بجھ جائے گا۔۔۔!!اوراس میں قید روح کو آزادی مل جائے گی۔اورسیدھی اپنے جسم میں چلی جائے گی۔۔۔!!''سانول نے جلدی سے کہا،نوری جلتے گلاب کے پودے کو دیکھ رہا تھا۔جس میں وہ لڑکا سوہا سے جیسے کچھ کہہ رہا تھا۔اس کی نیت سے صاف ظاہر ہورہا تھا۔وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔

''رک۔۔۔!!کہیں سائیں ناراض نہ ہوجائیں۔۔۔!!ہمیں ان کو بتانا چاہیے۔۔۔!!ان کے مزاج کا کچھ پتہ نہیں چلتا ہے۔۔۔!!''نوری نے اس کو آگاہ کردیا۔سانول بھاگتا ہوا،ابرار اور زین کی طرف آنے لگا۔ابرار زین کے گلے سے لپٹا ہوا اس کے کندھے پر اپنے آنسو گرار ہے تھے۔اب وہ اسے کسی بچے کی طرح بے ساختہ چوم رہے تھے۔زین کے شرٹ میں

باپ کے آنکھوں کے سارے آنسو جذب ہوگئے تھے۔

''سائیں۔۔۔!! سائیں۔۔۔!! سائیں۔۔۔!!'' نکلنے کی اس کے جسم میں چلی جائے گی۔ اور وہ جاگ بھاگتا ہوا چیختا ہوا ان کے پاس آرہا تھا۔ ابرار احمد زین سے جدا ہوگئے اور ناسمجھی سے سانول کو دیکھنے لگا۔

''سانول کیا بات ہے؟'' ابرار احمد نے اسے حیرانگی سے دیکھا۔

''سائیں۔۔۔!! جلتے گلاب میں جو لڑکی قید ہے۔۔۔!! اس کی زندگی خطرے میں ہے۔۔۔!! کیا کریں؟ اس کے ساتھ کوئی زبردستی کرنا چاہتا ہے۔ وہ لڑکی تو بے بس ہے۔ کچھ نہیں کرسکتی ہے۔ اگر اس کے ساتھ زیادتی ہوگئی، تو وہ مرجائے گی۔'' سانول نے ایک ہی سانس میں بے صبری سے بتایا۔ زین اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آگ سی نظر آئی، وہ شدید غصے میں تھا۔

''کیا بکواس کررہے ہو؟ کیسے سوہا کی زندگی خطرے میں ہوسکتی ہے؟ ابھی تو سب ٹھیک ہورہا تھا۔ ڈیڈ یہ پاگل انسان کیا بکواس کیے جارہا ہے۔'' زین نے بے صبری سے تیز لہجے میں اسے سنایا۔

''سائیں۔۔۔!! جلتے گلاب میں، اس لڑکی کے پاس کوئی لڑکا نظر آرہا ہے۔۔۔!! اور اس لڑکی کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے ہیں۔۔۔!! بڑے سرکار نے صاف کہا تھا۔ اگر کوے کی حالت میں لڑکی ہوں گی۔۔۔!! اور کوئی اس سے زبردستی کرنے کی کوشش کرے گا، تو وہ مرجائے گی۔ یہ گلاب کا پودا خود بخود بجھ جائے گا۔'' سانول نے اسے ایک ہی سانس میں ساری بات سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں کچھ نہیں جانتا ہوں۔۔۔!! مجھے سوہا کسی بھی حالت میں بالکل ٹھیک ٹھاک چاہیے۔۔۔!! ورنہ میں اپنی جان لے لوں گا۔۔۔!! ان سب کو روکنے کا کوئی تو حل ہوگا؟'' زین پوری قوت سے چیخا۔

''سائیں۔۔۔!! ہم یہاں ساحل سمندر کے ریت میں جلتے گلاب کا پودا دفن کر دیتے ہیں۔۔۔!! جیسے ہی پودا ریت میں دفن ہوجائے گا۔ یہ خود بخود بجھ جائے گا۔ اس میں سے اس لڑکی کی قید روح اس کے جسم میں چلی جائے گی۔ اور وہ جاگ جائے گی۔ پھر کوئی زبردستی اس کے ساتھ نہیں ہوسکے گی۔ وہ اپنا بچاؤ کرسکے گی۔'' سانول نے بتایا۔

''تو جاؤ، میرا منہ کیا تک رہے ہو۔ فوراً جلتے گلاب کا پودا زمین میں دبادو۔۔۔!! میں مزید یہ تماشا نہیں دیکھنا چاہتا۔۔۔!! ڈیڈ میں بتا رہا ہوں۔ اگر سوہا کی عزت پر ذرا بھی آنچ آئی، تو میں سارے زمانے کو جلا کر خاکستر کردوں گا۔'' زین نے دہاڑ کر کہا، تو سانول بھاگتا ہوا نوری کے پاس جانے لگا۔

''ڈیڈ۔۔۔!! سوہا کی زندگی خطرے میں ہے۔۔۔!! میں اسے بچانا چاہتا ہوں۔۔۔!! میں اس شخص کو نہیں چھوڑوں گا۔۔۔!! جو سوہا کی زندگی برباد کرنا چاہتا ہے۔۔۔!! بس اس وقت، اس کی زندگی بچانے میں میری مدد کریں۔۔۔!!'' اب زین تیزی سے جلتے گلاب کی طرف جارہا تھا۔ اس کے پاؤں میں جیسے پہیے لگ چکے تھے۔ وہ جلتے گلاب کے پاس تیزی سے جارہا تھا۔ اب وہ جلتے گلاب کے پاس کھڑا تھا۔ اور گلاب کے پودے میں تینوں لگے گلاب کے پھولوں کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ زین کو انتہائی شدید غصہ آیا ہوا تھا۔ سوہا کے پاس کوئی کھڑا تھا۔ جو اس پر جھکا ہوا تھا۔ وہ شخص شرٹ لیس تھا۔ اس نے چند گہری سانسیں لیں۔ جیسے وہ سوہا کی وجود کی خوشبو اپنے اندر اتار رہا ہو۔ اب وہ سوہا کی طرف جیسے خمار آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سانول گاڑی کی طرف چلا گیا۔ گاڑی کی ڈگی میں پھاوڑا پڑا ہوا تھا، وہ تیزی سے گاڑی سے پھاوڑا نکال کر اسی طرف آرہا تھا۔ ساحل سمندر پر ریت بہت نرم تھی، سانول اور نوری نے خشکی پر گڑھا کھودنا شروع کردیا۔ زین نے جلتے گلاب کو چھوا۔ اب اسے کوئی کرنٹ نہیں لگا۔ جلتے گلاب کی حقیقت آشکار ہوچکی تھی۔ اس لیے اسے کچھ کرنٹ نہیں لگا تھا۔ وہ بھی بیٹھ کر پاگلوں کی طرح گڑھے سے ریت ہٹانے لگا تھا۔ اس نے اٹھ کر کدال جلتے گلاب کے گملے پر مار دیا، اسی لمحے

گملا ٹوٹ گیا۔ زین نے جلتے گلاب کے پودے میں دیکھنا شروع کردیا، اچانک جلتے گلاب میں سوہا کے بھل بھل آنسو گرنے لگے اور وہ ظالم انسان نے بے بس لاچار سوہا کے گردن پر ہونٹ رکھ دیئے۔ وہ اسے بے تحاشا چومنے لگا تھا۔ اس پر جیسے جنون طاری ہوچکا تھا۔

''میں اس شخص کو جان سے مار ڈالوں گا۔۔۔!! آئی ایم کل یو بلڈی راسکل۔۔۔!!'' زین کی چیخ کی بازگشت اس ویرانے میں گونجتی چلی گئی۔ سانول اور نوری مزید تیزی سے ہاتھ چلانے لگے۔ ان لوگوں نے جلتے گلاب کے گملے والی مٹی ہٹانی شروع کردی۔ اور مٹی کو گڑھے میں ڈال کر اس پر مٹی، اور ریت ڈالنا شروع کردیا۔ زین کے ہاتھ بہت تیزی سے یہ کام کررہے تھے۔ جیسے ہی ان لوگوں نے وہ جگہ برابر کردی۔ جلتے گلاب ریت میں دفن ہوتے ہی جلدی سے بجھ گیا۔ اس میں سے سفید دھواں باہر نکلا۔ وہ دھواں کسی کو نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ سوہا کی روح تھی۔ جو بہت تیزی سے سیکنڈ کے ہزاروے حصے میں وہاں سے گم ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

وہ روح اسپتال کے اس کمرے میں نمودار ہوئی، سوہا کے سانسوں سے ہلکے گلابی رنگ کا دھواں باہر نکل رہا تھا۔ جیسے ہی وہ نیم گلابی دھواں نکل آیا، اسی لمحے فوراً وہ سفید روح کا دھواں اس کے اندر جارہا تھا۔ جیسے ہی وہ سارا دھواں سوہا کے جسم میں گیا۔ اسی لمحے ڈاکٹر عاشر نے اس کے ناک پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔ دوسرے لمحے وہ بیڈ پر آچکا تھا۔ تیسرے لمحے میں سوہا نے اپنی دونوں آنکھیں کھول دی تھیں۔ اور جیسے ہی ڈاکٹر عاشر اس کے اوپر گرا۔ سوہا نے دونوں ہاتھوں اور اپنی پوری قوت جمع کرکے، اسے ایسا مضبوط دھکا دیا تو وہ بیڈ سے نیچے اوندھے منہ گر گیا۔ دو تین لمحوں تک تو وہ سنبھل بھی نہیں سکا تھا۔

''آء۔۔۔!! آء۔۔۔!! آء۔۔۔!!'' اگلے لمحے سوہا نے پورے کمرے کو سر پر اٹھالیا۔ وہ بیڈ پر بیٹھ چکی تھی۔ پھر وہ بیڈ سے اٹھ کر دروازے کی طرف بھاگی۔ اس نے ہینڈل پر جیسے ہی ہاتھ رکھا تو وہ اگلے لمحے میں کھلتا چلا گیا۔ وہ اب کمرے سے باہر تھی۔

''آء۔۔۔!! آء۔۔۔!! آء۔۔۔!!'' بچاؤ۔۔۔!!'' وہ پوری شدت سے کوریڈور میں بھاگتی ہوئی چیخ رہی تھی۔ نرسز اپنے روم سے باہر آگئیں اور باہر ڈیپارٹمنٹ کے سامنے بیٹھا ہوا سیکوریٹی گارڈ بھی آچکا تھا۔ سیکوریٹی گارڈ کو دیکھ کر وہ فوراً ان کی طرف بڑھی۔ اندر سے ڈاکٹر عاشر بھی نکل آیا تھا۔ نرس سوہا کو کومے سے باہر نکلتا دیکھ کر خوش ہورہی تھیں۔ مگر کمرے سے ڈاکٹر عاشر کو نکلتا دیکھ کر پریشان ہوگئی تھی۔ وہ ابھی تک شرٹ لیس تھا۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

''یہ میرے ساتھ زبردستی کرنا چاہ رہے تھے۔ میری عزت سے کھیلنے کے لیے آئے تھے۔۔۔!! میں ان کو معاف نہیں کروں گی۔۔۔!!'' سوہا نے سیکوریٹی گارڈ سے کہا، اس نے اپنا رائفل عاشر کی طرف کردیا۔ وہ شرٹ لیس تھا۔ نرس تسلی کے لیے سوہا کے پاس چلی آئی، اس نے ایمرجنسی ملایا اور پولیس، اسٹاپ کو بلانے کا فیصلہ کرلیا۔

☆......☆......☆

نوری اور سانول، زین کو سوہا کے اسپتال کے بارے میں سب کچھ بتا چکے تھے۔ اب زین گاڑی میں بیٹھا، بہت تیزی سے ان کے ساتھ اسپتال جارہا تھا۔ رات کے اس وقت سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر بھی تھا۔ وہ بہت تیز رفتاری سے ڈرائیو کررہا تھا۔ ابرار احمد کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ اب وہ بھی سوہا کو بچانا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان میں اب زین کا کھونے کا حوصلہ نہیں تھا۔ اسپتال اچھا خاصہ دور تھا۔ سانول اور نوری بھی بالکل خاموش تھے، سارے راستے میں ان میں کوئی بات ہی نہیں ہوتی رہی تھی، بس سڑک پر ان کی گاڑی بہت زیادہ تیز رفتاری سے جارہی تھی۔

''زین۔۔۔!! بیٹا، آہستہ گاڑی چلاؤ۔۔۔!! کہیں ایکسیڈنٹ نہ ہوجائے۔۔۔!!'' ابرار احمد نے زین سے آہستہ آواز میں کہا۔

''ڈیڈ۔۔۔!! اس وقت مجھے صرف سوہا کی فکر ہے۔۔۔!! اگر اسے کچھ بھی ہوا، تو میں اس دنیا کو آگ لگا دوں گا۔۔۔!! مجھے اس سے تیز گاڑی ڈرائیو کرنی چاہیے۔۔۔!! مجھے جلد سے جلد سوہا تک پہنچنا ہے۔۔۔!!'' زین نے گاڑی کی اسپیڈ سوئی کو دیکھا، وہ آخری ہندسے پر رکی ہوئی تھی۔ ابرار احمد نے کچھ بھی نہیں کہا۔

گاڑی اسپتال کے سامنے رک گئی، زین دوڑتا ہوا گاڑی سے باہر نکل کر اسپتال کی عمارت کی طرف جانے لگا۔ اب وہ پرائیویٹ رومز کی طرف جا رہا تھا۔ چوکیدار ڈیپارٹمنٹ کے باہر بیٹھا ہوا سو رہا تھا۔ زین کے پیچھے ابرار احمد، اور سانول، نوری بھی بھاگ رہے تھے۔ اس نے جیسے ہی کوریڈور میں قدم رکھا۔ وہاں پیشنٹ یونیفارم میں اسے سوہا دکھائی دی۔ وہ سیکوریٹی گارڈ کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ وہ کانپ رہی تھی۔

''سوہا۔۔۔!!'' زین نے اسے پکارا۔

''زین۔۔۔!! شکر ہے کہ تم آگئے۔۔۔!! ورنہ۔۔۔!! تمہاری سوہا مرنے والی تھی۔۔۔!!'' سوہا نے جب مڑ کر زین کو دیکھا، تو بھاگتی ہوئی اس کے پاس چلی آئی۔ اور شدت سے اس کے گلے سے لگ گئی۔

''سوہا کیا ہوا ہے؟ اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا ہے؟ مجھے بتاؤ گھبراؤ مت۔۔۔!!'' زین نے اسے اپنے سامنے کرتے ہوئے کہا، دونوں ہاتھوں کا پیالہ بنا کر اس کے چہرے کو اس میں پکڑ لیا۔ سوہا پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''اس شیطان نے میری عزت سے کھیلنے کی کوشش کی ہے۔۔۔!! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میری عزت محفوظ رہی۔'' زین نے سوہا کو چھوڑا، اور ڈاکٹر عاشر کی طرف چلا گیا۔

''بد ذات۔۔۔!! شیطان تیری یہ جرأت۔۔۔!! میں تیرا وہ حشر کروں گا کہ ساری زندگی تو یاد رکھے گا۔۔۔!!'' زین نے اس کو بالوں سے پکڑ کر جھٹکا دے کر گرایا۔ اور اس کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا۔ اور کئی مکے اس کے جبڑے پر مار دیئے۔

''تو اپنا چہرہ پہچاننا بھول جائے گا۔۔۔!! تو نے کیا سمجھ رکھا تھا۔۔۔!! تو کچھ بھی کر گزرے گا۔۔۔!! زین کا سارا غصہ اس کی آنکھوں میں جیسے اتر آیا تھا۔ اس نے اس کے سر سے اپنا سر مارا۔ اور پھر تو جیسے اس پر جنون طاری ہو گیا۔ وہاں ابرار احمد آ گئے۔

''زین۔۔۔!! اسے چھوڑ دو۔۔۔!! یہ مر جائے گا۔۔۔!!'' ابرار احمد نے بیٹے کو روکنے کی کوشش کی۔

''نہیں ڈیڈ، چھوڑیئے مجھے۔۔۔!! آج مجھے ایک خون کر لینے دیں۔۔۔!!'' زین نے ابرار احمد کا ہاتھ اپنے کندھے سے ہٹایا، اور ڈاکٹر عاشر کو ایک بھرپور مکا رسید کر دیا۔ وہ کئی قدم پیچھے چلا گیا، اور گر گیا۔

''زین۔۔۔!! میں تمہیں کسی کا قتل کرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔۔۔!! اس کو حوالہ پولیس کیا جائے۔۔۔!!'' سوہا نے دوڑ کر زین کو پکڑ لیا۔ ابرار احمد دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

''سوہا۔۔۔!! ایک شرط پر اسے چھوڑ سکتا ہوں۔۔۔!!'' زین نے سوہا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''کیا؟ کیسی شرط؟'' سوہا گھبرا سی گئی۔ اور اسے حیرانگی سے دیکھنے لگی۔ زین نے اپنی بیلٹ اتار کر سوہا کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہا۔

''یہ لو۔۔۔!! اور اب تم اسے مارنا شروع کر دو۔۔۔!! ورنہ یہ میرے ہاتھوں ضائع ہو جائے گا۔۔۔!!'' سوہا نے زین کے ہاتھ سے بیلٹ پکڑ لیا اور ڈاکٹر عاشر کے پاس آ کر رک گئی، وہ نیچے دیکھ رہا تھا۔ سوہا نے اسے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا، مگر مارا نہیں، بیلٹ زمین پر گرا دیا۔

''نہیں۔۔۔!! زین۔۔۔!! یہ اس وقت ایک شیطان ہی سہی۔۔۔!! مگر یہ کبھی میرا مسیحا تھا۔۔۔!! میرا علاج کر رہا تھا۔۔۔!! اس کو سزا قانون دے گا۔۔۔!! تم اسے چھوڑ دو اور پولیس کو فون

کرو۔۔۔!!'' سوہا نے زین سے کہا۔ زین پولیس کو فون کرنے لگا۔ سوہا اندر روم میں چلی آئی۔ وہ روہا کو جگانا چاہ رہی تھی۔ مگر وہ بے ہوش تھی۔

☆.....☆.....☆

پولیس نے ڈاکٹر کو حراست میں لے لیا اور تحقیقات شروع کر دیں، سی سی ٹی وی فوٹیج سے صاف ظاہر تھا۔ ڈاکٹر عاشر سوہا کی عزت پر ڈاکا ڈالنے کے لیے اس کے روم میں گیا تھا۔ مگر بری طرح سے ناکامیاب ٹھہرا۔ اس وارڈ میں ایمرجنسی نافذ ہوگئی تھی۔ اسپتال کے بڑے بڑے ڈاکٹروں کو خبر پہل چکی تھی۔ وہ آنے والے تھے۔ بہت سارے دوسرے ڈیپارٹمنٹس کے اکا دکا لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر عاشر کو شرٹ پہننے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ اس کا کیریئر تو یہاں بس ڈسٹرائے ہی ہو چکا تھا اور شاید کسی دوسرے اسپتال میں ایسے بدنام، ناقابل کردار ڈاکٹر کو رکھا جانے کا سوچا جا سکتا تھا۔ فی الحال تو اسے سلاخوں کے پیچھے لے جایا گیا۔ ڈاکٹر عاشر نے کچھ بھی نہیں کہا۔ نہ اس جرم کا اقرار کیا، نہ انکار کیا۔ مگر روہا بے ہوش تھی اور ڈاکٹر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کو نیشلی دوا بھاری مقدار میں دی گئی تھی۔ سوہا کا بیان بھی لے لیا جا چکا تھا۔ اس نے پولیس سے ریکویسٹ کر کے اس معاملے کو میڈیا سے دور رکھا تھا، اب وہ زین کے ساتھ اسپتال کے کوریڈور میں کھڑی اسے اپنی اس ایک سال کی داستان سنا رہی تھیں اور زین بہت دلچسپی سے سن رہا تھا۔ زین سب کچھ جان چکا تھا۔ اس کی ہمت ہی نہ ہو سکی کہ وہ سوہا کو بتا سکے کہ ان سب کے پیچھے اس کے ڈیڈ ابرار احمد کا ہاتھ تھا۔ اس نے اپنے باپ کا پردہ رکھ لیا تھا اور ابرار احمد کے لیے یہی بہت تھا۔

☆.....☆.....☆

کچھ مہینے بعد

زین اور سوہا کا معاملہ ٹھیک ہو گیا تھا، زین کا رشتہ سوہا سے ہو چکا تھا۔ بڑوں کو بھی ساری خبر ہو چکی تھی۔ شاہ زر نے سوہا کی خوشی دیکھتے ہوئے کچھ اعتراض نہ کیا۔ ابرار احمد شرمندہ تھے۔ آج زین اور سوہا کی شادی ہو رہی تھی۔ شادی ہال کو برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ دونوں خاندان اور شہر کے معزز مہمان اس شادی میں شرکت کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔ جلتے گلاب کی منحوسیت جیسے ختم ہوگئی تھی۔ ان مہمانوں میں ماہ نور بھی بڑی سج دھج کر گھوم پھر رہی تھی۔ آشان، اور کاشان شادی ہال کے باہر پٹاخے پھوڑ رہے تھے۔ اور روہا شادی ہال میں ناچ ناچ کے تھک رہی تھی۔ روہا کو اس رات کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ زرتاشہ دلہن کو دیکھ کر واری صدقے ہوئے جا رہی تھی۔ زین اور سوہا اسٹیج پر سج دھج کر بیٹھے ہوئے چپکے چپکے باتیں کیے جا رہے تھے۔ وہاں بہت سارے شوبز کے لوگ موجود تھے۔

''واہ۔۔۔!! تم تو بہت بڑے اسٹار بن گئے ہو؟ مجھے بتایا تک نہیں، تم ایکٹنگ میں آگئے ہو۔۔۔!!'' سوہا نے زین کے کان میں سرگوشی کی۔

''ہاں۔۔۔!! اور اب تمہاری باری ہے۔۔۔!! بہت جلد تم پاکستان کی بہت بڑی سنگر بننے والی ہو۔۔۔!! تمہارا گانا جلتے گلاب بہت جلد ریلیز ہونے والا ہے۔۔۔!! اس میں میں تمہارے ساتھ ماڈلنگ کروں گا۔۔۔!!''

''تمہیں میرا وہ گانا جو میں نے یونی میں گایا تھا۔۔۔!! ابھی تک یاد ہے۔۔۔!!'' سوہا نے اسے دیکھا، اور اسی لمحے فوٹوگرافر نے ان کی فوٹو اتاری۔ زین نے اثبات میں سر ہلایا۔ اور ہنس دیا۔

''سناؤں۔۔۔!! وہ گانا میں کیسے بھول سکتا ہوں۔۔۔!! اس کی وجہ سے تو ہم ملے تھے۔۔۔!! اور بچھڑ بھی گئے تھے۔۔۔!! اور پھر مل گئے۔۔۔!!'' جیسے ہی زین نے کہا، سوہا کھلکھلا کر ہنس دی۔ وہ باتیں کرتے رہے، باتوں کے دوران کافی وقت گزر گیا۔ اب ہال سے رخصتی کا وقت ہو گیا۔ سوہا باپ کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی، اب وہ روہا، اور زوہا سے مل رہی تھیں۔

''کہاں ہے؟ وہ دو چھوٹے شیطان؟'' روتے

روتے اس نے روہا سے پوچھا۔ چھوٹی روہا اس کے گلے سے لگ کر کہہ رہی تھی۔

''وہ دونوں آپی تیری شادی کی خوشی میں پٹاخے پھوڑ رہے ہیں۔۔۔!!'' روہا کی بات سن کر وہ ہنس دی۔ اب وہ گھر جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

دلہن بن کر سوہا پلنگ پر بیٹھی ہوئی تھی، جب کمرے میں زین داخل ہوا۔ اور آ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے سوہا کو جی بھر کر دیکھا۔

''سوہا۔۔۔!! آج کہو!! کیا مانگتی ہو؟ میں تمہیں اپنا سب کچھ دینے کو تیار ہوں۔۔۔!! اگر جان بھی مانگ لو، تو دریغ نہیں کروں گا۔''

''زین۔۔۔!! آپ مجھے مل گئے۔۔۔!! تو بس سب کچھ مل گیا ہے۔۔۔!! ویسے میں کچھ دیر چھت پر جانا چاہتی ہوں؟ وہاں کوئی ہے تو نہیں؟'' سوہا نے معصومیت سے زین کو دیکھا۔ زین ہنس دیا۔

''نہیں۔۔۔!! کوئی نہیں ہے!! آؤ چلیں۔۔۔!!''

زین اٹھا، اس نے سوہا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ اپنا کامدار لہنگا سنبھال کر اٹھ بیٹھی۔

''تمہارے پاس پستول ہے؟ مجھے چاہیے؟'' سوہا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں۔۔۔!! مگر پستول کا کیا کرنا ہے؟'' زین حیران ہو گیا۔ اس نے کمرے کے دراز سے پستول نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

''یار۔۔۔!! اتنی بڑی خوشی ملی ہے۔۔۔!! فائر کرنا تو بنتا ہے نہ۔۔۔!!'' اس کی بات سن کر زین مسکرایا۔ اب وہ دونوں چھت پر آ گئے۔ سوہا کے ہاتھ میں پستول تھا۔

''ویسے فائر کرنا آتا ہے؟ یا ایویں سوشہ مار رہی ہو؟'' زین نے مذاق کیا۔

''آتا تو نہیں ہے۔ تم سکھا دو۔۔۔!!'' سوہا اسے دیکھنے لگی۔ زین نے پسٹل لوڈ کر کے اس کی طرف بڑھایا۔

''اب فائر کرو۔۔۔!! ویسے ڈر تو نہیں لگے گا۔۔۔!!'' وہ مسکرا رہا تھا۔ اور اسے ہی دیکھ رہا تھا، سوہا نفی میں سر ہلا رہی تھی۔ سوہا نے پسٹل پکڑ کر ہوا میں فائر داغ دیا۔

''ویسے گڈ۔۔۔!! نشانہ بازی کے بارے میں کیا خ[illegible]؟'' زین اسے دیکھ رہا تھا، سوہا نے دوبارہ پ[illegible]ڈ کیا، اور فائر کر دیا۔

''نشانہ بازی بھی سیکھ لیں گے۔۔۔!! تم سکھاؤ گے؟'' سوہا نے پسٹل اس کی طرف بڑھایا۔ زین اپنا سر اثبات میں ہلا [illegible] تا۔ اب وہ اسے نشانہ بازی کے بارے میں بتا رہا تھا۔ دونوں فائرنگ کی باتیں کر رہے تھے۔ یہ شاید دنیا کا واحد دلہا تھا، جو شادی کی رات اپنی دلہن کو نشانہ بازی کی مشق کروا رہا تھا اور وہ اس سے سیکھ رہی تھی۔ زین نے ساری گولیاں ہوا میں داغ دیں۔ اور اس کے پیچھے گھوم کر آ گیا، اب وہ سوہا کے پیچھے کھڑا تھا، اس نے سوہا کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کا ہاتھ بالکل سیدھا کر دیا۔ اب دونوں کا ہاتھ سیدھا تھا، زین اور سوہا کے ہاتھ میں پستول تھا۔

''اب نشانہ باندھ لو۔۔۔!! ہاتھ بالکل اسٹریٹ رکھو۔۔۔!! اور جو تمہاری نگاہیں دیکھ رہی ہیں۔۔۔!! اس پر فائر کر دو۔۔۔!!'' سوہا نے نگاہیں سامنے رکھی اور پستول کا رخ اس پر تھا۔ اس نے ٹریگر دبایا، اور کلک کی آواز سنائی دی، کیونکہ پستول خالی تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو مسکرا کر دیکھا۔

''نیکسٹ ٹائم۔۔۔!! بھرے پستول سے نشانہ لینا۔۔۔!!'' تو سوہا نے اثبات میں سر ہلایا۔ یہ دنیا کا پہلا دلہا تھا، جو اپنی دلہن کو شادی کی رات فائر کرنا سکھا رہا تھا۔

سوہا نے خالی پستول زین کے چھاتی پر ٹک کر کے لگایا، اور اسے دیکھ کر مسکرائی۔ زین نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے گولی چلانے کو کہا۔ سوہا اسے کچھ دیر تک دیکھتی رہی۔ پھر اس نے فائر کر دیا۔ مگر پستول خالی تھا۔ وہ دونوں کھلکھلا کر مسکرانے لگے۔

ختم شد

PakistaniPoint
www.pakistanipoint.com